The picture can't be displayed.

محمد ﷺ: ابتدائی ذرائع سے سوانح حیات اردو ترجمہ

ابو بکر سراج الدین، مارٹن لنگز

اردو ترجمہ

پروفیسر ڈاکٹر احمد شفیع

Muhammad

صلی اللہ علیہ وسلم

His Life based on the earliest sources

اردو ترجمہ

"تعارف برائے اردو ترجمہ" **محمد** ﷺ**: ان کی زندگی ابتدائی ماخذات کی روشنی میں**

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے انسانیت کی ہدایت کے لیے انبیاء کو بھیجا اور حضرت **محمد** ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا۔ درود و سلام ہو آپ ﷺ پر جنہوں نے انسان کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم و ہدایت کی روشنی عطا فرمائی۔

زیرِ نظر کتاب دراصل مشہور مغربی مصنف **مارٹن لنگز** (Martin Lings) کی مشہور انگریزی سیرت "**Muhammad: His Life Based on the Earliest Sources**" کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے نہایت **ممتاز** اور **مستند** مانی جاتی ہے کہ اس میں حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کے **واقعات** کو ابتدائی اور معتبر اسلامی تاریخی ماخذات کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے، جن میں **ابن اسحاق، ابن ہشام، طبری** اور دیگر اہم مصادر شامل ہیں۔

- میری کوشش تھی کہ اس عظیم سوانح کو اردو زبان کے قارئین کے لیے آسان اور مؤثر انداز میں **منتقل** کیا جائے تاکہ اردو پڑھنے والے بھی حضور ﷺ کی سیرت کے ان گوشوں سے روشناس ہو سکیں جو شاید انگریزی کی زبان میں ان کے لیے اجنبی ہوں۔
- حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے مستند اور اصل ماخذات پر مبنی مطالعے کو اردو قارئین تک پہنچانا۔
- نوجوان نسل کو سیرتِ طیبہ سے متعارف کروانا، جو زبان کی وجہ سے اکثر مستند کتابوں سے دور رہ جاتی ہے۔
- عشقِ رسول ﷺ کو فروغ دینا اور سیرت سے عملی راہنمائی حاصل کرنا۔
- یہ ترجمہ خالصتاً علمی اور دعوتی مقصد کے تحت پیش کیا گیا ہے۔
- اس کا کوئی تجارتی مقصد نہیں۔
- قارئین سے گزارش ہے کہ اگر کہیں کوئی کمی یا خطا ہو تو بندۂ ناچیز کو مطلع فرما کر اصلاح کا موقع عنایت کریں۔
- اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہم سب کو نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو پڑھنے، سمجھنے اور اپنی زندگیوں میں عملی طور پر اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مترجم

پروفیسر ڈاکٹر احمد شفیع

مصنف کا تعارف

ابو بکر سراج الدین مارٹن لنگز 24 جنوری 1909–12 مئی 2005

ابو بکر سراج الدین، جن کا اصل نام مارٹن لنگز تھا، ایک مشہور برطانوی مصنف، فلسفی اور اسلامی اسکالر تھے۔ وہ 1909 میں انگلینڈ کے علاقے برنھم، بکنگھم شائر میں پیدا ہوئے۔ مارٹن لنگز نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اس دوران ادب اور فلسفے سے گہری دلچسپی پیدا کی۔ ان کی زندگی کا ایک اہم موڑ اس وقت آیا جب وہ قاہرہ، مصر میں رہائش پذیر ہوئے، جہاں انہوں نے عربی زبان اور اسلامی تعلیمات میں دلچسپی لینا شروع کی۔

مارٹن لنگز نے اسلام کو گہرائی سے سمجھنے کے بعد اسلام قبول کیا اور اپنا اسلامی نام "ابو بکر سراج الدین" رکھا۔ وہ تصوف اور اسلامی روحانیت کے خاص طور پر گرویدہ تھے اور انہوں نے اسلامی روایات کو ایک جدید انداز میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

مارٹن لنگز کی کتاب محمد: ان کی زندگی قدیم ترین ذرائع کی روشنی میں (**Muhammad: His Life Based on the Earliest Sources**) کو اسلامی سیرت نگاری میں ایک سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کو مستند تاریخی حوالوں اور معتبر روایات کی بنیاد پر بیان کیا ہے۔ کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلامی سیرت کی روحانی اور انسانی پہلوؤں کو انتہائی گہرائی اور خلوص کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

مارٹن لنگز نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں تصوف، اسلامی فلسفے، اور روحانی موضوعات پر کئی دیگر کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں Sufi Essays اور what is Sufism? شامل ہیں۔ ان کی تحریریں قارئین کو اسلامی تعلیمات کی گہرائی اور خوبصورتی سے روشناس کراتی ہیں۔

2005 میں، مارٹن لنگز 96 سال کی عمر میں انتقال کر گئے، لیکن ان کا علمی ورثہ آج بھی دنیا بھر میں پڑھا جاتا ہے اور ان کی کتابیں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں یکساں مقبول ہیں۔ ان کا کام اسلام اور مغربی دنیا کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کے خیالات اسلامی روحانیت اور تعلیمات کی وضاحت کے لیے آج بھی مشعلِ راہ ہیں۔

.

مترجم کا تعارف

اللہ تعالی کے حضور عاجزی اور احترام کے ساتھ، میں آپ کے سامنے اپنی اس نیت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ میرا مقصد اس کام کو اردو زبان میں منتقل کرنا ہے تاکہ عام لوگوں کو اس سے روحانی سکون اور دلی اطمینان حاصل ہو۔ یہ خالص نیت ان تمام لوگوں کے لیے ہے جو نبی پاک ﷺ سے بے حد محبت کرتے ہیں اور ان کی سیرت اور تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ترجمے کے اس عمل کے دوران، میں نے اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ مواد اپنی اصل کے قریب تر ہو۔ یہ ترجمہ انتہائی احتیاط سے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ کسی بھی غلط فہمی یا تشریحی اختلاف سے بچا جا سکے۔ میری اولین ترجیح یہ رہی ہے کہ اس ترجمے کا معیار برقرار رہے اور اسے اردو بولنے والے قارئین کے لیے قابل فہم بنایا جائے۔

یہ ضروری ہے کہ ہر کوشش اور محنت کے باوجود، اس کام میں کسی بھی قسم کی غلطیوں کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوگی۔ میں کتاب کے متن کو احترام کے ساتھ ایک خدمت کے طور پر پیش کر رہا ہوں اور اس ترجمے میں کوئی ذاتی مفاد یا ارادے شامل نہیں ہیں۔ میں دل سے دعا گو ہوں کہ یہ ترجمہ پیارے نبی ﷺ کی زندگی سے علم اور روحانی اصلاح حاصل کرنے والوں کے لیے ایک قیمتی ذریعہ ثابت ہو۔

اللہ سے دعا ہے کہ یہ مسودہ، نیت اور اس کے عظیم مقصد کو سمجھنے کا سبب بنے۔ اس کتاب کی تیاری اور جزئیات میں میری مدد کرنے والے پروفیسر ڈاکٹر خواجہ الطاف حسین, پروفیسر ڈاکٹر اللہ بخش، اور ڈاکٹر علی رضا کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان کی مدد کے بغیر یہ ترجمہ مکمل نہ ہو سکتا۔ میں ڈاکٹر عمیر کا بھی تہِ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ترجمے کا بغور مطالعہ کیا، اس کی درستی کی اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ ان کی محنت، علم اور خلوصِ نیت قابلِ ستائش ہے۔

شکریہ،

پروفیسر ڈاکٹر احمد شفیع[1]

پروفیسر ڈاکٹر احمد شفیع نے انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اپنی پانچ دہائیوں پر محیط صنعتی تجربے، تدریسی خدمات اور تحقیق کے ذریعے نمایاں مقام حاصل کیا۔ انہوں نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر انجینئرنگ کے مختلف منصوبوں میں بھرپور خدمات انجام دیں،۔

انہوں نے پاکستان کی کئی معروف جامعات میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے، جن میں یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور، یونیورسٹی آف ایگریکلچر فیصل آباد، امپیریل کالج لاہور، یونیورسٹی آف لاہور، این ایف سی انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرنگ اینڈ فرٹیلائزر ریسرچ فیصل آباد، اور ایرڈ ایگریکلچر یونیورسٹی راولپنڈی شامل ہیں۔

اپنی تدریسی زندگی کے دوران، پروفیسر ڈاکٹر احمد شفیع نے انجینئرنگ کے طلبہ کو نہ صرف اعلیٰ معیار کی تعلیم دی بلکہ ان کی عملی تربیت اور تحقیقی دلچسپیوں کی رہنمائی بھی کی۔ وہ مختلف موضوعات پر تحقیق کے لیے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور اپنی رہنمائی سے ان کے کیریئر کو سنوارا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد بھی، ڈاکٹر احمد شفیع نے علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا اور مطالعہ اور تحقیق پر گہری دلچسپی سے کام کیا۔ ان کی یہ کاوشیں آج بھی تعلیمی اور تحقیقی میدان میں ایک روشن مثال ہیں۔

Mobile: +92 332 6146567
Email: ahmadpro412@gmail.com

فہرستِ مندرجات

Chapter	Title	Page	Description in Urdu
I	The House of God	1	اللہ کا گھر: یہاں خانہ کعبہ کی اہمیت اور اس کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
II	A Great Loss	4	ایک عظیم نقصان: پیغمبر اسلام ﷺ کی والدہ کی وفات اور اس کے اثرات پر گفتگو۔
III	Quraysh of the Hollow	6	قریش کا قبیلہ: قریش کے قبیلے کا پس منظر اور ان کی ثقافت کا جائزہ۔
IV	The Recovery of a Loss	10	نقصان کی بازیابی: محمد ﷺ کے والد کی وفات کے بعد زندگی کی صورتحال۔
V	The Vow to Sacrifice a Son	12	بیٹے کی قربانی کا عہد: پیغمبر ﷺ کی زندگی میں یہ واقعہ کیسے اہمیت رکھتا ہے۔
VI	The Need for a Prophet	15	نبی ﷺ کی ضرورت: معاشرتی اور روحانی بحران کے وقت پیغمبر کی آمد کی ضرورت۔
VII	The Year of the Elephant	19	ہاتھی کا سال: واقعۂ عام الفیل اور اس کی اہمیت۔
VIII	The Desert	23	صحراء: پیغمبر ﷺ کی ابتدائی زندگی اور عرب کے صحرائی ماحول کا ذکر۔
IX	Two Bereavements	27	دو صدمے: پیغمبر ﷺ کی والدہ اور دادا کی وفات۔
X	Bahira the Monk	29	بحیرہ راہب: ایک عیسائی راہب کی پیغمبر ﷺ سے ملاقات اور اس کے اثرات۔
XI	A Pact of Chivalry	31	شاہانہ عہد: قریش کی طرف سے محمد ﷺ سے وعدہ۔
XII	Questions of Marriage	33	شادی کے سوالات: پیغمبر ﷺ کی شادی اور اس کے معاشرتی اثرات۔
XIII	The Household	37	حضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی: پیغمبر کے خاندان کی زندگی اور اس کی اہمیت۔
XIV	The Rebuilding of the Ka'ba	41	کعبہ کی تعمیر نو: مکہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا واقعہ۔
XV	The First Revelations	43	پہلی وحی: حضرت محمد ﷺ پر پہلی وحی کا نزول۔
XVI	Worship	46	عبادت: اسلام میں عبادت کی اہمیت اور اس کے اصول۔
XVII	Warn Thy Family	50	اپنے خاندان کو خبردار کرو: پیغمبر ﷺ کی دعوت کا آغاز۔
XVIII	Quraysh Take Action	52	قریش نے کارروائی کی: پیغمبر ﷺ کی دعوت پر قریش کا شروع ہونے والا ردعمل۔
XIX	Aws and Khazraj	56	اوس و خزرج: یثرب کے دو بڑے قبیلے اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق۔
XX	Abu Jahl and Hamzah	58	ابو جہل اور حمزہ رضی اللہ عنہ: قریش کے دو اہم شخصیات اور ان کی اسلامی تاریخ میں اہمیت۔

Chapter	Title	Page	Description in Urdu
XXI	Quraysh Make Offers and Demands	60	قریش کی پیشکشیں اور مطالبات: اسلام قبول کرنے کے بدلے قریش کی طرف سے پیش کی جانے والی پیشکشیں۔
XXII	Leaders of Quraysh	64	قریش کے رہنما: مکہ کے قریش رہنماؤں کا کردار اور ان کے اقدامات۔
XXIII	Wonderment and Hope	67	تعجب اور امید: پیغمبر ﷺ کی دعوت کے بارے میں لوگوں کا ردعمل اور ان کی امیدیں۔
XXIV	Family Divisions	70	خاندانی تقسیم: پیغمبر ﷺ کے خاندان میں اسلام کے آغاز کے بعد پیدا ہونے والے اختلافات۔
XXV	The Hour	75	قیامت کا ذکر: پیغمبر ﷺ کے پیغامات کا مرکزی موضوع اور ان کی اہمیت۔
XXVI	Three Questions	77	تین سوالات: قریش کی جانب سے پیغمبر ﷺ سے پوچھے گئے تین سوالات۔
XXVII	Abyssinia	81	حبشہ: مکہ کے مسلمانوں کا حبشہ کی طرف ہجرت اور اس کا تاریخی پس منظر۔
XXVIII	Umar	85	عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: حضرت عمر کی اسلام قبول کرنے کے بعد تبدیلی اور ان کا کردار۔
XXIX	The Ban and its Annulment	88	مقاطعت اور اس کا خاتمہ: قریش کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف معاشی بائیکاٹ۔
XXX	Paradise and Eternity	93	جنت اور ہدایت: اسلام میں جنت کے تصور اور اس کے اصولوں پر بات۔
XXXI	The Year of Sadness	96	غم کا سال: پیغمبر ﷺ کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ۔
XXXII	The Light of Thy Countenance	101	تیری صورت کا نور: اللہ کی مدد اور پیغمبر کے جوتوں کی روشنی۔
XXXIII	After the Year of Sadness	105	غم کے سال کے بعد: اسلام کے ترقی کے نئے دور کی شروعات۔
XXXIV	Yathrib Responsive	108	یثرب کا جواب: مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت اور اس شہر کا استقبال۔
XXXV	Many Emigrations	113	کئی ہجرتیں: مسلمانوں کا مدینہ کی طرف مختلف گروپوں میں ہجرت کرنا۔
XXXVI	A Conspiracy	116	**ایک سازش:** قریش کی طرف سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں۔
XXXVII	The Hijrah	118	**ہجرت:** پیغمبر محمد ﷺ کا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا۔
XXXVIII	The Entry into Medina	123	**مدینہ میں داخلہ:** پیغمبر ﷺ کا مدینہ میں داخلہ اور وہاں کے مسلمانوں کا استقبال۔
XXXIX	Harmony and Discord	125	**ہم آہنگی اور اختلاف:** مدینہ میں مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور بعض اختلافات۔
XL	The New Household	132	**نیا گھرانہ:** مدینہ میں پیغمبر ﷺ کا خاندان اور اس کی تشکیل۔
XLI	The Threshold of War	135	**جنگ کی دہلیز:** مکہ کے قریش سے مدینہ کا تصادم اور جنگ کی تیاری۔
XLII	The March to Badr	138	**بدر کی طرف مارچ:** بدر کی جنگ کے لیے مسلمانوں کی تیاری اور ان کا سفر۔
XLIII	The Battle of Badr	146	**جنگ بدر:** پہلی بڑی جنگ اور اس میں مسلمانوں کی کامیابی۔
XLIV	The Return of the Vanquished	153	**شکست خوردہ کی واپسی:** قریش کی شکست کے بعد ان کی واپسی۔
XLV	The Captives	155	**قیدی:** جنگ بدر کے قیدیوں کا معاملہ۔
XLVI	Bani Qaynuqa	160	**بنی قینقاع:** ایک یہودی قبیلے کا مسلمانوں کے ساتھ تنازعہ۔

Chapter	Title	Page	Description in Urdu
XLVII	Deaths and Marriages	163	**اموات اور شادیاں:** پیغمبر ﷺ کے قریبی افراد کی وفات اور شادیوں کے واقعات۔
XLVIII	The People of the Bench	167	**اہل صفہ:** مدینہ کے غریب مسلمان اور ان کی اہمیت۔
XLIX	Desultory Warfare	170	**چالاک جنگی کارروائی:** مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ کی حالت۔
L	Preparations for Battle	172	**جنگ کی تیاری:** مسلمانوں کے لئے جنگ کی تیاری اور اس کی حکمت عملی۔
LI	The March to Uhud	177	**اُحد کی طرف مارچ:** احد کی جنگ کے لیے مسلمانوں کی تیاری۔
LII	The Battle of Uhud	180	**جنگِ اُحد:** احد کی جنگ اور اس میں مسلمانوں کی کامیابی اور ناکامی۔
LIII	Revenge	189	**بدلہ:** جنگ احد کے بعد مسلمانوں کا ردعمل۔
LIV	The Burial of the Martyrs	191	**شہداء کی تدفین:** جنگ احد میں شہید ہونے والوں کی تدفین اور ان کی قربانی۔
LV	After Uhud	195	احد کے بعد: جنگ احد کے نتائج اور اس کے اثرات۔
LVI	Victims of Revenge	199	**انتقام کا نشانہ بننے والے:** قریش کے انتقامی اقدامات اور مسلمانوں کا جواب۔
LVII	Bani Nadir	203	**بنو نضیر:** ایک اور یہودی قبیلے کے ساتھ مسلمانوں کا تصادم۔
LVIII	Peace and War	206	**امن اور جنگ:** اسلام اور قریش کے درمیان امن مذاکرات۔
LIX	The Trench	215	**خندق:** جنگ خندق اور اس میں مسلمانوں کی حکمت عملی۔
LX	The Siege	220	**محاصرہ:** مدینہ کا محاصرہ اور مسلمانوں کا دفاع۔
LXI	Bani Qurayza	229	**بنو قریظہ:** ایک یہودی قبیلے کا مسلمانوں کے ساتھ تنازعہ۔
LXII	After the Siege	234	**محاصرے کے بعد:** محاصرہ کے نتائج اور مسلمانوں کے اقدامات۔
LXIII	The Hypocrites	237	**منافقین:** مدینہ میں منافقین کا کردار اور ان کا اثر۔
LXIV	The Necklace	240	**ہار:** ایک واقعہ جس میں ایک منافق کی سازش اور اس کی سزا۔
LXV	The Lie	243	**جھوٹ:** قریش کی طرف سے پیغمبر ﷺ کے خلاف جھوٹ پھیلانے کی کوشش۔
LXVI	The Dilemma of Quraysh	247	**قریش کا مخمصہ:** قریش کے لیے اسلام کے پھیلاؤ کے بعد درپیش مسائل۔
LXVII	A Clear Victory	252	**ایک واضح فتح:** حدیبیہ کے معاہدے کے بعد مسلمانوں کی کامیابی۔
LXVIII	After Hudaybiyah	257	**حدیبیہ کے بعد:** مسلمانوں اور قریش کے درمیان معاہدہ اور اس کے اثرات۔
LXIX	Khaybar	263	**خیبر:** خیبر کی جنگ اور اس میں مسلمانوں کی فتح۔
LXX	"Whom Lovest Thou Most?"	270	**تم سب سے زیادہ کس سے محبت کرتے ہو؟:** پیغمبر ﷺ کی محبت کے اصول پر گفتگو۔
LXXI	After Khaybar	274	**خیبر کے بعد:** مسلمانوں کی خیبر کی فتح کے بعد کی صورتحال۔
LXXII	The Lesser Pilgrimage and its After-math	280	**چھوٹا حج اور اس کے بعد کے اثرات:** پیغمبر ﷺ کی عمرہ کے سفر کی تفصیل اور اس کے اثرات۔
LXXIII	Deaths and the Promise of a Birth	286	**اموات اور ایک پیدائش کا وعدہ:** پیغمبر ﷺ کے قریبی افراد کی وفات اور نئے بچوں کی آمد۔
LXXIV	A Breach of the Armistice	291	**معاہدے کی خلاف ورزی:** قریش کی طرف سے معاہدہ توڑنے کا اقدام۔

Chapter	Title	Page	Description in Urdu
LXXV	The Conquest of Mecca	297	**مکہ کی فتح:** پیغمبر محمد ﷺ کی مکہ کی فتح کا واقعہ۔
LXXVI	The Battle of Hunayn and the Siege of Ta'if	304	**جنگ حنین اور طائف کا محاصرہ:** حنین کی جنگ اور طائف کے محاصرے کا تذکرہ۔
LXXVII	Reconciliations	308	**مفاہمتیں:** مختلف گروپوں اور قبیلوں کے درمیان صلح کے اقدامات۔
LXXVIII	After the Victory	313	**فتح کے بعد:** مکہ کی فتح کے بعد کی سیاسی اور سماجی تبدیلیاں۔
LXXIX	Tabuk	317	**تبوک:** تبوک کی جنگ اور اس کے اثرات۔
LXXX	After Tabuk	320	**تبوک کے بعد:** تبوک کی جنگ کے بعد مسلمانوں کی صورتحال۔
LXXXI	The Degrees	326	**درجات:** پیغمبر ﷺ کی تعلیمات کے مختلف درجات اور ان کا اثر۔
LXXXII	The Future	329	**مستقبل:** اسلام کے مستقبل کی پیش گوئیاں اور ان کے اثرات۔
LXXXIII	The Farewell Pilgrimage	332	**حجتہ الوداع:** پیغمبر ﷺ کا آخری حج اور اس کی اہمیت۔
LXXXIV	The Choice	337	**انتخاب:** پیغمبر کے لیے آخری انتخاب اور اس کے پیغام کی تفصیل۔
LXXXV	The Succession and the Burial	342	**جانشینی اور تدفین:** پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کا انتخاب اور ان کی تدفین۔
	Additional Sections		**اضافی سیکشنز**
	Map of Arabia (by Steven W. Johnson)	346	**عرب کا نقشہ:** اس کے ذریعے عرب کے جغرافیائی علاقے اور اہم مقامات کی تفصیل۔
	Quraysh of the Hollow (genealogical tree)	347	**قریش کے قبیلے کا نسب نامہ:** قریش کے قبیلے کی نسلوں کا درخت۔
	Note on Pronunciation of Arabic Names	348	**عربی ناموں کی تلفظ پر نوٹ:** عربی ناموں کے درست تلفظ کی وضاحت۔
	Key to References	349,350	**حوالوں کی تفصیل:** کتاب میں استعمال ہونے والے حوالوں کی وضاحت۔

I

The House of God

اللہ کا گھر

کتاب پیدائش (The Book of Genesis) ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بے اولاد تھے اور اولاد کی امید نہیں رکھتے تھے۔ ایک رات خدا نے انہیں ان کے خیمے سے باہر بلایا اور کہا: "اب آسمان کی طرف دیکھو اور ستاروں کو گنو اگر تم انہیں شمار کر سکتے ہو۔"
جب ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھا تو انہوں نے خدا کی آواز سنی: "اسی طرح تمہاری نسل ہوگی۔"[1]

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھہتر سال اور ابراہیم علیہ السلام کی عمر پچاسی سال تھی۔ سارہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیز ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ابراہیم علیہ السلام کو دی تاکہ وہ اسے دوسری بیوی بنالیں۔ لیکن مالکہ اور کنیز کے درمیان ناراضگی پیدا ہوئی اور ہاجرہ رضی اللہ عنہا، سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے غصے سے چلی گئیں اور اپنی مصیبت میں خدا کو پکارا۔
خدا نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے یہ پیغام دیا:
"میں تمہاری نسل کو بہت زیادہ بڑھاؤں گا، یہاں تک کہ اسے شمار نہیں کیا جاسکے گا۔

کیا کوئی اور مدد چاہیے؟
فرشتہ نے مزید کہا: "دیکھو، تم حاملہ ہو اور ایک بیٹے کو جنم دوگی اور اس کا نام اسماعیل رکھو گی، کیونکہ خدا نے تمہاری مصیبت کو سنا ہے۔"[2]
پھر ہاجرہ رضی اللہ عنہا ابراہیم اور سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئیں اور انہیں فرشتے کے الفاظ بتائے۔ جب بچہ پیدا ہوا، تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کا نام اسماعیل رکھا، جس کا مطلب ہے "خدا سنے گا"۔

جب لڑکے کی عمر تیرہ سال ہوئی، تو ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی اور سارہ نوے سال کی تھیں۔ تب خدا نے دوبارہ ابراہیم علیہ السلام سے بات کی اور انہیں وعدہ دیا کہ سارہ رضی اللہ عنہا بھی ایک بیٹے کو جنم دے گی جس کا نام اسحاق ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوچ کر دعا کی کہ ان کے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام خدا کی نظر میں مقام نہ کھو بیٹھیں:
"اے کاش کہ اسماعیل تیرے سامنے جیتا رہے!" خدا نے جواب دیا: "میں نے اسماعیل کے بارے میں تمہاری دعا سن لی ہے۔ دیکھو، میں نے اسے برکت دی ہے... اور میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ لیکن میرا عہد اسحاق کے ساتھ بھی قائم ہوگا، جسے سارہ رضی اللہ عنہا اگلے سال اس مقررہ وقت پر جنم دے گی۔"[3]
سارہ رضی اللہ عنہا نے اسحاق علیہ السلام کو جنم دیا اور خود ہی انہیں دودھ پلایا۔ جب وہ دودھ چھڑانے کی عمر کو پہنچے، تو سارہ رضی اللہ عنہا نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کا بیٹا اب ان کے گھر میں نہ رہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام سے محبت کی وجہ سے یہ بات بہت ناگوار گزری، لیکن خدا نے دوبارہ ان سے بات کی اور انہیں سارہ رضی اللہ عنہا کے مشورے پر عمل کرنے کو کہا اور غم نہ کرنے کو کہا۔ اللہ نے ایک بار پھر وعدہ کیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو برکت دی جائے گی۔

ایک نہیں بلکہ دو عظیم قومیں حضرت ابراہیم کو اپنے والد کے طور پر یاد کرتی ہیں ــــ دو عظیم قومیں، یعنی دو ہدایت یافتہ طاقتیں، دو وسائل جو آسمانی مرضی کو پورا کرنے کا کام کرتی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ چیزیں برکت کے طور پر وعدہ نہیں کرتا جو ناپاک ہوں، اور اللہ کے ہاں کوئی عظمت نہیں سوائے روحانی عظمت کے۔ اس طرح حضرت ابراہیم دو روحانی دھاروں کے منبع تھے

[1]. 15: 5. [2]. 16: 10-11. [3]. 17: 20-1.

ابراہیم علیہ السلام دوروحانی سلسلوں کے سرچشمہ تھے، جنہیں ایک ساتھ نہیں بہنا تھا بلکہ ہر ایک کو اپنی الگ راہ پر چلنا تھا۔ انہوں نے ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام کو خدا کی برکت اور اس کے فرشتوں کی حفاظت کے سپرد کیا، اس یقین کے ساتھ کہ ان کے ساتھ سب کچھ خیر وعافیت سے ہو گا۔

دو روحانی دھارائیں، دو مذاہب، دو دنیائیں خدا کے لیے؛ دو حلقے، اس لیے دو مراکز۔

ایک جگہ انسان کے انتخاب سے مقدس نہیں ہوتی، بلکہ اس لیے مقدس ہوتی ہے کہ وہ آسمان میں منتخب کی گئی ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کے دائرے میں دو مقدس مراکز تھے: ان میں سے ایک قریب تھا، دوسرا شاید انہوں نے ابھی تک نہیں جانا تھا؛ اور یہ وہی تھا جس کی طرف ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام کو رہنمائی کی گئی، عرب کے ایک بنجر وادی میں، کنعان سے تقریباً چالیس اونٹ دنوں کے فاصلے پر۔ اس وادی کا نام بیکہ تھا، کچھ کہتے ہیں کہ اس کے تنگ ہونے کی وجہ سے: پہاڑ اسے تین طرف سے گھیرے ہوئے ہیں سوائے تین راستوں کے، ایک شمال کی طرف، ایک جنوب کی طرف، اور ایک سرخ سمندر کی طرف کھلتا ہے جو مغرب میں پچاس میل دور ہے۔ کتابیں ہمیں یہ نہیں بتاتیں کہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام بیکہ تک کیسے پہنچے؛ شاید کچھ مسافر ان کی مدد کے لیے آئے، کیونکہ یہ وادی ایک عظیم قافلہ راستے پر تھی، جسے کبھی "عطر کا راستہ" کہا جاتا تھا، کیونکہ وہاں جنوبی عرب سے بحیرہ روم تک خوشبو اور عطر وغیرہ لائے جاتے تھے؛ اور بلاشبہ ہاجرہ کو رہنمائی دی گئی تھی کہ وہ قافلے کو چھوڑ دے، جب وہ جگہ پہنچ گئی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ماں اور بیٹا دونوں پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو گئے، اس حد تک کہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا

کو خوف تھا کہ اسماعیل مر جائے گا۔ ان کے نسلوں کی روایات کے مطابق، وہ ریت میں لیٹے ہوئے خدا سے پکارے، اور اس کی ماں ایک قریب کی بلندی پر ایک چٹان پر کھڑی ہوئی کہ دیکھے کہیں مدد کا کوئی نشان نظر آئے۔ کچھ نہیں دیکھتے ہوئے، وہ ایک اور بلند جگہ پر دوڑیں، لیکن وہاں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ ذہنی طور پر پریشان ہو کر، وہ کل سات بار ان دو جگہوں کے درمیان گئیں، اور جب ساتویں بار وہ دوسرے چٹان پر آرام کرنے بیٹھیں، تو فرشتہ نے ان سے بات کی۔ پیدائش کی کتاب کے الفاظ میں:

"اور خدا نے لڑکے کی آواز سنی؛ اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور کہا: تجھے کیا پریشانی ہے، ہاجرہ؟ خوف نہ کر، کیونکہ خدا نے لڑکے کی آواز سنی ہے جہاں وہ ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اپنے ہاتھ میں پکڑ، کیونکہ میں اسے ایک عظیم قوم بناؤں گا۔" اور خدا نے اس کی آنکھیں کھول دیں، اور اس نے ریت میں ایک پانی کا چشمہ دیکھا[1]۔

یہ پانی وہ چشمہ تھا جسے خدا نے اسماعیل کی ایڑی کے چھونے سے ریت میں اُبھرنے دیا؛ اور اس کے بعد یہ وادی قافلوں کے لیے ایک پڑاؤ بن گئی کیونکہ پانی کی موجودگی اور فراوانی کی وجہ سے؛ اور اس چشمے کا نام زمزم رکھا گیا۔

جہاں تک پیدائش کی کتاب کا تعلق ہے، یہ اسحاق علیہ السلام اور اس کی نسلوں کی کتاب ہے، نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی دوسری نسل کی۔ اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں یہ ہمیں بتاتی ہے: "اور خدا لڑکے کے ساتھ تھا؛ اور وہ بیابان میں رہا اور ایک تیر انداز بن گیا۔[2]" اس کے بعد اس کا نام بمشکل ذکر کیا گیا؛ سوائے اس کے کہ یہ بتایا گیا کہ دونوں بھائی، اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام، اپنے والد کو حبرون میں دفن کرنے آئے، اور کچھ سال بعد عیساؤ نے اپنے کزن سے شادی کی، جو اسماعیل علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ لیکن اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں کی غیر براہ راست تعریف اس مزمور میں ہے جو "خدا کی عبادتگاہیں کتنی پسندیدہ ہیں، اے رب الافواج" کے عنوان سے شروع ہوتا ہے، اور جو زمزم کے معجزے کا ذکر کرتا ہے، جسے ان کے وادی سے گزرنے کی وجہ سے پیدا کیا گیا:

"[3]خوش ہے وہ شخص جس کی طاقت تجھ میں ہے؛ جن کا دل ان کے راستوں میں ہے جو وادی بکہ سے گزرتے ہوئے اسے ایک چشمے میں تبدیل کرتے ہیں۔"

[1] :1.1: 17-2 0 [2] ibid. [3] Psalm 84: 5-6.

جب ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام اپنی منزل پر پہنچے تو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے پچھتر سال ابھی باقی تھے، اور وہ اپنے بیٹے سے اس مقدس مقام پر ملنے آئے جہاں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو رہنمائی ملی تھی۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ نے انہیں ٹھیک وہ جگہ دکھائی جو زمزم کے کنویں کے قریب تھی، جہاں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو ایک عبادت گاہ تعمیر کرنی تھی۔[1]؛ اور انہیں بتایا گیا کہ وہ مقام کیسے بنایا جائے۔ اس کا نام، "کعبہ" ہے، جو اس کی شکل کے لحاظ سے مکعب کی طرح ہے؛ اس کے چار کونے دنیا کے چار اطراف کی طرف ہیں۔ لیکن اس مقدس مقام میں سب سے مقدس شے ایک آسمانی پتھر ہے، جسے کہا جاتا ہے کہ ایک فرشتہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے قریب کے پہاڑ ابو قُبَیس سے لایا تھا، جہاں یہ زمین پر آنے کے بعد سے محفوظ تھا۔ "یہ جنت سے اُتر کر دودھ سے زیادہ سفید تھا، لیکن آدم کے بیٹوں کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہو گیا۔[2]" یہ سیاہ پتھر انہوں نے کعبہ کے مشرقی کونے میں رکھا؛ اور جب مقدس مقام مکمل ہو گیا، خدا نے دوبارہ ابراہیم علیہ السلام سے بات کی اور حکم دیا کہ وہ حج کی عبادت کو شروع کریں: "میرے گھر کو پاک کر لو تاکہ وہ جو یہاں آئیں، جو اس کے گرد چکر لگائیں، جو اس کے پاس کھڑے ہوں اور رکوع اور سجدہ کریں۔ اور لوگوں سے حج کا اعلان کرو، اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو تاکہ وہ تمہارے پاس پیدل اور ہر دبلے اونٹ پر ہر گہرے درے سے آئیں۔[3]"

اب ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی مدد کی تلاش کے بارے میں بتایا تھا، اور انہوں نے اسے حج کے مناسک کا حصہ بنا دیا کہ حاجی صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ چکر لگائیں، کیونکہ یہ وہ دو بلندیاں تھیں جن کے درمیان وہ گزری تھیں اور انہیں یہی نام دیا گیا۔ "اور بعد میں ابراہیم علیہ السلام نے شاید کنعان میں، آس پاس کے سرسبز چراگاہوں اور گندم اور مکئی کے کھیتوں کو دیکھ کر، دعا کی: بے شک میں نے اپنی اولاد کی ایک نسل کو تیرے مقدس گھر کے پاس ایک بے آب و گیاہ وادی میں بسایا ہے... پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے، اور انہیں پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر گزار ہوں۔[4]"

[1] XII, 2.6.   [2] نبی کی بات, Tir. VII, 49. (حوالہ جات کی کلید دیکھیں, p. 349.)

[3] K. XXII, 26-7.   [4] K. XIV, 37.

II

A Great Loss

ایک عظیم نقصان

ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، اور مکہ میں آکر مقدس گھر کی زیارت کرنے والے زائرین کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا، اور وہ ہر سال مکہ میں قیمتی تحائف لاتے تھے۔ عظیم حج ہر سال کیا جاتا تھا؛ لیکن کعبہ کی عزت و تکریم کسی بھی وقت کم حج عمرہ کے ذریعے بھی کی جا سکتی تھی؛ اور یہ عبادتیں اس جوش و جذبے سے جاری رہیں جو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے قائم کی تھیں۔ اسحاق علیہ السلام کی نسلوں نے بھی کعبہ کی عزت کی، کیونکہ وہ اسے ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر کردہ ایک معبد سمجھتے تھے۔ ان کے لیے یہ خدا کے ایک بابرکت مقام میں سے تھا۔ لیکن جیسے جیسے صدیوں کا عرصہ گزرا، ایک خدا کی عبادت کی پاکیزگی آلودہ ہوتی گئی۔ اسماعیل علیہ السلام کی نسلیں اتنی زیادہ ہو گئیں کہ وہ تمام مکہ کی وادی میں نہیں رہ سکتیں تھیں؛ اور جو لوگ دوسری جگہوں پر آباد ہونے گئے، انہوں نے مقدس مقام سے پتھر لے جا کر ان کی عزت میں عبادتیں شروع کر دیں۔ بعد میں، پڑوسی جاہل قوموں کے اثر و رسوخ سے، بت ان پتھروں میں شامل کیے گئے؛ اور آخرکار حاجی مکہ میں بت لے کر آنے لگے۔ یہ بت کعبہ کے قریب نصب کیے گئے، اور اس وقت ہی یہودیوں نے ابراہیم علیہ السلام کے معبد کی زیارت کرنا چھوڑ دی[1]۔ بت پرستوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے بت وہ طاقتیں ہیں جو خدا اور انسانوں کے درمیان وساطت کا کام کرتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں، ان کا خدا تک پہنچنے کا طریقہ اور کم از کم براہ راست ہوتا گیا، اور جتنا زیادہ وہ خدا سے دور ہوتے گئے، اتنی ہی دھندلی ہوتی گئی ان کی آخرت کے بارے میں حقیقت کا ادراک، یہاں تک کہ ان میں سے بہتوں نے موت کے بعد زندگی پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔ لیکن ان کے درمیان، جو اس کو سمجھ سکتے تھے، ایک واضح نشانی تھی کہ وہ سچائی سے بھٹک گئے تھے: انہیں زمزم کا کنواں تک رسائی نہیں تھی، اور وہ یہ تک بھول چکے تھے کہ یہ کہاں واقع ہے۔ یمن سے آئے ہوئے جرحمیوں کا اس میں براہ راست ہاتھ تھا۔ انہوں نے مکہ میں اپنے قدم جما لیے تھے، اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل نے یہ برداشت کیا کیونکہ اسماعیل علیہ السلام کی دوسری بیوی جرحم کی قریبی رشتہ دار تھی؛ لیکن وہ وقت آیا جب جرحمیوں نے ہر طرح کی زیادتیاں شروع کر دیں، جس کی وجہ سے انہیں آخرکار نکال دیا گیا؛ اور ان کے جانے سے پہلے انہوں نے زمزم کا کنواں دفن کر دیا۔ یہ کوئی انتقامی کارروائی ہو سکتی ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے یہ سوچا ہو کہ وہ واپس آئیں گے اور اس سے فائدہ اٹھائیں گے، کیونکہ انہوں نے اس میں وہ خزانہ بھر دیا تھا جو مقدس مقام کی قربانیوں میں سالوں تک جمع ہوتا رہا تھا؛ پھر انہوں نے اس پر ریت ڈال دی۔ مکہ میں ان کی جگہ خُزاعہ [2] قبیلے نے لے لی، جو ایک عرب قبیلہ تھا۔

[1] .15,.1.1

[2] عربی ناموں کی تلفظ کے بارے میں نوٹ کے لیے فہرست ملاحظہ کریں, p. 348.

اسماعیل علیہ السلام کی نسل جو یمن ہجرت کر گئی تھی اور پھر شمال کی طرف واپس آئی تھی۔ لیکن اب خُزاعہ نے اپنے آبا کو عطا کیے گئے معجزانہ پانی کو تلاش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے دور کے بعد مکہ میں دوسرے کنویں کھودے گئے تھے، خدا کا دیا ہوا پانی اب ضروری نہیں رہا، اور وہ مقدس کنواں آہستہ آہستہ ایک مدھم یاد بن گیا۔

چنانچہ خُزاعہ جرحم کے گناہ میں شریک ہو گئے۔ وہ دوسرے لحاظ سے بھی قابل ملامت تھے: ان کے ایک سردار نے شام کے سفر سے واپس آتے ہوئے موآب کے لوگوں سے ان کے بت میں سے ایک دینے کی درخواست کی۔ انہوں نے (Hubal)"ھبل" دیا، جسے وہ واپس مکہ لے آیا اور اسے کعبہ کے اندر نصب کر دیا؛ اور یہ مکہ کا سب سے بڑا بت بن گیا

III

Quraysh of the Hollow

قریش کا قبیلہ

ابراہیمی نسل کے سب سے طاقتور عرب قبائل میں سے ایک قریش تھا؛اور عیسیٰ علیہ السلام کے چار سو سال بعد قریش کے ایک شخص قُصیٰ نے خُزاعہ کے سردار حُلیل کی بیٹی سے شادی کی، جو اس وقت خُزاعہ کا سردار تھا۔ حُلیل نے اپنے بیٹے کے بجائے داماد کو ترجیح دی، کیونکہ قُصیٰ اس وقت کے عربوں میں ممتاز تھا، اور حُلیل کی وفات کے بعد، ایک شدید جنگ کے بعد جو ثالثی پر ختم ہوئی، یہ فیصلہ کیا گیا کہ قُصیٰ مکہ پر حکمرانی کرے گا اور کعبہ کا نگہبان ہو گا۔

چنانچہ قُصیٰ نے اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں قریش کو مکہ کی وادی میں آباد کیا، جو کہ مقدس مقام کے قریب تھا- اس کا بھائی زہرہ؛ اس کا چچا تیم؛ مکہ کے دوسرے چچا کا بیٹا مخزُوم؛ اور کچھ اور قریبی کزنز۔ ان اور ان کی نسلوں کو "قریشِ جُوف" (قریش کے لوگ جو مکہ کی گھاٹیوں میں رہتے تھے) کہا جاتا تھا، جبکہ قُصیٰ کے زیادہ دور کے رشتہ دار مکہ کے اردگرد پہاڑوں کی وادیوں اور دیہاتوں میں آباد ہوئے اور انہیں "قریشِ اطراف" کہا جاتا تھا۔ قُصیٰ ان سب پر بادشاہ کی طرح حکمرانی کرتا تھا، اور اس کی حکمرانی کو کسی بھی قسم کا چیلنج نہیں تھا، اور وہ ہر سال ان کے ریوڑوں کی پیداوار پر ٹیکس وصول کرتا تھا تاکہ وہ ان حاجیوں کا خیال رکھے جو خود کو کھانا فراہم کرنے کے قابل نہیں تھے۔ اس وقت تک کعبہ کے محافظ اپنے خیموں میں رہتے تھے۔ لیکن قُصیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے لیے گھروں کی تعمیر کریں، اور اس نے خود بھی ایک وسیع رہائش گاہ تعمیر کی تھی جسے "دار الاجتماع" کہا جاتا تھا۔

سب کچھ ہم آہنگ تھا، لیکن اب فساد کے بیج بوئے جانے والے تھے۔ قُصیٰ کی نسل کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ہر نسل میں ایک ایسا شخص ہوتا تھا جو بالکل غیر معمولی ہوتا تھا۔ قُصیٰ کے چار بیٹوں میں یہ شخص عبد مناف تھا، جو اپنے والد کی زندگی میں ہی عزت کا حامل تھا۔ لیکن قُصیٰ اپنے بڑے بیٹے عبد الدار کو زیادہ پسند کرتا تھا، حالانکہ وہ باقی سب سے کم قابل تھا؛ اور اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اس نے اسے کہا: "بیٹے، میں تجھے دوسروں کے برابر کر دوں گا، حالانکہ لوگ انہیں تجھ سے زیادہ عزت دیں گے۔ کعبہ میں کوئی داخل نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ تُو اسے کھولے گا، اور قریش کا جنگی پرچم صرف تیرا ہاتھ ہی باندھے گا، اور مکہ میں کوئی حاجی پانی نہیں پیئے گا سوائے اس کے کہ تُو اسے پانی دینے کا حق دے، اور کوئی بھی کھانا نہیں کھائے گا سوائے اس کے کہ تُو اسے فراہم کرے، اور قریش کسی بھی معاملے پر مشورہ نہیں کرے گا سوائے اس کے کہ تیرا فیصلہ ہو گا۔"

"اس طرح اسے اس کے تمام حقوق اور اختیارات دے کر، اس نے مجلس کے گھر کی ملکیت بھی اس کے حوالے کر دی۔[1]"

فیاضانہ جذبہ کے تحت عبد مناف نے اپنے والد کی خواہشات کو بغیر کسی سوال کے قبول کیا؛ لیکن اگلی نسل میں قریش کے نصف حصے نے عبد مناف کے بیٹے ہاشم کے گرد جمع ہو کر یہ مطالبہ کیا کہ یہ حقوق عبد دار کے قبیلے سے ہاشم کے قبیلے کو منتقل کر دیے جائیں۔ ہاشم اور اس کے بھائیوں کی حمایت کرنے والوں میں زہرہ اور تیم کے نسلوں کے افراد شامل تھے، اور قُصَیّ کی تمام نسلیں جن میں سب سے بڑی نسل کے افراد شامل نہیں تھے۔ مخزوم اور دوسرے دور کے رشتہ داروں نے یہ موقف اپنایا کہ حقوق کو عبد دار کے خاندان میں ہی رہنا چاہیے۔ اس تنازعہ کے دوران اتنی شدت بڑھ گئی کہ عبد مناف کے خاندان کی عورتیں ایک خوشبو سے بھرا برتن لے آئیں اور اسے خانہ کعبہ کے قریب رکھ دیا؛ ہاشم اور اس کے بھائیوں اور ان کے تمام اتحادیوں نے اپنے ہاتھ اس میں ڈبوئے اور ایک مضبوط عہد کیا کہ وہ کبھی ایک دوسرے کو ترک نہیں کریں گے، اور اپنے خوشبودار ہاتھوں کو خانہ کعبہ کے پتھروں پر مل کر اپنے معاہدے کی تصدیق کی۔ اس کے نتیجے میں یہ قبائل خوشبو والے کہلائے، اور عبد دار کے اتحادیوں نے بھی ایک عہد کیا اور وہ اتحادی کہلائے۔

تشدد نہ صرف خانہ کعبہ میں بلکہ مکہ کے گرد وسیع دائرے میں بھی سختی سے ممنوع تھا؛ اور دونوں فریق ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے اس مقدس علاقے کو چھوڑنے والے تھے، جب ایک سمجھوتہ پیش کیا گیا، اور یہ طے پایا کہ عبد مناف کے بیٹے ٹیکس وصول کرنے اور حجاج کرام کو کھانا اور پانی فراہم کرنے کے حقوق حاصل کریں گے، جبکہ عبد دار کے بیٹے خانہ کعبہ کی چابیاں اپنے پاس رکھیں گے اور اپنے دوسرے حقوق برقرار رکھیں گے، اور ان کا گھر مجلس کے گھر کے طور پر جاری رہے گا۔

ہاشم کے بھائیوں نے اتفاق کیا کہ ہاشم کو حجاج کرام کے لیے ضروریات فراہم کرنے کی ذمہ داری دی جائے۔ جب حج کا وقت قریب آتا، تو وہ مجلس میں کھڑے ہو کر کہتے: "اے قریش کے لوگو، تم اللہ کے ہمسایہ ہو، اس کے گھر والے؛ اور اس دعوت میں اللہ کے مہمان، اس کے گھر کے حجاج تمہارے پاس آرہے ہیں۔ یہ اللہ کے مہمان ہیں، اور کسی مہمان پر تمہاری سخاوت کا اتنا حق نہیں جتنا کہ اللہ کے مہمانوں پر۔ اگر میری اپنی دولت اس کا احاطہ کر پاتی، تو میں تم پر یہ بوجھ نہ ڈالتا۔[2]"

ہاشم کو گھر اور بیرونِ ملک دونوں جگہ بہت عزت دی جاتی تھی۔ وہ ہی تھا جس نے مکہ سے یمن کے لیے سردیوں کا قافلہ اور شمال مغربی عربیہ کے لیے گرمیاں کا قافلہ قائم کیا تھا، جو فلسطین اور شام تک جاتے تھے، اور یہ علاقے اس وقت بازنطینی سلطنت کے زیرِ حکمرانی تھے جو رومن سلطنت کا حصہ تھا۔ دونوں قافلے قدیم خوشبو کے راستے پر چلتے تھے؛ اور گرمیوں کے قافلے کا ایک اہم پڑاؤ یثرب کا نخلستان تھا، جو مکہ سے گیارہ اونٹوں کے دن دور تھا۔ یہ نخلستان ایک وقت میں یہودیوں کے زیرِ اثر تھا، لیکن اب جنوب عرب سے ایک عرب قبیلہ اس پر قابض تھا۔ تاہم، یہودی اب بھی وہاں خوشحال زندگی گزار رہے تھے اور کمیونٹی کی زندگی میں حصہ لے رہے تھے، ساتھ ہی اپنی مذہبی رسوم کو برقرار رکھتے ہوئے۔

یثرب کے عربوں کی کچھ ماترہ کے روایات تھیں اور وہ اپنی ایک آنٹی کے بعد "قبیلہ قَیلَہ" کہلاتے تھے۔ تاہم، وہ اب دو مختلف قبائل میں بٹ چکے تھے جنہیں اوس اور خزرج کہا جاتا تھا، جو قَیلَہ کے دو بیٹوں کے نام پر تھے۔

[1] I.I 83۔ اس کتاب میں جو کچھ بھی اقتباسات کے نشانوں کے درمیان ہے، وہ روایتی ذرائع سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

[2] I.I. 87

دو قبیلے جن کا نام اوس اور خزرج تھا، جو قبیلہ کے دو بیٹوں کے نام پر تھے۔ خزرج کی سب سے مؤثر خواتین میں سے ایک سلمٰی بنت عمرو تھیں، جو قبیلہ نجار سے تعلق رکھتی تھیں، اور ہاشم نے ان سے شادی کے لیے درخواست کی اس نے اس شرط پر رضامندی ظاہر کی کہ اس کے معاملات کا کنٹرول مکمل طور پر اس کے اپنے ہاتھ میں رہے گا؛ اور جب اس نے ہاشم سے ایک بیٹا جنا تو وہ لڑکے کو یثرب میں اپنے پاس رکھے رہی یہاں تک کہ وہ چودہ سال یا اس سے زیادہ کا ہو گیا۔ ہاشم اس بات پر راضی تھے، کیونکہ یثرب کا موسم زیادہ صحت بخش تھا، خاص طور پر مکہ کے مقابلے میں، اگرچہ وہاں کا بخار نئے آنے والوں کے لیے زیادہ خطرناک تھا۔ مزید یہ کہ وہ اکثر شام جاتے اور واپسی پر سلمہ اور اپنے بیٹے کے ساتھ وقت گزارتے۔ لیکن ہاشم کی زندگی طویل نہ تھی، اور ایک سفر کے دوران جب وہ غزہ، فلسطین میں بیمار پڑے، وہاں انتقال کر گئے۔

ہاشم کے دو مکمل بھائی، عبد شمس اور مطلب تھے [1]، اور ایک سوتیلا بھائی، نوفل تھا۔ لیکن عبد شمس تجارت میں اتنے مصروف تھے کہ یمن اور بعد میں شام میں بھی کاروبار کرتے رہے، جبکہ نوفل عراق میں تجارت میں مشغول تھا، اور دونوں مکہ سے طویل عرصے تک غائب رہتے تھے۔ ان وجوہات یا شاید کچھ اور کی بنا پر ہاشم کے چھوٹے بھائی مطلب نے حاجیوں کو پانی فراہم کرنے اور ان کے لیے کھانا جمع کرنے کے حقوق سنبھالے، اور اب وہ اپنے جانشین کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہاشم کے تین بیٹے تھے جو سلمہ کے علاوہ دیگر بیویوں سے تھے، لیکن اگر جو کچھ کہا گیا تھا وہ درست تھا تو ان میں سے کوئی بھی اور مطلب کے اپنے بیٹے بھی سلمہ کے بیٹے کے برابر نہیں آ سکتے تھے۔ حالانکہ وہ کم عمر تھا، شیبہ - جیسا کہ اس کا نام رکھا گیا تھا - پہلے ہی قیادت کے لئے خاص صلاحیتیں دکھا رہا تھا، اور اور اس کی شاندار خبریں مسلسل مکہ تک پہنچتی رہیں جب مسافر جو نخلستان سے گزرتے تھے. آخر کار مطلب خود دیکھنے کے لیے یثرب گئے اور جو کچھ انہوں نے دیکھا اس نے انہیں اپنے بھتیجے کو اپنی دیکھ بھال میں لینے کی درخواست کرنے پر مجبور کیا۔ سلمہ اپنے بیٹے کو جانے دینے کے لئے تیار نہیں تھی، اور لڑکا اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر جانے کو تیار نہ تھا۔ لیکن مطلب نے ہمت نہ ہاری اور اس نے دونوں سے کہا کہ یثرب کے امکانات مکہ کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں۔ کیونکہ قریش خانہ کعبہ کے محافظ تھے، جو تمام عرب کا عظیم ترین مرکز عبادت تھا، اور قریش کا مقام کسی دوسرے عرب قبیلے سے بلند تھا؛ اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ ایک دن شیبہ وہ عہدہ سنبھالے گا جو اس کے والد نے کیا تھا اور یوں قریش کے سرداروں میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے لوگوں میں ضم ہو جائے۔ کوئی بھی جو باہر سے آ کر بس جائے، وہ ایسی عزت حاصل نہیں کر سکتا۔ سلمہ اس کی باتوں سے متاثر ہوئی، اور اگر اس کا بیٹا مکہ جائے گا تو اسے وہاں ملنا آسان ہو جائے گا، اور وہ بھی اسے ملنے آ سکے گی، اس لئے اس نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ مطلب اپنے بھتیجے کو اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا کر مکہ روانہ ہو گیا؛ اور جب وہ مکہ میں داخل ہو رہے تھے، تو کچھ لوگوں نے یہ کہتے ہوئے نوجوان اجنبی کو دیکھا: "عبد المطلب"، یعنی "مطلب کا غلام"۔ مطلب نے کہا، "تم پر افسوس ہو، یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے۔" اس کی باتوں پر جو ہنسی چھڑی، وہ شہر میں کہانی کی مزید ہنسی کے آغاز کی علامت بن گئی۔

[1] نام **المطلب** ہے، سوائے نداء (آواز دینے والے) کے حالت میں جہاں "ال-" کو حذف کرنا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ یہ سابقہ (مفرد معرفہ) نقل میں اضافی ہے، اس لیے نداء کی صورت کو یہاں عموماً ان تمام صحیح ناموں میں استعمال کیا گیا ہے جو "ال-" کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔

اس غلط فہمی کی کہانی منہ سے منہ تک پھیل گئی؛ اور اسی دن سے نوجوان کو محبت سے عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے نام سے جانا جانے لگا۔

اپنی آمد کے کچھ ہی عرصے بعد وہ اپنے والد کی جائیداد کے بارے میں اپنے چچا نوفل سے ایک تنازعے میں ملوث ہو گئے تھے: لیکن اپنے سرپرست چچا کی مدد سے، اور یثرب سے دباؤ ڈالے جانے کے بعد، عبد المُطلب نے اپنے حقوق حاصل کر لیے۔ اور نہ ہی اس نے وہ امیدیں مایوس کیں جو اس کی ابتدائی صلاحیتوں سے وابستہ تھیں؛ اور جب کئی سالوں بعد مطلب کا انتقال ہو گیا، تو کسی نے بھی اس کے بھتیجے کی اس بھاری ذمہ داری کو سنبھالنے کی صلاحیتوں پر سوال نہیں اٹھایا، جو کہ حاجیوں کو کھانا اور پانی فراہم کرنا تھا۔ یہاں تک کہ یہ کہا گیا کہ اس نے اس کام کو پورا کرنے میں اپنے والد اور اپنے چچا دونوں سے بھی بڑھ کر کارکردگی دکھائی۔

IV

The Recovery of a Loss

نقصان کی بازیابی

کعبہ کے شمال مغربی حصے میں ایک چھوٹا سا حصار ہے جس کے گرد ایک کم اونچی آہنی دیوار ہے۔ دیوار کے دونوں سرے کعبہ کے شمال اور مغربی کونوں سے کچھ فاصلے پر ختم ہوتے ہیں، جس سے حاجیوں کے لیے ایک راستہ بچا رہتا ہے۔ لیکن بہت سے حاجی اس جگہ پر اپنا دائرہ وسیع کرتے ہیں اور اس حصار کو اپنے دائرے میں شامل کرتے ہوئے اس کم اونچی دیوار کے باہر سے گزرتے ہیں۔ اس جگہ کو "حجر اسماعیل" کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کے نیچے اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی قبریں واقع ہیں۔

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو کعبہ کے قریب رہنا بہت پسند تھا، اس لیے وہ کبھی کبھار حکم دیتے کہ ان کے لیے حجر میں ایک بستر بچھایا جائے۔ ایک رات جب وہ وہاں سو رہے تھے، تو ایک سایہ دار شخصیت ان کے پاس آئی اور کہا: "مٹھاس کھودو۔" "مٹھاس کی وضاحت کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا، لیکن بولنے والا غائب ہو گیا۔ پھر بھی جب وہ جاگے تو اتنی خوشی اور سکون کا احساس ہوا کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگلی رات وہ اسی جگہ پر گزاریں گے۔ اگلی رات وہ شخصیت پھر واپس آئی اور کہا: "خیرات کھودو۔" لیکن اس بار بھی ان کے سوال کا کوئی جواب نہیں آیا۔ تیسرے دن رات کو کہا گیا: "خزانہ کھودو"، اور پھر بھی وہ شخص غائب ہو گیا جب عبدالمطلب نے سوال کیا۔ لیکن چوتھی رات حکم آیا: "زمزم کھودو"; اور اس بار جب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے پوچھا "زمزم کیا ہے؟"، تو بولنے والے نے کہا:

"اسے کھودو، تمہیں افسوس نہیں ہوگا،

کیونکہ یہ تمہاری سب سے بڑی نسل سے میراث ہے۔

یہ کبھی خشک نہیں ہوگی، نہ ہی کبھی تمام حاجیوں کے لیے پانی فراہم کرنے سے عاجز آئے گی۔"

پھر بولنے والے نے کہا کہ وہ ایسی جگہ تلاش کرے جہاں خون اور گوبر ہو، چیونٹیوں کا بل اور چونچ مارتے ہوئے کوے ہوں۔"۔ آخر کار انہیں کہا گیا کہ وہ "اللہ کے حاجیوں کے لیے صاف اور بہتا پانی مانگیں جو ان کے حج کے دوران پانی فراہم کرے گا۔[1]"

جب صبح کا اجالا چھا رہا تھا، عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اٹھے اور حجر سے نکل کر کعبہ کے شمالی کونے، جسے عراقی کونا کہتے ہیں، کی طرف گئے۔ پھر وہ شمال مشرقی دیوار کے ساتھ چلتے ہوئے اس کے دوسرے سرے تک پہنچے، جہاں کعبہ کا دروازہ ہے؛ اور جب وہ دروازے سے آگے بڑھ کر چند قدم رک گئے، تو وہ اس کے مشرقی حصہ میں پہنچ گئے۔

[1] I.I.93.

جہاں انہوں نے احترام سے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ وہاں سے انہوں نے طواف کا عمل شروع کیا، دروازے کے پاس عراقی کونے سے گزرتے ہوئے، ہجر کو عبور کر کے مغربی کونے یعنی شام کے کونے تک پہنچے، پھر یمن کے کونے کی طرف جو جنوب کی جانب تھا۔ ابراہیم کے بچے، یعنی اسماعیل اور اسحاق کی نسلیں، اپنے مقدس مقامات کا طواف سورج کی سمت کے مخالف کرتی ہیں۔ جب وہ یمن کے کونے سے حجر اسود کی طرف جا رہے تھے ہر بار روشنی میں واضح اضافہ ہوا، کیونکہ عرب میں صبح اور شام بہت مختصر وقت کے ہوتے ہیں۔ جب انہوں نے طواف مکمل کیا، تو وہ حجر اسود سے دروازے کی طرف گئے اور رسومات کو پورا کرنے کے بعد، وہ حجر اسود سے دروازے تک گئے اور تالا کے ساتھ لٹکے ہوئے دھات کا حلقہ حَجرالبَرق کو پکڑ کر اس دعا کو پڑھا جو انہیں پڑھنے کے لیے کہا گیا تھا۔

اس کے بعد پرندوں کے پر مارنے کی آواز آئی اور ایک پرندہ ان کے پیچھے ریت میں اُترا۔ پھر دوسرا پرندہ اُترا اور جب انہوں نے اپنی دعا مکمل کی، تو انہوں نے انہیں دیکھا جو اپنے کو اچیسے چلتے ہوئے دو پتھریلے مجسموں کی طرف جا رہے تھے، جو دروازے کے بالکل سامنے تقریباً سو گز دور تھے۔ ان کو بت پرستی کے طور پر اپنایا گیا تھا، اور یہ وہ جگہ تھی جہاں قریش اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو، جیسے کہ ان کووں کو بھی بخوبی علم تھا، یہ بات معلوم تھی کہ وہاں ہمیشہ ریت میں خون پڑا رہتا تھا۔ وہاں فضلہ بھی تھا؛ اور جب وہ ان کے قریب گئے، تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں چیونٹیوں کا بل تھا۔

وہ اپنے گھر گئے اور دو کدالیں لے آئے، جن میں سے ایک اپنے بیٹے حارث کے لیے تھی جسے وہ اپنے ساتھ اس جگہ لے آئے جہاں وہ جانتے تھے کہ اسے کھودنا ہے۔ اوزاروں کا ریت میں مارنے کی آواز اور یہ غیر معمولی منظر – کیونکہ صحن ہر طرف سے دکھائی دیتا تھا – جلد ہی لوگوں کا ہجوم جمع کر گیا؛ اور حالانکہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لیے عام طور پر احترام تھا، بہت جلد کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ بتوں کے درمیان قربانی کی جگہ پر کھودنا ایک گناہ ہے، اور اسے روکنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ وہ نہیں رکے گا، اور حارث سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ کھڑا ہو اور یہ دیکھے کہ کوئی اس کی کھدائی میں مداخلت نہ کرے۔ یہ ایک کشیدہ لمحہ تھا، اور نتیجہ ناخوشگوار بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن دونوں ہاشمی متحد اور پختہ ارادے کے تھے، جبکہ تماشائی بے خبر تھے۔ ان بتوں اساف اور نائلہ کو مکہ کے بتوں میں زیادہ بلند مقام حاصل نہیں تھا، اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ وہ جرحمی آدمی اور عورت تھے جنہیں کعبہ کی بے حرمتی کی وجہ سے پتھر میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس لیے عبدالمطلب نے کھودائی جاری رکھی اور کوئی بھی عملی قدم اسے روکنے کے لیے نہیں اٹھایا گیا؛ اور کچھ لوگ پہلے ہی پناہ گاہ چھوڑ چکے تھے جب اچانک اس نے کنویں کے پتھر کے ڈھانپنے پر ضرب لگائی اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک آواز نکالی۔ ہجوم دوبارہ اکٹھا ہو گیا اور بڑھ گیا؛ اور جب انہوں نے خزانہ نکالنا شروع کیا جو جرحم نے وہاں دفن کیا تھا، تو ہر کسی نے اس میں اپنے حصے کا دعویٰ کیا۔ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر چیز کے لیے قرعہ اندازی کی جائے، چاہے وہ مقدس مقام میں رہے، یا اسے ذاتی طور پر وہ رکھے، یا قبیلے میں تقسیم ہو۔ یہ شبہ کے مسائل کو حل کرنے کا تسلیم شدہ طریقہ بن چکا تھا، اور یہ کعبہ کے اندر، مواب کے بت ہبل کے سامنے فال کی تیر کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ اس معاملے میں خزانے کا کچھ حصہ کعبہ کو اور کچھ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ملا، لیکن قریش کو کچھ بھی نہیں ملا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ ہاشم قبیلے کو زم زم کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی جائے، کیونکہ ویسے بھی یہ ان کا کام تھا۔

IV

The Vow to Sacrifice a Son

بیٹے کی قربانی کا عہد

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قریش نے اپنی سخاوت، اعتبار اور حکمت کی بنا پر عزت دی تھی۔ وہ ایک نہایت خوبصورت آدمی تھے اور ان کی موجودگی بہت باوقار تھی۔ ان کی دولت بھی ایک اور وجہ تھی جس سے وہ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتے تھے؛ اور اب یہ سب کچھ اس اعزاز سے مکمل ہو گیا تھا کہ وہ وہ منتخب شخص تھے جس کے ذریعے زم زم کو بحال کیا گیا تھا۔ وہ ان نعمتوں کے لیے خدا کا شکر گزار تھے؛ مگر ان کی روح ابھی بھی اس لمحے کے خیالات سے پریشان تھی جب انہیں کھدائی روکنے کے لیے کہا گیا تھا اور جب سب کچھ خطرے میں محسوس ہو رہا تھا۔ سب کچھ بخیر ہوا، خدا کا شکر ہے! لیکن اس سے پہلے کبھی انہوں نے اپنی غربت کو اتنی شدت سے نہیں محسوس کیا تھا- کیونکہ انہیں یہی محسوس ہوتا تھا- کہ ان کے پاس صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ ان کے کزن امیہ، جو عبد شمس کے قبیلے کے سردار تھے، بہت سے بیٹوں سے نوازے گئے تھے؛ اور اگر کھدائی کرنے والا مغیرہ، مکہ کے قبیلہ خزرج کا سردار ہوتا، تو ان کے بیٹے ایک بڑا اور طاقتور حلقہ بنا سکتے تھے۔ لیکن خود عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حالانکہ ان کی زیادہ بیویاں تھیں، صرف ایک بیٹے پر اکتفا کرتے تھے جو ان کی حمایت کرتا۔ وہ اس بات پر آدھے طور پر راضی ہو چکے تھے؛ لیکن خدا جس نے انہیں زم زم عطا کیا تھا، وہ ان کے لیے اور بھی بہت کچھ بڑھا سکتا تھا؛ اور ابھی حال ہی میں ملی ہوئی کامیابی سے حوصلہ پاتے ہوئے، انہوں نے خدا سے دعا کی کہ وہ انہیں مزید بیٹے دے، اور اپنی دعا میں یہ عہد بھی شامل کیا کہ اگر خدا انہیں دس بیٹے دے اور وہ سب جوان ہو کر زندگی گزاریں، تو وہ ان میں سے ایک بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کریں گے۔

ان کی دعا قبول ہوئی: سال گزرے اور ان کے نو بیٹے پیدا ہوئے۔ جب انہوں نے اپنا عہد کیا تھا، تب یہ ایک بہت دور کی بات لگتی تھی۔ لیکن وہ وقت آیا جب ان کے تمام بیٹے جوان ہو گئے سوائے ان کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے، اور ان کا عہد ان کے خیالات پر غالب آنے لگا۔ وہ اپنے تمام بیٹوں پر فخر کرتے تھے، مگر انہوں نے کبھی سب کو یکساں طور پر اتنی محبت نہیں دی تھی، اور یہ طویل عرصے سے ان کے لیے واضح تھا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیٹا ہے جس سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ شاید خدا نے بھی اسی بیٹے کو پسند کیا تھا جسے وہ غیر معمولی خوبصورتی سے نواز چکے تھے، اور شاید وہی بیٹا قربانی کے لیے منتخب کیا جائے گا۔ تاہم، عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے وعدے کے پکے آدمی تھے۔ اپنے عہد کو توڑنے کا خیال ان کے دماغ میں کبھی نہیں آیا۔ وہ انصاف پسند بھی تھے، اور ان میں ایک گہرا احساس ذمہ داری تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہ جانتے تھے کہ کون سی ذمہ داریاں قبول نہیں کرنی چاہیے۔ وہ اپنے اوپر یہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے کہ کون سے بیٹے کو قربانی کے لیے منتخب کیا جائے۔ چنانچہ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو صرف ایک کم عمر لڑکے کے طور پر نہیں دیکھا جا سکتا تھا،

تو انہوں نے اپنے دس بیٹوں کو ایک جگہ جمع کیا، انہیں اپنے وعدے کے بارے میں بتایا اور انہیں کہا کہ وہ اس کے وعدے کو پورا کرنے میں مدد کریں۔ ان کے پاس سوائے اس کے کوئی اور راستہ نہیں تھا کہ وہ اس پر راضی ہوں؛ ان کے والد کا عہد ان کا عہد تھا؛ اور انہوں نے پوچھا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ والد نے کہا کہ ہر ایک بیٹا اپنے نشان کو تیر پر بنائے۔ اس دوران، اس نے قریش کے تیر کے فال نکالنے والے افسر کو اطلاع بھیجی تھی کہ وہ کعبہ میں حاضر ہو۔ پھر وہ اپنے بیٹوں کو حرم میں لے آیا اور انہیں مسجد حرام میں لے جا کر اپنے عہد کے بارے میں فال نکالنے والے کو بتایا۔ ہر بیٹے نے اپنا تیر پیش کیا، اور عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے ہبل کے قریب کھڑے ہو کر ایک بری چھری نکالی جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا، اور اللہ سے دعا کی۔ قرعہ ڈالا گیا، اور عبد اللہ کا تیر نکل آیا۔ اس کے والد نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں چھری لے کر اس کو دروازے کی طرف لے چلے، گویا وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اپنے آپ کو سوچنے کا وقت دیں۔

لیکن وہ اپنے خاندان کی عورتوں سے غافل ہو گئے تھے، خاص طور پر عبد اللہ کی والدہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔ ان کی دوسری بیویاں باہر کے قبائل سے تھیں اور مکہ میں ان کا اثر کم تھا۔ لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا قریش کی ایک عورت تھی، جو مکہ کے طاقتور قبیلے مَخزُوم سے تعلق رکھتی تھی، اور اس کی والدہ کی طرف سے اس کا نسب عبد کے ساتھ تھا، جو قُصیٰ کے بیٹوں میں سے ایک تھا۔ اس کے تمام خاندان والے قریب ہی تھے، جو اسے ضرورت پڑنے پر مدد فراہم کرنے کے لیے تیار تھے۔ دس بیٹوں میں سے تین اس کے تھے: زبیر، ابو طالب رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ۔ وہ عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی پانچ بیٹیوں کی بھی ماں تھی، جو اپنے بھائیوں کے ساتھ وفادار تھیں۔ یہ عورتیں بے کار نہیں بیٹھی تھیں، اور یقیناً دیگر بیویوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مدد کی درخواست کی تھی کیونکہ تمام دس بیٹوں کے سروں پر خطرہ منڈلا رہا تھا، جن میں سے ایک قربانی کے تیر کا مالک تھا۔

جب قرعہ ڈالا گیا، حرم کے صحن میں ایک بڑا اجتماع جمع ہو گیا تھا۔ جب عبد المطلب رضی اللہ عنہ کعبہ کے دروازے پر آئے، دونوں کی رنگت موت کی طرح سفید ہو چکی تھی، تو مَخزُوم کے لوگوں میں سرگوشی ہونے لگی کیونکہ انہیں پتا چلا کہ ان کی بہن کا بیٹا قربانی کا نشانہ بننے والا ہے۔ "یہ چھری کیوں؟" ایک آواز آئی، اور دیگر نے یہی سوال دہرایا، حالانکہ وہ سب جانتے تھے کہ جواب کیا ہے۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اپنا عہد بیان کرنا شروع کیا، مگر مغیرہ، مَخزُوم کے سردار نے انہیں روک دیا: "تم اسے قربانی نہیں کرو گے؛ بلکہ اس کی جگہ ایک اور قربانی پیش کرو، اور اگر اس کا فدیہ مَخزُوم کے بیٹوں کی ساری جائیداد ہو، تو ہم اسے چھڑا لیں گے۔" اس کے بعد عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے دیگر بیٹے مقدس گھر سے باہر آئے۔ ان میں سے کسی نے کچھ نہ کہا، لیکن اب وہ اپنے والد کے پاس آئے اور انہیں اپنی درخواست پیش کی کہ وہ اپنے بھائی کو زندہ رہنے دیں اور کوئی اور قربانی پیش کریں۔ وہاں موجود کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کے حق میں نہ بولا ہو، اور عبد المطلب رضی اللہ عنہ دل ہی دل میں راضی ہونے کے باوجود شک و شبہ میں مبتلا تھے۔ آخر کار، انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ یثرب میں ایک صاحب عقل خاتون سے مشورہ کریں گے جو یہ بتا سکیں کہ کیا اس صورت میں کسی قسم کی کفارہ ممکن ہے، اور اگر ہے تو وہ کس شکل میں ہو گا۔

انہوں نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر بیٹوں کو ساتھ لیا اور اپنے آبائی علاقے یثرب روانہ ہوئے، جہاں انہیں پتا چلا کہ وہ خاتون خیبر جا چکی ہیں، جو یثرب سے تقریباً سو میل شمال میں واقع ایک مالدار یہودی بستی تھی۔ لہذا وہ اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے اس خاتون تک پہنچے اور اس کو حالات بتائے، تو اس نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے روحانی رہنما سے مشورہ کرے گی اور انہیں اگلے دن واپس آنے کی ہدایت دی۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ اللہ سے دعا گو ہوئے، اور اگلے دن وہ خاتون کہنے لگی: "میرے پاس پیغام آیا ہے۔ تمہارے یہاں خون بہانے کی قیمت کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ وہ دس اونٹ ہیں۔ اس نے کہا، "اپنے ملک واپس جاؤ، اور اپنے آدمی کو اور دس اونٹوں کو ایک ساتھ رکھو اور ان کے درمیان قرعہ ڈالو۔ اگر تیر تمہارے آدمی کے حق میں نکلے تو مزید اونٹوں کا اضافہ کرو اور پھر قرعہ ڈالو، اور اگر ضرورت پڑے تو اونٹوں کی تعداد بڑھاؤ یہاں تک کہ تمہارے رب کا فیصلہ آ جائے اور تیر ان کے حق میں گرے۔ پھر اونٹوں کی قربانی دو اور آدمی کو زندہ رہنے دو۔"

وہ فوراً مکہ واپس لوٹے، اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور دس اونٹوں کو کعبہ کے صحن میں لے آئے۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ مقدس گھر کے اندر گئے، اور ہبل کے قریب کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کی کہ جو وہ کر رہے ہیں، اسے قبول کر لے۔ پھر انہوں نے قرعہ ڈالا، اور تیر عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نکلا۔ دس اور اونٹوں کا اضافہ کیا گیا، مگر پھر بھی تیر نے کہا کہ اونٹوں کو زندہ رہنا چاہیے اور آدمی کو مرنا چاہیے۔ انہوں نے مزید دس اونٹوں کا اضافہ کیا

اور اسی طرح قرعہ ڈالتے رہے، اور ہر بار یہی نتیجہ آیا، یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی۔ تب ہی تیر نے اونٹوں کے حق میں نکلنا شروع کیا۔ لیکن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بہت محتاط تھے: ان کے لیے ایک تیر کا نتیجہ اس بڑے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے کافی نہیں تھا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ قرعہ دوبارہ اور تیسری بار ڈالا جائے، اور ہر بار تیر نے اونٹوں کے حق میں فیصلہ دیا۔ آخر کار وہ یقین کر چکے تھے کہ اللہ نے ان کی قربانی کو قبول کر لیا ہے، اور اونٹوں کی قربانی دے دی۔

VI

The Need for a Prophet

نبی کی ضرورت

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہبل (Hubal) کی عبادت نہیں کرتے تھے؛ وہ ہمیشہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن موابیت کا بت خدا کے گھر میں کئی نسلوں سے موجود تھا اور قریش کے لیے وہ ایک طرح سے برکت کی تجسیم بن چکا تھا، یعنی وہ روحانی اثر جو اس عظیم ترین مقدس مقام میں پھیلا ہوا تھا۔ عرب کے مختلف حصوں میں اور بھی چھوٹے مقدس مقامات تھے، اور حجاز میں ان میں سب سے اہم تین "بیٹیاں خدا کی": اللات، العزیٰ اور منات۔ کے مندروں کا ذکر کیا جاتا ہے، جنہیں بعض عبادت کرنے والے خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے بچپن سے ہی یثرب کے دوسرے عربوں کی طرح منات کی عزت کرتے تھے، جس کا مندر قیدید کے مقام پر البحر الأحمر کے قریب تھا، جو یثرب نخلستان سے تقریباً مغرب کی طرف تھا۔ "قریش کے لئے زیادہ اہم نخلہ کی وادی میں العزی کا مزار تھا، جو مکہ سے جنوب میں ایک اونٹ کی دن کی مسافت پر تھا۔ اسی سمت میں ایک اور دن کی مسافت پر ایک عظیم عرب قبیلہ ہوازن کی شاخ، ثقیف کے آباد کردہ، طائف کی منڈیروں والی بستی تھی جو ایک سرسبز میدان پر واقع تھی۔"

۔ اللات طائف کی "بی بی" تھی اور اس کا بت ایک مالدار مندر میں رکھا گیا تھا۔ ثقیف نے اپنے آپ کو قریش کا ہم منصب سمجھا اور قریش طائف کو "دونوں شہر" کے طور پر بیان کرتے تھے۔ لیکن طائف کے شاندار موسم اور سرسبز زمین کے باوجود، اس کے لوگ اپنے شمال میں واقع خشک وادی سے حسد کرتے تھے، کیونکہ وہ دل سے جانتے تھے کہ ان کا مندر، چاہے جتنا بھی وہ اس کی ترقی کریں، کبھی بھی خدا کے گھر کے مقابلے میں نہیں آسکتا۔ نہ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ ایسا ہو، کیونکہ وہ بھی اسماعیل کی نسل سے تھے اور مکہ سے ان کا رشتہ تھا۔ ان کے جذبات مخلوط اور کبھی کبھی متضاد تھے۔

دوسری طرف، قریش کو کسی سے حسد نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ دنیا کے مرکز میں رہتے ہیں اور ان کے درمیان ایک ایسا مقام ہے جو دنیا بھر سے حجاج کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ ایسا کچھ نہ کریں جو مکہ اور قریش کے درمیان قائم اچھے تعلقات کو نقصان پہنچا سکے۔

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا کام مکہ میں حجاج کی میزبانی کا تھا، جو انہیں یہ سب کچھ بہت زیادہ حساسیت سے سمجھنے پر مجبور کرتا تھا۔ ان کا یہ کردار قبیلوں کے درمیان تھا اور اس میں قریش کا کچھ حصہ شریک تھا۔ حجاج کو یہ احساس دلانا ضروری تھا کہ مکہ ان کے لیے ایک دوسرا گھر ہے، اور ان کا استقبال اس طرح کیا جانا چاہیے کہ وہ جن کی عبادت کرتے ہیں، ان بتوں کو عزت دی جائے۔

اور کبھی بھی ان بتوں کو نظر انداز نہ کیا جائے جو وہ اپنے ساتھ لاتے تھے۔ بتوں کو قبول کرنے اور ان کی تاثیر پر ایمان لانے کا جواز اور اختیار روایات سے تھا: ان کے آبا اجداد نے ایسا کیا تھا۔ تاہم، اللہ ہی عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے نزدیک بڑی حقیقت تھے؛ اور وہ یقیناً قریش اور خزاعہ، ہوازن اور دیگر عرب قبائل کے بیشتر ہم عصر افراد سے زیادہ ابراہیمی مذہب کے قریب تھے۔

لیکن ہمیشہ ایسے لوگ بھی موجود رہے تھے، اور ہمیشہ ہی موجود رہے ہیں، جو ابراہیمی عبادت کی مکمل پاکیزگی کو برقرار رکھتے تھے۔ صرف وہی لوگ سمجھتے تھے کہ بتوں کی عبادت روایات کا حصہ نہیں بلکہ ایک بدعت ہے - ایک ایسا خطرہ جس سے بچنا ضروری تھا۔ تاریخ کا تھوڑا سا طویل جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی کہ ہبل Hubal اسرائیلیوں کے سنہری بچھڑے سے کوئی مختلف نہیں تھا۔ یہ جو اپنے آپ کو حنفاء[1] کہتے تھے بتوں سے بالکل بھی تعلق نہیں رکھتے تھے اور مکہ میں ان کی موجودگی کو وہ توہین اور ناپاکی سمجھتے تھے۔ ان کا انکار اور بے باک اندازِ فکر انہیں مکہ کی سوسائٹی کے کنارے پر لے آیا تھا جہاں انہیں عزت دی جاتی، برداشت کیا جاتا یا ستایا جاتا، جزوی طور پر ان کی شخصیات اور جزوی طور پر اس بات پر منحصر تھا کہ آیا ان کے قبیلے ان کا تحفظ کرنے کے لیے تیار تھے یا نہیں۔

عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو حنفاء میں سے چار افراد کا علم تھا، اور ان میں سے ایک معزز ترین شخص ورقہ بن نوفل تھا، جو ان کے دوسرے چچازاد بھائی نوفل[2] کے بیٹے تھے، جو قبیلہ اسد سے تھے۔ ورقہ نے عیسائیت اختیار کر لی تھی؛ اور اس علاقے کے عیسائیوں میں یہ عقیدہ تھا کہ نبی کی آمد قریب ہے۔ یہ عقیدہ شاید اتنا وسیع نہیں تھا، لیکن اسے مشرقی چرچوں کے ایک یا دو بزرگ عہدیداروں اور نجومیوں اور تسلی دینے والوں نے حمایت دی تھی۔

جہاں تک یہودیوں کا تعلق تھا، جن کے لیے ایسا عقیدہ زیادہ آسان تھا کیونکہ ان کے نزدیک نبوت کا سلسلہ صرف مسیحا کے ساتھ ختم ہوتا تھا، وہ تقریباً متفق تھے کہ نبی آرہا ہے۔ ان کے ربائی اور دوسرے عقلمند لوگ انہیں یقین دلاتے تھے کہ نبی قریب ہے؛ اس کے آنے کی کئی پیش گوئی شدہ علامات پہلے ہی پوری ہو چکی تھیں؛ اور وہ یقیناً ایک یہودی ہوگا، کیونکہ وہ لوگ چنے ہوئے تھے۔

عیسائیوں، بشمول ورقہ کے، کو اس بات پر شک تھا؛ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ نبی یہودی ہی کیوں ہوگا، اور ان کا خیال تھا کہ عربوں کو نبی کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ وہ کم از کم ابھی بھی ابراہیمی دین پر عمل پیرا تھے اور وہ صرف ایک خدا کی عبادت کرتے تھے اور ان کے ہاں بتوں کی عبادت نہیں تھی؛ اور عربوں کو جھوٹے معبودوں کی عبادت سے کون چھڑا سکتا تھا، سوائے ایک نبی کے؟

کعبہ کے ارد گرد وسیع دائرے میں، کچھ فاصلے پر، 360 بت تھے: اور ان کے علاوہ تقریباً ہر گھر میں مکہ میں ایک خدا تھا، جو ایک بت تھا، چھوٹا یا بڑا، جو گھر کے مرکز پر رکھا جاتا تھا۔ جب کسی شخص کو کسی سفر پر روانہ ہونا ہوتا، خاص طور پر اگر سفر طویل ہوتا، تو وہ بت کے پاس جاتا اور اسے چھوتا تاکہ اس سے برکت حاصل کر سکے؛ اور یہی عمل واپس گھر آنے پر سب سے پہلے کیا جاتا تھا۔ اور مکہ اس لحاظ سے کوئی منفرد جگہ نہیں تھی، کیونکہ یہ روایات عرب کے بیشتر علاقوں میں رائج تھیں۔

درحقیقت، عرب میں کچھ مضبوط مسیحی برادریاں موجود تھیں، خاص طور پر جنوب میں نجران اور یمن میں، اور شمال میں شام کی سرحدوں کے قریب؛ لیکن خدا کی آخری مداخلت، جس نے بحیرہ روم اور یورپ کے وسیع حصوں کو تبدیل کر دیا تھا، تقریباً چھ سو سالوں میں مکہ کے مقدس مقام کے گرد مرکوز مشرکانہ معاشرے پر کوئی خاص اثر نہ ڈال سکی۔

[1] روایتی لفظ "حنیف" (جمع: "حنفاء") کے معنی "مستقیم راہ پر" ہیں ". See K. VI, 161.

[2] ہاشم کے بھائی نوفل سے نہ ملایا جائے، جس کے نام پر قبیلہ نوفل کا نام رکھا گیا

حجاز کے عرب اور اس کے مشرق میں واقع نجد کے عظیم میدان کے عرب عیسائیت کے پیغام کو سمجھنے میں ناکام دکھائی دیتے تھے۔ یہ نہیں کہ قریش اور دیگر جاہلی قبائل عیسائیت کے مخالف تھے۔ عیسائی کبھی کبھار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس مقام کی عزت کرنے آتے، اور انہیں دوسرے تمام افراد کی طرح خوش آمدید کہا جاتا۔ مزید یہ کہ ایک عیسائی کو اجازت دی گئی تھی اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی تھی کہ وہ کعبہ کے اندر ایک تصویر بنائے جس میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر تھی، جو باقی تمام تصاویر سے نمایاں طور پر مختلف تھی۔ لیکن قریش اس تضاد کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے؛ ان کے لیے یہ صرف ایک اور دو بتوں کی تعداد بڑھانے کا معاملہ تھا؛ اور یہی ان کی رواداری تھی جس نے انہیں اتنے بے قابو اور ناقابل فہم بنا دیا تھا۔

اپنے قبیلے کے زیادہ تر لوگوں کے برعکس، ورقہ پڑھ سکتے تھے اور انہوں نے کتابوں اور علم الہیات کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لیے وہ یہ دیکھنے کے قابل تھے کہ عیسیٰ کے وعدوں میں سے ایک، جس کی عیسائیوں نے عموماً پینٹی کاسٹ (Pentecost) کے معجزے کی طرف اشارہ سمجھا تھا، دراصل اس معجزے سے متصادم تھا اور اس میں کچھ ایسے عناصر تھے جو کسی اور چیز کی طرف اشارہ کر رہے تھے - کسی ایسی چیز کی طرف جس کی ابھی تک تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن زبان پیچیدہ تھی: "وہ اپنی طرف سے نہیں بولے گا، بلکہ جو کچھ وہ سنے گا، وہی کہے گا" کا کیا مطلب تھا[1]؟

ورقہ کی ایک بہن تھی جس کا نام قتیلہ تھا اور وہ ورقہ کے بہت قریب تھی۔ وہ اکثر اپنی بہن سے ان باتوں پر بات کرتے تھے، اور اس کے الفاظ نے اس پر اتنا گہرا اثر ڈالا تھا کہ متوقع نبی کے بارے میں سوچیں اس کے ذہن میں آتی رہتی تھیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ان کے درمیان پہلے ہی موجود ہو؟

ایک بار جب اونٹوں کی قربانی منظور کر لی گئی، عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے بچائے گئے بیٹے کے لیے بیوی تلاش کرنے کا ارادہ کیا، اور کچھ غور و فکر کے بعد، ان کا انتخاب آمنہ رضی اللہ عنہا بنتِ وہب پر ہوا، جو قُصَیّ کے بھائی زہرہ کے پوتے وہب کی بیٹی تھیں۔ وہب چند سال پہلے فوت ہو چکے تھے اور آمنہ رضی اللہ عنہا اس وقت اپنے چچا وہیب کی سرپرستی میں تھیں، جنہوں نے ان کی جگہ زہرہ قبیلے کی سرداری سنبھالی تھی۔ وہب کی اپنی بھی ایک بیٹی تھی جس کا نام ہالہ تھا اور وہ شادی کے قابل تھی۔ جب عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی شادی آمنہ رضی اللہ عنہا سے طے کی، تو اس نے درخواست کی کہ ہالہ کو اس کے ساتھ شادی کے لیے دے دیا جائے۔ وہب نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی، اور دونوں شادیوں کی تیاریاں ایک ہی وقت میں کرنے کا فیصلہ کیا۔

مقررہ دن پر، عبد المطلب رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو ہاتھ پکڑ کر لے کر روانہ ہوئے اور وہ دونوں بنی زہرہ[2] کے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انہیں بنی اسد کے گھروں کے قریب سے گزرنا تھا، اور ایسا اتفاق ہوا کہ ورقہ کی بہن قتیلہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی تھی، شاید اس لیے کہ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مکہ میں ہونے والی اس بڑی شادی کے بارے میں کیا ہو رہا ہے۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ اب ستر سال سے زیادہ عمر کے ہو چکے تھے، لیکن ہر لحاظ سے وہ اپنی عمر سے بہت زیادہ جوان دکھائی دیتے تھے؛ اور دو دلہنوں کے ساتھ ان کی آہستہ آہستہ آمد، ان کی فطری مہارت کے ساتھ اس موقع کی سنگینی، ایک انتہائی متاثر کن منظر تھا۔

لیکن جیسے ہی وہ قریب پہنچے، قتیلہ کی نظریں صرف چھوٹے نوجوان پر مرکوز ہو گئیں۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ جمال میں اپنی زمانے کے یوسف کی مانند تھا۔ حتیٰ کہ بوڑھے ترین مرد بھی اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

[1] سینٹ جون.

[2] زہرہ کے بیٹے (یعنی نسل): بنی ابن کا جمع صیغہ ہے، جس کا مطلب ہے بیٹا۔

قریش کی خواتین کو یاد نہیں آتا تھا کہ ان کے برابر کبھی کوئی شخص دیکھا ہو۔ وہ اب اپنی پچیسویں سالگرہ میں تھے، جوانی کے عروج پر تھے۔ لیکن قتیلہ کو سب سے زیادہ وہ روشنی متاثر کر گئی تھی جو اس کے چہرے پر چمک رہی تھی اور جو اسے محسوس ہوتا تھا کہ یہ دنیا سے ماوراء کہیں سے آ رہی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عبد اللہ ہی وہ متوقع نبی ہوں؟ یا کیا وہ نبی کے والد ہوں گے؟

اب وہ دونوں اس کے قریب سے گزر چکے تھے، اور اچانک ایک بے قابو جذبے سے قتیلہ نے کہا، "اے عبد اللہ!" اس کے والد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا جیسے وہ اسے یہ بتانا چاہ رہے ہوں کہ وہ اپنے کزن سے بات کرے۔ عبد اللہ نے پیچھے مڑ کر اس کی طرف رخ کیا، اور اس نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ "اپنے والد کے ساتھ،" اس نے سادگی سے کہا، نہ تو وہ شرم کی وجہ سے خاموش تھا بلکہ اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ وہ جانتی ہو گی کہ وہ اپنی شادی کے لیے جا رہا ہے۔ "مجھے ابھی یہاں اور اسی وقت اپنی بیوی بنالو،" اس نے کہا، "اور اپ کو اتنے اونٹ ملیں گے جتنے اپ نے قربانی میں دیے ہیں۔" "میں اپنے والد کے ساتھ ہوں،" اس نے جواب دیا، "میں ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور نہ ہی انہیں چھوڑ سکتا ہوں۔[1]"

شادیوں کا انعقاد منصوبے کے مطابق ہوا، اور دونوں جوڑے کچھ دنوں تک وہب کے گھر میں رہے۔ اسی دوران عبد اللہ اپنے گھر سے کچھ لانے کے لیے روانہ ہوا، اور ایک بار پھر اس کا سامنا قتیلہ سے ہوا، جو ورقہ کی بہن تھی۔ اس کی آنکھیں اس کے چہرے کو اس شدت سے دیکھ رہی تھیں کہ عبد اللہ اس کے پاس رک گیا، یہ توقع کرتے ہوئے کہ وہ کچھ کہے گی۔ جب وہ خاموش رہی تو اس نے پوچھا کہ کل کی طرح آج وہ اس سے وہ بات کیوں نہیں کہہ رہی جو اس نے پچھلے دن کہی تھی۔ اس نے جواب دیا: "وہ روشنی جو کل تمہارے چہرے پر تھی، اب تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ آج اپ وہ کام نہیں کر سکتے جس کی مجھے ضرورت تھی۔[2]"

یہ شادیاں 569 عیسوی میں ہوئیں۔ اس کے بعد کا سال ہمیشہ "ہاتھی کا سال" کے طور پر جانا گیا، اور یہ اس لیے بھی ایک اہم سال تھا کیونکہ اس میں کچھ اور تاریخی واقعات بھی ہوئے۔

[1]I.I. 100. [2] I.I. 101.

VII

The Year of the Elephant

ہاتھی کا سال

اس وقت یمن پر حبشہ کی حکمرانی تھی اور ایک حبشی افسر ابرہہ نائبِ حاکم تھا۔ اس نے صنعا میں ایک شاندار گرجا گھر تعمیر کیا، اس امید پر کہ وہ مکہ کی جگہ لے گا اور تمام عرب کے لیے عظیم زیارت گاہ بن جائے۔ اس نے اس میں شیبا کی ملکہ کے ایک پرانے محل سے سنگ مرمر منگایا اور سونے اور چاندی کے صلیب، ہاتھی دانت اور سیاہ لکڑی کے مینار بنوائے۔ پھر اس نے اپنے بادشاہ، نجاشی کو ایک خط لکھا: "میں نے تیرے لیے ایک ایسا چرچ تعمیر کیا ہے، اے بادشاہ، جیسے دنیا میں تم سے پہلے کسی بادشاہ کے لیے نہیں بنایا گیا، اور میں چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ عربوں کا حج یہاں نہیں کروالیتا۔" اس نے اپنی نیت چھپانے کی کوشش نہیں کی، اور اس پر پورے حجاز اور نجد کے قبائل کا غصہ بھڑک اٹھا۔ آخر کار قریش کے قریبی قبیلے، کنانہ کے ایک شخص نے جان بوجھ کر اس چرچ کی توہین کی۔ اس نے رات کو جا کر چرچ کو ناپاک کیا اور پھر اپنے قبیلے میں واپس آگیا۔

جب ابرہہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے بدلے میں کعبہ کو زمین بوس کرنے کی قسم کھائی اور اپنی تیاریوں کے بعد ایک بڑی فوج لے کر مکہ روانہ ہو گیا، جس کے آگے ایک ہاتھی رکھا گیا۔ صنعاء کے شمال میں موجود بعض عرب قبائل نے اس کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی، لیکن حبشیوں نے انہیں شکست دی اور ان کے سردار، نفل بن خثعم کو گرفتار کر لیا۔ نفل نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ پیشکش کی کہ وہ ان کا رہبر بن جائے۔

جب فوج طائف پہنچی، تو ثقیف کے لوگ ان کے استقبال کے لیے نکلے، انہیں خوف تھا کہ ابرہہ مکہ کی بجائے ان کے معبد "اللات" کو تباہ نہ کر دے۔ انہوں نے فوراً اسے بتایا کہ وہ ابھی تک اپنے اصل مقصد تک نہیں پہنچا، اور باقی راستے کے لیے ایک رہبر پیش کیا۔ حالانکہ ابراہہ کے پاس پہلے ہی نفل موجود تھا، لیکن اس نے ان کی پیشکش قبول کر لی۔ تاہم، راستے میں وہ رہبر مر گیا، مکہ سے دو میل دور ایک جگہ "مغمس" میں، اور وہاں دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد عربوں نے اس کی قبر پر پتھر پھینکنے شروع کر دیے، اور آج بھی وہاں کے لوگ اس پر پتھر پھینکتے ہیں۔

ابرہہ مغمس میں رک گیا اور ایک دستہ گھڑ سوار کو مکہ کے باہر تک بھیجا۔ انہوں نے راستے میں جتنی چیزیں حاصل کیں، ان کو ابرہہ کے پاس واپس بھیج دیا، جن میں 200 اونٹ بھی شامل تھے جو عبد المطلب کے تھے۔ قریش اور دیگر قریبی قبائل نے جنگ کی مشاورت کی اور فیصلہ کیا کہ دشمن کا مقابلہ کرنا بے سود ہے۔ اسی دوران ابرہہ نے پیغام بھیجا کہ وہ صرف معبد کو تباہ کرنے آئے ہیں.

اور اگر قریش خونریزی سے بچنا چاہتے ہیں تو انہیں ابرہہ کے کیمپ میں آکر ملاقات کرنی چاہیے۔

قریش کے پاس کوئی سرکاری سردار نہیں تھا کیونکہ ان کی ذمہ داریاں اور مراعات عبد دار اور عبد مناف کے خاندانوں میں تقسیم ہو گئی تھیں۔ تاہم، لوگوں کی اپنی رائے تھی کہ قریش کے کون سے سردار کو دراصل مکہ کا رہنما سمجھا جائے۔ اس موقع پر پیغام عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا گیا، جو کہ قریش کے اس وقت کے سب سے نمایاں شخصیت تھے۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے ساتھ پیغام رسان کے ساتھ کیمپ میں پہنچے۔

جب ابرہہ نے عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ ان کے تاثر سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے تخت سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کے ساتھ قالین پر بیٹھ گئے۔ ابرہہ نے اپنے مترجم سے پوچھا کہ آیا عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو کوئی درخواست کرنا ہے۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کی فوج نے اس کے دو سو اونٹ چرا لیے ہیں، اور وہ چاہتا ہے کہ وہ واپس کیے جائیں۔ ابرہہ اس درخواست پر حیران ہوا اور کہا کہ وہ اس سے مایوس ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کے بارے میں سوچ رہا ہے، جب کہ اس کے سامنے اس کا مذہب ہے جسے وہ تباہ کرنے آئے ہیں۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "میں اونٹوں کا مالک ہوں، اور معبد کا بھی ایک مالک ہے، جو اس کا دفاع کرے گا۔" ابرہہ نے کہا: "وہ میرے سامنے اس کا دفاع نہیں کر سکتا۔" عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے کہا: "ہم دیکھیں گے، لیکن میرے اونٹ واپس کر دو۔" اور ابرہہ نے حکم دیا کہ اونٹ واپس کر دیے جائیں۔

عبد المطلب رضی اللہ عنہ واپس قریش کے پاس گئے اور انہیں پہاڑوں میں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ پھر وہ اپنے خاندان کے کچھ افراد کے ساتھ معبد الحرام کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اللہ سے مدد کی دعا کی کہ وہ ابرہہ اور اس کی فوج سے اپنے گھر کی حفاظت کرے۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے خود کعبہ کے دروازے کی لوہے کی دہلیز پکڑ کر کہا: "اے اللہ، تیرا بندہ تیرے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو اپنے گھر کی حفاظت کر!" دعا کے بعد وہ قریش کے باقی افراد کے ساتھ پہاڑوں میں جا کر اس منظر کو دیکھنے لگے جو نیچے وادی میں ہو رہا تھا۔

اگلے دن ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اور کعبہ کو تباہ کرنے کے بعد صنعاء واپس جانے کا ارادہ کیا۔ ہاتھی، جس پر خوبصورت سامان لدا ہوا تھا، فوج کے سامنے لے جایا گیا۔ جیسے ہی ہاتھی اپنے مقام پر پہنچا، اس کے مالک انیس نے اسے اسی سمت موڑا جس سمت فوج جا رہی تھی، یعنی مکہ کی طرف۔ لیکن نُفَیل، جو کہ پس و پیش کرنے والا رہبر تھا، زیادہ تر سفر فوج کے آگے آگے کر چکا تھا اور وہ انیس سے کچھ الفاظ سیکھ چکا تھا جو ہاتھی سمجھتا تھا۔ جب انیس اپنی توجہ فوج کے آگے بڑھنے کے اشارے پر مرکوز کر رہا تھا، نُفَیل نے ہاتھی کے بڑے کان کو پکڑا اور اس میں دھیمی لیکن انتہائی تاکید کے ساتھ گھٹنے ٹیکنے کا حکم دیا۔۔

پھر، ابرہہ اور اس کی فوج کے حیرت اور مایوسی کے درمیان، ہاتھی آہستہ آہستہ اور جان بوجھ کر زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ انیس نے اسے اٹھنے کا حکم دیا، لیکن نُفَیل کا حکم ایک ایسے فرمان سے ہم آہنگ ہو گیا تھا جو کسی بھی انسان کے حکم سے زیادہ طاقتور تھا، اور ہاتھی نے ہلنے سے انکار کر دیا۔۔ انہوں نے اسے کھڑا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، حتیٰ کہ اس کی سر پر لوہے کی چھڑیوں سے مارا اور پیٹ میں لوہے کے ہک ڈالے، لیکن وہ پتھر کی طرح بیٹھا رہا۔ پھر انہوں نے پورے لشکر کو پیچھے مڑ کر یمن کی سمت میں چند قدم چلنے کا حکم دیا، اور فوراً ہاتھی نے کھڑے ہو کر ان کا پیچھا کیا۔ امید کے ساتھ انہوں نے پھر مڑنے کی کوشش کی، اور ہاتھی بھی مڑا، مگر جیسے ہی وہ مکہ کی طرف رخ کرتا، وہ دوبارہ بیٹھ جاتا۔

یہ سب سے واضح نشانیاں تھیں کہ ابرہہ کو مزید آگے بڑھنے سے رکنا چاہیے تھا لیکن ابرہہ اپنی بنائی ہوئی عبادت گاہ اور اس کے عظیم حریف کعبہ کو تباہ کرنے کے اپنے ذاتی جذبے میں اندھا ہو گیا تھا۔ اگر وہ واپس لوٹ جاتے، تو شاید سب ہی تباہی سے بچ جاتے۔ لیکن اچانک دیر ہو گئی: مغربی آسمان سیاہ ہو گیا، اور ایک عجیب آواز سنائی دی؛ اس کی شدت میں اضافہ ہوا جیسے سمندر سے ایک بڑی تاریکی کی لہر ان پر آ رہی ہو، اور ان کے سر کے اوپر، جتنا وہ دیکھ سکتے تھے، آسمان پر پرندے بھرے ہوئے تھے۔ زندہ بچنے والوں نے بتایا کہ وہ سوئفٹس (ایک قسم کے پرندے) کی طرح پرواز کر رہے تھے، اور ہر پرندے کے منہ میں ایک کنکری تھی، جو خشک مٹر کے دانے جتنی تھی، اور دونوں پیروں کے پنجوں میں بھی ایک کنکری تھی۔ وہ پرندے دائیں بائیں اڑتے ہوئے حملہ کر رہے تھے، اور کنکریاں اتنی سخت اور تیز رفتار سے پھینکی جا رہی تھیں کہ وہ لُوہے کے زِرا بکتَر کو بھی چھید دیتی تھیں۔ ہر پتھر اپنا ہدف پاتا اور آدمی کو ہلاک کر دیتا، کیونکہ جیسے ہی جسم پر پتھر لگتا، اس کا گوشت سڑنا شروع ہو جاتا تھا— بعض اوقات فوراً، اور بعض اوقات آہستہ آہستہ۔ سب لوگ نہیں مارے گئے، اور جنہیں بچا لیا گیا ان میں انیس اور ہاتھی بھی شامل تھے، لیکن سب کے سب دہشت زدہ تھے۔ کچھ لوگ حجاز میں رہ گئے اور جانوروں کی دیکھ بھال اور دوسرے کاموں سے روزگار کمایا۔ لیکن بیشتر فوجی بے ترتیبی میں صنعاء واپس لوٹ گئے۔ کئی راستے میں مر گئے اور بہت سارے، جن میں ابرہہ بھی شامل تھا، واپس لوٹنے کے بعد فوراً مر گئے۔ جہاں تک نُفَیل کا تعلق ہے، وہ جب سب کی توجہ ہاتھی پر مرکوز تھی، تو خاموشی سے فوج سے الگ ہو گیا اور بغیر کسی نقصان کے مکہ کے پہاڑوں تک پہنچ گیا۔

اس دن کے بعد سے قریش کو عربوں نے "اللہ کے لوگ" کے طور پر پکارا، اور انہیں پہلے سے زیادہ عزت دی گئی کیونکہ اللہ نے ان کی دعائیں قبول کیں اور کعبہ کو تباہی سے بچایا۔ ان کا احترام آج تک جاری ہے، لیکن اس کی وجہ ایک اور واقعہ تھا جو کہ اس ہی سال ہاتھی میں پیش آیا تھا، اور یقیناً یہ واقعہ پہلے والے سے جڑا ہوا تھا۔

عبد اللہ، عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے بیٹے، اس وقت مکہ میں نہیں تھے جب پرندوں کا معجزہ پیش آیا۔ وہ تجارت کے لیے فلسطین اور شام گئے تھے، اور واپس آتے ہوئے وہ یثرب میں اپنی دادی کے خاندان کے ہاں ٹھہرے تھے، اور وہاں وہ بیمار ہو گئے۔ قافلہ ان کے بغیر مکہ واپس گیا، اور جب انہیں ان کی بیماری کی خبر ملی، تو عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے حارث کو بھیجا کہ وہ اپنے بھائی کو گھر واپس لائے جب وہ سفر کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ لیکن جب حارث یثرب میں اپنے کزنز کے گھر پہنچا، تو انہوں نے اس کا استقبال تسلیوں کے ساتھ کیا، اور حارث فوراً سمجھ گیا کہ اس کا بھائی انتقال کر چکا ہے۔

جب حارث واپس آئے تو مکہ میں بہت غم تھا۔ آمنہ رضی اللہ عنہا کی واحد تسلی ان کے مرحوم شوہر کا نوزائیدہ بچہ تھا، اور ان کا سکون اس وقت بڑھا جب ان کی ولادت کا وقت قریب آیا۔ انہیں اپنے اندر روشنی کا احساس ہوا، اور ایک دن وہ اتنی شدت سے چمکی کہ وہ شام کے بصرہ کے محلوں کو دیکھ سکتی تھیں۔ اور انہوں نے ایک آواز سنی جو ان سے کہتی تھی: "تم اپنے رحم میں اس قوم کے سردار کو لے کر چل رہی ہو؛ اور جب وہ پیدا ہو تو کہو: 'میں اسے ہر حسد کرنے والے کے شر سے واحد کی حفاظت میں رکھتی ہوں'; پھر اس کا نام محمد ﷺ رکھنا۔[1]"

چند ہفتے بعد بچہ پیدا ہوا۔ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے چچا کے گھر میں تھیں، اور آمنہ رضی اللہ عنہا نے عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ آ کر اپنے پوتے کو دیکھیں۔

[1] I.I. 102.

عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے پوتے کو گود میں اٹھایا اور اسے حرم میں لے جا کر مقدس گھر میں داخل ہوئے، جہاں انہوں نے اس تحفے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دعا کی۔ پھر انہوں نے بچے کو دوبارہ اس کی ماں کے پاس واپس کر دیا، لیکن راستے میں اسے اپنے خاندان والوں کے سامنے بھی پیش کیا۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو جلد ہی آمنہ رضی اللہ عنہا کی کزن ہالہ سے ایک اور بیٹے کی امید تھی۔ اس وقت ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تین سال کا عباس رضی اللہ عنہ تھا، جو اس وقت ان کے گھر کے دروازے پر ان کا استقبال کر رہا تھا۔ "یہ تمہارا بھائی ہے، اسے بوسہ دو،" عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے نیا پیدا ہونے والا بچہ عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا، اور عباس رضی اللہ عنہ نے بچے کو بوسہ دیا۔

VIII

The Desert

صحرا

یہ عرب شہروں کے تمام بڑے خاندانوں کا رواج تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پیدائش کے فوراً بعد صحراء میں بھیج دیتے، تاکہ وہ دودھ پلوانے اور دودھ چھڑانے کے عمل سے گزریں اور اپنی بچپن کا کچھ حصہ کسی بدوی قبیلے میں گزاریں۔ مکہ کے لیے بھی اس رواج سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، کیونکہ یہاں وبائیں عام تھیں اور بچوں کی اموات کی شرح بھی زیادہ تھی۔ لیکن یہ صرف صحراء کی تازہ ہوا ہی نہیں تھی جسے وہ اپنے بیٹوں کے جسم میں سمو دینا چاہتے تھے۔ یہ ان کے جسم کے لیے تھا، لیکن صحراء میں روحوں کے لیے بھی کچھ خاص تھا۔ قریش نے حال ہی میں بستیوں کی زندگی اپنائی تھی۔ جب تک قُصَیؓ نے انہیں حرم کے گرد گھر بنانے کا حکم نہیں دیا تھا، وہ تقریباً خانہ بدوش تھے۔ مستقل آبادیاں شاید ناگزیر تھیں، مگر یہ خطرناک تھیں۔ ان کے آبا کی زندگی کی نوعیت زیادہ بلند تھی، یعنی خیمہ نشینی کی زندگی، جو اکثر متحرک ہوتی تھی۔ شرافت اور آزادی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے، اور خانہ بدوش آزاد ہوتا تھا۔ صحراء میں انسان اس بات کا شعور رکھتا تھا کہ وہ خلا کا حکمران ہے، اور اسی حکمرانی کی بدولت وہ کسی حد تک وقت کے غلبے سے بچ جاتا تھا۔ جب وہ کیمپ اٹھاتا تھا، تو اپنے کل کو پیچھے چھوڑ دیتا تھا؛ اور کل کی تقدیر کم محسوس ہوتی تھی کیونکہ اس کا وقت اور مقام ابھی آنا باقی ہوتا تھا۔ لیکن شہری شخص ایک قید کا شکار ہوتا تھا؛ اور ایک ہی جگہ پر رکا رہنا، کل، آج، اور کل - یہ وقت کے ہاتھوں ایک ہدف بننا تھا، جو سب کچھ تباہ کر دیتا ہے۔ شہر فساد کے مقام ہوتے تھے۔ سستی اور غفلت ان کی دیواروں کے سائے میں چھپی رہتی تھی، جو انسان کی چاک وچوبندیت کو مدھم کرنے کے لیے تیار ہوتی تھی۔ وہاں سب کچھ بگڑتا تھا، یہاں تک کہ زبان بھی، جو انسان کا سب سے قیمتی اثاثہ تھا۔ عربوں میں سے چند ہی پڑھ سکتے تھے، لیکن تقریر کی خوبصورتی ایک خوبی تھی جس کی تمام عرب والدین اپنے بچوں میں خواہش رکھتے تھے۔ ایک انسان کی قیمت بڑی حد تک اس کی فصاحت سے جانی جاتی تھی، اور فصاحت کا تاج شاعری تھی۔ خاندان میں ایک عظیم شاعر کا ہونا واقعی فخر کی بات تھی؛ اور بہترین شعراء اکثر کسی نہ کسی بدوی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، کیونکہ وہیں بولی جانے والی زبان شاعری کے سب سے قریب تھی۔

اس لیے ہر نسل میں صحراء کے ساتھ تعلق کو دوبارہ زندہ کرنا ضروری تھا - سینے کے لیے تازہ ہوا، زبان کے لیے خالص عربی، اور روح کے لیے آزادی؛ اور قریش کے کئی بیٹے آٹھ سال تک صحراء میں رکھے جاتے تھے، تاکہ وہ اس کا دیرپا اثر محسوس کر سکیں، حالانکہ اس کے لیے کم سال بھی کافی تھے۔ کچھ قبائل بچوں کو دودھ پلانے اور پالنے میں اعلیٰ شہرت رکھتے تھے، اور ان میں سے ایک قبیلہ بنو سعد بن بکر تھا، جو ہوازن کی ایک شاخ تھا، جس کا علاقہ مکہ کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کو اس قبیلے کی ایک عورت کے حوالے کرنے کے حق میں تھیں۔

یہ قبیلہ وقتاً فوقتاً قریش کے پاس بچوں کو دودھ پلانے کے لیے آتا تھا، اور اس بار کچھ بچوں کی توقع تھی۔ ان کی مکہ کی طرف سفر کی تفصیل بعد میں ان میں سے ایک، حلیمہ بنت ابوذُعَیب نے بیان کی، جو اپنے شوہر جُرَیش اور اپنے حالیہ پیدا شدہ بیٹے کے ساتھ مکہ آئی تھی، جسے وہ دودھ پلا رہی تھی۔ حلیمہ نے کہا، "یہ خشک سالی کا سال تھا، اور ہمارے پاس کچھ نہیں بچا تھا۔ میں اپنی ایک خچچر پر روانہ ہوئی، اور ہمارے ساتھ ایک پرانی اونٹنی تھی جس سے ایک قطرہ دودھ بھی نہیں نکلتا تھا۔ ساری رات ہم جاگتے رہے، کیونکہ ہمارا بیٹا بھوک سے روتا رہا، کیونکہ میرے سینے میں اسے دودھ دینے کے لیے کافی نہیں تھا؛ اور وہ خچچر اتنی کمزور اور سوکھی ہوئی تھی کہ میں اکثر دوسرے لوگوں کو انتظار کرواتی۔"

انہوں نے بتایا کہ وہ سفر پر تھے اور اِن کی کوئی امید نہیں تھی سوائے بارش کے، جو اونٹنی اور خچچر کو گھاس کھانے کے قابل بناتی تاکہ ان کی حوانہ udder تھوڑی سی پھول جائے، لیکن جب وہ مکہ پہنچے تو کوئی بارش نہیں ہوئی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دودھ پلانے والے بچوں کی تلاش شروع کی، اور آمنہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ایک کے بعد دوسرے کو اپنا بیٹا پیش کیا، یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے سب کو آزمایا اور سب نے انکار کر دیا۔ "یہ، حلیمہ نے کہا، اس لیے تھا کہ ہم لڑکے کے والد سے کچھ فائدے کی امید رکھتے تھے۔ 'ایک یتیم!' ہم نے کہا۔ 'اس کی ماں اور اس کے دادا ہمارے لیے کیا کر سکیں گے؟'"

یہ نہ تھا کہ وہ اپنی خدمت کے لیے براہ راست اجرت کی خواہش رکھتے تھے، کیونکہ ایک عورت کے لیے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لینا غیرت مندانہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وہ جو انعام کی توقع کرتے تھے، وہ براہ راست اور فوری نہیں تھا، بلکہ اس کا دائرہ کہیں زیادہ وسیع تھا۔ یہ فوائد کا تبادلہ، جو شہری اور خانہ بدوش کے درمیان ہوتا تھا، فطری طور پر تھا، کیونکہ ہر ایک وہ جگہ میں غریب تھا جہاں دوسرا امیر تھا، اور جہاں دوسرا غریب تھا، وہاں وہ امیر تھا۔ خانہ بدوشوں کے پاس قدیم خداداد زندگی کا طریقہ تھا جو وہ پیش کرتے تھے، وہ طریقہ جو ہابیل کا تھا۔ قابیل کے بیٹے قین کیونکہ وہی تھا جس نے پہلے گاؤں بنائے تھے - قین کے پاس جائیدادیں اور طاقت تھیں تھی۔ خانہ بدوش کے لیے فائدہ یہ تھا کہ وہ ایک بڑے خاندان کے ساتھ ایک مستقل رشتہ قائم کرے۔ دودھ پلانے والی ماں کو نیا بیٹا ملتا تھا جو اسے دوسری ماں کے طور پر دیکھتا اور اپنی زندگی بھر اس کے ساتھ بیٹے کے تعلق کا احساس رکھتا۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے آپ کو بھائی سمجھتا۔

یہ تعلق صرف نام کا نہیں تھا۔ عربوں کا ماننا ہے کہ سینہ وراثت کی ایک چینل ہے اور جو بچہ دودھ پیتا ہے وہ اپنے دودھ پلانے والی ماں کی خصوصیات اپنی فطرت میں جذب کر لیتا ہے۔ لیکن دودھ پلانے والے بچے سے کچھ زیادہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی جب تک وہ بڑا نہ ہو جائے، اور اس دوران اس کا والد عام طور پر اس کے بیٹے کے فرائض کو پورا کرنے میں کامیاب رہتا تھا۔ دادا بہت دور تھا؛ اور اس معاملے میں وہ جانتے تھے کہ عبد المطلب رضی اللہ عنہ ایک بوڑھے آدمی تھے جن سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ زیادہ عرصہ زندہ رہیں گے۔ جب وہ مرے، تو ان کے بیٹے، نہ کہ ان کے پوتے، ان کے وارث ہوں گے۔ جہاں تک آمنہ رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے، وہ غریب تھیں؛ اور جہاں تک لڑکے کا تعلق ہے، اس کے والد اتنے جوان تھے کہ وہ دولت اکٹھا نہیں کر سکے تھے۔ اس نے اپنے بیٹے کو پانچ اونٹ، کچھ بکریوں اور بھیڑوں کا ریوڑ، اور ایک غلام لڑکی چھوڑا تھا۔ عبد اللہ کا بیٹا حقیقت میں ایک بڑے خاندان کا بچہ تھا؛ لیکن یہ ان خواتین کے لیے اس سال کا سب سے غریب دودھ پلانے والا بچہ تھا۔

دوسری طرف، اگرچہ دودھ پلانے والے والدین سے امیر ہونے کی توقع نہیں کی جاتی تھی، لیکن انہیں بہت غریب بھی نہیں ہونا چاہیے تھا، اور یہ واضح تھا کہ حلیمہ اور اس کے شوہر اپنے ساتھیوں سے زیادہ غریب تھے۔ جب بھی انتخاب حلیمہ اور دوسرے کے درمیان ہوتا، دوسرے کو ترجیح دی جاتی اور چنا جاتا؛ اور یہ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ بنو سعد کی ہر عورت کو حلیمہ کے علاوہ ایک ایک بچہ سونپ دیا گیا تھا۔

"جب ہم نے مکہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا," حلیمہ نے اپنے شوہر سے کہا: 'میں اپنے دوستوں کے ساتھ واپس جانا نہیں چاہتی بغیر کسی بچے کو دودھ پلانے کے لے جاؤں۔ میں اس یتیم بچے کے پاس جاؤں گی اور اسے لے آؤں گی۔'' جیسا تم چاہو,' انہوں نے کہا۔ 'شاید اللہ ہمیں اس میں برکت دے۔' پھر میں گئی اور اسے لے آئی، صرف اس لیے کہ مجھے کوئی اور بچہ نہ ملا۔ میں اسے اپنے سینے میں ڈال کر واپس اپنے اونٹوں کے پاس آئی، اور جیسے ہی میں نے اسے اپنے سینے سے لگایا، میرے سینے سے دودھ بہنے لگا۔ اس نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا اور اور اس کے ساتھ اس کے رضاعی بھائی نے بھی پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ پھر دونوں سو گئے؛ اور میرا شوہر ہماری بوڑھی اونٹنی کے پاس گیا، اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے تھن بھر گئے تھے۔ اس نے اس کا دودھ دوہا اور اس کا دودھ پیا، اور میں نے اس کے ساتھ پیا یہاں تک کہ ہم مزید نہ پی سکے اور ہماری بھوک مٹ گئی۔

۔ ہم نے سب سے بہترین رات گزاری، اور صبح کو میرے شوہر نے کہا: 'اللہ کی قسم حلیمہ، یہ بچہ واقعی برکت والا ہے جسے تم نے لیا ہے۔'' یہی میری امید ہے,' میں نے کہا۔ پھر ہم روانہ ہوئے، اور میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوئی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی۔ وہ تمام قافلے سے آگے نکل گئی، اور ان کے ان کے اونٹوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں چل سکا۔ 'تمہیں کیا ہو گیا ہے!' وہ مجھ سے کہتے، 'ہمارے لیے انتظار کرو! کیا یہ وہی "اونٹنی نہیں ہے جس پر تم آئی تھیں؟'' جی ہاں اللہ کی قسم,' میں نے کہا, 'یہ بالکل وہی ہے۔ وہ کہتے۔ اس کے ساتھ,'" کچھ نہ کچھ عجیب بات ہو گئی ہے.

"ہم اپنے خیموں تک پہنچے، اور میں اللہ کی زمین پر اس سے زیادہ بنجر جگہ نہیں جانتی تھی، جیسا کہ وہ جگہ اُس وقت تھی۔ لیکن جب سے ہم نے اس بچے کو اپنے ساتھ رکھا، میرا ریوڑ شام کو گھر واپس آتا اور دودھ سے بھرا ہوتا۔ ہم انہیں دودھ دوہ کر پیتے، جبکہ دوسرے کسی کے پاس ایک بوند دودھ بھی نہیں ہوتا تھا؛ اور ہمارے پڑوسی اپنے چرواہوں سے کہتے: 'تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ اپنے ریوڑ کو اُس جگہ چراؤ جہاں وہ چرواہا اپنے ریوڑ کو چراتا ہے،' یعنی میرا چرواہا۔ پھر بھی ان کے ریوڑ بھوکے واپس آتے، دودھ کے بغیر، جبکہ ہمارے ریوڑ پیٹ بھر کر دودھ سے بھرے واپس آتے؛ اور ہم اس اضافے اور اللہ کی بخشش سے لطف اندوز ہوتے رہے یہاں تک کہ بچے کے دو سال مکمل ہو گئے، اور ہم نے اسے دودھ پلانا بند کر دیا۔[1] "

"وہ اچھی طرح بڑھ رہا تھا," اس نے مزید کہا, "اور دوسرے بچوں میں سے کوئی بھی اس کی مانند ترقی نہیں کر رہا تھا۔ جب وہ دو سال کا ہوا، تو وہ ایک خوبصورت بچہ بن چکا تھا، اور ہم نے اسے دوبارہ اس کی ماں کے حوالے کیا، حالانکہ ہم یہ چاہتے تھے کہ وہ ہمارے ساتھ ہی رہے کیونکہ وہ ہمیں بہت سی برکتیں دے رہا تھا۔ تو میں نے کہا: 'میرے چھوٹے بیٹے کو میرے ساتھ چھوڑ دو تاکہ وہ مزید طاقتور ہو جائے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مکہ کی وبا کا شکار نہ ہو جائے۔' اور ہم نے اسے مجبور کیا یہاں تک کہ وہ دوبارہ ہمیں دے دیا، اور ہم اسے اپنے گھر لے آئے۔

"ایک دن، ہمارے واپس آنے کے کچھ ماہ بعد، جب وہ اور اس کا بھائی ہمارے خیموں کے پیچھے کچھ بکریوں کے ساتھ تھے، اس کا بھائی دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا اور کہا: 'وہ قریشی بھائی! دو آدمی سفید کپڑوں میں آئے ہیں اور اسے لے جا کر اس کی چھاتی کھول کر اس میں کچھ کر رہے ہیں!' تو میں اور اس کے والد اس کے پاس گئے، اور ہم نے اسے کھڑا ایا، لیکن اس کا چہرہ بہت پیلا تھا۔ ہم نے اسے اپنے پاس کھینچا اور کہا: 'بیٹا، تمہیں کیا ہوا ہے؟' اس نے کہا: 'دو آدمی سفید کپڑوں میں آئے اور مجھے لٹا کر میری چھاتی کھول کر کچھ تلاش کر رہے تھے، میں نہیں جانتا کیا۔[2]'

[1] I.I. 105. [2] ibid.

حلیمہ اور ان کے شوہر حارث نے ادھر ادھر دیکھا، لیکن ان آدمیوں کا کوئی نشان نہ تھا۔ نہ ہی کوئی خون تھا اور نہ کوئی زخم جو ان دونوں لڑکوں کی کہی ہوئی بات کو ثابت کر سکے کسی بھی قسم کی تفتیش سے وہ اپنے الفاظ واپس لینے یا ان میں کوئی تبدیلی کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ لیکن ان کے دودھ پینے والے بچے کے سینے پر نہ تو کوئی نشان تھا اور نہ ہی اس کے مکمل جسم پر کوئی داغ تھا۔ واحد غیر معمولی چیز اس کی پیٹھ کے درمیان کمر کے نیچے تھی: ایک چھوٹا مگر واضح بیضوی نشان جہاں گوشت معمولی سا اُٹھا ہوا تھا، گویا کسی پچھواڑے کے کپ کی چھاپ ہو؛ لیکن وہ نشان پیدائش کے وقت سے تھا۔

بعد کی زندگی میں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کو مزید تفصیل سے بیان کیا: "میرے پاس دو آدمی آئے، سفید لباس میں ملبوس، اور ان کے پاس سونے کی ایک طشتری تھا جس میں برف تھی۔ پھر انہوں نے مجھے پکڑا، اور میرا سینہ چاک کر کے میرا دل نکال لیا۔ پھر انہوں نے دل کو بھی چاک کیا اور اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینک دیا۔ پھر انہوں نے میرے دل اور سینے کو برف[1] سے دھویا۔" وہ یہ بھی کہتے ہیں: "شیطان ہر انسان کے ساتھ اس کی ماں کے پیٹ میں اس دن سے لگتا ہے جس دن وہ پیدا ہوتا ہے، سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے۔[2]"

[1] 1.5.III, 96 [2] B. LX, s4.

IX

Two Bereavements

دو صدمے

حلیمہ اور حارث دونوں یہ سمجھتے تھے کہ لڑکوں نے سچ بولا ہے، اور اس وجہ سے وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئے تھے۔ حارث کو خوف تھا کہ شاید ان کا دودھ پینے والا بیٹا کسی برے روح کے اثر میں آ گیا ہے یا کسی جادو کا شکار ہو گیا ہے، اور اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ فوراً اسے اس کی ماں کے پاس لے جائے تا کہ اس پر جو بھی اثرات ہوئے ہیں، وہ ظاہر نہ ہوں۔ چناں چہ حلیمہ نے اسے دوبارہ مکہ لے جانے کا فیصلہ کیا، مگر اس نے اپنے خیال کی اصل وجہ کے بارے میں کچھ نہ کہنے کا ارادہ کیا۔ لیکن یہ تبدیلی اتنی اچانک تھی کہ آمنہ رضی اللہ عنہا دھوکہ نہیں کھا سکی، اور آخر کار اسے ساری کہانی سنانے پر مجبور کر دیا۔ جب اس نے ساری بات سنی تو اس نے حلیمہ کے خوف کو رد کر دیا، اور کہا: "میرے بیٹے کے لیے بڑی باتیں مقدر ہیں۔" پھر آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنی حاملگی اور اس روشنی کے بارے میں بتایا جو اسے اپنے اندر محسوس ہو رہی تھی۔ حلیمہ کو تسلی ہو گئی، لیکن اس بار آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو رکھنے کا فیصلہ کیا۔ "اسے میرے ساتھ چھوڑ دو،" اس نے کہا، "اور تمہاری واپسی کا سفر خوش گوار ہو۔"

لڑکا تقریباً تین سال تک مکہ میں اپنی والدہ کے ساتھ خوشی سے رہا، اپنے دادا، چچا، خالاؤں اور کئی کزنز کی محبت جیتتا رہا جن کے ساتھ وہ کھیلتا تھا۔ خاص طور پر اس کے لیے حنظلہ اور صفیہ بہت عزیز تھے، جو عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی آخری شادی سے پیدا ہوئے تھے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی شادی کے دن ہی ہوئی تھی۔ حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے ہم عمر تھے، صفیہ کچھ کم عمر تھیں - ان کے چچا اور پھوپھی باپ کی طرف سے، اور ماں کی طرف سے ان کے کزن تھے - اور ان تینوں کے درمیان ایک مضبوط اور دیرپا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔

جب وہ چھ سال کے ہوئے، تو ان کی والدہ نے انہیں یثرب (مدینہ) اپنے رشتہ داروں کے ہاں لے جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ شمال کی طرف جانے والے قافلے میں شامل ہوئے، دو اونٹوں پر سوار، آمنہ رضی اللہ عنہا ایک پر اور وہ دوسرے پر اپنی وفادار لونڈی، بارکہ کے ساتھ۔ بعد کی زندگی میں محمد ﷺ نے بتایا کہ کس طرح انہوں نے اپنے خاندانی رشتہ داروں کے ہاں ایک تالاب میں تیرنا سیکھا، اور لڑکوں نے انہیں پتنگ بازی سکھائی۔ لیکن جب وہ واپسی کے سفر پر نکلے، آمنہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئی اور انہیں رکنا پڑا، اور قافلہ ان کے بغیر آگے بڑھ گیا۔ چند دن بعد وہ وفات پا گئیں — یہ ابوا' میں تھا، یثرب سے زیادہ دور نہیں — اور وہیں دفن ہو گئیں۔ بارکہ نے لڑکے کو تسلی دینے کی کوشش کی، جو اب دوہرا یتیم ہو چکا تھا، اور کچھ مسافروں کے ساتھ وہ اسے دوبارہ مکہ لے آئی۔

اب عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے ان کی مکمل نگہداشت شروع کر دی، اور یہ بات جلد ہی واضح ہو گئی کہ ان کی خصوصی محبت جو عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھی، اب عبد اللہ کے بیٹے کے لیے منتقل ہو گئی تھی۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہمیشہ کعبہ کے قریب رہنا پسند کرتے تھے، جیسے کہ وہ سابقہ وقتوں میں ہجر میں سوتے تھے جب انہیں زم زم کو کھودنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے ان کا خاندان ہر دن انہیں مسجد الحرام کے سایے میں ایک بستر فراہم کرتا، اور اپنے والد کی عزت میں کوئی بھی اس وقت تک اس کے قریب نہ آتا جب تک کہ وہ خود نہ بلاتے۔

ان کے بیٹے، حتیٰ کہ حمزہ رضی اللہ عنہ بھی، کبھی اس پر بیٹھنے کی جرات نہیں کرتے تھے؛ لیکن ان کے چھوٹے پوتے کو اس بارے میں کوئی اعتراض نہ تھا، اور جب ان کے چچا انہیں کہیں اور بیٹھنے کو کہتے، تو عبد المطلب رضی اللہ عنہ کہتے: "میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم، اس کا مستقبل عظیم ہے۔" وہ انہیں اپنے پاس بیٹھا کر ان کی پیٹھ سہلاتے، اور انہیں ہمیشہ خوشی ہوتی تھی کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے، اسے دیکھیں۔ تقریباً ہر دن انہیں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، یا تو کعبہ کے قریب یا مکہ میں کہیں اور دیکھا جا سکتا تھا۔ عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اُس مجلس میں بھی لیا جہاں شہر کے تمام اہم لوگ، جو چالیس سال سے زیادہ عمر کے تھے، مختلف معاملات پر گفتگو کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے؛ اور وہ اس اسی سالہ بزرگ آدمی کو کبھی نہ روکنے کے بجائے، سات سالہ بچے سے یہ یا وہ رائے ضرور پوچھتے تھے؛ اور جب ان کے ساتھی اہم لوگ سوال کرتے، تو وہ ہمیشہ یہی کہتے: "میرے بیٹے کا مستقبل عظیم ہے۔"

ان کی والدہ کی وفات کے دو سال بعد، یتیم کو اپنے دادا سے محرومی کا سامنا ہوا۔ جب عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو انہوں نے اپنے پوتے کو ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا، جو اس کے والد کے مکمل بھائی تھے؛ اور ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اس بچے کے لیے وہی محبت اور مہربانی جاری رکھی جو انہوں نے اپنے والد سے پائی تھی۔ اب وہ اپنے بیٹوں کی طرح تھا، اور اس کی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا[1] نے وہ سب کچھ کیا جس سے وہ بچے کی والدہ کی کمی پوری کر سکے۔ بعد کی زندگی میں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ "وہ اپنے بچوں کو بھوکا رہنے دیتی، مگر مجھے نہیں۔"

[1] ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرح، وہ بھی ہاشم کی پوتی تھیں، اسد کی بیٹی جو عبد المطلب کے سوتیلے بھائی تھے۔

X

Bahira the Monk

بحیرہ راہب

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی خوشحالی, زندگی کے آخری حصے میں زوال پذیر ہو گئی تھی، اور ان کے انتقال کے بعد جو کچھ چھوڑا وہ ان کے بیٹوں کے لیے معمولی وراثت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان میں سے بعض، خاص طور پر عبدالعزیٰ، جنہیں ابو لہب کے نام سے جانا جاتا تھا، نے اپنی دولت خود کمائی تھی۔ لیکن ابو طالب رضی اللہ عنہ غریب تھے، اور ان کے بھتیجے کو اپنی روزی کمانے کے لیے جو ممکن ہو کرنا پڑا۔ وہ زیادہ تر بکریاں اور بھیڑیں چرا کر اپنی گزر بسر کرتے تھے، اور یوں مکہ کے پہاڑوں یا وادیوں کے کناروں پر دن بہ دن تنہا گزارتے تھے۔ لیکن ان کے چچا کبھی کبھار انہیں اپنے ساتھ سفر پر لے جاتے تھے، اور ایک موقع پر جب محمد ﷺ کی عمر نو سال یا بعض روایات کے مطابق بارہ سال تھی، وہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام تک گئے۔

بصرہ میں، جہاں مکی قافلہ ہمیشہ ٹھہرتا تھا، ایک خانقاہ تھی جہاں نسل در نسل عیسائی راہب رہتے آئے تھے۔ جب ایک راہب کا انتقال ہوتا، تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا اور خانقاہ کی تمام اشیاء، بشمول پرانے مخطوطات، کا وارث بن جاتا۔ ان میں ایک مخطوطہ ایسا بھی تھا جس میں عربوں میں ایک نبی کے ظہور کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ وہاں موجود راہب بحیرا، جو اس وقت خانقاہ میں رہتا تھا، اس کتاب کے مضامین سے بخوبی واقف تھا، اور وہ اس پیش گوئی میں گہری دلچسپی رکھتا تھا، کیونکہ ورقہ بن نوفل کی طرح اسے بھی یقین تھا کہ نبی کا ظہور اس کی زندگی میں ہو گا۔

اس نے اکثر مکی قافلے کو اپنی خانقاہ کے قریب آتے اور ٹھہرتے دیکھا تھا، لیکن جب اس قافلے کو دیکھا تو اس کی توجہ ایک ایسی چیز پر گئی جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی: ایک چھوٹا سا بادل ان کے سروں کے اوپر آہستہ آہستہ حرکت کر رہا تھا، جو ہمیشہ سورج اور ایک یا دو مسافروں کے درمیان رہتا۔ بحیرا نے گہری دلچسپی کے ساتھ ان کے قریب آنے کا منظر دیکھا۔ لیکن اچانک اس کی دلچسپی حیرت میں بدل گئی، کیونکہ جیسے ہی وہ قافلہ رکا، بادل حرکت کرنا بند ہو گیا اور اس درخت کے اوپر ٹھہر گیا جس کے نیچے وہ آرام کر رہے تھے، اور درخت کی شاخیں بھی نیچے جھک گئیں، تاکہ ان پر دُہری چھاؤں پڑ سکے۔ بحیرا جان گیا کہ یہ علامت، اگرچہ غیر معمولی نہیں تھی، مگر نہایت اہمیت رکھتی تھی۔ یہ صرف کسی عظیم روحانی موجودگی کی وجہ سے ہو سکتی تھی، اور فوراً اس کے ذہن میں متوقع نبی کا خیال آیا۔ کیا ممکن ہے کہ وہ نبی آخرکار آ چکے ہوں اور انہی مسافروں میں ہوں؟

خانقاہ میں حال ہی میں کھانے پینے کا سامان ذخیرہ کیا گیا تھا، اور جو کچھ بھی اس کے پاس تھا اس نے اکٹھا کیا اور قافلے کو پیغام بھیجا: "قریش کے لوگو، میں نے تمہارے لیے کھانے کا انتظام کیا ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ تم سب میرے پاس آؤ، چھوٹے بڑے، غلام اور آزاد سب۔" چنانچہ وہ سب اس کی خانقاہ میں آئے، لیکن اس کی ہدایت کے باوجود، انہوں نے محمد ﷺ کو اونٹوں اور سامان کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ دیا۔ جب وہ قریب آئے تو بحیرا نے ایک ایک کر کے ان کے چہروں کا جائزہ لیا۔

لیکن وہ کسی بھی ایسے شخص کو نہ دیکھ سکا جو اس کی کتاب میں دی گئی تفصیلات سے مطابقت رکھتا ہو، اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایسا دکھائی دیا جو ان دو معجزات کی عظمت کے لائق ہو۔ شاید سب لوگ نہیں آئے تھے۔

"قریش کے لوگو،" بحیرا نے کہا، "کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔"

انہوں نے جواب دیا: "ہمارے ساتھ کوئی پیچھے نہیں رہ گیا، سوائے ایک لڑکے کے، جو ہم سب میں سب سے کم عمر ہے۔"

بحیرا نے کہا، "اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو، بلکہ اسے بلاؤ اور اسے بھی اس کھانے میں ہمارے ساتھ شریک ہونے دو۔"

ابو طالب رضی اللہ عنہ اور باقی لوگوں نے اپنی غفلت پر خود کو ملامت کی۔ ان میں سے ایک نے کہا: "یہ ہماری غلطی ہے کہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو پیچھے چھوڑ دیا گیا اور اسے ہمارے ساتھ اس دعوت میں شریک نہیں کیا گیا۔" چنانچہ وہ اس لڑکے کے پاس گئے، اسے گلے لگایا اور اسے لوگوں کے ساتھ بٹھا دیا۔

ایک نظر لڑکے کے چہرے پر ڈالنا بحیرا کے لیے معجزات کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے کافی تھا۔ کھانے کے دوران بحیرا نے لڑکے کے چہرے اور جسم کی کئی خصوصیات کو غور سے دیکھا جو اس کی کتاب میں دی گئی تفصیلات سے مطابقت رکھتی تھیں۔

جب کھانے سے فارغ ہوئے تو بحیرا اس سب سے چھوٹے مہمان کے پاس گیا اور اس سے اس کی زندگی، اس کے سونے جاگنے کے معمولات، اور دیگر معاملات کے بارے میں سوالات کیے۔ محمد ﷺ نے خوش دلی سے ان سوالات کے جوابات دیے کیونکہ وہ بزرگ شخصیت تھی اور اس کے سوالات ادب واحترام اور خیر خواہی پر مبنی تھے۔

آخر میں جب بحیرا نے درخواست کی کہ کیا وہ لڑکے کی پیٹھ دیکھ سکتا ہے تو محمد ﷺ نے بلا جھجک اپنی چادر اتار دی۔ بحیرا پہلے ہی یقین کر چکا تھا، لیکن اب اس کا یقین دوگنا ہو گیا، کیونکہ اس کے کندھوں کے درمیان وہی نشان تھا جسے وہ دیکھنے کی توقع کر رہا تھا، وہی مہر نبوت جو اس کی کتاب میں بالکل اسی جگہ بیان کی گئی تھی۔

بحیرا نے ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کیا اور پوچھا: "اس لڑکے کا تم سے کیا رشتہ ہے؟" ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "یہ میرا بیٹا ہے۔"

بحیرا نے کہا: "یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس لڑکے کے والد زندہ نہیں ہو سکتے۔" ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: "یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔"

بحیرا نے پوچھا: "تو اس کے والد کا کیا ہوا؟" ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "وہ اس وقت وفات پا گئے تھے جب یہ لڑکا ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔"

بحیرا نے کہا: "یہ بالکل سچ ہے۔ اپنے بھائی کے بیٹے کو واپس اس کے وطن لے جاؤ اور اسے یہودیوں سے محفوظ رکھو، کیونکہ خدا کی قسم، اگر انہوں نے اسے دیکھا اور اس کے بارے میں وہ جان لیا جو میں جانتا ہوں، تو وہ اس کے خلاف سازش کریں گے۔ تمہارے اس بھائی کے بیٹے کے لیے بہت عظیم باتیں مقدر ہیں۔"

XI

A Pact of Chivalry

شاہانہ عہد

جب ابو طالب رضی اللہ عنہ نے شام میں اپنا کاروبار مکمل کیا، تو وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ مکہ واپس آ گئے، جو پہلے کی طرح اپنی تنہا زندگی گزار رہا تھا۔ لیکن ان کے چچا اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ وہ، جیسے کہ عباس رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ، جنگی ہتھیاروں کے استعمال میں کچھ تربیت حاصل کریں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ واضح طور پر ایک عظیم شخصیت بننے کے لیے مقدر تھے، جنہیں جسمانی طاقت سے نوازا گیا تھا۔ وہ پہلے ہی ایک اچھے تلوار باز اور پہلوان تھے۔ محمد ﷺ کی قد و قامت اوسط تھی اور جسمانی طاقت بھی اوسط تھی، تاہم انہیں تیر اندازی میں خاص مہارت تھی اور ان میں اپنے عظیم آبا، ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی طرح ایک اچھے تیر انداز بننے کی پوری صلاحیت تھی۔ اس کے لیے ایک طاقتور اثاثہ ان کی نظر کی طاقت تھی: ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ پلے ایڈز (Pleiades) کے نظامِ ستارگان کے کم از کم بارہ ستاروں کو گن سکتے تھے۔[1]

ان سالوں میں قریش کسی جنگ میں ملوث نہیں تھے سوائے ایک وقفے وقفے سے جاری تنازعہ کے جو "مقدس جنگ" کے طور پر جانا جانے لگا کیونکہ یہ ایک مقدس مہینے میں شروع ہوئی تھی۔ قبیلہ کنانہ کے ایک فضول خرچ شخص نے نجد, عمیر کے ایک شخص، جو کہ نجران کے حوازن قبائل میں سے تھا، کو غداری سے قتل کیا اور خیبرَ کے ناقابل تسخیر قلعے میں پناہ لی۔ واقعات کا تسلسل معمول کے بدوی طریقے پر عمل پیرا تھا: عزت کا مطالبہ انتقام تھا، اس لیے قتل ہونے والے شخص کی قوم نے کنانہ پر حملہ کیا، جو کہ قاتل کی قوم تھی، اور قریش کو بھی کچھ حد تک بدنامی کے ساتھ کنانہ کے اتحادی کے طور پر ملوث کیا گیا۔ یہ تنازعہ تین یا چار سال تک جاری رہا، جس میں صرف پانچ دن لڑائی ہوئی۔ ہاشم قبیلے کے سردار اس وقت زبیر تھے، جو محمد ﷺ کے والد اور چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ کے مکمل بھائی تھے۔ زبیر اور ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے کو جنگوں میں سے ایک میں لے کر گئے، لیکن انہوں نے کہا کہ وہ لڑنے کے لیے بہت کم عمر ہے۔ پھر بھی اسے یہ اجازت دی گئی کہ وہ دشمن کے تیر جو نشانے سے ہٹ گئے تھے، جمع کر کے اپنے چچا کو واپس دے تا کہ وہ انہیں واپس دشمن پر پھینک سکیں۔ لیکن ایک بعد کی لڑائی میں، جہاں قریش اور ان کے اتحادیوں کو شکست کا سامنا ہوا، اسے تیر اندازی کی مہارت دکھانے کا موقع دیا گیا اور اس کی بہادری کی تعریف کی گئی[2]

یہ جنگ اس بڑھتے ہوئے عدم اطمینان کو ہوا دینے میں مددگار ثابت ہوئی جو ہر آباد معاشرے کو صحرا کی قانون سے ناراضگی محسوس ہوتی ہے۔ قریش کے بیشتر سرکردہ لوگ شام سفر کر چکے تھے اور انہوں نے رومن سلطنت میں موجود نسبتا انصاف کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حبشہ میں بھی ایسا انصاف ممکن تھا جس کے لیے جنگ کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن عرب میں ایسا کوئی قانون نہیں تھا جس کے ذریعے کسی جرم کا شکار شخص یا اس کے خاندان کو انصاف مل سکتا۔ اور یہ قدرتی تھا کہ یہ مقدس جنگ، جیسے جیسے بڑھتی گئی، لوگوں کی نظر میں عربی معاشرے کی کمیوں کو اجاگر کرتی گئی.

[1] I.H.II9.

[2] I.S.III, 81.

مکہ میں لڑائی کے اختتام کے بعد چند ہفتوں میں ایک شرمناک واقعہ پیش آیا جس نے قریش کے انصاف کے احساس کو آزمایا۔ یمن کی بندرگاہ زابد کا ایک تاجر، جس نے سہمی قبیلے کے ایک سرکردہ فرد کو قیمتی مال بیچا تھا، سہمی نے وعدہ شدہ قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ مظلوم تاجر، جیسا کہ اس کا ظلم کرنے والا خوب جانتا تھا، مکہ میں ایک اجنبی تھا اور پورے شہر میں اس کا کوئی حمایتی یا سرپرست نہیں تھا جس کے پاس وہ مدد کے لیے جا سکتا۔ لیکن وہ دوسرے شخص کی گستاخانہ خوداعتمادی سے مرعوب ہونے والا نہیں تھا؛ اور ابو قبیس کی ڈھلوان پر کھڑے ہو کر اس نے قریش سے پُرزور اور پرجوش انداز میں اپیل کی کہ انصاف کیا جائے۔

ایک فوری ردعمل ان زیادہ تر قبائل سے آیا جن کا سہیم کے ساتھ کوئی روایتی اتحاد نہیں تھا۔ قریش کی سب سے بڑی کوشش اس بات پر مرکوز تھی کہ وہ متحد رہیں، چاہے قبیلے کچھ بھی ہوں؛ مگر اس اتحاد کے اندر ابھی بھی اس شق کا گہرا احساس موجود تھا جو انہیں قُصی کے ورثے پر اختلاف کی بنا پر دو گروپوں میں تقسیم کر چکا تھا، یعنی معطر افراد اور اتحادی، اور سہیم اتحادیوں میں شامل تھے۔ دوسرے گروہ کے ایک رہنما، اور اس وقت مکہ کے سب سے امیر ترین افراد میں سے ایک، تیم کے سردار عبد اللہ بن جدعان تھے، اور انہوں نے اب انصاف کے تمام خواہش مندوں کے لیے اپنے بڑے گھر کو ایک ملاقات گاہ کے طور پر پیش کیا۔ معطر افراد میں سے صرف عبد شمس اور نوفل قبائل غائب تھے۔۔ ہاشم، مطلب، زہرا، اسد اور تیم قبیلے اچھی نمائندگی کر رہے تھے، اور ان میں عدي قبیلہ بھی شامل ہوا جو کبھی کنفیڈریٹس کا حصہ تھا۔

مخلصانہ بحث کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ انصاف کی حمایت اور کمزوروں کے تحفظ کے لیے ایک شاہانہ عہد قائم کرنا ضروری ہے۔ پھر وہ سب لوگ ایک ساتھ کعبہ کے پاس گئے جہاں انہوں نے حجرِ اسود پر پانی ڈالا اور اسے ایک برتن میں جمع ہونے دیا۔ اس کے بعد ہر شخص نے اس مقدس پانی کو پیا، اور اپنے دائیں ہاتھ کو سر کے اوپر اٹھا کر یہ عہد کیا کہ وہ مکہ میں ہر ظلم کے خلاف ایک ساتھ، ظلم کے شکار شخص کے ساتھ کھڑے ہوں گے، چاہے وہ شخص قریش کا ہو یا کوئی اجنبی۔ اس کے بعد سہمی قبیلے کے فرد کو اپنا قرض ادا کرنے پر مجبور کیا گیا، اور جن قبیلوں نے اس عہد میں شرکت نہیں کی تھی، وہ اس کی مدد کے لیے نہیں آئے۔

تیم قبیلے کے عبد اللہ بن جدعان کے ساتھ اس عہد کے بانیوں میں ہاشم کے زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اور وہ اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو بھی لے کر آئے جو اس عہد میں شریک ہوئے۔ محمد ﷺ نے بعد میں کہا: "میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر اس عظیم عہد میں موجود تھا اور میں اسے سرخ اونٹوں کے ریوڑ کے عوض بھی تبدیل نہ کرتا، اور اگر اب اسلام میں مجھے اس عہد کے لیے بلایا جائے تو میں خوشی سے جواب دوں گا۔[1]" اس ملاقات میں ایک اور شریک ان کے میزبان کے چچا ابو قحافہ تھے، جو تیم قبیلے سے تھے، اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو محمد ﷺ سے ایک یا دو سال چھوٹے تھے اور جو بعد میں محمد ﷺ کے قریب ترین دوست بننے والے تھے

[1] I.I. 86.

XII

Questions of Marriage

شادی کے سوالات

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اب اپنی بیسویں سالگرہ گزارلی تھی، اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، انہیں اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے مختلف بیرونِ ملک سفر پر جانے کی دعوتیں ملنے لگیں۔ آخر کار وہ دن آیا جب انہیں ایک تاجر کے مال ومتاع کی دیکھ بھال کرنے کا کہا گیا جو خود سفر کرنے سے قاصر تھا، اور اس میں کامیابی نے انہیں مزید اسی قسم کی ذمہ داریاں دلائیں۔ اس طرح وہ بہتر روزگار کمانے کے قابل ہوئے، اور شادی کرنا ایک ممکنہ بات بن گئی۔

اس وقت ان کے چچا اور سرپرست ابو طالب رضی اللہ عنہ کے تین بیٹے تھے: سب سے بڑا، طالب، محمد ﷺ کا ہم عمر تھا؛ عقیل تیرہ یا چودہ سال کا تھا؛ اور جعفر رضی اللہ عنہ چار سال کا بچہ تھا۔ محمد ﷺ بچوں سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کے ساتھ کھیلنا پسند کرتے تھے؛ اور وہ جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص طور پر جڑے ہوئے تھے جو ایک خوبصورت اور ذہین بچہ تھا، اور جو اپنے کزن کی محبت کا جواب ایک ایسی وفاداری سے دیتا تھا جو ہمیشہ قائم رہی۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں بھی تھیں، اور ان میں سے ایک لڑکی ایسی تھی جو شادی کے قابل ہو چکی تھی۔ اس کا نام فاختہ تھا، لیکن بعد میں وہ اُم ہانیٰ کہلائی، اور یہ نام ہمیشہ انہیں کے ساتھ وابستہ رہا۔ محمد ﷺ اور اُم ہانیٰ کے درمیان بہت محبت پیدا ہو گئی تھی، اور محمد ﷺ نے اپنے چچا سے درخواست کی کہ انہیں اُم ہانیٰ سے شادی کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے لیے کچھ اور منصوبے تھے: اس کا کزن حبیرہ، جو اس کی ماں کے بھائی کا بیٹا تھا، جو مکہ کے مخزوم قبیلے سے تھے، نے بھی اُم ہانیٰ کے ہاتھ کے لیے درخواست کی تھی؛ اور حبیرہ نہ صرف مالی لحاظ سے کچھ حیثیت رکھتے تھے بلکہ وہ ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرح ایک خوبصورت شاعر بھی تھے۔ مزید یہ کہ مخزوم قبیلے کی طاقت مکہ میں ہاشم کے قبیلے کی طاقت سے بڑھ رہی تھی؛ اور ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اُم ہانیٰ کی شادی حبیرہ سے کر دی۔

جب محمد ﷺ نے اپنے چچا سے نرمی سے شکایت کی، تو ابو طالب رضی اللہ عنہ نے بس یہ جواب دیا: "انہوں نے ہمیں اپنی بیٹیاں دی ہیں" - یقیناً ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر رہے تھے - "اور ایک سخی آدمی کو سخاوت کا بدلہ دینا چاہیے۔"[1] یہ جواب غیر قائل کن تھا کیونکہ عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اس سوال میں پہلے ہی مخزوم قبیلے کے دو مردوں، عاتکہ اور برہ کے ساتھ اپنی بیٹیوں کی شادی کر کے اس قرض کا بھرپور بدلہ چکا دیا تھا۔ محمد ﷺ نے غالباً اپنے چچا کے الفاظ کو ایک شائستہ اور مہربان طریقے سے لیا کہ وہ اسے براہ راست یہ نہیں بتا سکے کہ وہ ابھی شادی کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بہر حال، یہی فیصلہ محمد ﷺ نے اس وقت کیا۔

[1] I.S. VIII, 108

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے بارے میں اپنا فیصلہ بدل لیا تھا، لیکن کچھ غیر متوقع حالات نے انہیں اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کیا۔

مکہ کے امیر تاجروں میں سے ایک تاجر خاتون تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، جو قبیلہ اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ ورقہ عیسائی اور اس کی بہن قتیلہ کی پہلی کزن تھی، اور جیسے وہ، ویسے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہاشم کے بیٹوں کی دور کی کزن تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دوبار شادی کی تھی، اور اپنے دوسرے شوہر کی وفات کے بعد وہ اپنا کاروبار خود چلانے کے لیے مردوں کو اجرت پر رکھتی تھیں تاکہ وہ ان کی طرف سے تجارت کریں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں "الامین"، یعنی "قابل اعتماد"، "سچا" اور "اچھا" کے طور پر مشہور ہو چکے تھے، اور یہ شہرت ان لوگوں کی وجہ سے تھی جنہوں نے مختلف مواقع پر اپنی مال و متاع ان کے حوالے کی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کے بارے میں اپنے خاندان کے ذرائع سے بہت کچھ سنا تھا۔ ایک دن انہوں نے محمد ﷺ کو پیغام بھیجا اور کہا کہ وہ اپنی کچھ مال و متاع کو شام لے جائیں۔ ان کی اجرت وہ دوگنا دیں گی جو کسی اور قریشی تاجر کو کبھی دی گئی تھی؛ اور اس سفر کے لیے ان کے ساتھ ایک لڑکے، میسرہ، کو بھیجنے کی پیشکش کی۔ محمد ﷺ نے ان کی پیشکش قبول کی اور میسرہ کے ساتھ مال لے کر شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب وہ بصرہ، شام کے جنوب میں پہنچے تو محمد ﷺ ایک درخت کے سائے میں آرام کرنے کے لیے رکے، جو ایک عیسائی راہب، نستور، کے خلوت خانہ کے قریب تھا۔ چونکہ مسافروں کا ٹھہراؤ اکثر ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے، تو یہ وہی درخت ہو سکتا تھا جس کے نیچے محمد ﷺ پندرہ سال پہلے اپنے چچا کے ساتھ بصرہ میں رکے تھے۔ ممکن ہے کہ بحیرہ راہب کا انتقال ہو چکا ہو اور نستور نے اس کی جگہ لے لی ہو۔ بہر حال، یہ وہی بات ہے جو میسرہ نے رپورٹ کی۔ نستور اپنے کمرے سے باہر آیا اور میسرہ سے پوچھا: "وہ درخت کے نیچے بیٹھا شخص کون ہے؟" میسرہ نے جواب دیا: "وہ قریش کا شخص ہے، جو خانہ کعبہ کا متولی ہے۔" نستور نے کہا: "یہ شخص اور کوئی نہیں بلکہ ایک نبی ہے جو اس درخت کے نیچے بیٹھا ہے[1]۔"

جب وہ شام کے مزید اندر گئے، تو نستور کی باتیں میسرہ کے دل میں گہرائی تک بیٹھ گئیں، لیکن وہ زیادہ حیران نہیں ہوا، کیونکہ وہ سفر کے دوران یہ سمجھ چکا تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ سفر کر رہا ہے جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس بات کی مزید تصدیق اس نے اپنے سفر کے دوران ایک اور بات سے کی: اس نے بار بار محسوس کیا کہ گرمی بہت زیادہ نہیں تھی، اور ایک دن دوپہر کے قریب اسے اچانک ایک صاف اور واضح منظر دکھائی دیا، جس میں دو فرشتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سورج کی تیز کرنوں سے بچانے کے لیے ان کے سائے میں موجود تھے۔

مکہ واپس پہنچ کر، وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور وہ مال واپس کیا جو انہوں نے شام کے بازاروں سے خرید کر قریش کے مال سے بیچا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دھیان سے سن رہی تھیں، جب وہ اپنے سفر کے بارے میں بتا رہے تھے اور ان کے کیے گئے تجارتی سودوں کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ تمام سودے نہایت منافع بخش ثابت ہوئے

[1] 83 ,I.S. I/I. اسلامی روایات کے مطابق، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اور نہیں بلکہ وہ پر اسرار "شیلو" ہیں، جنہیں "آخر الزمان" میں روحانی اقتدار منتقل کیا جائے گا، جو اس سے پہلے تک یہود کے اختیار میں تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہوداہ کے نسب سے آخری نبی تھے۔ یہ پیشگوئی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات سے قبل کی تھی: "حضرت یعقوب اپنے بیٹوں کو پکارا اور کہا: تم سب ایک جگہ جمع ہو جاؤ تاکہ میں تمہیں وہ بات بتا سکوں جو تمہارے ساتھ آخری دنوں میں ہونے والی ہے... عصا یہوداہ سے جدا نہ ہو گا، اور نہ ہی کوئی قانون دینے والا اس کے قدموں کے درمیان سے، یہاں تک کہ شیلو آ جائے؛ اور لوگوں کا اجتماع اسی کے پاس ہو گا۔" (پیدائش 49:1،10)

وہ اپنے نئے حاصل کردہ اثاثے تقریباً دوگنا قیمت پر فروخت کرنے میں کامیاب ہوگئی جو اُن کے لیے ادا کی گئی تھی۔ مگر ایسے معاملات اُس کے ذہن میں نہیں تھے، کیونکہ اُن کی ساری توجہ ان خود بولنے والے شخص پر مرکوز تھی۔ محمد ﷺ کی عمر پچیس سال تھی۔ وہ درمیانہ قد، پتلا جسم رکھنے والے، بڑے سر والے، اور چوڑے کندھوں والے تھے، اور ان کا جسم باقی حصوں کے ساتھ متناسب تھا۔ ان کے بال اور داڑھی گھنے اور کالے تھے، بال سیدھے نہیں تھے بلکہ تھوڑے سے گھنگریالے تھے۔ ان کے بال کانوں کی لووں اور کندھوں کے درمیان تک پہنچتے تھے، اور ان کی داڑھی کی لمبائی بھی اسی کے مطابق تھی۔ ان کی پیشانی وسیع تھی اور اُن کی بڑی آنکھوں کے بیضوی حصے کشادہ تھے، جن پر انتہائی لمبی پلکیں تھیں اور اُن کی بھنویں وسیع اور ہلکے سے خمیدہ تھیں اور ابرو قدرے موڑ دار تھے مگر آپس میں جڑے ہوئے نہیں تھے۔ ابتدائی تفصیلات میں ان کی آنکھوں کو سیاہ کہا گیا ہے، لیکن ایک یا دو جگہوں پر یہ کہا گیا کہ ان کی آنکھیں بھوری تھیں یا بلکہ ہلکی بھوری تھیں۔ ان کی ناک کاٹھی دار تھی اور منہ وسیع اور خوش شکل تھا—ایک خوبصورتی جو ہمیشہ ظاہر رہتی تھی کیونکہ اگرچہ وہ اپنی داڑھی بڑھنے دیتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے مونچھوں کے بال کبھی اوپر کے ہونٹ سے باہر نہیں نکلنے دیے۔ ان کی جلد سفید تھی، مگر سورج کی تابکاری سے سنہری رنگ کی ہو چکی تھی۔ قدرتی خوبصورتی کے علاوہ، ان کے چہرے پر ایک روشنی تھی—وہی جو ان کے والد سے چمک رہی تھی، لیکن بیٹے میں یہ روشنی زیادہ طاقتور تھی—اور یہ روشنی خاص طور پر ان کی وسیع پیشانی اور آنکھوں میں نمایاں تھی، جو حیرت انگیز طور پر چمک رہی تھیں۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں کہ وہ خود ابھی تک خوبصورت ہیں، لیکن وہ ان سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ کیا وہ پھر بھی ان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟

جیسے ہی وہ چلے گئے، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک دوست، نفیسہ، سے مشورہ کیا، جس نے ان کی طرف سے محمد ﷺ تک رسائی حاصل کرنے اور اگر ممکن ہو تو ان کے درمیان شادی کا انتظام کرنے کی پیشکش کی۔ میسرہ اب اپنی مالکہ کے پاس گئے اور ان دو فرشتوں کے بارے میں اور راہب کے کہے گئے الفاظ بتائے، جس پر خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے کزن ورقہ کے پاس گئی اور یہ سب باتیں ان سے کہی۔ "اگر یہ سچ ہے، خدیجہ رضی اللہ عنہا،" انہوں نے کہا، "تو محمد ﷺ ہمارے لوگوں کا نبی ہیں۔ مجھے طویل عرصے سے معلوم تھا کہ ایک نبی کا انتظار کیا جا رہا ہے، اور اس کا وقت اب آگیا ہے۔[1]"

اسی دوران نفیسہ محمد ﷺ کے پاس گئی اور ان سے پوچھا کہ وہ شادی کیوں نہیں کرتے۔ "میرے پاس شادی کرنے کے وسائل نہیں ہیں،" انہوں نے جواب دیا۔ "لیکن اگر آپ کو وسائل مل جائیں،" اس نے کہا، "اور اگر آپ کو ایسی شادی کی دعوت دی جائے جس میں خوبصورتی، دولت، عہدے اور فراخی ہو، تو کیا آپ مان جاؤ گے؟" "وہ کون ہے؟" انہوں نے پوچھا۔ "خدیجہ رضی اللہ عنہا،" نفیسہ نے کہا۔ "اور ایسی شادی کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟" انہوں نے کہا۔ "وہ سب مجھ پر چھوڑ دو!" اس کا جواب تھا۔ "میری طرف سے،" انہوں نے کہا، "میں تیار ہوں۔[2]" نفیسہ یہی خبریں لے کر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئی، جنہوں نے پھر محمد ﷺ کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کے پاس آئیں؛ اور جب وہ آئے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: "میرے چچا کے بیٹے، میں آپ کو اپنی نسبت کی وجہ سے اور اس لیے چاہتی ہوں کہ آپ ہمیشہ انصاف کے مرکز میں رہتے ہو، نہ کہ لوگوں میں سے کسی کے ہمنوا ہو، اور میں آپ کو ایمانداری، آپ کی خوبصورتی، اور آپ کی سچائی کے لئے چاہتی ہوں۔[3]" پھر انہوں نے اپنی شادی کی پیشکش کی، اور دونوں نے یہ طے کیا کہ وہ اپنے چچاؤں سے بات کریں گے اور وہ اپنے چچا عمرو بن اسد سے بات کریں گی، کیونکہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد کا انتقال ہو چکا تھا.

[1] I.I. 12.1. [2] I.S. I/i, 84. [3] I.I. 120

یہ حمزہ رضی اللہ عنہ تھے جنہیں ان کی نسبتاً کم عمری کے باوجود ہاشمیوں نے اس موقع پر اپنی نمائندگی کے لیے منتخب کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا اس لیے کیا گیا کیونکہ وہ اسد قبیلے کے ساتھ سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھتے تھے۔ ان کی سگی بہن صفیہ رضی اللہ عنہا نے حال ہی میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوّام سے شادی کی تھی۔ چنانچہ حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے محمد ﷺ کے ساتھ عامر کے پاس گئے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ مانگا۔ ان کے درمیان یہ بات طے پائی کہ محمد ﷺ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مہر کے طور پر بیس اونٹ دیں گے۔

XIII

The Household

حضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی

دلہا

حضرت محمد ﷺ اپنے چچا کے گھر سے رخصت ہو کر اپنی اہلیہ کے گھر میں قیام پذیر ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نہ صرف آپ ﷺ کی زوجہ تھیں بلکہ ایک سچی رفیقِ حیات بھی تھیں۔ وہ اپنے شوہر کے خیالات، جذبات اور خواہشات میں غیر معمولی طور پر شریک تھیں۔ ن کی شادی نہایت بابرکت اور خوشیوں سے بھرپور تھی اا گرچہ یہ غمگین لمحات سے بھی خالی نہ تھی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ان کے چھ بچے پیدا ہوئے، دو بیٹے اور چار بیٹیاں۔ ان کا سب سے بڑا بچہ ایک بیٹا تھا جس کا نام قاسم رکھا گیا، اور محمد ﷺ کو ابو القاسم، یعنی قاسم کا والد کہا جانے لگا؛ مگر یہ بچہ اپنی دوسری سالگرہ سے پہلے ہی وفات پا گیا۔ اس کے بعد ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام زینب رضی اللہ عنہا رکھا گیا؛ اور پھر تین دوسری بیٹیاں ہوئیں، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا، اور آخر میں ایک اور بیٹا پیدا ہوا جو بہت کم عرصے تک زندہ رہا۔

شادی کے دن محمد ﷺ نے اپنے والد سے وراثت میں ملی وفادار غلام بارکہ کو آزاد کر دیا؛ اور اسی دن خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اپنے ایک غلام کا تحفہ دیا، جو پندرہ سال کا ایک نوجوان تھا جس کا نام زید رضی اللہ تعالی عنہ تھا۔ جہاں تک (Barakah) بارکہ کا تعلق ہے، ان کی شادی یثرب کے ایک مرد سے ہوئی جس سے اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا، اور پھر ان کو ام ایمن کے طور پر جانا جانے لگا، یعنی ایمن کی ماں۔ زید کی بات کریں تو وہ اور کچھ دوسرے نوجوان حال ہی میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم کے ذریعے 'عکاظ کے بڑے میلے میں خریدے گئے تھے، اور اگلی بار جب خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے بھتیجے کے پاس گئی تو حکیم نے اپنے نئے غلاموں کو بلا کر اس سے ایک غلام منتخب کرنے کے لیے کہا۔ وہ غلام جسے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے منتخب کیا وہ زید تھا۔

زید رضی اللہ تعالی عنہ اپنے نسب پر فخر کرتا تھا: اس کے والد حارثہ شمالی عرب کے عظیم قبیلے کلَب کے تھے، جن کا علاقہ شام اور عراق کے درمیان تھا؛ اور اس کی والدہ بھی ہمسایہ قبیلے طے کی ایک معروف خاتون تھی، جن کے سرداروں میں سے ایک مشہور شاعر و بہادر حاتم تھا، جو اپنی شجاعت اور فراخ دلی کے لیے پورے عرب میں مشہور تھا۔ کئی سال گزر چکے تھے جب زید کی والدہ اسے اپنے خاندان سے ملنے لے کر گئی تھی، اور وہاں کے گاؤں پر بنی قین کے کچھ سواروں نے حملہ کر کے زید کو اغوا کر لیا تھا اور اسے غلام بنا کر بیچ دیا۔ اس کے والد حارثہ نے بے سود اس کی تلاش کی تھی؛ اور زید نے بھی کلَب سے آنے والے کسی مسافر کو نہیں دیکھا تھا جو اسے اپنے والدین کو پیغام دے سکے۔ مگر خانہ کعبہ ہر طرف سے حجاج کو اپنی طرف کھینچتا تھا، اور ایک دن، جب وہ محمد ﷺ کا غلام بن چکا تھا، اس نے مکہ کی سڑکوں پر اپنی قبیلے اور خاندان کے کچھ افراد کو دیکھا۔ اگر اسے پچھلے سال یہ ملاقات ہوئی ہوتی، تو اس کے جذبات مختلف ہوتے۔ وہ اس ملاقات کا مشتاق تھا، مگر اب جب یہ آخر کار ہوئی تو یہ اسے ایک مشکل میں ڈال رہی تھی۔ وہ اپنے خاندان کو اپنی موجودگی سے بے خبر نہیں چھوڑ سکتا تھا،...

مگر وہ انہیں کیا پیغام بھیج سکتا تھا؟؟"اس کا مضمون کچھ بھی ہو، ایک صحرا کے بیٹے کی حیثیت سے وہ جانتا تھا کہ اس موقع کے لیے ایک نظم کے علاوہ کچھ بھی مناسب نہ ہو گا۔"

۔**اس** نے کچھ اشعار تخلیق کیے جو **اس** کے ذہن کا کچھ حصہ بیان کرتے تھے، لیکن ان میں جو کچھ تھا وہ اس سے زیادہ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔"پھر اس نے قلابیKal bite حاجیوں سے ملاقات کی اور انہیں اپنا تعارف کرانے کے بعد کہا: میرے خاندان تک یہ الفاظ پہنچا دینا، کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ انہوں نے میرے لیے غم کیا ہے:"

اگرچہ میں خود دور ہوں، پھر بھی میرے الفاظ

میرے لوگوں تک پہنچا دو:

میں اس مقدس گھر میں رہتا ہوں،

جہاں اللہ نے ان جگہوں کو پاک کیا ہے۔

پھر وہ غم جو تم نے محسوس کیا ہے، اسے چھوڑ دو،

اونٹوں کو تھکاؤ نہ جو میری تلاش میں زمین کی خاک چھانتے ہیں،

کیونکہ میں، اللہ کا شکر ہے، بہترین جلیل القدر" خاندان میں ہوں، جو اپنی نسل میں عظیم ہے۔"

جب حاجی اپنے پیغامات کے ساتھ واپس گئے، تو حارثہ فوراًاپنے بھائی کَعب کے ساتھ مکہ روانہ ہوا؛ اور محمد ﷺ کے پاس آکر انہوں نے کہا کہ وہ زید کو جتنی قیمت بھی ہو، خریدنے کے لیے تیار ہیں۔ محمد ﷺ نے کہا:"اسے انتخاب کرنے دو، اور اگر وہ تمہیں منتخب کرے تو وہ تمہارا بغیر قیمت کے ہے؛ اور اگر وہ مجھے منتخب کرے تو میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس سے بڑھ کر کسی کو ترجیح دوں جو مجھے منتخب کرے۔"پھر محمد ﷺ نے زید کو بلایا اور پوچھا کہ آیا وہ دونوں مردوں کو جانتا ہے؟"یہ میرا والد ہے،"نوجوان نے کہا،"اور یہ میرا چچا ہے۔" محمد ﷺ نے کہا،"تم مجھے جانتے ہو، اور تم نے میرے ساتھ کی رفاقت دیکھی ہے، تو اب تم میرے اور ان کے درمیان انتخاب کرو۔"لیکن زید کا انتخاب پہلے ہی ہو چکا تھا اور اس نے فوراً کہا:"میں آپ کو چھوڑ کر کسی کو بھی منتخب نہیں کروں گا۔ آپ میرے لیے والد اور والدہ کی طرح ہو۔"کلب کے لوگ یہ سن کر بولے:"کیا زید! کیا تم آزادی کو غلامی پر ترجیح دو گے، اور اپنے والد، اپنے چچا اور اپنے خاندان پر؟""یہی بات ہے،"زید نے کہا،"کیونکہ میں نے اس انسان سے ایسی چیزیں دیکھی ہیں کہ میں کبھی کسی کو اس پر ترجیح نہیں دے سکتا۔"

تمام باتیں محمد ﷺ نے روک دیں اور پھر انہیں حکم دیا کہ وہ ساتھ چلیں۔ خانہ کعبہ کے قریب پہنچ کر، وہ حجر میں کھڑے ہوئے اور بلند آواز میں کہا:"جو یہاں موجود ہیں، گواہ رہو کہ زید میرا بیٹا ہے؛ میں اس کا وارث ہوں اور وہ میرا وارث ہے۔"[1]

پھر اس کے والد اور چچا کو اپنی کوشش میں ناکامی کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ لیکن ان کی اپنی قوم کو سنانے والی کہانی، جو گہری محبت پر مبنی تھی، جو اس گود لینے کا سبب بنی، کوئی شرم کی بات نہیں تھی؛ اور جب انہوں نے دیکھا کہ زید آزاد ہے، عزت میں قائم ہے اور وہ مقام حاصل کر چکا ہے جو آنے والے سالوں میں اس کے بھائیوں اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہے، تو وہ صلح کر کے بغیر کسی کینہ کے واپس گئے۔ اس دن سے مکہ میں نیا ہاشمی زید بن محمد ﷺ کے نام سے جانا گیا۔

گھر میں آنے والے سب سے زیادہ"اکثر" مہمانوں میں صفیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں، جو اب خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ساس بن چکی تھیں، محمد ﷺ کی سب سے چھوٹی خالہ، جو خود محمد ﷺ سے بھی چھوٹی تھیں؛ اور ان کے ساتھ ان کا چھوٹا بیٹا زبیر رضی اللہ عنہ تھا، جس کا نام انہوں نے اپنے بڑے بھائی کے نام پر رکھا تھا۔ اس طرح زبیر رضی اللہ عنہ اپنے بچپن سے ہی محمد ﷺ کی بیٹیوں کے ساتھ اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔

[1] I.S.III/I, 28.

صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی وفادار ملازمہ سلمٰی بھی آئیں، جنہوں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تمام بچوں کو جنم دلانے میں مدد دی تھی، اور جو خود کو گھرانے کا حصہ سمجھتی تھیں۔

وقت گزرتا رہا اور کبھی کبھار محمد ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر آتی رہیں، اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ ان کے ساتھ سخاوت سے پیش آتی۔ ان میں سے ایک ملاقات اس وقت ہوئی جب شدید خشک سالی اور قحط نے حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ریوڑ کو شدید نقصان پہنچایا تھا، اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں چالیس بھیڑیں اور ایک اونٹ تحفے میں دیا[1]۔ یہ ہی قحط، جو حجاز میں قحط سالی کی مانند تھا، اس خاندان میں ایک اہم اضافہ کا سبب بنا۔

ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس اتنے بچے تھے کہ وہ انہیں آسانی سے نہیں سنبھال سکتے تھے، اور قحط نے ان پر سنگین اثر ڈالا تھا۔ محمد ﷺ نے یہ بات نوٹ کی اور محسوس کیا کہ کچھ کرنا چاہیے۔ ان کے سب سے دولت مند چچا ابو لہب تھے لیکن وہ باقی خاندان سے کچھ دور تھے، غالباً اس لیے کہ ان کے پاس کوئی مکمل بھائی یا بہن نہیں تھی، وہ اپنی ماں کے اکلوتے بچے تھے۔ محمد ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ کیا، جو اس بات کی پوری استطاعت رکھتے تھے کیونکہ وہ ایک کامیاب تاجر تھے اور محمد ﷺ کے قریب تھے کیونکہ دونوں ساتھ بڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح، عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی امّ الفضل بھی محمد ﷺ سے اتنی ہی قریب یا اس سے بھی زیادہ قریب تھی، وہ اسے بے حد چاہتی تھی اور ہمیشہ اپنے گھر میں ان کا خیر مقدم کرتی تھی۔ تو محمد ﷺ اب ان کے پاس گئے اور ان سے یہ تجویز کی کہ ہر ایک اپنے خاندان سے ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کو اپنی سرپرستی میں لے لے تاکہ ابو طالب رضی اللہ عنہ کی حالت بہتر ہو سکے۔ انہوں نے فوراً اس پر رضامندی ظاہر کی، اور دونوں مرد ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ان کی تجویز سنی تو کہا: "جو تم چاہو کرو، لیکن میرے لیے عقیل اور طالب کو چھوڑ دو۔" جعفر رضی اللہ عنہ اس وقت تقریباً پندرہ سال کا تھا، اور وہ اب خاندان کا سب سے چھوٹا بچہ نہیں رہا تھا۔ اس کی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابو طالب رضی اللہ عنہ کو ایک اور بیٹا دیا تھا، جو تقریباً دس سال چھوٹا تھا اور انہوں نے اس کا نام علی رکھا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنی سرپرستی میں لیں گے، اور محمد ﷺ نے علی کو اپنے پاس رکھنے پر رضامندی ظاہر کی۔ اس وقت کے قریب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آخری بیٹا پیدا ہوا، لیکن وہ بچہ بھی قاسم سے بھی کم عمر میں وفات پا گیا۔ ایک لحاظ سے، اس کی جگہ علی نے لے لی، جو اپنی چار لڑکیوں کزنز کے ساتھ بھائی کی طرح پل کر بڑا ہوا تھا، وہ رقیہ اور ام کلثوم کے ہم عمر تھا، زینب رضی اللہ عنہا سے تھوڑا چھوٹا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھوڑا بڑا۔ یہ پانچ، ساتھ ہی زید، محمد ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریبی خاندان کے ارکان تھے۔ لیکن ان کے خاندان میں اور بھی بہت سے رشتہ دار تھے جن سے محمد ﷺ کا گہرا تعلق تھا، اور جو اس تاریخ میں بڑی یا چھوٹی اہمیت کے حامل ہیں۔

محمد ﷺ کے بڑے چچا حارثہ، جو اب وفات پا چکے تھے، نے کئی بچے چھوڑے تھے، اور ان میں سے ایک بیٹا، ان کا کزن ابو سفیان، بھی محمد ﷺ کا دودھ پیتا بھائی تھا، کیونکہ انہوں نے بھی حلیمہ کے ساتھ بنی سعد کے درمیان دودھ پیا تھا، اور یہ اس سے کچھ سال بعد تھا۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ ابو سفیان ان لوگوں میں سے ہے جن میں محمد ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ خاندان کی مماثلت تھی؛ اور ان خصوصیات میں سے ایک جو ان دونوں میں مشترک تھی وہ فصاحت تھی۔ لیکن ابو سفیان ایک شاعر بھی تھا شاید اپنے چچازاد زبیر اور ابو طالب رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ — جبکہ محمد ﷺ نے کبھی بھی شعر کہنے کا کوئی رجحان نہیں دکھایا تھا، حالانکہ وہ عربی پر اپنی مکمل مہارت اور اپنی زبان کی خوبصورتی میں بے نظیر تھے۔

ابو سفیان، جو تقریباً محمد ﷺ کا ہم عمر تھا، اس میں محمد ﷺ کو خون کے لحاظ سے ایک دوست اور ساتھی کی مانند کچھ ملتا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی امّ الفضل بھی محمد ﷺ کے قریب ترین رشتہ داروں میں سے ایک تھی۔

.I.S. I/I, 7I[1]

محمد ﷺ کے والد کی مکمل بہنوں کے بچوں میں، یعنی عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی پانچ بڑی بیٹیوں کے بچوں میں، سب سے بڑے کزنز میں وہ بچے شامل تھے جو ان کی خالہ امیمہ سے تھے، جنہوں نے شمالی عربی قبیلے "اسد"[1] کے ایک شخص سے شادی کی تھی جس کا نام جحش تھا۔ اس کا مکہ میں ایک گھر تھا، اور یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اپنے قبیلے کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے میں رہ کر، باہمی اتحاد کے ذریعے، اس قبیلے کے ایک فرد کا اتحادی بن جائے، اور اس طرح وہ جزوی طور پر اس قبیلے کا حصہ بن جاتا تھا، اس کے ذمہ داریوں اور مراعات کو کچھ حد تک اپنے ساتھ شیئر کرتا تھا۔ حرب، جو اب "عبد شمس" کے قبیلے کی اموی شاخ کا سردار تھا[2]، نے جحش کو اپنا اتحادی بنالیا تھا، تاکہ امیمہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد، وہ عملاً ایک شامی شخص سے شادی کر چکی ہوں۔ ان کا بڑا بیٹا، جس کا نام انہوں نے اپنے بھائی عبد اللہ کے نام پر رکھا تھا، محمد ﷺ سے تقریباً بارہ سال چھوٹا تھا، اور دونوں کزنز ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ امیمہ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا، جو اپنے بھائی سے کئی سال چھوٹی تھی اور بہت خوبصورت لڑکی تھی، بھی اس رشتہ میں شامل تھی۔ محمد ﷺ نے ان دونوں کو بچپن سے جانا اور چاہا تھا؛ اور یہی بات دوسرے افراد کے بارے میں بھی سچ تھی، خاص طور پر ابو سلمہ کے بارے میں، جو اس کی خالہ برہ کے بیٹے تھے۔

الامین پر مرکوز طاقتور کشش صرف اس کے اپنے خاندان تک محدود نہیں تھی؛ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا اس مرکز کے ساتھ تھیں، جو تمام لوگوں میں محبت اور عزت کی حامل تھیں جو ان کی شعاعوں کے وسیع دائرے میں آتے تھے، یہ دائرہ اس کے اپنے کئی رشتہ داروں کو بھی شامل کرتا تھا۔ خاص طور پر اس کی بہن ہالہ جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بہت قریب تھیں، اور اس کا بیٹا ابو العاص جو گھر کا باقاعدہ مہمان تھا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس بھانجے کو اس طرح محبت کرتی تھیں جیسے وہ اس کا اپنا بیٹا ہو؛ اور وقت کے ساتھ، کیونکہ اسے ہمیشہ مدد اور مشورے کے لیے تلاش کیا جاتا تھا، ہالہ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اس کے بیٹے کے لیے بیوی تلاش کرے۔ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا، تو انہوں نے ان کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا مشورہ دیا، جو جلد ہی شادی کے قابل ہو جائے گی؛ اور جب وقت آیا تو ان کی شادی کر دی گئی۔

ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کی امیدیں محمد ﷺ سے وابستہ تھیں کہ وہ ان کے کمزور ہوتے اثر ورسوخ کو دوبارہ بحال کرے گا۔ لیکن قبیلے کے تمام سوالات سے آگے، محمد ﷺ کو قریش کے سرداروں نے اپنی نسل کے سب سے قابل انسانوں میں شمار کیا تھا، جو ان کے بعد آنے والی نسلوں کے لیے قبیلے کی عزت اور طاقت کو پورے عرب میں برقرار رکھنے کا کام انجام دینے والے تھے۔ "امین" کی تعریف لوگوں کی زبانوں پر ہمیشہ رہتی تھی؛ اور شاید اسی وجہ سے ابو لہب نے اپنے بھتیجے سے یہ تجویز پیش کی کہ رقیہ اور ام کلثوم کو اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ منسوب کر دیا جائے۔ محمد ﷺ نے اس پر رضامندی ظاہر کی، کیونکہ وہ ان دونوں کزنز کو اچھا سمجھتے تھے، اور یہ منگنیاں کر دی گئیں۔

یہ تقریباً اسی وقت کا ذکر ہے جب ام ایمن ایک بار پھر خاندان کا حصہ بن گئیں۔ یہ ریکارڈ نہیں ہے کہ آیا وہ بیوہ ہو کر واپس آئیں، یا ان کے شوہر نے انہیں طلاق دی تھی۔ لیکن ان کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ ان کا مقام یہاں ہے، اور محمد ﷺ کبھی کبھار انہیں "ماں" کہہ کر مخاطب کرتے، اور دوسروں سے کہتے: "یہ وہی ہے جو میرے گھر والوں میں سے میرے پاس بچا ہے۔"[3]

[1]: **اسد بن خزیمہ**، مکہ کے شمال مشرق میں ایک قبیلہ تھا، جس کی سرزمین نجد کے میدان کے شمالی کنارے پر واقع تھی۔ اسے قریش کے قبیلے **اسد** سے نہیں ملانا چاہیے۔

[2]: **حرب** کے والد **امیہ**، عبد شمس کے بیٹے کے نام پر رکھا گیا۔

[3] I.S.VIII, 162.

XIV

The Rebuilding of the Ka'bah

کعبہ کی تعمیر نو

کچھ عرصہ پہلے، جب حضرت علیؓ کو گھر میں لیا گیا اور جب محمد ﷺ کی عمر 35 سال تھی، قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا۔ اس وقت کعبہ کی دیواریں ایک آدمی کی اونچائی سے کچھ زیادہ تھیں، اور اس کی چھت نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دروازہ بند ہونے کے باوجود بھی اندر تک پہنچنا آسان تھا۔ حال ہی میں کعبہ کے خزانے سے چوری کی گئی تھی، جو اس مقصد کے لیے عمارت کے اندر ایک خفیہ گڑھے میں محفوظ تھا۔

چھت کے لیے درکار تمام لکڑی پہلے ہی موجود تھی: ایک یونانی تاجر کا جہاز جدہ میں ساحل پر تباہ ہو گیا تھا، اور قریش نے اس کے شہتیر چھت کے لیے لے لیے تھے۔ مکہ میں اس وقت ایک قبطی ماہر بڑھئی بھی موجود تھا۔ لیکن قریش کعبہ کی ہیبت اور تقدس کی وجہ سے اس پر ہاتھ ڈالنے سے ہچکچا رہے تھے۔

ان کا منصوبہ یہ تھا کہ دیواروں کو گرا کر دوبارہ تعمیر کریں، کیونکہ یہ دیواریں ڈھیلے پتھروں سے بنی ہوئی تھیں، لیکن وہ ناپاکی اور گستاخی کے خوف سے کام شروع کرنے سے ڈرتے تھے۔ ان کا خوف اس وقت مزید بڑھ گیا جب انہوں نے دیکھا کہ کعبہ کی ایک دیوار کے قریب ایک بڑا سانپ ہر روز سورج کی گرمی لینے کے لیے آتا تھا۔ اگر کوئی اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا، تو وہ غصے سے سر اٹھاتا اور پھنکارتا۔

پھر ایک دن، جب سانپ دیوار کے ساتھ دھوپ میں پڑا تھا، اللہ نے ایک عقاب بھیجا، جس نے سانپ کو پکڑ لیا اور اڑا لے گیا۔ قریش نے کہا: "اب ہم امید کر سکتے ہیں کہ اللہ ہمارے ارادے سے خوش ہے۔ ہمارے پاس ایک ماہر کاریگر ہے، لکڑی موجود ہے، اور اللہ نے ہمیں سانپ سے نجات دلائی ہے۔"

سب سے پہلے کعبہ کی دیوار سے ایک پتھر اٹھانے والے شخص ابو وہب مخزومی تھے، جو حضرت محمد ﷺ کی نانی کے بھائی تھے۔ لیکن جیسے ہی انہوں نے پتھر اٹھایا، وہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ اس پر قریش کے لوگ کام سے پیچھے ہٹ گئے اور ڈر گئے۔

پھر مخزوم کے سردار ولید بن مغیرہ نے ایک کلہاڑی اٹھائی اور کہا: "میں تمہارے لیے ابتدا کروں گا۔" پھر وہ کعبہ کی طرف بڑھے اور کہا: "اے اللہ، ہم خوفزدہ نہیں ہیں۔ اے اللہ، ہمارا ارادہ نیک ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے کعبہ کی مشرقی دیوار کے ایک حصے کو گرا دیا۔ باقی لوگ انتظار کرنے لگے اور کہا: "ہم دیکھیں گے۔ اگر یہ محفوظ رہے، تو ہم تعمیر جاری رکھیں گے، ورنہ کعبہ کو اسی طرح بحال کریں گے۔"

قریش نے فیصلہ کیا کہ اگر ولید محفوظ رہا، تو یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ اللہ ان کے کام سے راضی ہے، اور وہ کعبہ کو مکمل طور پر گرا کر تعمیر کریں گے۔ رات بغیر کسی حادثے کے گزر گئی، اور اگلی صبح ولید دوبارہ کام پر لگ گئے، جس پر دیگر لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

جب دیواریں ابراہیمؑ علیہ السلام کی بنیادوں تک گرا دی گئیں، تو انہیں بڑے سبزی مائل پتھر ملے، جو اونٹ کے کوہان کی طرح لگتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک پتھر کو اکھاڑنے کی کوشش کی گئی، لیکن جیسے ہی وہ پتھر حرکت میں آیا، پورے مکہ میں ایک لرزہ ساطاری ہو گیا۔ قریش نے اسے اس بات کی نشانی سمجھا کہ ان بنیادوں کو چھیڑا نہیں جانا چاہیے۔

کعبہ کے حجر اسود والے کونے کے اندر انہیں سریانی زبان میں لکھی ہوئی ایک عبارت ملی۔ وہ اسے نہ سمجھ سکے، تو اسے ایک یہودی کے پاس لے گئے، جس نے اس کا ترجمہ کیا: "میں اللہ، مکہ کا رب ہوں۔ میں نے اسے اس دن پیدا کیا، جس دن میں نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا، سورج اور چاند کو تشکیل دیا، اور اس کے گرد سات فرشتے مقرر کیے۔ یہ قائم رہے گی جب تک اس کی دونوں پہاڑیاں قائم ہیں، اور یہ اپنے لوگوں کے لیے دودھ اور پانی سے برکت والی ہے۔"

ایک اور عبارت مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے نیچے ملی، جو ایک چھوٹا پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں۔ اس پر لکھا تھا: "مکہ اللہ کا مقدس گھر ہے۔ اس کی روزی تین اطراف سے آتی ہے۔ اس کے لوگوں کو پہلا موقع نہیں دینا چاہیے کہ وہ اس کی بے حرمتی کریں۔"

قریش نے مزید پتھر اکٹھے کیے تاکہ کعبہ کی عمارت کو بلند کیا جا سکے۔ ہر قبیلہ الگ الگ کام کر رہا تھا، اور جب دیواریں اتنی بلند ہو گئیں کہ حجر اسود کو دوبارہ اس کے کونے میں رکھا جا سکے، تو ایک شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ انہیں یہ اعزاز حاصل ہو۔

چار یا پانچ دن تک یہ تنازعہ جاری رہا، اور حالات اتنے بگڑ گئے کہ قبیلے آپس میں جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ تب ایک بوڑھے شخص نے مشورہ دیا: "اے قریش کے لوگو، اپنے درمیان اس مسئلے کے فیصلے کے لیے اس شخص کو ثالث مقرر کرو جو سب سے پہلے اس مسجد کے دروازے سے داخل ہو۔[1]"

کعبہ کے اردگرد کا احاطہ "مسجد" کہلاتا تھا کیونکہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ علیہ السلام کے زمانے سے لوگ یہاں اللہ کے حضور سجدہ کرتے تھے۔ قریش نے اس مشورے کو قبول کیا۔

پہلا شخص جو مسجد میں داخل ہوا، وہ محمد ﷺ تھے، جو حال ہی میں مکہ واپس آئے تھے۔ ان کی آمد پر لوگوں نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ "یہ الامین ہیں،" کچھ لوگوں نے کہا۔ "ہم ان کا فیصلہ قبول کرتے ہیں،" دوسروں نے کہا۔ "یہ محمد ﷺ ہیں۔"

جب انہیں مسئلہ بتایا گیا، تو انہوں نے کہا: "میرے پاس ایک چادر لاؤ۔" جب چادر لائی گئی، تو انہوں نے اسے زمین پر بچھایا اور حجر اسود کو اس کے درمیان میں رکھا۔ پھر کہا: "ہر قبیلہ چادر کے ایک کنارے کو پکڑے اور سب مل کر اسے اٹھاؤ۔"

جب پتھر مطلوبہ اونچائی تک پہنچ گیا، تو محمد ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اسے کونے میں رکھا۔ اس کے بعد عمارت کی تعمیر مکمل کی گئی۔

[1] I.I. 125.

XV

The First Revelations

پہلی وحی

یہ ان کے مشن اور اختیار کے اس ظاہری نشان کے کچھ عرصہ بعد کی بات ہے کہ انہیں اندرونی طور پر طاقتور نشانیاں محسوس ہونے لگیں، ان نشانیوں کے علاوہ جو وہ پہلے ہی سے جانتے تھے۔ جب ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ان "سچے خوابوں" کا ذکر کیا جو انہیں نیند میں آتے تھے، اور انہوں نے کہا کہ یہ "صبح کی روشنی کے پھوٹنے کی طرح[1]" ہوتے تھے۔ ان خوابوں کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ تنہائی ان کے لیے محبوب بن گئی، اور وہ روحانی عبادت کے لیے مکہ کے قریب واقع جبلِ حراء کی ایک غار میں چلے جاتے۔

قریش کے لیے اس میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، کیونکہ تنہائی اختیار کرنا اسماعیلؑ علیہ السلام کی اولاد میں ایک روایتی عمل تھا۔ ہر نسل میں ایک یا دو لوگ ایسے ہوتے جو وقتاً فوقتاً دنیاوی معاملات سے دور ہو کر تنہائی میں کچھ وقت گزارتے۔ اسی قدیم روایت کے مطابق، محمد ﷺ اپنے ساتھ تھوڑا سا زادِ راہ لے جاتے اور چند راتیں اللہ کی عبادت میں گزارتے۔ پھر وہ اپنے گھر واپس آتے، اور کبھی کبھار مزید زادِ راہ لے کر دوبارہ پہاڑ پر چلے جاتے۔

ان چند سالوں کے دوران، اکثر ایسا ہوتا کہ جب وہ شہر سے نکل کر اپنی خلوت گاہ کی طرف جا رہے ہوتے تو انہیں واضح طور پر الفاظ سنائی دیتے: "اے اللہ کے رسول[2]، تجھ پر سلامتی ہو۔" وہ پلٹ کر دیکھتے لیکن کوئی نظر نہ آتا، اور یوں لگتا جیسے یہ الفاظ کسی درخت یا پتھر سے آئے ہوں۔

رمضان کا مہینہ تنہائی کے لیے روایتی مہینہ تھا، اور یہ رمضان کے آخر میں ایک رات کی بات ہے، جب وہ اپنی چالیسویں سالگرہ کے قریب، غار میں اکیلے تھے، کہ ان کے پاس ایک فرشتہ انسان کی شکل میں آیا۔ فرشتے نے کہا: "پڑھیے!" اور انہوں نے کہا: "میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔" اس پر، جیسا کہ انہوں نے خود بیان کیا: "فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اتنے زور سے گلے لگایا کہ میری برداشت کی انتہا ہو گئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: 'پڑھیے!' میں نے کہا: 'میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔' دوبارہ اس نے مجھے پکڑا اور اتنے زور سے گلے لگایا کہ میری برداشت کی انتہا ہو گئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: 'پڑھیے!' میں نے پھر کہا: 'میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔' پھر تیسری بار اس نے مجھے اسی طرح زور سے گلے لگایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا:

[1] B.I,3. [2] I.I. 15I.

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا!

اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

پڑھ، اور تیرا رب سب سے زیادہ کرم کرنے والا ہے،

جس نے قلم کے ذریعے سکھایا،

انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔[1,2]

انہوں نے یہ الفاظ فرشتے کے بعد دہرائے، جو پھر چلا گیا؛ اور انہوں نے کہا: "ایسا لگا جیسے یہ الفاظ میرے دل پر لکھ دیے گئے ہوں۔[3]" لیکن انہیں خوف ہوا کہ کہیں اس کا مطلب یہ نہ ہو کہ وہ جنات کے زیر اثر شاعر یا کسی جنون میں مبتلا شخص بن گئے ہیں۔ اس خوف سے وہ غار سے بھاگ نکلے، اور جب وہ پہاڑ کی ڈھلوان سے آدھے راستے پر پہنچے تو انہوں نے اپنے اوپر ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی: "اے محمد ﷺ، تم اللہ کے رسول ہو، اور میں جبرائیل ہوں۔" انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو وہاں ان کے مہمان کو دیکھا، جو اب واضح طور پر ایک فرشتہ تھا اور پورے افق پر چھایا ہوا تھا۔ اس نے دوبارہ کہا: "اے محمد ﷺ، تم اللہ کے رسول ہو، اور میں جبرائیل ہوں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے کو دیکھتے رہے؛ پھر انہوں نے نظر پھیر لی، لیکن وہ جدھر بھی دیکھتے، فرشتہ وہاں ہوتا، چاہے شمال ہو، جنوب، مشرق یا مغرب۔ آخر کار فرشتہ واپس چلا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ڈھلوان سے نیچے اترے اور اپنے گھر پہنچے۔ "مجھے ڈھانپ دو! مجھے ڈھانپ دو![4]" انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا، جب وہ دل کی دھڑکنوں کے ساتھ اپنے بستر پر لیٹ گئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا گھبرا گئیں، لیکن ان سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ کی۔ وہ فوراً ایک چادر لائی اور انہیں اوڑھا دی۔ جب ان کا خوف کچھ کم ہوا تو انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ انہوں نے کیا دیکھا اور سنا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں تسلی دی اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو اب ایک بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔

ورقہ نے کہا: "پاک! پاک! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے، محمد ﷺ کے پاس سب سے عظیم ناموس آیا ہے[5]، وہی جو موسیٰ کے پاس آیا تھا۔ بے شک محمد ﷺ اس قوم کے نبی ہیں۔ ان سے کہو کہ وہ یقین رکھیں۔" حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر بتائے، جن کے دل کو سکون ملا۔ وہ واپس غار میں چلے گئے تاکہ وہ اللہ کے لیے اپنے مقررہ دن مکمل کر سکیں۔

جب یہ دن مکمل ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ گئے، جیسا کہ ان کا معمول تھا، اور طواف کیا۔ پھر انہوں نے ورقہ بن نوفل کو مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا اور ان سے ملاقات کی۔ ورقہ نے کہا: "مجھے بتاؤ، اے میرے بھائی کے بیٹے، تم نے کیا دیکھا اور سنا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا، اور ورقہ نے وہی بات کہی جو انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہی تھی۔ لیکن اس بار انہوں نے یہ بھی کہا: "تمہیں جھٹلایا جائے گا، تم پر ظلم کیا جائے گا، تمہیں نکالا جائے گا، اور تمہارے خلاف جنگ کی جائے گی؛ اور اگر میں اس دن تک زندہ رہا، تو اللہ جانتا ہے کہ میں اس کے دین کی مدد کروں گا۔[6]" پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس آ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ورقہ کی تسلیوں کے بعد، آسمان سے دوسری وحی بھی نازل ہوئی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک اور تسلی کا ذریعہ بنی۔

[1] K. XCVI, 1-5. [2] B. I,3. [3] I.I53. [4] B. I,3.

[5] "نوموس" یونانی لفظ (Nomos) ہے، الہامی قانون یا صحیفے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اور یہاں اسے وحی کے فرشتے کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے.

[6] I.1 153-4.

کبھی کبھی یہ میرے پاس گھنٹی کی گونج کی طرح آتا ہے، اور یہ میرے لئے سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے؛ جب میں ان کے پیغام سے آگاہ ہوتا ہوں تو گونج کم ہو جاتی ہے۔" اور کبھی کبھار فرشتہ انسان کی شکل میں آتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے، اور میں جانتا ہوں جو وہ کہتا ہے[1]۔

یہ دوسری وحی ایک حرف سے شروع ہوئی، جو ان خفیہ حروف میں سے ایک تھا جن سے قرآن کے کئی پیغامات کا آغاز ہوتا ہے۔ اس حرف کے بعد ایک خدا کی قسم آئی، جو قلم کی قسم تھی، جس کا پہلے وحی میں ذکر کیا جا چکا تھا اور جو خدا کے حکمت سکھانے کا بنیادی وسیلہ تھا۔ قلم کے بارے میں پوچھے جانے پر نبیؐ نے فرمایا: "سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا تھا۔ اُس نے لوح کو پیدا کیا اور قلم سے کہا: "لکھ!" اور قلم نے جواب دیا: "میں کیا لکھوں؟" اُس نے کہا: "میرے علم کو میرے پیدا کردہ کی بابت لکھ، قیامت کے دن تک۔" پھر قلم نے جو مقدر تھا، وہ لکھا۔[2]"

قلم کی قسم کے بعد ایک دوسری قسم آئی، اُس چیز کی جسے وہ لکھتے ہیں؛ اور جو وہ لکھتے ہیں وہ آسمان میں چھوٹے قلموں اور چھوٹے لوحوں پر ہوتا ہے، ان میں قرآن کا آسمانی اصل موجود ہے، جس کا ذکر بعد کی وحیوں میں "عظیم تلاوت[3]" اور "لوح محفوظ"[4] کے طور پر کیا جاتا ہے، اور اسے "کتاب کی ماں[5]" بھی کہا گیا ہے۔ ان دونوں قسموں کے بعد خدا کی طرف سے تسلی کا پیغام آیا:

نُون۔ قلم کی قسم اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ تم اپنے رب کی رحمت سے مجنون نہیں ہو، اور تمہارے لیے ایک ایسا انعام ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا، اور بے شک تمہاری فطرت بہت عظیم ہے۔[6]

پہلا پیغام آنے کے بعد ایک خاموشی کا دور آیا، یہاں تک کہ نبیؐ کو خوف آیا کہ شاید انہوں نے کسی طرح آسمان کی ناراضگی کو دعوت دی ہو، حالانکہ خدیجہ رضی اللہ عنہاؓ نے بار بار ان سے کہا کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ پھر آخر کار خاموشی ٹوٹ گئی، اور ایک مزید تسلی آئی، اور اس کے ساتھ پہلی ہدایت بھی آئی جو ان کی بعثت سے متعلق تھی:

"صبح کی روشنی کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ ساکت ہو، تیرا رب تجھے چھوڑ کر نہیں گیا، اور نہ وہ تجھ سے نفرت کرتا ہے، اور آخری حالت تیری پہلی حالت سے بہتر ہو گی، اور تیرا رب تجھے دے گا اور دیتا ہی جائے گا، اور تو خوش ہو جائے گا۔ کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا اور پناہ دی، اور تجھے گمراہ پایا اور ہدایت دی، اور تجھے محتاج پایا اور غنی کر دیا؟ تو یتیم کے ساتھ ظلم نہ کر، اور مانگنے والے کو جھڑک نہ، اور اپنے رب کی بے پایاں کرم کو اعلان کر![7]"

[1] B. I, 3. [2] Tir.44. [3] یہی وہ چیز ہے جس سے اسلام کی بنیاد رکھی جانے والی وحی الٰہی کا نام لیا گیا ہے

[4] LXXXV, 21-2. [5] XIII, 39. [6] LXVIII, 1-4. [7] XCIII.

XVI

Worship

عبادت

اب وہ ان آخری دو الفاظ کے مطابق فرشتہ اور وحی کے بارے میں بات کرنے لگے، جو ان کی بیوی کے بعد سب سے قریب اور عزیز لوگ تھے۔ ابھی تک ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا تھا، سوائے اس کے کہ وہ ان کا راز ظاہر نہ کریں۔ لیکن یہ صورت حال زیادہ دیر تک نہ رہی: ایک دن جبرائیل علیہ السلام مکہ کے بلند مقام پر آئے، اور اپنی ایڑی سے پہاڑی کی مٹی کو مارا، جس سے ایک چشمہ بہنا شروع ہو گیا۔ پھر انہوں نے نبیؐ کو عبادت کے لیے وضو کا طریقہ سکھایا، اور نبیؐ نے ان کے طریقے پر عمل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے نبیؐ کو نماز کے افعال اور حرکات دکھائیں: قیام، رکوع، سجدہ اور تشہد، اور ساتھ ہی بار بار تکبیر یعنی اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے، اور آخر میں سلام (السلام علیکم) کا طریقہ بتایا، اور نبیؐ نے ان کے طریقے کو اپنایا۔ پھر فرشتہ انہیں چھوڑ کر چلا گیا، اور نبیؐ اپنے گھر واپس آئے اور خدیجہ رضی اللہ عنہاؓ کو وہ سب کچھ بتایا جو انہوں نے سیکھا تھا، اور دونوں نے ساتھ میں نماز پڑھی۔

"مذہب اب رسوماتی طہارت اور نماز کی بنیاد پر قائم ہو چکا تھا؛ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسے قبول کرنے والے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اور پیغمبر کے دوست ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو قبیلہ تیم سے تھے۔"۔ علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر صرف دس سال تھی، اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابھی مکہ میں کوئی اثر و رسوخ نہیں تھا، مگر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں میں عزت و احترام حاصل تھا، کیونکہ وہ وسیع علم، خوش اخلاقی اور خوشگوار شخصیت کے حامل تھے۔ بہت سے لوگ ان سے مختلف مسائل پر مشورہ کرتے، اور اب ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے ان لوگوں میں سے جنہیں وہ اعتماد کرتے تھے، نبیؐ کی دعوت کو پھیلانا شروع کیا۔ ان کے ذریعے بہت سے لوگ اس دعوت کا جواب دینے لگے؛ اور سب سے پہلے جواب دینے والوں میں سے ایک زہرہ قبیلے کا عبد عمرو، جو نبیؐ کی والدہ کے دور کے رشتہ دار تھے، اور ابو عبیدہ بن جراح تھے، جو بنی حارث کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے[1]۔

پہلا جواب دینے والے عبد عمرو کے حوالے سے ایک اہم روایت قائم کی گئی۔ وحی کے سب سے نمایاں پہلوؤں میں سے دو خدا کے نام "الرحمن" اور "الرحیم" تھے۔ لفظ "رحمن"، جو "رحیم" کا شدت پذیر شکل ہے، بہت زیادہ رحم کرنے والے یا بے حد رحم کرنے والے کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ شدت پذیر "رحمن" کا لفظ، چونکہ اس کا کوئی صحیح مفہوم موجود نہ تھا، عموماً استعمال سے باہر ہو چکا تھا۔ وحی نے اس لفظ کو زندہ کیا، کیونکہ نئی مذہب کی بنیادی ضرورت تھی کہ وہ تجاوز اور بلند خیالات پر زور دے۔ "رحمن" جو "رحیم" سے بھی زیادہ شدید ہے، خدا کی لامحدود مہربانی یا خوبی کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

1 شجرہ دیکھیں, p. 347.

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: کہو: "اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، سب اسی کے بہترین نام ہیں۔"

۔[1] "یہ نام (رحمان) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھا، اور چونکہ 'عبد عمرو' (عمرو کا بندہ) نام بہت زیادہ مشرکانہ تھا، آپ نے نئے مسلمان کا نام تبدیل کر کے 'عبد الرحمن' (رحمان کا بندہ) رکھ دیا۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف کے علاوہ بھی کئی افراد تھے جن کے نام آپ نے 'عبد الرحمن' رکھے۔

سب سے پہلے جواب دینے والے کچھ افراد کی حوصلہ افزائی ایسی وجوہات کی بنا پر ہوئی جو کسی انسانی کوشش سے متعلق نہیں تھیں۔ ابو بکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں بہت عرصے سے خوابوں کی تعبیر کرنے کی صلاحیت کے لیے جانا جاتا تھا؛ اور ایک دن صبح کے وقت، ان کے پاس ایک طاقتور شمس قبیلے کے خالد بن سعید کا اچانک ملاقات کے لیے آنا ہوا۔ نوجوان کا چہرہ ابھی تک کسی خوفناک تجربے سے متاثر نظر آ رہا تھا؛ اور اس نے جلدی سے وضاحت دی کہ رات کے وقت اس نے ایک خواب دیکھا تھا جو وہ سمجھتا تھا کہ بہت اہم ہے، حالانکہ وہ اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا تھا۔ ابو بکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا وہ اس خواب کی تعبیر بتا سکتے ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ ایک بڑے گڑھے کے کنارے پر کھڑا تھا جس میں اتنی بڑی آگ بھڑک رہی تھی کہ اس کا انتہا نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر اس کا والد آیا، اور اس نے اسے گڑھے میں دھکیلنے کی کوشش کی؛ اور جب وہ دونوں گڑھے کے کنارے پر لڑ رہے تھے، اس لمحے میں جب اسے سب سے زیادہ دہشت کا سامنا تھا، اس نے اپنے کمر کے گرد دو مضبوط ہاتھوں کی گرفت محسوس کی جو اسے واپس کھینچ رہے تھے، حالانکہ اس کا والد اس کی کوشش کر رہا تھا۔ مڑ کر دیکھا تو اس نے پایا کہ اس کا مددگار محمد ﷺ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ تھے، اور اسی لمحے میں وہ جاگ گیا۔ ابو بکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "خوش ہو جاؤ، یہ شخص جو تمہیں بچانے آیا ہے، وہ اللہ کے رسول ہیں، لہذا ان کی پیروی کرو۔ نہیں، تم ان کی پیروی کرو گے اور اسلام میں داخل ہو جاؤ گے، جو تمہیں آگ میں گرنے سے بچائے گا۔" خالد فوراً نبیؐ کے پاس گئے، اور اپنے خواب کے بارے میں بتایا، پھر پوچھا کہ ان کا پیغام کیا ہے اور انہیں کیا کرنا چاہیے۔ نبیؐ نے انہیں ہدایت دی، اور خالد اپنی فیملی سے چھپ کر اسلام قبول کر کے اسے اختیار کیا[2]۔

اسی دوران ایک اور شخص 'عبد شمس کا، جو شام سے واپس آ رہا تھا، ایک رات صحرا میں ایک آواز سے جاگ گیا: "اے سونے والو، جاگ جاؤ، کیونکہ دراصل احمد مکہ [3] میں آ چکا ہے۔" یہ تاجر عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جو اُموی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور اور اپنی ماں کی نسبت سے عبد المطلب کی بیٹیوں میں سے ایک، ام حکیم البیضاء، نبی کی پھوپھی، کے نواسے تھے.

یہ الفاظ اس کے دل میں بیٹھ گئے، حالانکہ وہ "آنے والے" کے مفہوم کو نہیں سمجھ سکا، اور نہ ہی وہ یہ پہچان سکا کہ احمد (سب سے زیادہ جلیل) کا مطلب محمد ﷺ ہے۔ مگر مکہ پہنچنے سے پہلے، اس کی ملاقات ایک تیم قبیلے کے ایک آدمی جن کا نام طلحہ تھا، جو ابو بکرؓ کے چچازاد بھائی تھے؛ اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ سے گزر چکے تھے جہاں ایک عیسائی راہب نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا احمد لوگوں میں ظاہر ہو چکا ہے؟ "احمد کون ہے؟" طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔ "وہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے،" راہب نے جواب دیا۔ "یہ اس کا مہینہ ہے، جس میں وہ ظاہر ہو گا، اور وہ آخری نبی ہے۔" طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ باتیں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنائیں، اور عثمان نے اپنی تجربات کا ذکر کیا، اور ان کی واپسی پر طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجویز کیا کہ انہیں نبیؐ کی پیروی کرنی چاہیے۔

XVII, 110 [1]. آئندہ آنے والے حصوں میں، رحمت کے نام کو کبھی کبھار "خیر، رحیم" کے طور پر پیش کیا جائے گا تاکہ عربی میں ایک لفظ حاصل ہو، اور مطلق کو بیان کرنے کے لیے تعریفی متبادل پر انحصار کیا جائے۔ اسی طرح کی روایات دیگر الٰہی ناموں کے ساتھ بھی اپنائی جاتی ہے [2] I.S. III/I, 37 [3] I.S.1V/I, 68.

وہ اپنے کزن ابو بکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے، جو اس شخص کے سب سے قریبی دوست کے طور پر جانے جاتے تھے، جس کا نام ان کے ذہنوں میں سب سے اوپر تھا۔ تو وہ ابو بکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے، اور جب انہوں نے ابو بکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا جو کچھ انہوں نے سنا تھا، تو ابو بکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً انہیں نبیؐ کے پاس لے گئے تاکہ وہ انہیں راہب کی باتیں اور صحرا کی آواز کی باتیں سنا سکیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔

چوتھی تبدیلی، جو ان کے وقوع پذیر ہونے کے لحاظ سے اتنی ہی حیران کن تھی، وہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کی تھی، جو قبیلہ زہرہ کے ایک نوجوان رشتہ دار تھے۔ خود اس کا ذکر کرتے ہوئے، انہوں نے کہا: "اس وقت میں ایک نوجوان تھا، ابھی جوانی کی عمر کو پہنچا تھا، اور میں عقبہ بن ابی معیط کے جانوروں مویشیوں کو چرانے میں مصروف تھا، جب ایک دن نبیؐ اور ابو بکرؓ گزرے۔ نبیؐ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میرے پاس انہیں پلانے کے لیے دودھ ہے؟ میں نے کہا کہ یہ مویشی میرے نہیں ہیں، بلکہ میرے سپرد ہیں، اور میں انہیں دودھ نہیں دے سکتا۔ نبیؐ نے کہا: 'کیا تیرے پاس کوئی بکری ہے جس پر کوئی نر بکرہ نہ آیا ہو؟' میں نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسی بکری ہے، اور میں نے اسے ان کے پاس لے آیا۔ اس بکری کو باندھ کر، نبیؐ نے اپنے ہاتھ سے اس کے udder (دودھ کی تھیلی) کو چھوا اور دعا کی، جس پر وہ udder دودھ سے بھر گئی، اور ابو بکرؓ نے ایک پتھر لایا جو کپ کی طرح کھودا گیا تھا۔ نبیؐ نے اس میں دودھ دوہا، اور ہم سب نے اس دودھ کو پیا۔ پھر نبیؐ نے udder سے کہا: 'خشک ہو جا'، اور وہ خشک ہو گئی۔[1]" کچھ دنوں بعد، عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبیؐ کے پاس گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے نبیؐ سے ستر سورتیں حفظ کر لیں[2]، کیونکہ وہ اس معاملے میں خاص طور پر ذہین تھے؛ اور وہ جلد ہی قرآن کے بہترین اور سب سے مستند قاریوں میں شامل ہو گئے۔

نبیؐ کو آسمان سے وحی کے وقفے کی وجہ سے غمگینی کا سامنا تھا؛ تاہم ان کی روح اب بھی خدائی کلمات کے اثرات سے خوف زدہ تھی، جس کی تصدیق ایک ابھی تک نہ آئی ہوئی آیت میں کی گئی تھی: "اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے، تو تم اسے اللہ کے خوف سے جھک کر روتا اور چور چور ہوتا دیکھتے۔[3]" وہ جو جذبہ انہیں کبھی کبھار "مجھے ڈھانپ لو، مجھے ڈھانپ لو" کہنے پر مجبور کرتا تھا، وہ کبھی کبھی واپس آتا تھا؛ اور ایک رات جب وہ اپنی چادر میں لپٹے ہوئے تھے، ان کی تنہائی میں ایک اور خدائی حکم آیا جو کسی بھی حکم سے زیادہ سخت اور فوری تھا، اور انہیں قیامت کے دن کے بارے میں لوگوں کو خبر دار کرنے کا حکم دیا: "اے چادر میں لپٹے ہوئے! اٹھ اور خبر دار کر! اپنے رب کی بڑائی بیان کر! اپنی پوشاک کو صاف رکھ! گندگی سے بچ!... کیونکہ جب صور پھونکا جائے گا، وہ دن غم کا ہو گا، آسانی کا نہیں، کافروں کے لیے۔[4]"

اس کے فوراً بعد ایک اور رات، انہیں مزید حکم ملے، جس میں انہیں اور ان کے پیروکاروں سے عبادت کی شدت کا ذکر تھا، اور ان کے دل میں ایک عظیم ذمہ داری کا بوجھ ڈالنے کی مکمل تصدیق کی گئی تھی: "اے پوشاک میں لپٹے ہوئے! رات بھر جاگتے رہو، مگر تھوڑی سی، رات کا آدھا حصہ یا اس سے کم، یا اس میں اضافہ کر، اور قرآن کو بڑی دھیان اور وضاحت کے ساتھ پڑھو۔ بے شک ہم تمہیں ایک بھاری کلمہ[5] دے کر تم پر بوجھ ڈالنے والے ہیں۔" اسی اقتباس میں یہ بھی حکم تھا: "اور اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہو، اور اپنے آپ کو اس کے لیے مکمل طور پر وقف کر دو۔ مشرق اور مغرب کا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

.[1] I.S. IIIII, 107

[2] قرآن مجید میں 114 سورۃ ہیں، جن کی طوالت میں تفاوت ہے۔ سب سے طویل سورۃ میں 285 آیات ہیں، جبکہ سب سے مختصر سورۃ میں صرف تین آیات ہیں۔

LIX, 21. قرآن میں پہلی شخص سے تیسری شخص کی طرف اچانک تبدیلی، جیسے "ہم... اللہ" کا استعمال، کثرت سے پایا جاتا ہے[3]۔

LXXIV, 1-10. [5] LXXIII, 1-5 [4]

Udder. اردو میں "udder" کو "تھن" یا "دودھ پینے کا حصہ" کہا جاتا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جہاں ممالیہ جانوروں کی دودھ دینے والی غدود موجود ہوتی ہیں

اس لیے اس پر بھروسہ کرو، اس پر اپنی اعتماد رکھو[1]: اس کے ساتھ ساتھ اور بھی وحی آئی، جو نرم اور پر سکون انداز میں تھی، اور جنہوں نے نبیؐ کو پہلے دی گئی تسلیوں کی تصدیق کی اور انہیں مزید بڑھایا۔ اور ایک مرتبہ، جیسے عام طور پر ہوتا تھا، جو صرف نبیؐ کے لیے ظاہر ہوئی، فرشتے نے کہا: "خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اُس کے رب کی طرف سے سلام پہنچاؤ۔" تو نبیؐ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "اے خدیجہ رضی اللہ عنہا، یہاں جبرائیل ہیں جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے سلام پیش کرتے ہیں۔" اور جب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کچھ کہنے کے لیے الفاظ تلاش کیے، تو انہوں نے جواب دیا: "اللہ سلام ہے، اور اس سے سلام ہے، اور جبرائیل پر سلام ہو![2]"

نئے دین کے پہلے پیروکاروں نے نبیؐ کو دی گئی ہدایات کو اپنے لیے بھی سمجھا، اس لیے جیسے نبیؐ راتوں کو طویل عبادت کرتے تھے، ویسے ہی وہ بھی طویل عبادات میں مشغول رہنے لگے۔ جہاں تک نماز کے باقاعدہ طور پر ادا کرنے کا تعلق تھا، وہ نہ صرف وضو کے لیے احتیاط کرتے بلکہ اپنے لباس کو ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھنے کی بھی کوشش کرتے تھے؛ اور وہ قرآن کے تمام نازل شدہ حصوں کو حفظ کرنے میں بھی تیز تھے تاکہ انہیں عبادت کے دوران پڑھا جا سکے۔ وحی اب زیادہ کثرت سے آنے لگی تھی۔ یہ فوراً نبیؐ سے ان کے ساتھیوں تک پہنچ جاتی تھی، پھر زبان سے زبان منتقل ہوتی، حفظ کی جاتی اور تلاوت کی جاتی - ایک طویل اور تیزی سے بڑھتا ہوا ورد جو دنیا کی فانی نوعیت، موت، قیامت اور آخری فیصلے کے بعد جنت یا دوزخ کے بارے میں بتاتا تھا۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ اللہ کی عظمت، اس کی واحدت، اس کی حقیقت، حکمت، اچھائی، رحمت، عنایت اور طاقت کے بارے میں بتاتا تھا؛ اور اس کی علامات، فطرت کے عجیب و غریب مظاہر اور ان کے آپس میں ہم آہنگ ہونے کی بات کرتا تھا جو اس کے واحد خالق کی واحدت کی گواہی دیتی تھیں۔ ہم آہنگی، تکثیر پر واحدت کا نشان ہے، اور قرآن اس ہم آہنگی پر توجہ مرکوز کرتا ہے تاکہ انسان اس پر غور کرے۔

جب مخالف کافروں کی موجودگی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، تو مومن ایک دوسرے کو وہی الفاظ سلام کے طور پر کہتے جو جبرائیل نے نبیؐ کو جنت کے لوگوں کے سلام کے طور پر دیے تھے، "تم پر سلام ہو!" جس کا جواب ہوتا ہے "اور تم پر بھی سلام ہو!"، اس میں جمع کا استعمال ان دو محافظ فرشتوں کو شامل کرنے کے لیے ہوتا ہے جو سلام کیے گئے شخص کے ساتھ ہوتے ہیں۔ قرآن کی آیات جو تقدیس اور شکر گزاری کے بارے میں تھیں، وہ ان کی زندگیوں اور ان کے نظریات میں ایک اہم کردار ادا کرنے لگیں۔ قرآن شکر گزاری کی ضرورت پر زور دیتا ہے، اور شکر گزاری کا طریقہ یہ ہے کہ "اللہ کا شکر ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے"، جبکہ تقدیس یا وقف کا طریقہ یہ ہے کہ "اللہ کے نام سے، جو بے حد اچھا، نہایت مہربان ہے۔" یہ قرآن کی ہر سورت کی پہلی آیت تھی[3]، اور نبیؐ کی پیروی کرتے ہوئے، وہ اسے ہر قرآنی تلاوت کی ابتدا کے طور پر استعمال کرتے تھے، اور اس طرح ہر دوسرے عمل یا عبادت کے آغاز میں بھی اسے استعمال کرتے تھے۔ اس نئے دین میں کوئی غیر مقدس عمل کی گنجائش نہیں تھی۔

[1] LXXIII, 8-9. [2] I.H.156

[3] صرف ایک سورۃ، سورۃ توبہ (سورۃ 9)، ہے جو بغیر رحمت کے ناموں کا ذکر کیے شروع ہوتی ہے، لیکن وہ ابھی تک نازل نہیں ہوئی تھی۔ (صفحہ 323 دیکھیں.)

XVII

Warn Thy Family

اپنے خاندان کو خبردار کرو

اب تک اسلام کا کوئی عمومی اعلان نہیں کیا گیا تھا، مگر ایک بڑھتا ہوا گروہ مومنوں اور عبادت گزاروں کا موجود تھا، جن میں مرد اور خواتین دونوں شامل تھے، اور زیادہ تر جوان تھے۔ ان میں سے جو سب سے پہلے آئے، وہ پہلے ذکر کیے گئے افراد کے علاوہ، نبیؐ کے کزنز جعفر رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ تھے؛ پھر ان کے اور ان کے خاندان کے دوسرے کزنز آئے، جیسے ان کی پھوپھی کے بیٹے عبد اللہ بن جحش اور ان کے بھائی عبید اللہ، اور ان کی پھوپھی برہ کے بیٹے ابو سلمہ۔ اس کے علاوہ ان کی والدہ کی طرف سے دو کزنز بھی آئے، سعد بن ابو وقاص بن زہرہ اور ان کے چھوٹے بھائی عمیر۔ لیکن نبیؐ کے چاروں چچاؤں میں سے کوئی بھی ان کی پیروی کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا: ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بیٹوں جعفر رضی اللہ عنہ اور علی کے اسلام میں کوئی اعتراض نہیں کیا، مگر خود اپنے بارے میں کہا کہ وہ اپنے آبا اجداد کے مذہب کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں؛ عباس رضی اللہ عنہ گریزاں تھے اور حمزہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ غیر فہمی میں مبتلا تھے، اگرچہ دونوں نے نبیؐ سے اپنی محبت کا یقین دلایا؛ لیکن ابو لہب نے صاف طور پر اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ اس کا بھتیجا خود فریبی کا شکار تھا، اگرچہ وہ دھوکہ دہی نہیں کر رہے تھے۔

آیت "اپنے خاندان کو خبردار کر جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں[1] " کے نزول کے بعد، نبیؐ نے علیؓ کو بلایا اور کہا: "اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے خاندان، اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کروں، اور یہ کام میری طاقت سے باہر ہے۔ لیکن آپ ایک ران کے گوشت کا سالن بناو، ایک پیالہ دودھ سے بھر دو، اور بنی عبد المطلب کو اکٹھا کرو، تاکہ میں انہیں وہ بات بتا سکوں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

علیؓ نے بالکل ویسا ہی کیا جیسا ان سے کہا گیا تھا، نہ کم نہ زیادہ، اور ہاشم قبیلے کے زیادہ تر افراد کھانے میں شریک ہوئے، تقریباً چالیس مرد۔ علیؓ کہتے ہیں: "جب وہ سب جمع ہو گئے، نبیؐ نے مجھ سے کہا کہ کھانا لے آؤ جو میں نے تیار کیا تھا۔ پھر انہوں نے ایک ٹکڑا گوشت لیا، اس کو کاٹا، اور دوبارہ ڈش میں ڈال دیا، اور کہا: 'اللہ کے نام پر یہ کھاؤ۔' مرد ایک گروپ کی صورت میں کھانے لگے، یہاں تک کہ کوئی بھی ان میں سے اور نہیں کھا سکا۔ لیکن، علیؓ نے کہا: " میں نے کھانے میں کوئی کمی نہیں دیکھی، سوائے اس کے کہ اسے لوگوں کے ہاتھوں کے ذریعے ہلایا گیا تھا؛ اور میری جان کی قسم، اگر وہ صرف ایک شخص ہوتا، تو وہ سب کچھ کھا سکتا تھا جو میں نے ان کے سامنے رکھا تھا۔

پھر نبیؐ نے کہا: 'انہیں پینے کے لیے دو'، تو میں دودھ کا پیالہ لایا، اور ہر ایک نے اپنی پیاس بجھائی، حالانکہ ایک آدمی بھی اس پیالہ کو خالی کر سکتا تھا۔ لیکن جب نبیؐ ان سے خطاب کرنے والے تھے، ابو لہب نے ان سے پہلے ہی بات کی اور کہا: 'تمہارے میزبان نے تم پر جادو کر دیا ہے'، جس پر وہ سب منتشر ہو گئے، اس سے پہلے کہ نبیؐ ان سے کچھ کہہ پاتے۔"

اگلے دن، نبیؐ نے علیؓ کو وہی کرنے کا حکم دیا جو انہوں نے پچھلے دن کیا تھا۔ تو ایک اور کھانا تیار کیا گیا اور سب کچھ پہلے کی طرح ہوا، سوائے اس کے کہ اس بار نبیؐ نے احتیاط کی اور اس بات کو یقینی بنایا کہ سب ٹھیک ہو۔ اور انہیں مخاطب کرنے کا یقین دلایا۔

[1] XXVI, 2 14.

نبیؐ نے اپنے خاندان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اے عبدالمطلب کے بیٹو! میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی ایسا شخص آیا ہو جس نے اپنے لوگوں کو میرے پیغام سے زیادہ عظیم پیغام دیا ہو۔ میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی سب سے بہترین چیز لے کر آیا ہوں۔ اللہ نے مجھے تمہیں اپنے پاس بلانے کا حکم دیا ہے۔ تو تم میں سے کون ہے جو میری مدد کرے گا اور میرا بھائی، میرا انفاذ کرنے والا وصی اور تم میں سے میرا جانشین بنے گا؟" قبیلے میں خاموشی چھا گئی۔ جعفر رضی اللہ عنہ اور زید جعفر رضی اللہ عنہ دونوں کچھ کہہ سکتے تھے، لیکن انہیں معلوم تھا کہ ان کے اسلام پر سوال نہیں اٹھایا جا رہا تھا اور اس ملاقات کا مقصد ان جیسے لوگوں کو شامل کرنا تھا۔ لیکن جب خاموشی برقرار رہی تو تیرہ سالہ علیؓ کو بولنے کی تحریک محسوس ہوئی، اور کہا: "اے اللہ کے پیغمبر، میں اس میں آپ کا مددگار ہوں گا۔" نبیؐ نے علیؓ کے پیچھے ہاتھ رکھا اور کہا: "یہ میرا بھائی ہے، میرا انفاذ کرنے والا وصی اور تم میں میرا جانشین۔ اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" اس پر وہ مرد ہنس کر ابو طالب رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: "اس نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔[1]"

جہاں تک نبیؐ کی پھوپھیوں کا تعلق ہے، صفیہ نے کوئی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی اور اپنے بیٹے زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام قبول کر لیا، لیکن ان کی پانچ بہنوں کو فیصلہ کرنے میں مشکل پیش آئی۔ عروہ کا رویہ ان سب کے جیسا تھا: "میں دیکھ رہی ہوں کہ میری بہنیں کیا کرتی ہیں" وہ کہتی تھیں۔ دوسری طرف، نبیؐ کی چچی، اُم الفضل، جو کہ عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور جو ابھی تک فیصلہ کرنے سے گریزاں تھے، وہ پہلی عورت تھیں جنہوں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام قبول کیا؛ اور وہ جلد ہی اپنے تین بہنوں کو نبیؐ کے پاس لے آئیں – میمونہ، ان کی حقیقی بہن، اور دو سوتیلی بہنیں، سلمہ اور اسماء۔ یہ اُم الفضل کا گھر تھا جہاں جعفر رضی اللہ عنہ کی پرورش کی گئی تھی، اور وہیں وہ اسماء کو جانتے اور ان سے محبت کرتے تھے، جن سے انہوں نے حال ہی میں شادی کی تھی؛ اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بہن سلمہ سے شادی کی تھی۔ ان لوگوں میں سے ایک اور جو سب سے پہلے جواب دینے والوں میں شامل تھی وہ ام ایمن تھیں۔ نبیؐ نے ان کے بارے میں فرمایا: "جو شخص جنت کی خواتین میں سے کسی سے نکاح کرنا چاہے، وہ ام ایمن سے نکاح کرے۔[2]" یہ بات زید نے سنی اور ان کے دل میں یہ بات گہرائی سے اثر کر گئی۔ وہ ان سے عمر میں بہت بڑی تھیں، مگر اس نے ان سے شادی کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی، اور اس نے نبیؐ سے اپنی بات کہی، جنہوں نے کوئی مشکل نہیں جھیلی اور ام ایمن کو شادی پر راضی کر لیا۔ ام ایمن نے زید کو ایک بیٹا جنا جس کا نام اسامہ رکھا گیا، اور وہ نبیؐ کے نواسے کی طرح پرورش پانے لگا، جسے نبیؐ نے بہت محبت کی۔

[1] Tab. II71. [2] I.S. VIII, 162.

XVIII

Quraysh Take Action

قریش نے کارروائی کی

ابتدائی دنوں میں، اسلام کے ماننے والے اکثر مکہ کے باہر وادیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھنے جاتے تھے تاکہ انہیں کوئی نہ دیکھے۔ لیکن ایک دن چند بت پرستوں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ بات بڑھتے بڑھتے جھگڑے تک پہنچ گئی، اور سعد بن زہرہ نے ایک کافر کو اونٹ کی ہڈی سے مار کر زخمی کر دیا۔ یہ اسلام میں پہلا خون بہایا گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خدا کے حکم کا انتظار کریں گے اور تشدد سے گریز کریں گے، کیونکہ وحی مسلسل صبر کی تلقین کرتی تھی۔ قرآن نے کہا: "جو وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو، اور ان سے عزت کے ساتھ الگ ہو جاؤ[1]" اور "کافروں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور انہیں کچھ مہلت دو[2]"۔

یہ واقعہ دونوں طرف کے لیے ایک استثنا تھا، کیونکہ قریش عام طور پر نئے دین کو برداشت کرنے کے لیے تیار تھے، حتیٰ کہ جب نبی ﷺ نے اسے کھلم کھلا پیش کیا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ دین ان کے بتوں، اصولوں، اور روایتی اعمال کے خلاف ہے، تو ان کے کچھ بڑے لوگ ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ وہ اپنے بھتیجے کو روکیں۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ نے انہیں تسلی دی، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی کارروائی نہیں ہوئی تو وہ دوبارہ آئے اور کہا:

"اے ابو طالب رضی اللہ عنہ، تمہاری ہماری نظر میں عزت و مقام ہے، اور ہم نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنے بھائی کے بیٹے کو روکو، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم، ہم اپنے آباؤاجداد کی توہین، اپنے طریقوں کا مذاق اور اپنے خداؤں کی بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔ یا تو اسے باز رکھو یا ہم تم دونوں سے لڑیں گے۔"

پھر وہ چلے گئے، اور ابو طالب رضی اللہ عنہ سخت پریشانی میں اپنے بھتیجے کے پاس گئے اور ان سے کہا:

"اے میرے بھائی کے بیٹے، مجھے اور اپنے آپ کو بچالو، مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جو میں برداشت نہ کر سکوں۔"

لیکن نبی ﷺ نے جواب دیا:

"خدا کی قسم، اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور شرط لگائیں کہ میں اس راہ کو چھوڑ دوں، اس سے پہلے کہ خدا اسے فتح دے یا میں اس میں اپنی جان دے دوں، لیکن میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔[3]"

پھر آنکھوں میں آنسو لیے وہ اٹھے اور جانے لگے، لیکن ان کے چچا نے انہیں واپس بلایا اور کہا:

"اے میرے بھائی کے بیٹے، جاؤ اور جو کہنا ہے کہو، خدا کی قسم! میں کسی بھی صورت میں تمہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔

[1] LXXIII,10. [2] LXXVI,17. [3] I.I.168.

جب قریش نے دیکھا کہ ان کے الفاظ ابو طالب رضی اللہ عنہ پر کوئی اثر نہیں کر رہے، تو انہوں نے نبی کریم ﷺ پر براہِ راست حملہ کرنے سے گریز کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو طالب رضی اللہ عنہ، بطور ایک قبیلے کے سردار، اپنے بھتیجے کو تحفظ فراہم کرنے کا اختیار رکھتے تھے۔ مکہ کے دیگر قبائلی سرداروں کے لیے بھی یہ ضروری تھا کہ سرداری کے حقوق کا احترام کیا جائے۔ اس لیے قریش نے اپنی توجہ ان نئے دین کے ماننے والوں پر مرکوز کی جو بے سہارا تھے اور جنہیں کوئی تحفظ دینے والا نہیں تھا، اور ان پر وسیع پیمانے پر ظلم وستم کا منصوبہ بنایا۔

اسی دوران، قریش نے مشورہ کیا تا کہ اس مسئلے کا کوئی اجتماعی حل تلاش کیا جا سکے۔ صورتحال بے حد سنگین ہو چکی تھی: حج کا وقت قریب تھا اور پورے عرب سے لوگ مکہ آئیں گے۔ قریش کو اپنی مہمان نوازی کے لیے شہرت حاصل تھی، نہ صرف کھانے پینے کی مہمان نوازی میں بلکہ ہر آنے والے کو اور اس کے خدا کو خوش آمدید کہنے میں بھی۔ لیکن اس سال، حجاج اپنے خداؤں کی توہین نبی کریم ﷺ اور ان کے پیروکاروں کی طرف سے سنیں گے اور انہیں اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑنے اور ایک نئے دین کو اپنانے کی دعوت دی جائے گی، جو بظاہر بہت سی مشکلات کا باعث بن رہا تھا۔

یہ امکان تھا کہ کئی لوگ دوبارہ مکہ نہ آئیں، جس سے نہ صرف تجارت کو نقصان پہنچے گا بلکہ حرم کے محافظوں کی عزت بھی کم ہو جائے گی۔ بدترین صورت میں، عرب قبائل مل کر قریش کو مکہ سے نکال سکتے تھے اور ان کی جگہ کسی اور قبیلے یا قبائل کے گروہ کو بٹھا سکتے تھے، جیسا کہ قریش نے پہلے خزاعہ کے ساتھ کیا تھا اور خزاعہ نے جرہم کے ساتھ۔ اس لیے ضروری تھا کہ مکہ آنے والے لوگوں کو بتایا جائے کہ محمد ﷺ قریش کی نمائندگی نہیں کرتے۔

لیکن نبوت کی تردید کرنا کافی نہ تھا، کیونکہ یہ محض ایک رائے کا اظہار تھا، اور بالواسطہ طور پر لوگوں کو نبی ﷺ کی بات سننے اور خود فیصلہ کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ کچھ اور بھی کہنا ضروری تھا۔ یہاں ان کی کمزوری تھی، کیونکہ کچھ لوگوں نے کہا کہ نبی ﷺ کاہن ہیں، کچھ نے کہا وہ جادوگر ہیں، کچھ نے کہا وہ شاعر ہیں، اور کچھ نے کہا وہ دیوانے ہیں۔

انہوں نے ولید بن مغیرہ، جو اس وقت قبیلے کے سب سے بااثر آدمی تھے، سے مشورہ کیا کہ ان الزامات میں سے کون سا سب سے مؤثر ہوگا۔ انہوں نے سب کو مسترد کر دیا، لیکن بعد میں کہا کہ اگرچہ محمد ﷺ جادوگر نہیں ہیں، لیکن ان میں جادوگروں کی ایک صفت موجود ہے: وہ لوگوں کو ان کے والد، بھائی، بیوی یا خاندان سے الگ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ قریش کا متفقہ الزام یہ ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ ایک خطرناک جادوگر ہیں، جن سے ہر ممکن طریقے سے بچنا چاہیے۔

قریش نے ان کے مشورے کو قبول کیا اور فیصلہ کیا کہ مکہ کی طرف آنے والے تمام راستوں پر لوگ تعینات کیے جائیں تا کہ زائرین کو پہلے سے خبردار کیا جا سکے کہ وہ محمد ﷺ سے دور رہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ نبی ﷺ کتنے دل موہ لینے والے تھے۔ کیا وہ تبلیغ سے پہلے مکہ کے سب سے محبوب انسان نہیں تھے؟ ان کی زبان کی فصاحت اور ان کی شخصیت کی جاذبیت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

قریش نے اپنے منصوبے پر پوری لگن سے عمل کیا، لیکن ایک معاملے میں ان کی کوشش شروع ہی سے ناکام ہو گئی۔ بنی غفار کے ایک شخص، ابوذر، جو مکہ کے شمال مغرب میں بحیرۂ احمر کے قریب رہتے تھے، نبی اکرم ؐ اور ان کی مخالفت کے بارے میں سن چکے تھے۔۔

ابوذر بھی اپنی قوم کے اکثر افراد کی طرح ایک ڈاکو تھے، لیکن ان کے برعکس وہ اللہ کی وحدانیت پر پختہ یقین رکھتے تھے اور بتوں کی کسی بھی صورت میں تعظیم کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کے بھائی انیس کسی وجہ سے مکہ گئے اور واپسی پر انہوں نے ابوذر کو بتایا کہ قریش میں ایک شخص ہے جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اسی وجہ سے اس کی قوم نے اسے ٹھکرا دیا ہے۔

یہ سن کر ابوذر فوراً مکہ کے لیے روانہ ہوگئے، یقین کے ساتھ کہ وہ ایک حقیقی نبی ہیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو قریش کے وہ لوگ جو مکہ کے داخلی راستوں پر موجود تھے، انہیں ان کے سوالات پوچھنے سے پہلے ہی سب کچھ بتا چکے تھے۔ بغیر کسی دشواری کے وہ نبی اکرمؐ ﷺ کے گھر پہنچ گئے۔

نبی اکرمؐ صحن میں ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور چادر کا ایک کنارہ آپؐ کے چہرے پر ڈھکا ہوا تھا۔ ابوذر نے آپؐ کو جگایا اور سلام کیا۔ نبی اکرمؐ نے جواب دیا: "تم پر بھی سلامتی ہو!"

بدوی نے کہا: "مجھے اپنے کلام سناؤ۔" نبی اکرمؐ نے فرمایا: "میں شاعر نہیں ہوں، لیکن جو کچھ میں کہتا ہوں وہ قرآن ہے، اور یہ میں نہیں بولتا بلکہ اللہ بولتا ہے۔" ابوذر نے کہا: "میرے لیے پڑھ کر سنائیے۔" چنانچہ نبی اکرمؐ نے انہیں ایک سورہ کی تلاوت کی، جس پر ابوذر نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

نبی اکرمؐ نے پوچھا: "تمہاری قوم کون سی ہے؟" جب ابوذر نے جواب دیا تو آپؐ نے انہیں اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حیرت سے فرمایا: "بے شک اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔[1]"

یہ بات مشہور تھی کہ بنو غفار زیادہ تر ڈاکو تھے۔ نبی اکرمؐ نے انہیں اسلام کی تعلیم دی اور کہا کہ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جائیں اور آپؐ کے احکامات کا انتظار کریں۔ چنانچہ ابوذر اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے، اور ان میں سے کئی افراد ان کے ذریعے اسلام میں داخل ہوئے۔

اس دوران ابوذر اپنے ڈاکو ہونے کا کام جاری رکھے ہوئے تھے، خاص طور پر قریش کے قافلوں کو نشانہ بناتے تھے۔ لیکن جب وہ کسی قافلے کو لوٹتے تو جو مال انہوں نے لیا ہوتا اسے واپس کرنے کی پیشکش کرتے، بشرطیکہ وہ اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دیں۔

نبی اکرمؐ کے ساتھ ایک اور ملاقات کے نتیجے میں اسلام بنو دوس تک پہنچا، جو غفار کی طرح ایک مغربی قبیلہ تھا۔ دوس کے ایک آدمی طفیل نے بعد میں بتایا کہ جب وہ مکہ پہنچے تو انہیں نبی اکرمؐ سے بات کرنے یا ان کی باتیں سننے سے منع کیا گیا، مبادا وہ اپنی قوم سے جدا ہو جائیں۔ طفیل شاعر اور اپنی قوم میں ایک معزز شخص تھے۔ اس لیے قریش نے خاص طور پر انہیں خبردار کیا اور انہیں اتنا خوفزدہ کر دیا کہ جب وہ مسجد کعبہ میں داخل ہوئے تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔

نبی اکرمؐ وہاں موجود تھے، یمانی رکن اور حجر اسود کے درمیان اپنی نماز کی جگہ پر کھڑے تھے، جیسا کہ آپؐ کا معمول تھا۔ آپؐ بیت المقدس کی جانب رخ کیے ہوئے تھے، اور کعبہ کی جنوب مشرقی دیوار آپؐ کے سامنے تھی۔ آپؐ کی قرآن کی تلاوت بہت بلند نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود اس کا کچھ حصہ طفیل کے کانوں تک پہنچ گیا۔ طفیل نے کہا: "اللہ نے چاہا کہ میں اس کی تلاوت میں سے کچھ سنوں، اور میں نے خوبصورت الفاظ سنے۔"

انہوں نے خود سے کہا: "میں ایک سمجھدار آدمی ہوں، شاعر ہوں، اور اچھے اور برے میں فرق کرنے سے بے خبر نہیں ہوں۔ پھر کیوں نہ میں یہ دیکھوں کہ یہ آدمی کیا کہہ رہا ہے؟ اگر یہ اچھا ہو تو میں اسے قبول کروں گا اور اگر برا ہو تو مسترد کر دوں گا۔"

"میں وہاں رکا رہا یہاں تک کہ نبی اکرمؐ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ پھر میں ان کے پیچھے چل پڑا، اور جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے، میں بھی ان کے پیچھے ان کے گھر میں داخل ہو گیا۔

[1] I.S.IV, 164.

طفیل اس حد تک خوف زدہ تھا کہ اس نے اپنے کانوں کو بند کر لیا تا کہ نبی ﷺ کی بات نہ سن سکے۔ لیکن اللہ نے چاہا کہ وہ ان کی باتیں سن لے۔ طفیل نے کہا: "مجھے اپنے بارے میں سچ بتائیے کہ آپ کون ہیں؟"

نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی وضاحت کی اور قرآن کی تلاوت کی، جس کے بعد طفیل نے ایمان قبول کر لیا۔ پھر وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے واپس لوٹ گئے۔ ان کے والد اور بیوی نے اسلام قبول کر لیا، لیکن داؤس کے باقی لوگ پیچھے رہ گئے۔ طفیل مایوس ہو کر اور غصے میں نبی ﷺ کے پاس واپس آئے اور ان سے درخواست کی کہ ان پر لعنت بھیجیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی اور طفیل سے فرمایا: "اپنے لوگوں کے پاس واپس جاؤ، انہیں اسلام کی دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔[1]"

طفیل نے ان ہدایات پر عمل کیا، اور وقت کے ساتھ داؤس کے زیادہ تر خاندان اسلام قبول کرتے گئے۔

نبی ﷺ سے ملاقات سے پہلے، طفیل صرف ان لوگوں سے ملا تھا جو نبی ﷺ کے دشمن تھے۔ لیکن دوسرے حاجیوں نے نبی ﷺ کے پیروکاروں سے بھی ملاقات کی جنہوں نے انہیں ایک مختلف کہانی سنائی۔ ہر شخص نے وہی مانا جو اس کی طبیعت نے اسے قبول کرنے پر اکسایا۔ اس طرح نیا دین پورے عرب میں زیر بحث آیا، چاہے اچھے الفاظ میں یا برے، لیکن سب سے زیادہ اس کا چرچا یثرب کے نخلستان میں ہوا۔

[1] I.I. 252-4

XIX

Aws and Khazraj

اوس اور خزرج

اوس اور خزرج قبائل کے یہودی قبائل کے ساتھ یثرب (مدینہ) میں اتحاد تھے، لیکن ان کے تعلقات اکثر کشیدہ رہتے تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہودی، جو اپنے آپ کو اللہ کا منتخب قوم سمجھتے تھے، عربوں کو ہلکے انداز میں دیکھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ وہ عربوں کی طاقت کا احترام کرتے تھے، ان کے درمیان اکثر تلخی اور غصے کے لمحات آتے رہتے تھے۔ بعض اوقات یہودیوں نے کہا تھا:

"جس نبی کی آمد کا وقت قریب ہے، اس کے ساتھ ہم تمہیں قتل کریں گے، جیسے عاد اور ثمود کو قتل کیا گیا تھا۔[1]"

اور جب ان کے علماء اور کاہنوں سے پوچھا جاتا کہ نبی کہاں سے آئیں گے، تو وہ ہمیشہ یمن کی جانب اشارہ کرتے، جو ان کے نزدیک مکہ کی سمت بھی تھی۔۔ جب یثرب کے عربوں نے یہ سنا کہ مکہ میں ایک شخص نے خود کو نبی کے طور پر اعلان کیا ہے، تو انہوں نے اس بات پر توجہ دینا شروع کر دی۔ اور جب انہیں اس کے پیغام کے بارے میں مزید بتایا گیا تو ان کی دلچسپی اور بڑھ گئی، کیونکہ وہ پہلے ہی بہت سے مذہبی اصولوں سے واقف تھے۔

دوسری طرف، یہودیوں نے عربوں سے زیادہ قریباً خدا کی واحدیت، قیامت اور انسان کی آخری تقدیر پر بات کی تھی۔ لیکن قیامت کا تصور اور مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا، عربوں کے لیے ایک مشکل بات تھی۔ ایک دن، ایک یہودی عالم نے جنوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہاں سے ایک نبی آئے گا جو قیامت کی سچائی کو ثابت کرے گا۔"

لیکن یثرب کے عربوں کے لیے مکہ سے آنے والی خبر کے لیے سب سے اہم تیاری ایک یہودی عالم ابن الہیبان کی باتوں سے ہوئی تھی۔ ابن الہیبان، جو شام سے ہجرت کر کے یثرب آئے تھے، نے کئی بار دعا کے ذریعے قحط سے یثرب کو بچایا تھا۔ وہ ایک نیک آدمی تھے اور نبی ﷺ کی پہلی وحی کے وقت تقریباً فوت ہو گئے تھے۔ اپنے مرنے سے پہلے انہوں نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا:

"اے یہودیو، تمہیں کیا لگتا ہے کہ مجھے روٹی اور شراب کی سرزمین کو چھوڑ کر یہاں کیوں آنا پڑا؟"

ان لوگوں نے جواب دیا:

"تم ہی بہتر جانتے ہو۔"

انہوں نے کہا:

"میں اس ملک میں اس لیے آیا ہوں کہ یہاں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے جس کا وقت قریب ہے۔ وہ یہاں ہجرت کرے گا۔ مجھے امید تھی کہ وہ اس وقت تک آئے گا کہ میں اس کی پیروی کر سکوں گا۔ اس کا وقت تمہارے قریب ہے۔[2]"

یہ الفاظ یثرب کے نوجوان یہودیوں کے دلوں پر گہرے اثرات مرتب کر گئے، اور جب وہ وقت آیا، تو ان نوجوانوں نے نبی ﷺ کو قبول کر لیا، حالانکہ وہ یہودی نہیں تھے۔

[1] قدیم عرب قبائل، جو انبیاء کے پیغام کو ماننے سے انکار کرنے کی وجہ سے اچانک تباہ کر دیے گئے.

[2] I.I. 136.

عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جہاں عرب لوگ نبی ﷺ کی ذات کے حق میں نہیں تھے، لیکن ان کے پیغام کے حق میں تھے، وہیں یہودی نبی ﷺ کے پیغام کے حق میں تھے لیکن ان کی ذات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کیونکہ ان کے مطابق اللہ ایک نبی کو بھیجنے والے تھے، تو وہ کسی مخصوص قوم سے ہونا چاہیے تھا، نہ کہ ایک غیر منتخب قوم سے۔

پھر بھی، جب یثرب میں حج کے مسافروں نے نبی ﷺ کی خبر پہنچائی، تو یہودیوں کی دلچسپی انکار کے باوجود بڑھ گئی، اور انہوں نے ان سے مزید تفصیلات کے لیے سوالات کیے۔ جب یثرب کے عربوں نے یہ دیکھا کہ کس طرح پیغام کی توحید نے یہودی علما کی دلچسپی میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے، تو وہ بھی متاثر ہوئے، جیسا کہ وہ خود خبر دینے والے لوگ متاثر ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ، خزرج قبیلہ اپنی مضبوط رشتہ داری سے واقف تھا، کیونکہ وہ اسی شخص کے رشتہ دار تھے جو اب نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا، اور وہ بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ یثرب آیا تھا، اور اس کے بعد کئی مرتبہ شام جاتے ہوئے یثرب آیا تھا۔ جہاں تک اوس کا تعلق ہے، ان کے ایک اہم رہنما ابو قیس کی ایک مکی بیوی تھی، جو ورقہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی تھی۔ ابو قیس نے اکثر اپنی بیوی کے خاندان کے ساتھ وقت گزارا تھا اور ورقہ کے نبی ﷺ کے بارے میں خیالات کا احترام کیا تھا۔

یہ تمام عوامل، مکہ سے آنے والی مسافروں اور دیگر زائرین کی رپورٹوں کے ساتھ، یثرب کے لوگوں پر اثر انداز ہونے لگے۔ تاہم اس وقت ان کی زیادہ تر توجہ اپنے اندرونی مسائل پر مرکوز تھی۔ اوس اور خزرج کے درمیان ایک جھگڑا خونریزی میں تبدیل ہو چکا تھا، جس میں دونوں قبائل کی کئی جماعتیں شامل ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ یہودی بھی اس میں شامل ہو گئے تھے۔ تین لڑائیاں پہلے ہی ہو چکی تھیں، لیکن یہ فیصلہ کن ثابت نہ ہو سکیں اور ان لڑائیوں نے انتقام کی مزید آگ کو بھڑکا دیا تھا۔ چوتھی لڑائی، جو پہلے سے بڑی نظر آتی تھی، کے امکانات بڑھ گئے تھے۔ اسی دوران اوس کے رہنماؤں نے مکہ بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ قریش سے خزرج کے خلاف مدد مانگی جا سکے۔

جب وہ جواب کا انتظار کر رہے تھے، تو نبی ﷺ ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا وہ اس سے بہتر کچھ چاہتے ہیں جو وہ مانگنے آئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہو سکتا ہے، تو نبی ﷺ نے ان کو اپنے مشن اور پیغام کے بارے میں بتایا۔ پھر نبی ﷺ نے انہیں قرآن کی کچھ آیات سنائیں۔ جب وہ ختم ہوئے، تو ایک نوجوان ایاس بن معاذ نے کہا:

"لوگوں! اللہ کی قسم، یہ وہ چیز ہے جو تم نے مانگی تھی!"

لیکن وفد کے سردار نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور نوجوان کے چہرے پر پھینکتے ہوئے کہا:

"یہی تمہارے لیے کافی ہے! میری زندگی کی قسم، ہم یہاں کسی اور مقصد کے لیے آئے ہیں۔"

ایاس خاموش ہو گئے، اور نبی ﷺ ان کے درمیان سے چلے گئے۔ قریش نے ان کی مدد کی درخواست کو مسترد کر دیا اور وہ مدینہ واپس لوٹ گئے۔

اس کے بعد تھوڑی مدت بعد ایاس کی وفات ہو گئی، اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے، انہوں نے بتایا کہ وہ موت کے آخری لمحوں تک اللہ کی واحدیت کی گواہی دیتے رہے اور اللہ کی تسبیح، تعریف اور بڑائی کرتے رہے۔ اس طرح ایاس کو یثرب کا پہلا شخص مانا جاتا ہے جس نے اسلام قبول کیا۔

XX

Abu Jahl and Hamzah

ابو جہل اور حمزہ رضی اللہ عنہ

مکہ میں ایمان والوں کی تعداد میں مسلسل اضافے کے ساتھ ساتھ کافروں کی دشمنی میں بھی اضافہ ہو تا گیا؛ ایک دن جب قریش کے کچھ اہم لوگ حجرHateem میں اکٹھے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کو بھڑکانے کی کوشش کر رہے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی حرم میں داخل ہوئے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کے مشرقی کونے کی طرف جا کر حجر الاسود کو بوسہ دیا اور سات چکر لگانا شروع کر دیے۔ جب وہ حجر سے گزرے، تو ان لوگوں نے ان کے خلاف گندے الزامات لگانے شروع کر دیے، اور ان کے چہرے سے یہ واضح تھا کہ انہوں نے ان کی باتیں سن لی ہیں۔ جب وہ دوبارہ دوسرے چکر میں ان کے پاس سے گزرے، تو وہ دوبارہ ان پر الزامات لگاتے ہیں۔ لیکن جب تیسری بار وہ ان کے پاس سے گزرے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رک کر فرمایا: "اے قریش، کیا تم میری بات سنو گے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہیں ہلاکت کی خبر دیتا ہوں![1] " یہ الفاظ اور ان کے کہنے کا انداز ایسا تھا کہ گویا یہ ان پر جادو کا اثر تھا۔ ان میں سے کوئی بھی حرکت نہ کر سکا اور نہ ہی کسی نے کچھ کہا، یہاں تک کہ خاموشی ٹوٹی اور ان میں سے ایک جو سب سے زیادہ جارح تھا، نرمی سے کہا: "جا، اے ابو القاسم، اللہ کی قسم، تم جاہل نہیں ہو۔" لیکن یہ وقفہ زیادہ دیر تک نہیں رہا، کیونکہ وہ جلد ہی اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے کہ کیوں وہ لمحہ بھر کے لیے اتنے متاثر ہو گئے تھے، اور انہوں نے قسم کھائی کہ مستقبل میں وہ اس کمزوری کو درست کریں گے۔

اسلام کے سب سے بڑے دشمنوں میں سے ایک قریش کا ایک شخص تھا جس کا نام عمرو تھا اور جو اپنے خاندان اور دوستوں میں ابو الحکم کے نام سے جانا جاتا تھا، جسے مسلمانوں نے ابو جہل (جاہلیت کا والد) میں تبدیل کر دیا۔ وہ مغیرہ کا پوتا اور قریش کے سردار ولید کا بھتیجا تھا جو اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ ابو جہل کو یقین تھا کہ وہ اپنے چچا کی جگہ لے گا، اور اس نے پہلے ہی اپنی دولت اور بڑی میزبانی کی بدولت مکہ میں اپنے لیے ایک خاص مقام قائم کر لیا تھا، اور جزوی طور پر اپنے بے رحمی اور اپنے مخالفین سے انتقام لینے کی تیاری کی بدولت بھی اس کا خوف قائم کیا تھا۔ وہ ان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ محنتی تھا جنہوں نے حالیہ حج کے دوران مکہ کے راستوں کو بند کیا تھا، اور وہ سب سے زیادہ آواز اٹھانے والا شخص تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خطرناک جادوگر کے طور پر ملامت کرتا تھا۔ وہ اپنے قبیلے کے زیادہ بے بس مسلمانوں کو ستانے میں بھی سب سے زیادہ سرگرم تھا اور دوسرے قبیلوں کو بھی اس بات پر اکساتا تھا۔

[1] I.I. 183.

مکہ میں ایمان والوں کی تعداد میں مسلسل اضافے کے ساتھ ساتھ کافروں کی دشمنی بھی بڑھ رہی تھی، اور ایک دن، ابو جہل نے ایک ایسا موقع فراہم کیا جس سے نئی دین کو ایک بڑا فائدہ پہنچا۔ نبی اکرم ﷺ مسجد کے باہر صفا دروازے کے قریب بیٹھے تھے، جسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ حجاج اسی دروازے سے نکل کر صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگانے کی رسم ادا کرتے ہیں۔ صفا کا ٹیلہ دروازے کے قریب واقع ہے، جبکہ مروہ کا ٹیلہ تقریباً 450 گز شمال کی جانب ہے۔

صفا کے قریب ایک پتھر قدیم رسم کے آغاز کی نشانی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مقدس جگہ پر تنہا بیٹھے تھے، جب ابو جہل وہاں سے گزرا۔ یہ ابو جہل کے لیے ایک موقع تھا کہ وہ دکھائے کہ وہ کمزوری کا شکار نہیں ہوا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور جتنا ممکن ہو سکتا تھا، ان کے خلاف زبان سے گالیاں دینے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس اس کی طرف دیکھتے رہے، مگر ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ آخر کار جب ابو جہل نے ان پر جتنی گالیاں دے سکیں دیں، وہ مسجد میں داخل ہو گیا، جہاں قریش کے دوسرے لوگ جمع تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین ہو کر اٹھے اور اپنے گھر واپس چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد ہی، حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس آتے ہوئے صفا دروازے کے قریب پہنچے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب وہ شکار سے واپس آتے تو پہلے خانہ کعبہ کی عزت کرتے، پھر اپنے گھر والوں کے پاس جاتے۔ جب ایک عورت نے انہیں آتے دیکھا، تو وہ ان کے پاس آئی۔ وہ عورت عبد اللہ بن جدعان کی آزاد کردہ باندی تھی، جو بیس سال پہلے ہلف الفضول کے معاہدے کے آغاز کرنے والوں میں سے تھا۔ اس کا خاندان ابو بکر کے قریبی رشتہ داروں میں تھا، اور وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دین کے حق میں تھی۔ اس عورت نے ابو جہل کی گالیوں کو سنا تھا، اور اب وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو بتانے آئی۔

"ابو عمارہ[1]" اس عورت نے حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا، "اگر تم نے دیکھا ہوتا کہ محمد ﷺ، تمہارے بھائی کے بیٹے کے ساتھ ابو الحکم، ہشام کے بیٹے نے کیسے سلوک کیا۔ وہ یہاں بیٹھا تھا اور ابو جہل نے اسے بری طرح گالیاں دیں اور اس کی توہین کی۔ پھر وہ چلا گیا"—اس نے مسجد کی طرف اشارہ کیا—"اور محمد ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزاج نرم تھا، مگر وہ قریش کے سب سے طاقتور آدمی تھے، اور جب غصہ آتا، تو وہ انتہائی سخت اور بے رحم ہو جاتے تھے۔ اب ان کے دل میں ایسا غصہ اُٹھا تھا جو پہلے کبھی نہ آیا تھا، اور یہ غصہ ان کی روح میں ایک تبدیلی لے آیا اور انہوں نے جو ارادہ پہلے سے کر رکھا تھا، اسے عملی جامہ پہنا دیا۔ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور سیدھا ابو جہل کے پاس پہنچے، اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے کمان اٹھائی اور ابو جہل کی پیٹھ پر بھرپور انداز میں ماری۔ "کیا تم اس کو گالی دو گے؟ اب جبکہ میں اس کے دین پر ہوں اور اب میں بھی وہی مانتا ہوں جو وہ مانتا ہے؟" انہوں نے کہا، "اگر تم میں طاقت ہو تو مجھے بھی مارو۔"

ابو جہل میں ہمت تھی، مگر اس موقع پر اسے محسوس ہوا کہ یہ واقعہ ختم کر دینا بہتر ہے۔ جب مکی قریش میں سے کچھ لوگ اُٹھے اور ابو جہل کی مدد کے لیے آنے لگے، تو ابو جہل نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا: "ابو عمرو کو چھوڑ دو، کیونکہ قسم اللہ کی، میں نے اس کے بھائی کے بیٹے کو بہت بری طرح گالی دی تھی۔"

[1]۔ "عمارہ" حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی۔ عربوں میں سب سے معزز اندازِ خطاب یہ ہے کہ کسی شخص کو "ابو" کے ساتھ اُس کے بیٹے کا نام دیا جائے اور عورت کو "امّ" کے ساتھ اُس کے بیٹے یا بیٹی کا نام لیا جائے۔

XXI

Quraysh Make Offers and Demands

قریش کے پیشکشیں اور مطالبات

اس دن سے، حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کو ایمان داری سے قائم رکھا اور نبی کی تمام ہدایات کی پیروی کی۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا اثر قریش پر بھی پڑا، جو اب نبی کو براہ راست تنگ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ ان کی حفاظت کرے گا۔ دوسری طرف، یہ بالکل غیر متوقع واقعہ ان کو مزید اس بات کا شعور دلانے کا باعث بنا کہ ان کے نزدیک اس صورتحال کی سنگینی کیا ہے؛ اور یہ ان کے احساس کو بڑھا دیا کہ انہیں ایک حل تلاش کرنا ہوگا اور ایسی تحریک کو روکنا ہوگا جو، جیسے ان کو لگتا تھا، صرف ان کی عربوں میں بلند مقام کے خاتمے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس خطرے کو دیکھتے ہوئے، انہوں نے اپنے طریقہ کار کو تبدیل کرنے اور اس تجویز کو اپنانے پر اتفاق کیا جو اب 'عبد شمس کے ایک سرکردہ شخص، عتبہ بن ربیعہ، نے مجلس میں پیش کی تھی۔ "کیوں نہ میں محمد ﷺ کے پاس جاؤں،" اس نے کہا، "اور انہیں کچھ پیشکشیں کروں، جن میں سے وہ کچھ قبول کر سکتے ہیں؟ اور جو کچھ وہ قبول کریں گے، ہم وہ انہیں دیں گے، اس شرط پر کہ وہ ہمیں امن سے چھوڑ دیں۔" اب خبر آئی کہ نبی تنہا کعبہ کے پاس بیٹھے ہیں، تو عتبہ فوراً مجلس سے اٹھ کر مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے اس کام کے لیے خود کو پیش کیا تھا، جزوی طور پر اس لیے کہ وہ عبد شمس کے پوتے تھے، جو ہاشم کے بھائی تھے؛ اور اگرچہ عبد مناف کے ان دونوں بیٹوں کے نام پر منسوب قبیلے الگ ہو چکے تھے، لیکن ان کے اختلافات کو ان کے مشترکہ آبا کی وجہ سے آسانی سے مٹا دیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ، عتبہ قریش کے اکثر لوگوں کی نسبت زیادہ پُر امن اور مفاہمانہ طبیعت کا مالک تھا؛ اور وہ زیادہ ذہین بھی تھا۔

"میرے بھائی کے بیٹے،" اس نے نبی سے کہا، "تم جیسا کہ تم جانتے ہو، قبیلے کے معزز ہو اور تمہاری نسل تمہیں عزت کا مقام دلاتی ہے۔ اور اب تم نے اپنے لوگوں کے لیے ایک سنگین معاملہ پیش کیا ہے، جس کی وجہ سے تم نے ان کی جماعت کو توڑا ہے، ان کی زندگی کے طریقے کو بے وقوفانہ قرار دیا ہے، ان کے معبودوں اور ان کے دین پر برا کہا ہے، اور ان کے آبا کو کافر کہا ہے۔ تو جو میں تجویز کرتا ہوں اسے سنو، اور دیکھو کہ کیا اس میں سے کوئی بات تمہیں قبول ہو۔ اگر تمہیں دولت چاہیے، تو ہم تمہارے لیے ہماری مختلف جائیدادوں سے ایک بڑا سرمایہ اکٹھا کریں گے تاکہ تم ہمارے درمیان سب سے امیر آدمی بن جاؤ۔ اگر تمہیں عزت چاہیے، تو ہم تمہیں ہمارا سردار بنا دیں گے اور تمہاری رضا کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے؛ اور اگر تمہیں بادشاہت چاہیے، تو ہم تمہیں ہمارا بادشاہ بنا دیں گے؛

"اور اگر تم خود کو اس جن یا روح سے نہیں چھڑا سکتے جو تم پر ظاہر ہوتی ہے، تو ہم تمہارے لیے ایک طبیب تلاش کریں گے اور تمہارے مکمل علاج تک اپنی دولت خرچ کریں گے, جب اس نے بات ختم کی، تو نبی نے اس سے کہا: "اب تم میری بات سنو، اے ابوالولید۔" "میں سنوں گا،" عتبہ نے کہا، اور اس کے بعد نبی نے اس کے سامنے حالیہ طور پر آئی ہوئی وحی[1] کی کچھ آیات تلاوت کیں۔

عتبہ کم از کم اس بات کا کچھ حصہ سننے کو تیار تھا، تاکہ وہ ایک شخص کے ساتھ مفاہمت ظاہر کر سکے جسے وہ اپنے ساتھ کرنے کی امید رکھتا تھا، لیکن چند جملوں کے بعد، اس کے خیالات بدل گئے اور وہ ان الفاظ کے حسن پر حیرانی میں مبتلا ہو گیا۔ وہ وہاں بیٹھا رہا، اپنے ہاتھ پیچھے کی طرف رکھ کر ان پر جھک کر سنتا رہا، اور زبان کی خوبصورتی پر دنگ رہ گیا جو اس کے کانوں میں بہہ رہی تھی۔ وہ آیات جو پڑھی گئیں، ان میں وحی کا ذکر تھا، اور زمین و آسمان کی تخلیق کا بیان تھا۔ پھر انبیاء کا ذکر آیا اور قدیم قوموں کا ذکر کیا گیا جو ان انبیاء کی مخالفت کرتی تھیں اور جو ہلاک ہو کر جہنم میں جا پہنچی تھیں۔ پھر ایک آیت آئی جو مومنوں کے بارے میں تھی، جس میں انہیں اس دنیا میں فرشتوں کی حفاظت اور آخرت میں ان کے ہر خواہش کی تکمیل کا وعدہ دیا گیا تھا۔ نبی نے اپنی تلاوت کو اس آیت کے ساتھ ختم کیا: "اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں۔ سورج اور چاند کے آگے سجدہ نہ کرو، بلکہ اللہ کے آگے سجدہ کرو، جو ان کا خالق ہے، اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو۔[2]" اس کے بعد نبی نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر سجدہ کیا۔ پھر اس نے کہا: "تم نے جو سنا وہ سن لیا، اے ابوالولید، اور اب یہ تمہارے درمیان ہے۔"

جب عتبہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا تو ان کے چہروں پر اس کی حالت میں تبدیلی دیکھ کر وہ سب دنگ رہ گئے اور کہنے لگے: "تمہارے ساتھ کیا ہو گیا، اے ابوالولید؟" اس نے جواب دیا: "میں نے ایسی بات سنی ہے جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی۔ یہ نہ شاعری ہے، اور نہ جادو یا کہانت۔ قریش کے لوگو، میری بات سنو، اور جو میں کہوں وہ کرو۔ اس شخص کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالو، بلکہ اسے اس کے کام میں چھوڑ دو، کیونکہ خدا کی قسم، جو باتیں میں نے اس سے سنی ہیں، وہ بڑی خوشخبری کے طور پر قبول کی جائیں گی۔ اگر عرب اسے مار ڈالیں گے تو تم اسے دوسروں کے ہاتھوں سے نجات پا لو گے، اور اگر وہ عربوں پر غالب آ گیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی اور اس کی طاقت تمہاری طاقت، اور تم سب انسانوں میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہو گے۔" لیکن وہ اس پر ہنسے اور کہنے لگے: "اسے اس کی زبان نے جادو کر لیا ہے۔" "میں نے تمہیں اپنی رائے دے دی ہے،" اس نے جواب دیا، "اب تم جو مناسب سمجھو وہ کرو۔" اس نے ان کی مزید مخالفت نہیں کی، اور قرآن کی آیات سے جو اثر اس پر ہوا تھا وہ ایک عارضی تاثر سے زیادہ نہ تھا۔

اس دوران، چونکہ وہ اپنے پوچھے گئے سوالات کا جواب نہیں لے آیا تھا، ان میں سے ایک نے کہا: "آؤ ہم محمد ﷺ کو بلاتے ہیں اور اس سے بات کرتے ہیں اور اس سے جھگڑتے ہیں تاکہ ہمیں الزام نہ آئے کہ ہم نے کوئی راستہ آزمایا نہیں۔" تو انہوں نے محمد ﷺ کو بلایا اور کہا: "تمہارے لوگوں کے معزز افراد جمع ہیں تاکہ تم سے بات کریں،" اور وہ فوراً ان کے پاس گئے، یہ سوچتے ہوئے کہ شاید وہ اپنی پوزیشن بدل چکے ہوں گے۔ وہ ان کو سچائی کی طرف رہنمائی دینے کی آرزو رکھتے تھے، لیکن ان کی امیدیں تب ٹوٹ گئیں جب انہوں نے انہیں وہی پیشکشیں دوبارہ پیش کیں جو پہلے کی گئی تھیں۔ جب انہوں نے کام مکمل کر لیا، تو انہوں نے ان سے کہا: "میں مجنون نہیں ہوں، نہ ہی میں تمہارے درمیان عزت کی تلاش کرتا ہوں، اور نہ ہی تم پر حکومت چاہتا ہوں۔۔ لیکن۔۔۔"

[1] قرآن کا ہر آیت کو "آیت" کہا جاتا ہے، یعنی ایک معجزہ، کیونکہ یہ براہ راست وحی کی صورت میں نازل ہوئی ہے

[2] XLI, 37.

"اللہ نے مجھے تمہارے پاس ایک پیغامبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے ایک کتاب عطا کی ہے اور حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرادینے والا بنوں۔ اسی طرح میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اور تمہیں اچھی نصیحت دی ہے۔ اگر تم میرے لائے ہوئے پیغام کو قبول کرتے ہو تو یہ تمہاری دنیا اور آخرت میں خوش بختی ہے؛ لیکن اگر تم نے میرے لائے ہوئے پیغام کو مسترد کیا تو میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کروں گا جو ہمارے درمیان ہو گا۔[1]"

ان کا واحد جواب یہ تھا کہ وہ جہاں سے رکے تھے، وہاں واپس چلے جائیں اور یہ کہیں کہ اگر وہ ان کی پیشکشیں قبول نہیں کرتے، تو وہ ایسا کوئی کام کریں جو انہیں یہ ثابت کر دے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور ساتھ ہی ان کی زندگی کو آسان بنادے۔۔ "اپنے رب سے کہو کہ ہمارے ارد گرد جو پہاڑ ہیں انہیں ہٹادے اور ہماری زمین کو ہموار کر دے اور اس میں دریا بہادے جیسے شام اور عراق کے دریا بہتے ہیں؛ اور ہمارے کچھ آبا، ان میں قُصَیّ، کو ہمارے لئے زندہ کر دے تاکہ ہم ان سے پوچھیں کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے یا جھوٹ۔ یا اگر تم ہمارے لئے یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے لئے کچھ مانگو۔ اللہ سے کہو کہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ بھیجے جو تمہارے الفاظ کی تصدیق کرے اور ہمیں جھوٹا ثابت کرے۔ اور اللہ سے کہو کہ تمہیں باغات، محل اور سونے چاندی کے خزانے دے تاکہ ہم جان سکیں کہ تم اپنے رب کے ساتھ کس قدر کامیاب ہو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: "میں اپنے رب سے اس طرح کی چیزیں مانگنے والا نہیں ہوں، نہ مجھے اس کے لئے بھیجا گیا ہے، بلکہ اللہ نے مجھے ڈرادینے اور خوشخبری دینے کے لئے بھیجا ہے۔"

انہوں نے سننے سے انکار کر دیا اور کہا: "پھر آسمان کو ہمارے سروں پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادو،" یہ مذاق کرنے کے طور پر کہا گیا، جو پہلے سے ہی ظاہر کی گئی آیت سے مراد تھی: "اگر ہم چاہیں تو زمین کو چاک کر کے انہیں نگل لیں، یا آسمان کو ان پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادیں؟" یہ اللہ کا فیصلہ ہے،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ "اگر وہ چاہیں تو وہ یہ کر دیں گے۔[2]"

بغیر کوئی جواب دیے، سوائے ایک دوسرے کی جانب تحقیر آمیز نگاہوں کے، وہ ایک اور نکتہ پر گئے۔ ان کے لئے وحی کا ایک سب سے پہلا مسئلہ وہ عجیب نام تھا، "رحمن[3]"، جو بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے ماخذ سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک وحی کی ابتدا اس الفاظ سے ہوئی تھی: "جو بے حد اچھا ہے، رحمن، نے قرآن سکھایا۔[4]" اور چونکہ انہیں یہ گمان تھا کہ محمد ﷺ اپنے اقوال ایک شخص سے سیکھتے ہیں جو یمن میں ہے، تو ان کا آخری رد عمل یہ تھا: "ہم نے سنا ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں یمن میں ایک شخص سکھاتا ہے جس کا نام رحمن ہے، اور ہم رحمن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے!"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، اور انہوں نے کہا: "اب ہم نے تمہیں اپنے آپ کو واضح کر لیا ہے، محمد ﷺ، اور ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تمہیں سکون سے نہیں چھوڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں اس سے باز آئیں گے، جب تک ہم تمہیں تباہ نہ کر دیں یا تم ہمیں تباہ نہ کر دو۔" اور ان میں سے ایک نے کہا: "ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے پاس اللہ اور فرشتے بطور گواہ نہ لے آؤ۔"

یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدموں پر اٹھے، اور جیسے ہی وہ ان سے جانے والے تھے، عبداللہ بن ابو امیہ مکذومی بھی اٹھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "میں تم پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا، نہیں، نہ تب تک جب تک تم ایک سیڑھی نہ لے کر آؤ اور میں تمہیں اس پر چڑھتے ہوئے آسمان تک پہنچتے ہوئے نہ دیکھوں، اور جب تک تم چار فرشتوں کو گواہی دینے کے لئے نہ لے آؤ کہ تم وہی ہو جو تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہو، اور تب بھی مجھے لگتا ہے کہ میں تم پر ایمان نہیں لاؤں گا۔" عبداللہ بن ابو امیہ، اپنے والد کی طرف سے ابو جھل کا سگا کزن تھا؛ لیکن اس کی والدہ عاتکہ، عبد المطلب کی بیٹی تھیں، اور انہوں نے اپنے بیٹے کا نام اپنے بھائی، نبی اکرم ﷺ کے والد کے نام پر رکھا تھا۔

[1] I.I. 188.   [2] XXXIV, 9.   [3] See above, pp. 46-9.   [4] LV, I.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کو اپنے قریبی رشتہ دار سے سن کر افسردہ ہو کر اپنے گھر واپس گئے، اور ان کے دل میں اس غم کے علاوہ اپنے لوگوں کے رہنماؤں سے اتنی بڑی دوری کے باعث بھی غم تھا۔ پھر بھی، مکہ کے قبیلہ مخزوم سے جہاں اتنی نفرت جمع نظر آتی تھی، کم از کم ابو سلمہ کی وفاداری تھی جو ان کی خالہ برہ کے بیٹے تھے؛

اور اب اسی سمت سے نئے دین کے لئے غیر متوقع مدد اور طاقت آئی۔ ابو سلمہ کا ایک مالدار کزن تھا جس کا نام ارقم تھا—ان کے مخزومی دادا بھائی تھے—اور ارقم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور دونوں شہادتیں دیں: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، محمد رَسُولُ اللهُ۔" پھر اس نے اپنے بڑے گھر کو جو جبلِ صفا کے قریب تھا، اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ اس کے بعد سے، مکہ کے مرکزی حصے میں ایمان والوں کے لیے ایک پناہ گاہ بن گئی جہاں وہ بغیر خوف کے ایک جگہ اکٹھے ہو کر عبادت اور دعا کر سکتے تھے، اور انہیں دیکھے جانے یا پریشان کیے جانے کا خوف نہ تھا۔

XXII

Leaders of Quraysh

قریش کے رہنما

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار مسلسل بڑھ رہے تھے، لیکن جب بھی کوئی نیا شخص اسلام قبول کرتا اور اپنی وفاداری کا عہد کرتا، تو زیادہ تر وہ غلام، آزاد کردہ غلام، یا قریش کے نواحی علاقے کا رہائشی ہوتا تھا، یا پھر قریش کے وادی کے کسی نوجوان مرد یا عورت کا تعلق ہوتا تھا، جن کا خاندان تو اہم ہوتا تھا لیکن ان میں خود کوئی اثر ورسوخ نہیں تھا، اور ان کے ایمان لانے سے ان کے والدین اور بزرگ رشتہ داروں کی دشمنی دس گنا بڑھ جاتی تھی۔ عبد الرحمان، حمزہ رضی اللہ عنہ اور ارقم ان استثنائی افراد میں شامل تھے، لیکن وہ قائد نہیں تھے؛ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کچھ بڑے رہنماؤں کو اپنے ساتھ لانے کی خواہش رکھتے تھے، جن میں سے کوئی بھی، حتیٰ کہ ان کا چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ بھی، ان کے ساتھ شامل ہونے کی طرف مائل نہیں تھا۔ اگر انہیں ابو جہل کے چچا، ولید جیسے کسی شخص کی حمایت مل جاتی، جو نہ صرف مخزوم کے سردار تھے بلکہ اگر یہ کہا جا سکے تو قریش کے غیر رسمی رہنما بھی تھے، تو ان کا پیغام پھیلانے میں بہت مدد ملتی۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بات چیت کے لیے تیار دکھائی دیتا تھا؛ اور ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ولید سے اکیلے بات کرنے کا موقع ملا۔ لیکن جب وہ گہرے مکالمے میں تھے، ایک اندھا آدمی آیا، جو حال ہی میں اسلام قبول کر چکا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر اس نے ان سے قرآن کی تلاوت کرنے کی درخواست کی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صبر کرنے کو کہا اور بہتر وقت کا انتظار کرنے کو کہا، تو وہ اندھا شخص اتنا ضدی ہو گیا کہ آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ ترش کر لیا اور رخ موڑ لیا۔ ان کی گفتگو متاثر ہوئی؛ لیکن اس خلل کا کوئی نقصان نہیں تھا، کیونکہ ولید حقیقت میں دوسروں کی نسبت دلائل کے لیے زیادہ کھلا نظر آتا تھا جن کا معاملہ امید سے عاری تھا۔

تقریباً فوراً ایک نئی سورۃ نازل ہوئی، اور اس کا آغاز اس الفاظ سے ہوا: "اس نے منہ بسوڑا اور رخ پھیر لیا، کیونکہ اندھا شخص اس کے پاس آیا۔" وحی جاری رہی: "جس کا تجھے کوئی فائدہ نہ ہو، اس کی طرف تو دل لگا کر بیٹھا رہتا ہے، حالانکہ یہ تیری ذمہ داری نہیں کہ وہ پاک ہو یا نہ ہو۔ لیکن جو شخص تیری طرف دل سے آتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے، تو اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔"[1]

اس کے بعد کچھ عرصہ بعد، ولید نے اپنی خود پسندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "کیا وحی محمد ﷺ پر آتی ہے اور مجھ پر نہیں، حالانکہ میں قریش کا سردار ہوں اور ان کا مالک ہوں؟ کیا یہ وحی نہ مجھے آتی ہے اور نہ ابو مسعود کو، جو ثقیف کا سردار ہے، حالانکہ ہم دونوں ہی دو شہر کے عظیم لوگ ہیں؟"[2] ابو جہل کا ردعمل کم از کم سرد مہری سے زیادہ جذباتی تھا۔ یہ سوچنا بھی ان کے لئے ناقابل برداشت تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو سکتے ہیں۔

[1] LXXX, 5-10. [2] I.I. 238; see K. XLIII.

"ہم اور عبد مناف کے بیٹے،"، "اس نے کہا، "عزت کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کیا۔ انہوں نے کھانا دیا، اور ہم نے کھانا دیا۔ انہوں نے دوسروں کا بوجھ اٹھایا، اور ہم نے دوسروں کا بوجھ اٹھایا۔ انہوں نے دیا، اور ہم نے دیا، یہاں تک کہ جب ہم ایک ہی سطح پر آ گئے، گھٹنے گھٹنے ملے ہوئے، جیسے دو گھوڑے دوڑ میں ہوں، تو وہ کہتے ہیں: 'ہمارے ایک آدمی کو نبی بنایا گیا ہے؛ آسمان سے اس پر وحی آتی ہے۔' اور ہم کب اس کی مانند ہو سکتے ہیں؟ خدا کی قسم، ہم کبھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے، کبھی اسے سچ بولنے والا نہیں مانیں گے۔"

جہاں تک شمس کے 'عتبہ کا تعلق ہے، ان کا ردعمل کم منفی تھا، لیکن وہ تناسب کا احساس تقریباً برابر کم رکھتے تھے؛ کیونکہ ان کا پہلا خیال یہ نہیں تھا کہ محمد ﷺ کو نبی سمجھ کر ان کی پیروی کی جائے بلکہ ان کی نبوت سے 'عبد مناف کے بیٹوں کو عزت ملے گی۔ تو ایک دن جب ابو جہل نے اپنے نفرت کے ہدف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے 'عتبہ سے کہا: "یہ ہیں تمہارے نبی، اے عبد مناف کے بیٹوں"، تو 'عتبہ نے تیز لہجے میں جواب دیا: "اگر ہمارے پاس نبی ہے، یا بادشاہ ہے تو تجھے اس سے کیوں برا لگتا ہے؟" یہ آخری لفظ قُصیّ کی طرف اشارہ تھا، اور مخزومی کو ایک نازک یاد دہانی تھی کہ 'عبد مناف قُصیّ کے بیٹے تھے، جبکہ مخزوم صرف ان کا کزن تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی قریب تھے کہ یہ جھگڑا سن سکے اور وہ ان کے پاس آئے اور کہا: "اے عتبہ، تم اللہ کی خاطر، اور نہ ہی اس کے رسول کی خاطر ناراض ہوئے، بلکہ تم نے اپنی خاطر یہ کیا۔ اور اے ابو جہل، تم پر ایک مصیبت آنے والی ہے۔ تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔[1]"

قریش کے مختلف قبائل کی تقدیر مسلسل تبدیل ہو رہی تھی۔ اس وقت دو سب سے طاقتور قبیلے 'عبد شمس اور مخزوم تھے۔ 'عتبہ اور اس کے بھائی شیبہ شمس کے قبیلے کی ایک شاخ کے سردار تھے۔ ان کے کزن حرب، جو کہ اس قبیلے کے اموی شاخ کے سابقہ رہنما تھے، ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے ابو سفیان نے ان کی جگہ لے لی، اور ابو سفیان نے 'عتبہ کی بیٹی ہند سے شادی کی تھی۔ ابو سفیان کی کامیابی، سیاست اور تجارت دونوں میں، جزوی طور پر ان کے فیصلہ سازی میں محتاط رویے اور سرد اور صابر سوچ کے سبب تھی - اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی بردباری بھی تھی، اگر ان کی چالاکی اور موقع شناسی نے دیکھا کہ اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کی ٹھنڈی مزاجی اکثر ہند کے لیے پریشانی کا سبب بنتی تھی، کیونکہ وہ جلدی اور غصے میں آ جانے والی عورت تھی، لیکن ابو سفیان نے کبھی بھی اس کی باتوں کو اپنے ذہن کے بن جانے کے بعد اسے "اپنی رائے تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جیسا کہ متوقع تھا، وہ ابو جہل سے کم پر تشدد تھے جب بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی ہو۔

لیکن اگر قریش کے رہنماؤں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رویے میں کچھ فرق تھا، تو وہ پیغام کو مسترد کرنے میں سب متفق تھے۔ انہوں نے زندگی میں ایک خاص کامیابی حاصل کی تھی - حالانکہ نوجوان لوگ امید کرتے تھے کہ یہ ان کے لیے صرف آغاز ہے - اور ان سب نے ایک حد تک وہ کچھ حاصل کر لیا تھا جو عرب میں انسانوں کی عظمت کا مثالی معیار بن چکا تھا۔ دولت کو اس عظمت کا حصہ نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن حقیقت میں یہ کسی حد تک اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری تھی۔ ایک عظیم انسان کو اپنے اتحادیوں اور محافظوں کے طور پر بہت زیادہ مانگنا پڑتا تھا، اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے اپنے لیے قابل اعتماد اتحادی ہونے چاہئیں۔ اس کے لیے وہ اپنے اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیوں کے ذریعے ایک طاقتور اور مضبوط تعلقات کا جال بنا سکتا تھا۔ اس لحاظ سے بہت کچھ دولت کی مدد سے حاصل کیا جا سکتا تھا۔

[1] Tab. 1203, 3.

یہ وہ بڑی چیز تھی جسے عظیم شخص کو اپنے میزبان کے طور پر ضرورت بھی تھی۔ فضائل اس مثالی انسان کی اس خصوصیت کا لازمی حصہ تھے، خاص طور پر سخاوت کی فضیلت، لیکن یہ کسی آسمانی انعام کے لیے نہیں تھی۔ عرب کے پورے خطے میں، اور شاید اس سے بھی آگے، بے پناہ سخاوت، شیر کی طرح کے حوصلے، اور اپنے قول پر غیر مشروط وفاداری کی بنا پر لوگوں کی تعریف کرنا—چاہے وہ اتحاد کے لیے دیا ہو، تحفظ کے لیے، ضمانت کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے—زندگی میں اور موت کے بعد ان فضائل کے لیے ستائش کرنا وہ عزت اور امرت تھا جو ان کے لیے زندگی کا مقصد دیتی تھی۔ ایسے لوگ جیسے ولید اس عظمت کے بارے میں پُر اعتماد تھے؛ اور یہ ان میں ایسی خود پسندی پیدا کرتا تھا جو انہیں ایک پیغام سے بہرے کر دیتی تھی جو دنیاوی زندگی کی عارضیت پر زور دیتا تھا—ان کی اپنی کامیابی جس ترتیب, سیٹ اپ میں واقع ہوئی تھی، اس کی عارضیت۔ ان کی ابدیت اس بات پر منحصر تھی کہ عرب ہمیشہ کے لیے ویسا ہی رہے، عربی اقدار ماضی سے مستقبل تک برقرار رہیں۔ وہ سب مختلف درجات میں وحی کی زبان کی خوبصورتی کے بارے میں حساس تھے؛ لیکن اس کے معنی کے بارے میں، ان کی روحیں خود بخود ان آیات سے انکار کر گئیں جو انہیں بتا رہی تھیں کہ انہوں نے اور ان کے معزز آبا نے کچھ حاصل نہیں کیا، اور ان کی تمام کوششیں غلط تھیں: "یہ دنیاوی زندگی صرف ایک تفریح اور کھیل ہے؛ اور بے شک آخرت کا مسکن، وہی ہے زندگی، کاش وہ جان پاتے۔[1]"

[1] XXIX, 64

XXIII

Wonderment and Hope

تعجب اور امید

نوجوانوں اور کم کامیاب افراد نے فوراًاس الٰہی پیغام کو قبول نہیں کیا؛ لیکن کم از کم خود پسندی نے ان کے دلوں کو اس شدید اور جاندار پکار کے خلاف بند نہیں کیا، جو ان کی چھوٹی دنیا پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے کسی بگل کی آواز۔ وہ آواز جو عثمان نے صحرا میں سنی تھی "سوئے ہوئے جاگ اٹھو" اسی پیغام کے مترادف تھی، اور جو لوگ اب اس پیغام کو قبول کرتے تھے، ان کے لیے واقعی ایسا تھا جیسے وہ نیند سے بیدار ہوئے ہوں اور ایک نئی زندگی میں داخل ہوئے ہوں۔

کافر کا رویہ، ماضی اور حال میں، ان الفاظ میں سمویا گیا تھا: "یہ صرف دنیا کی زندگی ہے... اور ہمیں زندہ نہیں کیا جائے گا۔" اس کا الٰہی جواب تھا: "ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو[2] کچھ بھی ہے، اسے کھیل کے طور پر نہیں بنایا[1]" اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور تمہیں ہمارے پاس واپس نہیں لایا جائے گا؟[3]" ان لوگوں کے لیے جن میں کفر ابھی تک جڑ نہیں پکڑ سکا تھا، ان کے لیے یہ الفاظ سچائی کے ساتھ گونجتے تھے؛ اور یہی حال وحی کا تھا، جس نے اپنے آپ کو روشنی اور رہنمائی کی طاقت کے طور پر بیان کیا تھا۔ اس پیغام کو قبول کرنے کے لیے ایک اور سبب خود پیغمبر تھے، جو ایک ایسے شخص تھے، جن پر وہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ وہ اتنے سچے ہیں کہ دھوکہ نہیں دے سکتے اور اتنے حکمت والے ہیں کہ خود فریبی کا شکار نہیں ہو سکتے۔ پیغام میں ایک تنبیہ اور ایک وعدہ تھا: تنبیہ انہیں عمل کرنے کی ترغیب دیتی تھی، اور وعدہ انہیں خوشی سے بھر دیتا تھا۔

"بیشک جو لوگ کہتے ہیں: 'ہمارا رب اللہ ہے' اور پھر اس کی راہ پر چلتے ہیں، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں: 'نہ خوف کھاؤ نہ غمگین ہو، بلکہ خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے دوست ہیں اس دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، جس میں تمہیں وہ کچھ ملے گا جس کی تمہاری روحیں آرزو کرتی ہیں، وہ جو تم دعا کرتے ہو، اس سے، جو تمام گناہ معاف کرنے والا، بہت رحم والا ہے۔[4]"

جنت کے بارے میں جو بہت سی آیات اس وقت نازل ہو چکی تھیں، ان میں سے ایک وہ تھی جو ہمیشہ کی جنت کے بارے میں بات کرتی تھی جو نیک لوگوں کو وعدہ کی گئی ہے

[1] VI,29. [2] XXI, 16; XLIV, 38. [3] XXIII, IIS. [4] XLI, 30-2.

اس بارے میں کہا گیا: "ان کے لیے وہاں وہ کچھ ہو گا جو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چاہیں گے - ایک وعدہ جسے تمہارے رب نے پورا کرنے کا ذمہ لیا ہے۔[1]"
سچے مومن وہ ہیں جو ہم سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں، جبکہ کافر وہ ہیں جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور اس نچلی زندگی پر راضی ہیں، اسی میں سکون تلاش کرتے ہیں اور ہماری نشانیوں کو نشانی کے طور پر تسلیم نہیں کرتے[2]۔
مومن کا رویہ ہر لحاظ سے ان کے برعکس ہونا چاہیے۔ کافروں کی حالت خواب کی طرح کی ایک وہم میں ڈوبی ہوئی تھی، جہاں وہ فطرت کی نعمتوں کو معمولی سمجھتے تھے۔
حقیقت کی بیداری کا مطلب نہ صرف اپنی امیدوں کو اس دنیا سے آخرت کی طرف منتقل کرنا تھا بلکہ اس دنیا میں خدا کی ان نشانیوں پر حیرت کرنا بھی تھا جو یہاں واضح ہیں۔

"برکت والا ہے وہ جس نے آسمانوں میں برج بنائے، اور ان میں چراغ اور چمکدار چاند رکھا۔ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد آنے والا بنایا، ان کے لیے جو غور کریں یا شکر ادا کریں۔[3]"

قریش کے سرداروں نے نبی ﷺ سے گستاخانہ انداز میں ایسے معجزات کی طلب کی، جیسے کہ کسی فرشتے کا نزول یا آپ ﷺ کا آسمان پر چڑھنا۔ ایک موقع پر، جب چاند پورا تھا اور مکہ کے جبلِ حرا کے اوپر بلند نظر آ رہا تھا، کچھ کفار نبی ﷺ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ اگر آپ واقعی خدا کے رسول ہیں تو چاند کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ اس وقت وہاں کئی لوگ موجود تھے، جن میں مومن، متذبذب اور کافر سب شامل تھے۔ جب یہ مطالبہ کیا گیا تو سب کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ سب نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ چاند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، اور دونوں حصے ایک دوسرے سے دور ہو گئے، یہاں تک کہ جبلِ حرا کے دونوں طرف نصف چاند روشن نظر آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "گواہ رہو!" لیکن جنہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا، انہوں نے اس معجزے کو جادو قرار دیا اور کہا کہ یہ ان پر ایک جادو کا اثر ہے۔ مومن خوش ہوئے، اور کچھ متذبذب افراد اسلام میں داخل ہو گئے، جبکہ کچھ اس کے قریب آ گئے[5]۔

یہ فوری آسمانی جواب ایک گستاخانہ چیلنج کا استثنائی معاملہ تھا۔ قریش کی طلب کردہ دیگر نشانیاں بھی دی گئیں، لیکن ان کے مطالبے کے مطابق نہیں بلکہ خدا کے وقت کے مطابق۔ ایسے کئی چھوٹے معجزے بھی تھے جنہیں صرف مومنوں نے دیکھا۔ لیکن ان عجائبات کو مرکزی مقام نہیں دیا گیا، کیونکہ نازل شدہ کتاب خود اس وقت کی الٰہی مداخلت کا مرکزی معجزہ تھی، جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام پچھلی مداخلت کے مرکزی معجزے تھے۔
قرآن کے مطابق، عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول اور اس کا کلام ہیں جو مریم کی طرف بھیجا گیا اور اس کی روح ہیں۔ جیسے کہ کلامِ مجسم (عیسیٰ) کے ذریعے ہوا[6]، اسی طرح کلامِ کتاب کے ذریعے بھی اسلام حقیقی معنوں میں آخرت سے تعلق کا ذریعہ تھا۔

[7] قرآن نے قریش کے مطالبے کے جواب میں ان معجزات کی طرف اشارہ کیا جو ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہے، مگر وہ ان کی عظمت کو دیکھنے سے قاصر رہے۔

[1] XXV, 15-16. [2] X,9· [3] XXV,6I-2 [4] B. LXI, 24. [5] K.LIV,1-2. [6] IV, 171.
[7] XXX, 30.

کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں؟
اور آسمان کو، کہ وہ کس طرح بلند کیا گیا ہے؟
اور پہاڑوں کو، کہ وہ کس طرح قائم کیے گئے ہیں؟
اور زمین کو، کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟[1]

مومن سے جو حیرانی اور امید کی توقع کی جاتی ہے، دونوں ہی اللہ کی طرف واپسی کے رویے ہیں۔ شکر گزاری کی عبادت، جو "اللہ کی حمد ہو، جو تمام جہانوں کا رب ہے" کہنے میں شامل ہے، حیرت کا اظہار کرتی ہے اور اس کے ساتھ تعریف کرنے والے کو، تمام خیر کے ماورائی سرچشمہ کی طرف لے جاتی ہے۔"، اللہ کی برتر اصل کی طرف واپس لے جاتی ہے۔ تقدس کی عبادت، "اللہ کے نام پر، جو بے حد اچھا ہے، جو تمام تر مہربان ہے" کہنے سے روح اسی سمت میں امید کی دھارے پر لے جاتی ہے۔ اس واپسی کے راستے پر اسلام کی بنیادی دعا مرکوز ہے، الفاتحہ، جو "کھولنے والی" کہلاتی ہے کیونکہ یہ قرآن کا پہلا باب ہے:

اللہ کی حمد ہو، جو تمام جہانوں کا رب ہے،
جو بے حد اچھا ہے، جو تمام تر مہربان ہے،
یوم جزا کا مالک ہے،
ہم تیری عبادت کرتے ہیں، اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں،
ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے،
ان لوگوں کے راستے کا جو تیرے فضل کے حامل ہیں،
نہ ان لوگوں کے جو تیرے غصے کا شکار ہیں،
نہ ان لوگوں کے جو گمراہ ہیں[3]۔

اسلام کے عقیدے کا بہترین اور مرکوز اظہار سورۃ الإخلاص میں بھی ملتا ہے، جو قرآن کے آخر میں دو سورتوں کے بعد رکھی گئی ہے اور جب ایک مشرک نے پیغمبر سے اس کے رب کی وضاحت کرنے کو کہا تھا تو یہ سورت نازل ہوئی:

کہہ دو، وہ اللہ ہے، واحد ہے۔
اللہ سب سے بے نیاز ہے۔
نہ اس نے کسی کو جنا، نہ وہ جنا گیا۔
اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے[4]

[1] LXXXVIII, 17-2 0.

[2] یہ ترتیب کے لحاظ سے آخری ہے، لیکن وحی کے اعتبار سے نہیں۔ اس کی جگہ اسلامی عبادات میں ایسی ہے کہ اسے روزانہ کم از کم سترہ مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔

[3] 3 I, 2-7.

[4] CXII.

XXIV

Family Divisions

خاندانی تقسیم

حضرت علی اور حضرت جعفر کے چھوٹے بھائیوں کے برعکس، ابو طالب کے بڑے بیٹے طالب اور عقیل نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے والد کی طرح وہ بھی غیر تبدیل شدہ رہے، لیکن ان کے اندر برداشت تھی۔ ابو لہب کا رویہ بہت مختلف تھا: قریش کے رہنماؤں سے حالیہ تصادم کے بعد وہ کھل کر دشمنی پر اتر آئے تھے؛ اور ان کی بیوی ام جمیل، جو ابو سفیان کی بہن تھی، نے پیغمبر ﷺ سے نفرت پیدا کر لی تھی۔ ان دونوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو رقیہ اور ام کلثوم کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ واضح نہیں ہے کہ ان کی شادی ہو چکی تھی یا ابھی منگنی ہوئی تھی۔ لیکن ام جمیل کی یہ خوشی کہ رشتہ ٹوٹ گیا، کم ہو گئی جب اس نے سنا کہ اس کے اموی خاندان کے مالدار کزن عثمان بن عفان نے رقیہ کا ہاتھ مانگا اور اس سے شادی کر لی۔ یہ شادی نبی ﷺ اور حضرت خدیجہ کے لیے بہت خوشی کی بات تھی۔ ان کی بیٹی خوش تھی اور ان کے نئے داماد نے اس کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ بھی اپنی محبت کا اظہار کیا۔ ایک اور بات جو ان کے لیے شکر ادا کرنے کا باعث تھی وہ یہ کہ رقیہ اپنی بیٹیوں میں سب سے خوبصورت اور مکہ کی تمام عورتوں میں سے ایک بہت حسین خاتون تھی؛ اور عثمان بہت حسین آدمی تھا۔ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا خود ایک خوشی کا سبب تھا۔ "اللہ خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔" ان کی شادی کے بعد کچھ دنوں کے اندر جب وہ دونوں مکہ سے باہر تھے، تو پیغمبر ﷺ نے انہیں ایک پیغام بھیجا، جو ان کے متوقع وقت سے کافی دیر بعد واپس آیا۔ جب اس نے اپنی تاخیر کی وجہ بتانی شروع کی تو پیغمبر ﷺ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا: "میں تمہیں بتاتا ہوں، اگر تم چاہو تو کہ کیا چیز تمہیں روکے ہوئے تھی: تم وہاں عثمان اور رقیہ کی خوبصورتی کو دیکھ کر محو ہو گئے تھے۔"

اب پیغمبر ﷺ کی پھوپھی عروہ نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کا فوری سبب ان کا بیٹا طلیب تھا، جو پندرہ سال کا نوجوان تھا اور حال ہی میں اس نے دار ارقم میں اپنا ایمان ظاہر کیا تھا۔ جب اس نے اپنی ماں کو بتایا تو وہ کہنے لگیں: "اگر ہم وہ سب کر سکتے جو مرد کرتے ہیں، تو ہم اپنے بھائی کے بیٹے کی حفاظت کرتے۔" لیکن طلیب نے ایسی مبہم بات کو مسترد کر دیا اور کہا: "تمہیں کیا روک رہا ہے کہ تم اسلام قبول نہ کرو اور اس کی پیروی نہ کرو؟ تمہارے بھائی حمزہ نے ایسا کیا ہے۔" جب اس نے اپنی معمول کی دلیل پیش کی کہ وہ اپنی بہنوں کا انتظار کر رہی ہیں تو اس نے اسے روکتے ہوئے کہا: "میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جاؤ اور ان سے مل کر یہ کہو کہ تم ان پر ایمان لاتی ہو اور گواہی دیتی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" اس نے جو کہا تھا، وہ کیا؛ اور پھر اس نے حوصلہ پایا اور اپنے بھائی ابو لہب کو ان کے بھتیجے کے ساتھ برتاؤ پر سرزنش کی۔

1 حضرت محمد ﷺ کے اقوال, A.H. IV, 133-4. 2 S.205.

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ داروں میں سے، اسلام کے مکہ میں ظاہر ہونے کے فوراً بعد، ان کے سوتیلے بھائی نوفل اسلام کے بدترین اور سب سے زیادہ پُر تشدد دشمنوں میں شامل ہو گئے۔ تاہم، ان کی مخالفت نے ان کے بیٹے اسود کو اسلام قبول کرنے سے نہ روکا، جو کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے نوفل کی دشمنی کا ایک طرح سے مداوا تھا۔

لیکن یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک مایوسی تھی کہ ان کے پسندیدہ بھانجے، شمس کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے ابو العاص، جو کئی سالوں سے ان کے داماد تھے، نے اسلام قبول نہیں کیا، حالانکہ ان کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا ایمان لا چکی تھیں۔ قریش کے سرداروں اور ان کے قبیلے کے دوسرے افراد کی جانب سے ابو العاص پر شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے تجویز دی کہ وہ مکہ کی کسی امیر، بااثر اور حسین و جمیل خاتون سے نکاح کریں، اور وعدہ کیا کہ طلاق کی شرط پر وہ اس نکاح کے لیے اپنی تمام کوششیں وقف کر دیں گے۔

لیکن زینب رضی اللہ عنہا اور ابو العاص ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ زینب رضی اللہ عنہا ہمیشہ امید کرتی تھیں اور دعا کرتی تھیں کہ ان کے شوہر بھی اسلام میں شامل ہو جائیں، اور ابو العاص نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے صاف کہہ دیا کہ ان کے پاس وہ بیوی ہے جس کا انہوں نے انتخاب کیا تھا، اور انہیں کسی اور کی ضرورت نہیں۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک اور بھانجے، حکیم بن حزام - جنہوں نے تقریباً بیس سال پہلے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو زید تحفے میں دیا تھا - ابو العاص کی طرح اپنی پھوپھی اور ان کے خاندان کے ساتھ محبت رکھتے تھے، لیکن قریش کے معبودوں کو نہیں چھوڑا۔ البتہ حکیم کے بھائی خالد نے اسلام قبول کر لیا۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا:

"بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ چاہتے ہیں، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔[1]"

یہ حقیقت قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ اگرچہ ایسی آیات نبی ﷺ کے ذمہ داری کے احساس کو کم کرنے میں مددگار تھیں، لیکن وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے اسلام نہ لانے پر غمگین ہونے سے نہیں روکتی تھیں، خاص طور پر مخزوم کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے اپنے چچازاد عبد اللہ کی دشمنی پر۔

اسی طرح ایک اور واقعہ جس نے شاید انہیں مزید غمزدہ کیا، وہ ان کے چچا حارث کے بیٹے ابو سفیان کا رویہ تھا، جو ان کے رضاعی بھائی، چچازاد اور کبھی کے قریبی دوست تھے۔ نبی ﷺ امید رکھتے تھے کہ وہ ان کے پیغام پر لبیک کہیں گے، لیکن ان کا پیغام ان دونوں کے درمیان اختلاف کا سبب بن گیا۔ ابو سفیان کا سرد رویہ وقت کے ساتھ بڑھتا گیا، شاید ان کے چچا ابو لہب کے اثر کی وجہ سے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام رومان، اور اپنے بچوں عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور اسماء کو اسلام میں شامل کیا۔ ام رومان نے حال ہی میں ایک بیٹی کو جنم دیا، جس کا نام عائشہ رکھا گیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور زید کے بیٹے اسامہ اسلام میں پیدا ہونے والے ابتدائی بچوں میں شامل تھے۔ لیکن ابو بکر، جو کئی لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی وجہ بنے، اپنے بڑے بیٹے عبد الکعبہ کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکے، حالانکہ ان کے والدین نے پوری کوشش کی۔

جہاں مومنوں کو مایوسیوں کا سامنا تھا، وہیں مخالفین کو ایک نیا اور ناقابلِ پیش گوئی خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اسلام کی موجودگی نے مکہ کے روایتی طرزِ زندگی کو چیلنج کیا اور ان کے مستقبل کے منصوبوں، خاص طور پر بچوں کی شادیاں طے کرنے سے متعلق منصوبوں، کو خطرے میں ڈال دیا۔ مخزوم کے قبیلے کے لیے یہ باعثِ تسکین تھا جب ان کے قبیلے کے عبد اللہ نے اپنی مجلس میں اپنے چچازاد محمد ﷺ کی سخت مخالفت کی۔ عبد اللہ کا بھائی زہیر، اگرچہ اسلام کے خلاف کچھ کم معاندانہ تھا، لیکن اس نے بھی اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا

[1] XXVIII,57.

حضرت محمد ﷺ کے چچا عبد المطلب کی بیٹی عاتکہ کے بیٹے ابو سلمہ، جو بنی مخزوم کے دوسرے شاخ سے تعلق رکھتے تھے، کے اسلام قبول کرنے نے ان کے خاندان میں حیرانی اور تشویش پیدا کی۔ ان کی بیوی ہند، جو اپنی خوبصورتی اور نیک خصلت کی وجہ سے مشہور تھیں، نے اپنے شوہر کا ساتھ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفادار پیروکار بن گئیں۔

ابو سلمہ کے والد کی وفات کے بعد، ان کی والدہ برہ نے عامری قبیلے کے ایک شخص سے شادی کی، جس سے ان کے دوسرے بیٹے ابو سبرا ہ پیدا ہوئے۔ برہ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن ابو سبرا ہ پر اسلام کا اثر ان کے بھائی ابو سلمہ اور ان کی سوتیلی ماں میمونہ کے ذریعے ہوا۔ میمونہ اور ان کی بہنیں، جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیویاں تھیں، ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں[1]۔

سہیل، جو عامر قبیلے کے سردار تھے، نے اپنی ایک بیٹی سہلہ کا نکاح بنی عبد شمس کے رہنما عتبہ کے بیٹے ابو حذیفہ سے کیا۔ تاہم، دونوں نے اسلام قبول کر لیا، جس کی وجہ سے سہیل نے دو بیٹیوں اور دو داماددوں کو اسلام کے لیے کھو دیا۔ مزید یہ کہ سہیل کے تین بھائی، حالب، سالط، اور سکران، اور سکران کی بیوی حضرت سودہ بھی اسلام لے آئے۔ سہیل کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ ان کے بڑے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں میں شامل ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے امید ظاہر کی کہ ان کے والد ایک دن اسلام قبول کریں گے، اور رسول اللہ ﷺ بھی سہیل کے بارے میں یہی امید رکھتے تھے، کیونکہ وہ دوسرے سرداروں کے مقابلے میں زیادہ سمجھدار اور روحانیت کی طرف مائل تھے۔ لیکن ان کے بچوں کی نافرمانی نے ان کے دل کو مزید سخت کر دیا تھا۔

بنی عبد شمس میں ابو حذیفہ واحد ایسے بیٹے نہیں تھے جنہوں نے والدین کی اتھارٹی کو چیلنج کیا۔ خالد، جنہوں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا، نے اسلام کو چھپائے رکھا، لیکن جب ان کے والد کو علم ہوا تو انہوں نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ اسلام ترک کر دیں۔ خالد نے کہا:
"میں محمد ﷺ کے دین کو چھوڑنے سے پہلے مرنا پسند کروں گا۔[2]"
اس پر ان کے والد نے انہیں بے دردی سے مارا اور بغیر کھانے پینے کے ایک کمرے میں قید کر دیا۔ تین دن کے بعد خالد فرار ہو گئے، اور ان کے والد نے مزید کوئی کارروائی کیے بغیر انہیں عاق کر دیا۔

عتبہ، اپنی فطرت کے مطابق، اپنے بیٹے ابو حذیفہ کے ساتھ کم سخت اور زیادہ صبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ابو حذیفہ کو امید تھی کہ ان کے والد بھی بت پرستی کی غلطیوں کو پہچانیں گے اور اسلام قبول کریں گے۔

[1] I.S. VIII, 203. [2] I.S. IV I, 68.

اموی خاندان کی شاخ عبد شمس کے بارے میں، عثمان کے اسلام قبول کرنے اور ان کے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے علاوہ، دیگر کئی اہم نقصانات بھی ہوئے۔ ان کے اتحادی، بنو اسد بن خزیمہ کے کئی افراد، جن کی تعداد چودہ تھی، نے بھی نئے دین کو قبول کر لیا تھا۔ ان میں جحش خاندان بھی شامل تھا، جو نبی کریم ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہونے کے ناطے یقیناً قیادت کر رہا تھا۔ ان قیمتی اتحادیوں کے ساتھ، اموی سردار ابو سفیان نے اپنی بیٹی ام حبیبہ کو بھی کھو دیا، جن کی شادی انہوں نے جحش خاندان کے عبید اللہ بن جحش سے کی تھی، جو عبد اللہ کے چھوٹے بھائی تھے۔

عدی قبیلے میں، ان کے ایک اہم خاندان میں، سچائی کے رشتے کی طاقت نے کمزور رشتوں کو توڑنے کی مثال پچھلی نسل میں دی تھی۔ نُفَیل کے دو بیٹے تھے، خطاب اور عمرو، دو مختلف بیویوں سے۔ نُفَیل کی وفات کے بعد خطاب کی ماں نے اپنے سوتیلے بیٹے عمرو سے شادی کر لی اور ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام زید رکھا گیا۔ خطاب اور زید ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی تھے۔

زید ان چند افراد میں سے تھے جنہوں نے، ورقہ کی طرح، قریش کے بت پرستی کے طریقوں کو سمجھا کہ وہ کیا ہیں۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے خود ان میں حصہ لینے سے انکار کیا، بلکہ وہ ان چیزوں کو بھی کھانے سے انکار کرتے تھے جو بتوں کے نام پر قربان کی گئی تھیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور انہوں نے عوام میں اپنے لوگوں کو کھلم کھلا تنقید کا نشانہ بنانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ دوسری طرف، خطاب قریش کے قدیم طریقوں کے سخت پیروکار تھے اور زید کے بتوں اور دیویوں کے لیے بے احترامی سے شدید ناراض تھے۔

انہوں نے زید کو اتنا ستایا کہ انہیں مکہ کے علاقے سے نکل کر پہاڑوں میں رہنا پڑا۔ خطاب نے نوجوانوں کا ایک گروہ منظم کیا اور انہیں ہدایت دی کہ زید کو حرم کے قریب نہ آنے دیں۔ اس کے بعد زید حجاز چھوڑ کر عراق کے شمالی شہر موصل تک گئے اور وہاں سے جنوب مغرب میں شام کی طرف روانہ ہوئے، ہمیشہ راہبوں اور ربیوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے بارے میں سوال کرتے رہے۔ آخر کار ایک راہب سے ملے جس نے بتایا کہ اس ملک میں، جسے وہ چھوڑ چکے تھے، ایک نبی جلد ہی ظاہر ہوں گے جو اس دین کی تعلیم دیں گے جس کی وہ تلاش میں تھے۔

زید نے واپسی کا سفر شروع کیا، لیکن شام کی جنوبی سرحد پر لخم کے علاقے میں انہیں حملہ کر کے قتل کر دیا گیا۔ جب ورقہ کو ان کی موت کی خبر ملی تو انہوں نے ان کے لیے ایک مرثیہ لکھا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی زید کی تعریف کی اور فرمایا کہ قیامت کے دن "وہ اس طرح اٹھائے جائیں گے[1] جیسے وہ اکیلے ہی ایک پوری قوم کے برابر ہوں۔"

زید کی موت کو کئی سال گزر چکے تھے۔ خطاب بھی وفات پا چکے تھے، اور ان کے بیٹے عمر زید کے بیٹے سعید کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے، جن کی شادی عمر کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی۔ خاندان کی دونوں شاخوں کے درمیان رنجش ختم ہو چکی تھی۔ لیکن اسلام کے آنے کے ساتھ سعید سب سے پہلے اسے قبول کرنے والوں میں شامل تھے، جبکہ عمر، جن کی ماں ابو جہل کی بہن تھیں، اس کے سب سے شدید مخالفین میں سے تھے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کا ساتھ دیا، لیکن ان دونوں نے اپنے بھائی عمر کو اس کے بارے میں بتانے کی ہمت نہ کی، کیونکہ وہ ان کی سخت طبیعت سے واقف تھے۔ عمر کو ایک اور پہلو سے بھی اسلام کا سامنا تھا: ان کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا بنو جمح کے عثمان بن مظعون کی بہن تھیں۔ عثمان فطرتاً زاہد تھے اور وحی کے نزول سے پہلے ہی توحید کی طرف مائل تھے۔ وہ اور ان کے دو بھائی سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ زینب رضی اللہ عنہا کے تین بھتیجے بھی اسلام قبول کر چکے تھے.

خود زینب رضی اللہ عنہا، جو عمر کی بیوی تھیں، کے بارے میں اس مرحلے پر کچھ درج نہیں ہے، غالباً اس لیے کہ ان کے جذبات چاہے جو بھی ہوں، ان کے پاس انہیں خفیہ رکھنے کی ٹھوس وجوہات تھیں۔ ان کے بھائی عثمان عمر سے بھی زیادہ سخت گیر تھے، اگرچہ وہ کم جارحانہ تھے۔

[1] 1.1. 145.

زینب رضی اللہ عنہا اور اس کے بھائی قبیلے کے سردار، امیہ بن خلف کے کم عمر کزن تھے، جو اسلام کے سب سے سخت دشمنوں میں سے ایک تھے، جیسا کہ ان کے خاندان کے افراد بھی تھے۔ ان کے بھائی ابی بن خلف ایک دن پیغمبر کے پاس گئے اور کہا: "تو محمد ﷺ، کیا اللہ اس ہڈی کو زندہ کر سکتا ہے؟" پھر ایک حقارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ہڈی کو اپنے ہاتھ میں مروڑ دیا اور اس کے ٹکڑے پیغمبر کے چہرے پر پھینک دیے، جس پر پیغمبر نے کہا: "میں یہی کہتا ہوں: وہ اسے زندہ کرے گا، اور تمہیں بھی جب تم اس طرح کی حالت میں ہو گے؛ پھر وہ تمہیں آگ میں ڈالے گا۔[1] " یہ وہی ابی بن خلف ہیں جن کی طرف یہ وحی اشارہ کرتی ہے: "اس نے اپنی تخلیق کو بھلا دیا اور کہا: جب ہڈیاں سڑ گئیں تو کون انہیں زندہ کرے گا؟ کہو: وہی جو انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، وہ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔[2] "

[1] I.I. 239.   [2] XXXVI,78.

XXV

The Hour

قیامت کا ذکر

کفار کی سب سے زیادہ دہرائی جانے والی باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ اگر اللہ نے ان کے لیے کوئی پیغام بھیجا ہوتا تو وہ ایک فرشتہ بھیجتا۔ اس پر قرآن نے جواب دیا: "اگر فرشتے زمین پر چلتے پھرتے، تو ہم ان پر ایک فرشتہ پیغمبر بھیج دیتے۔[1]" قرآن میں جبرائیل کا وقتاً فوقتاً نزول انہیں پیغمبر بنانے کے لیے کافی نہیں تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ان لوگوں کے درمیان ہوں جن تک پیغام پہنچانا تھا۔ وحی میں یہ بھی کہا گیا: "وہ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں: ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں بھیجے گئے؟ یا ہم اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھتے؟ یقیناً وہ اپنے آپ پر غرور کرتے ہیں اور بہت بڑی تکبر کے ساتھ۔" "جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن برے عمل کرنے والوں کے لیے خوشخبری نہیں ہوگی، اور وہ کہیں گے: ایک دیوار جو جدا ہو چکی ہے۔[2]" یعنی وہ پکاریں گے، لیکن بے سود، کہ آسمان اور زمین کے درمیان دیوار واپس ڈال دی جائے۔ یہ وہ آخری وقت ہوگا جب آسمان سے براہ راست رابطہ زمین کے حالات کو مٹا دے گا اور زمین خود تحلیل ہو جائے گی۔ "جس دن لوگ بکھرے ہوئے کیڑے جیسے ہوں گے، اور پہاڑ اون کے ٹکڑوں کی طرح تیرتے ہوں گے۔[3]" اور "ایک دن جو بچوں کے بالوں کو سفید کر دے گا[4]۔" یہ انجام قرآن میں مسلسل اعلان کیا گیا ہے۔ یہ قیامت ہے، جو قریب ہے — آسمان اور زمین اس کے لیے حامل ہیں[5]: اس کا وقت ابھی نہیں آیا، اور جب کتابیں اس کو قریب بتاتی ہیں تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بے شک تمہارے رب کی نظر میں ایک دن، جو تم گنتے ہو، ایک ہزار سال کے برابر ہے[6]۔ لیکن پیغام کا دور بھی قیامت کے وقت کی پیش گوئی ہے۔

یہ تمام چیزوں کی نوعیت کے مطابق ہے، نہ کہ زمینی چیزوں کے لحاظ سے، بلکہ ایک وسیع تر تناظر میں۔ کیونکہ اگر ایک نیا مذہب قائم کرنے کے لیے الٰہی مداخلت ہے، تو اس کے لیے آسمان اور زمین کے درمیان ایک رکاوٹ کو عبور کرنا ضروری ہوتا ہے، جو اتنی بڑی نہ ہو کہ زمینی حالات بدل دے، لیکن اتنی بڑی ہو کہ پیغمبر کے مشن کا وقت بالکل غیر معمولی ہو، جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کے اوقات تھے۔ قرآن شب قدر کے بارے میں کہتا ہے، وہ رات جب جبرائیل حضرت محمد ﷺ کے پاس غار حرا میں آئے: "شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے نازل ہوتے ہیں، اور روح (جبرائیل) بھی۔[7]" اور اس بے مثل رات کا کچھ حصہ بلاشبہ پیغمبر اور جبرائیل کے درمیان رابطے کے پورے عرصے میں چھلک کر آیا۔

[1] XVII, 95. [2] XXV, 21-2. [3] CI,4-5 [4] LXXIII, 17.
[5] VII, 187. [6] XXII, 47. [7] XCVII, 3-4

گھڑی کی پیش گوئی کرنا فیصلے کی پیش گوئی کرنا ہے: اور قرآن نے حال ہی میں اپنے آپ کو الفرقان[1] یعنی معیار، تمیز، کے طور پر ظاہر کیا ہے۔ یہی ہر وحی شدہ کتاب پر لاگو ہوتا ہے کیونکہ وحی عارضی میں ابدی کی موجودگی ہے، اور وہ دیگر دنیوی موجودگی کسی آخری فیصلے کو پیش کرتی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ کئی معاملات میں، خواہ نبی خود کیا پیش گوئی کریں، جنت یا جہنم کی تقدیریں واضح طور پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اچھائی اور برائی کی چھپی ہوئی گہرائیاں سطح پر آجاتی ہیں۔ پیغمبر کی موجودگی کا اثر بھی لازمی طور پر اس کا ہم آہنگ اثر پیدا کرتا تھا، کیونکہ اس کی رہنمائی کی کشش ان لوگوں کی مکمل بگڑتی ہوئی حالت کو ظاہر کرتی تھی جو اس کے خلاف تھے، جبکہ ان لوگوں کو جو اس کو قبول کرتے تھے، اپنی مکمل تکمیل کے دائرے میں لے آتی تھی۔

یہ فوراً سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ وحی اچھے لوگوں کو خود کو بہتر بنانے کی تحریک دے گی۔ لیکن یہ نہ صرف پریشان کن تھا بلکہ بہت سے ایمان والوں کے لیے الجھن کا سبب تھا کہ جنہیں وہ ہمیشہ برا نہیں سمجھتے تھے، وہ اچانک غیر مشروط طور پر برے بن گئے۔ قرآن انہیں بتاتا ہے کہ انہیں اس کی توقع رکھنی چاہیے، کیونکہ اس کی آیات اس کے بدترین مخالفین کے رد عمل کو بڑھا دیتی ہیں۔

"بیشک ہم نے انہیں اس قرآن میں کافی وجوہات دی ہیں کہ وہ نصیحت پکڑیں، پھر بھی یہ ان کی نفرت کو بڑھا دیتا ہے۔[2] ہم انہیں ڈرنے کی وجہ دیتے ہیں، پھر بھی یہ ان کے انتہائی غصے کو بڑھا دیتا ہے[3]

کوئی بھی پہلے سے ابولہب کی بنیادی فطرت سے واقف نہیں تھا؛ اور، ایک اور مثال کے طور پر، عبد الرحمن بن عوف کچھ حد تک جمعہ کے سردار، امیہ بن خلف کے دوست بھی تھے۔ قرآن ایک بلند مرتبہ موازنہ پیش کرتا ہے جب یہ بتاتا ہے کہ نوح نے اللہ سے شکایت کی کہ اس کا پیغام صرف اس کے اور اس کی قوم کی اکثریت کے درمیان خلیج کو وسیع کرنے کے لیے کام آیا، اور صحیح راستے سے ہٹ گئے[4]

[1] یہ سورۃ XXV کا عنوان ہے۔

[2] XVII, 41. [3] XVII,60. [4] LXXI, 6.

XXVI

Three Questions

تین سوالات

ہر قریش کی مجلس میں ہمیشہ ان کے سب سے بڑے مسئلے پر کچھ نہ کچھ بحث ہوتی تھی؛ اور اب انہوں نے یثرب (مدینہ) میں یہودی عالموں کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ ان سے محمد ﷺ کے بارے میں مشورہ کیا جائے: "ان سے محمد ﷺ کے بارے میں پوچھو، "انہوں نے اپنے دو قاصدوں سے کہا۔ "انہیں ان کا حال بیان کرو اور انہیں بتاؤ کہ وہ کیا کہتے ہیں؛ کیونکہ وہ پہلی کتاب کے لوگ ہیں، اور ان کے پاس وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں۔" عالموں نے جواب بھیجا: "اس سے تین باتوں کے بارے میں پوچھو، جن کے بارے میں ہم تمہیں تعلیم دیں گے۔ اگر وہ تمہیں ان کے بارے میں بتادے، تو وہ اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہے، اور اگر وہ تمہیں نہ بتائے، تو وہ شخص جھوٹا ہے۔ "پوچھو اُن نوجوانوں کا حال، جو اپنے قوم سے جدا ہو کر قدیم زمانے میں حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔، ان کے ساتھ کیا ہوا؟ ان کی کہانی عجیب ہے؛ اور اس سے ان دور دراز سفر کرنے والے شخص کے بارے میں پوچھو جو مشرق اور مغرب کے کونے تک پہنچا تھا؛ اور اس سے روح کے بارے میں پوچھو، وہ کیا ہے؟ اگر وہ تمہیں ان باتوں کے بارے میں بتادے، تو اس کی پیروی کرو، کیونکہ وہ نبی ہے۔"

جب قاصد مکہ واپس آئے اور اپنی خبریں پہنچائیں، تو قریش کے رہنماؤں نے پیغمبر ﷺ سے تین سوالات کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کل تمہیں بتاؤں گا، "لیکن آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا "اگر اللہ چاہے"; اور جب وہ جواب لینے کے لیے آئے تو آپ ﷺ نے انہیں ٹال دیا، اور یہ سلسلہ روز بروز چلتا رہا، یہاں تک کہ پندرہ راتیں گزر گئیں اور ابھی تک آپ ﷺ کو کوئی وحی نہیں آئی تھی، اور نہ ہی جبرائیل آپ ﷺ کے پاس آئے تھے۔ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کا مذاق اُڑانے لگے، اور آپ ﷺ اس بات سے غمگین اور پریشان ہوئے کہ آپ ﷺ کو وہ مدد نہیں ملی تھی جس کی آپ ﷺ کو امید تھی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ ﷺ اپنے لوگوں کی باتوں کی وجہ سے پریشان ہو گئے تھے، اور ان کے تین سوالات کے جوابات دیے۔ وہ طویل انتظار جس سے آپ ﷺ کو گزرنا پڑا، ان الفاظ میں وضاحت پائی: "اور کچھ بھی نہ کہو کہ میں کل یہ کروں گا، سوائے اس کے کہ تم یہ کہو: اگر اللہ چاہے۔"[1]

لیکن یہ وحی کا دیر سے آنا، حالانکہ پیغمبر ﷺ اور ان کے پیروکاروں کے لیے تکلیف دہ تھا، حقیقت میں ایک اضافی طاقت ثابت ہوئی۔ ان کے بدترین دشمن اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکال سکے، لیکن ان قریش کے لیے جو دورائے میں تھے، یہ اس بات کا ایک زبردست ثبوت تھا کہ وحی آسمان سے آتی تھی اور اس کا کوئی تعلق اور کنٹرول پیغمبر ﷺ کا نہیں تھا۔ کیا یہ سوچا جا سکتا تھا کہ اگر محمد ﷺ نے پہلے کی وحی کو خود ایجاد کیا تھا تو وہ اس آخری وحی کو ایجاد کرنے میں اتنی دیر کیوں کرتے، خاص طور پر جب اتنا کچھ داؤ پر تھا؟

مومن بھی ہمیشہ کی طرح، خود وحی سے طاقت حاصل کرتے تھے۔

[1] XVIII, 23-4.

جب قریش نے ان نوجوانوں کی کہانی پوچھی جو اپنے لوگوں کو چھوڑ کر قدیم زمانے میں چلے گئے تھے - ایک کہانی جو مکہ میں کسی نے کبھی نہیں سنی تھی - تو انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کا موجودہ صورتحال پر اثر پڑے گا، ان کی اپنی بدنامی اور مومنوں کے حق میں۔ اس کہانی کو اکثر اصحاب کہف اہل افیسس کے سوئے ہوئے لوگوں کی کہانی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہاں، تیسری صدی عیسوی کے وسط میں، کچھ نوجوانوں نے اللہ واحد کی عبادت میں وفاداری دکھائی تھی جب ان کے لوگ بت پرستی میں پڑ گئے تھے اور ان کو ان کے پیچھے نہ چلنے پر تکالیف دے رہے تھے۔ اس عذاب سے بچنے کے لیے وہ ایک غار میں پناہ لینے گئے، جہاں اللہ نے انہیں تین سو سال سے زائد عرصے تک معجزانہ طور پر نیند میں ڈالا۔

جو کچھ یہودی پہلے سے جانتے تھے، اس کے علاوہ قرآن کی کہانی میں ایسی تفصیلات بھی آئی ہیں جو کسی بھی انسان کی آنکھوں نے نہیں دیکھی تھیں، جیسے کہ سوئے ہوئے لوگوں کی حالت، جب وہ اپنی غار میں سو رہے تھے اور ان کی وفادار کتا اپنے اگلے پاؤں دہلیز پر پھیلا کر لیٹا تھا۔

دوسرے سوال کا جواب، عظیم مسافر "ذوالقرنین" ہے، جس کے دو سینگ ہیں۔ وحی میں اس کے مغرب اور مشرق کے دورے کا ذکر کیا گیا ہے، اور پھر، جو سوال پوچھا گیا تھا اس سے زیادہ جواب دیتے ہوئے، ایک پراسرار تیسرے سفر کا ذکر کیا گیا ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ پر لوگ اس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کے لیے ایک دیوار بنائے جو ان کو یاجوج ماجوج اور دوسرے جنوں سے بچا سکے جو ان کی زمین کو تباہ کر رہے تھے؛ اور اللہ نے اسے ان بدروحوں کو ایک جگہ میں بند کرنے کا اختیار دیا، جہاں وہ ایک دن تک نہیں نکلیں گے، وہ دن جو اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آئے گا[2]، جب وہ زمین پر بڑی تباہی مچائیں گے۔ ان کا نکلنا آخری گھڑی سے پہلے ہو گا، لیکن یہ اس بات کی نشانی ہو گی کہ قیامت قریب ہے۔

تیسرے سوال کے جواب میں وحی نے روح کی انسان کے ذہن پر فوقیت کو ثابت کیا، جو اسے سمجھنے سے قاصر ہے:
"وہ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کریں گے، کہہ دو: روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے؛ اور تمہیں اس کا علم تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔[3]"

یہودی، بہت بے صبری سے یہ جاننا چاہتے تھے کہ محمد ﷺ ﷺ نے ان کے سوالات کے جوابات کیسے دیے ہیں؛ اور اس آخری جملے کے بارے میں جو علم کے بارے میں تھا، انہوں نے پہلے موقع پر اس سے سوال کیا کہ کیا یہ ان کی قوم یا مسلمانوں کے بارے میں تھا۔ "دونوں کے بارے میں،" پیغمبر ﷺ نے کہا، جس پر انہوں نے احتجاج کیا کہ انہیں تمام چیزوں کا علم دیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے تورات پڑھی تھی جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود تھی[4]، جیسے کہ قرآن نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔ پیغمبر ﷺ نے جواب دیا: "یہ سب کچھ اللہ کے علم کے مقابلے میں تھوڑا ہے؛ لیکن تمہارے لیے اس میں تمہاری ضروریات کے لیے کافی ہے، اگر تم اسے عمل میں لاؤ۔[5]" پھر وہ وحی آئی جس میں اللہ کے کلمات کا ذکر تھا، جو صرف اس کے علم کا ایک حصہ ہیں:
"اگر زمین بھر کے درخت قلم ہوں، اور سمندر، اس میں سات سمندر اور ملا دیے جائیں، پھر بھی اللہ کے کلمات کو لکھنے کی کوئی حد نہیں ہو گی۔[6]"

قریش کے رہنماؤں نے یہودیوں کی نصیحت کو اختیار کرنے کا عہد نہیں کیا تھا، اور نہ ہی یہودیوں نے پیغمبر ﷺ کو پہچانا تھا، حالانکہ انہوں نے ان کے سوالات کا جواب توقعات سے بڑھ کر دیا تھا۔ لیکن ان جوابات نے دوسرے لوگوں کو مسلمان بنایا؛ اور جتنا زیادہ اس کے پیروکار بڑھتے گئے، اتنا ہی زیادہ اس کے مخالفین نے محسوس کیا کہ ان کی جماعت اور ان کی زندگی کے طریقے کو خطرہ لاحق ہے۔

[1] XVIII, 9-25. [2] XVIII, 93-9. [3] XVII, 85.
[4] VI,154. [5] 1.1.198. [6] XXXI, 27.

قریش کے رہنماؤں نے ان تمام مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم کو مزید شدت سے منظم کیا جنہیں وہ بغیر کسی جوابدہی کے ایذا دے سکتے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان افراد کے ساتھ ایسا سلوک کرتا تھا: وہ انہیں قید کر لیتے، ان پر مار پیٹ، بھوک اور پیاس کا عذاب ڈالتے؛ اور جب مکہ کی زمین سورج کی تپش سے جلنے لگتی، تو انہیں زمین پر پھیلایا جاتا تاکہ وہ اپنے دین سے انکار کر دیں۔

بنی جمعہ کے سردار، امیہ کے پاس ایک افریقی غلام تھا جس کا نام بلال تھا، جو ایک پکا مسلمان تھا۔ امیہ اسے دوپہر کے وقت ایک کھلے میدان میں لے جاتا اور اس کے سینے پر ایک بڑا پتھر رکھوا دیتا، قسم کھاتا کہ وہ تب تک ایسا ہی رہے گا جب تک کہ وہ ﷺ کو چھوڑ کر اللات یا عزیٰ کی پوجا نہ کرے۔ اس اذیت کے دوران بلال "واحد، واحد" کہتے رہتے تھے۔ ایک دن ورقہ بن نوفل اس تکلیف میں مبتلا بلال کے قریب سے گزرے، اور بلال سے کہا: "واقعی وہ واحد ہے، واحد ہے، بلال۔" پھر امیہ کی طرف مڑ کر کہا: "اللہ کی قسم! اگر تم نے اسے اس طرح قتل کیا، تو میں اس کی قبر کو ایک زیارت گاہ بنا دوں گا۔"

ہر قریشی اپنے قبیلے میں نہیں رہتا تھا، اور ابو بکر نے بنی جمعہ کے علاقوں میں ایک گھر حاصل کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں پیغمبر ﷺ سے ملنے کے زیادہ مواقع ملتے تھے، کیونکہ وہ ہر شام ابو بکر کے گھر آتے تھے؛ اور کہا جاتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کا پیغام ہمیشہ ان کے چہرے پر ہوتا تھا۔ ابو بکر کا چہرہ بھی ایک کتاب کی طرح تھا؛ اور اس کا مکہ کے اس علاقے میں موجود ہونا، جو پہلے پورے قبیلے کے لیے فائدہ مند سمجھا جاتا تھا، اب اس کے رہنماؤں کے لیے تشویش کا باعث بن گیا تھا۔ اسی کے ذریعے بلال نے اسلام قبول کیا تھا؛ اور جب اس نے دیکھا کہ وہ اسے کس طرح اذیت دے رہے ہیں، تو اس نے امیہ سے کہا: "کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں آتا کہ تم اس غریب انسان کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو؟" "یہ تم ہی ہو جس نے اسے خراب کیا ہے،" امیہ نے جواب دیا، "تو اسے اس تکلیف سے بچاؤ۔" "میں بچاؤں گا،" ابو بکر نے کہا، "میرے پاس ایک کالا نوجوان ہے جو اس سے زیادہ طاقتور اور مضبوط ہے، وہ تمہارے مذہب کا پیروکار ہے۔ میں تمہیں اس کے بدلے بلال دوں گا۔" امیہ نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور ابو بکر نے بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔

ابو بکر نے پہلے ہی چھ اور غلاموں کو آزاد کیا تھا، ان میں سب سے پہلا 'عمر بن فہیرہ تھا، جو روحانی طور پر بہت مضبوط آدمی تھا اور اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک تھا۔ 'عمر ایک چرواہا تھا، اور جب وہ آزاد ہو گیا تو ابو بکر نے اس کے ذریعے اپنی بکریوں کی دیکھ بھال کرائی۔ ایک اور غلام جسے اس نے آزاد کیا وہ 'عمر کی ایک لونڈی تھی۔ وہ اسلام قبول کر چکی تھی، اور 'عمر اسے مار کر اسلام چھوڑنے پر مجبور کر رہا تھا، جب ابو بکر اس کے پاس سے گزرے اور اس سے پوچھا کہ کیا وہ اسے بیچ دے گا؟ 'عمر نے رضا مندی ظاہر کی، تو ابو بکر نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔

سب سے بے رحم ظلم کرنے والوں میں ابو جہل تھا۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اسے بچانے کے لیے طاقتور خاندان ہوتا، تو ابو جہل صرف اسے ذلیل کرتا اور وعدہ کرتا کہ اس کی شہرت کو تباہ کر دے گا اور اسے ہنسی کا سامنا کرائے گا۔ اگر وہ تاجر ہوتا تو وہ اس کی تجارت کو بند کرنے کی دھمکی دیتا اور اس کی اشیاء کا بائیکاٹ کرنے کا انتظام کرتا تاکہ وہ تباہ ہو جائے۔ اگر وہ کمزور اور بے دفاع ہوتا اور اپنے قبیلے کا فرد ہوتا تو وہ اسے اذیت دیتا؛ اور اس کے پاس بہت سے طاقتور اتحادی تھے جنہیں وہ اپنے کمزور اور بے دفاع مسلمانوں کو اذیت دینے پر قائل کر سکتا تھا۔

اسی کے ذریعے اس کے قبیلے کے لوگوں نے یاسر، سمیہ اور ان کے بیٹے عمار کو عذاب دیا تھا۔ انہوں نے اسلام کو نہ چھوڑا، اور سمیہ ان تکالیف کے تحت شہید ہو گئیں۔

لیکن مکہ کی قریش اور دیگر قبیلوں کے کچھ متاثرین وہ تکلیفیں برداشت نہیں کر سکے جو انہیں دی جارہی تھیں، اور ان کے ظلم کرنے والوں نے انہیں اس حالت میں پہنچا دیا کہ وہ ہر چیز پر رضامند ہو گئے۔ ان سے کہا گیا: "کیا لات اور عزیٰ تمہارے معبود نہیں ہیں اللہ کے ساتھ؟" وہ ہاں کہتے؛ اور اگر ان کے سامنے کوئی بھونرا یا مکھی گزرتی اور پوچھا جاتا "کیا یہ بھونرا بھی تمہارا معبود ہے اللہ کے ساتھ؟" تو وہ صرف اس لیے ہاں کہتے تاکہ وہ اس اذیت سے بچ سکیں جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

یہ توبہ زبانی تھی، دل میں نہیں۔ لیکن جنہوں نے یہ کہہ دیا تھا، وہ اب اسلام کو صرف سب سے زیادہ پوشیدہ طریقے سے عمل میں لا سکتے تھے، اور کچھ کے پاس تو کوئی پوشیدہ جگہ بھی نہیں تھی۔ تاہم، ان کے لیے ایک نمونہ تھا حال ہی میں ظاہر ہونے والی نوجوانوں کی کہانی میں، جو اپنے لوگوں کو چھوڑ کر خدا کی پناہ میں چلے گئے تھے تاکہ دوسرے معبودوں کی عبادت نہ کریں۔ اور جب پیغمبر ﷺ نے دیکھا کہ اگرچہ وہ خود تو عذاب سے بچ گئے ہیں لیکن ان کے بہت سے پیروکار نہیں بچ سکے، تو انہوں نے کہا: "اگر تم حبشہ کے ملک میں جاؤ تو تم وہاں ایک بادشاہ پاؤ گے جس کے تحت کوئی بھی ظلم نہیں سہتا۔ وہ ایک دین میں سچائی کی سرزمین ہے، یہاں تک کہ جب تک اللہ تمہارے لیے کوئی ایسا ذریعہ نہ بنا دے جس سے تم جو اب تک تکالیف میں ہو، بچ سکو۔[1]" تو ان کے کچھ صحابہ حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے؛ اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

[1] I.I. 208.

XXVII

Abyssinia

حبشہ

ہجرت کرنے والوں کا حبشہ میں اچھا استقبال کیا گیا، اور انہیں مکمل آزادی دی گئی کہ وہ اپنے دین کی عبادت کر سکیں۔ کل ملا کر، چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر جو ان کے ساتھ تھے، ان کی تعداد تقریباً اسی تھی؛ لیکن وہ سب ایک ساتھ نہیں گئے۔ ان کا سفر خفیہ طور پر منصوبہ بند تھا اور چھوٹے گروہوں میں خاموشی سے انجام دیا گیا۔ ان کے خاندان اگر جان جاتے تو انہیں روک سکتے تھے؛ لیکن یہ قدم غیر متوقع تھا، اور جب تک مومن اپنے منزل پر پہنچ گئے، قریش کو اندازہ نہیں ہوا کہ کیا ہوا ہے۔

قریش کے رہنما، تاہم، یہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھے کہ وہ امن کے ساتھ وہاں ایک خطرناک جماعت قائم کر لیں، جو ان کے قابو سے باہر ہو اور جس میں مزید نو مسلم شامل ہو کر کئی گنا بڑھ جائیں۔ اس لیے انہوں نے جلدی ایک منصوبہ تیار کیا، اور ایسی تحائف تیار کیے جو حبشیوں کے لیے سب سے زیادہ قیمتی تھے۔ چمڑے کے کام کو وہ سب سے زیادہ پسند کرتے تھے، اس لیے عمدہ کھالوں کی بڑی مقدار جمع کی گئی، جو نجاشی کے تمام سرداروں کے لیے کافی رشوت کے طور پر دی جا سکے۔ نجاشی کے لیے بھی قیمتی تحائف تھے۔

پھر انہوں نے دو آدمیوں کا انتخاب کیا، جن میں سے ایک 'عمرو بن العاص' تھا، جو قریش کے قبیلے بنو سہم سے تھا۔ قریش نے انہیں خاص ہدایت دی کہ کیا کرنا ہے: وہ ہر سردار سے علیحدہ ملاقات کریں، اس کو تحفہ دیں اور کہیں: "ہمارے لوگوں کے کچھ ناسمجھ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس بادشاہت میں پناہ لے چکے ہیں۔ انہوں نے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے، نہ تمہارا قبول کیا ہے، بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے، جو نہ ہمیں معلوم ہے اور نہ تمہیں۔ ان کے قوم کے معززین نے ہمیں تمہارے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ وہ انہیں ہمارے حوالے کرے۔ تو جب ہم ان کے بارے میں بادشاہ سے بات کریں، تو اسے مشورہ دو کہ انہیں ہمارے حوالے کرے اور ان سے کوئی بات نہ کرے؛ کیونکہ ان کے قوم والے ہی بہتر جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔"

تمام سرداروں نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور قریش کے دونوں آدمیوں نے اپنے تحائف نجاشی کے پاس لے جا کر اس سے درخواست کی کہ مہاجرین کو ان کے حوالے کر دیا جائے، اور ان کا معاملہ اسی طرح بیان کیا جس طرح انہوں نے سرداروں کے سامنے کیا تھا۔ آخر میں انہوں نے مزید کہا: "ان کے قوم کے معززین، جو ان کے والدین، چچا اور رشتہ دار ہیں، تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں ان کے حوالے کر دیا جائے۔" سردار بھی اس ملاقات میں موجود تھے، اور اب سب نے یک زبان ہو کر نجاشی سے درخواست کی کہ وہ ان کی بات مان لے اور مہاجرین کو ان کے حوالے کر دے، کیونکہ رشتہ دار ہی اپنے رشتہ داروں کے معاملات کے بہترین جج ہوتے ہیں۔

لیکن نجاشی ناراض ہوا اور کہا: "نہیں، خدا کی قسم، انہیں دھوکہ نہیں دیا جائے گا- وہ لوگ جو میری پناہ میں آئے ہیں، میری سرزمین کو اپنا مسکن بنایا ہے اور مجھے دوسروں پر ترجیح دی ہے! میں انہیں ہرگز حوالے نہیں کروں گا، جب تک میں انہیں طلب نہ کر لوں اور ان سے ان کے بارے میں سوال نہ کر لوں جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ اگر یہ وہی ہوا جو ان لوگوں نے کہا ہے، تو میں انہیں ان کے حوالے کر دوں گا تاکہ وہ انہیں واپس لے جائیں۔"

نجاشی نے کہا: "اگر وہ ایسا ہی ہیں جیسا تم کہتے ہو، تو میں انہیں ان کے لوگوں کے حوالے کر دوں گا۔ لیکن اگر وہ مختلف ہیں، تو میں ان کا اچھا محافظ رہوں گا جب تک وہ میری پناہ میں رہیں گے۔"

"پھر اس نے نبی کے ساتھیوں کو بلایا اور ساتھ ہی اس نے اپنے بشپوں bishops کو بھی جمع کیا، جو اپنی مقدس کتابیں ساتھ لے آئے اور انہیں تخت کے چاروں طرف کھول کر پھیلا دیا۔ 'عمر اور اس کا ہمراہی قاصد اس ملاقات کو روکنے کی امید کر رہے تھے، اور یہ ان کے مفاد میں بھی تھا کہ وہ اسے روکیں، اس سے بھی زیادہ جس کا انہیں احساس تھا۔ کیونکہ وہ اس بات سے ناواقف تھے کہ اگرچہ حبشی انہیں تجارتی اور سیاسی وجوہات کی بنا پر برداشت کرتے تھے، لیکن وہ انہیں کافر سمجھتے تھے اور ان کے درمیان ایک رکاوٹ کا شعور رکھتے تھے۔ خود وہ عیسائی تھے، ان میں سے بہت سے دیندار تھے؛ وہ بپتسمہ یافتہ تھے، وہ ایک خدا کی عبادت کرتے تھے، اور وہ یوکرسٹ کے مقدس عمل کو اپنے جسم میں رکھتے تھے۔ اسی طرح وہ مقدس اور ناپاک کے درمیان فرق کو سمجھتے تھے، اور 'عمر جیسے لوگوں کی بے حرمتی کا شدت سے شعور رکھتے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ وہ قبولیت کے لئے تیار تھے - سب سے زیادہ نگوس خود - اس مقدس ایمان داری اور گہرائی کے تاثر کے لئے جو ان پر مؤمنین کی جماعت نے پیدا کیا جو اب تخت کے کمرے میں داخل ہوئی، اور جب انہوں نے دیکھا کہ یہاں مرد اور عورتیں ہیں جو ان کے اپنے لوگوں سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں ان کے مقابلے جن سے وہ پہلے مل چکے تھے۔ مزید برآں، مہاجرین میں سے زیادہ تر نوجوان تھے، اور ان میں سے کئی کی دینداری کو ان کی قدرتی خوبصورتی مزید بڑھا دیتی تھی۔

سب کے لیے ہجرت ضروری نہیں تھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان نے انہیں زبردستی مرتد کرنے کی کوشش ترک کر دی تھی، لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ وہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ ہجرت کریں۔ ان کی موجودگی جلاوطن کمیونٹی کے لیے ایک طاقت کا ذریعہ تھی۔

ایک اور خوبصورت جوڑا جعفر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ اسماء رضی اللہ عنہا تھے۔ انہیں ابو طالب رضی اللہ عنہ کی حفاظت حاصل تھی، لیکن مہاجرین کو ایک ترجمان کی ضرورت تھی، اور جعفر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ ایک عمدہ خطیب تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر ان سے فرمایا: "تم شکل و سیرت میں میرے مشابہ ہو۔"

جعفر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کو مہاجرین کی جماعت کا سربراہ منتخب کیا گیا تھا، اور ان کی کشش اور ذہانت کو مُصعَب بن عبد الدار کی قدرتی صلاحیتوں نے بھی تقویت دی، جو بعد میں نبی کریم ﷺ کے حکم سے ایک اہم مشن پر گئے۔

اسی طرح ایک اور قابل ذکر نوجوان مخزومی شمس تھا، جس کا نام "شماس" رکھا گیا تھا۔ یہ نام اس وقت رکھا گیا جب مکہ میں ایک نہایت خوبصورت مسیحی رہنما آئے، اور لوگوں نے ان کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ تب عتبہ نے کہا: "میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوبصورت شماس دکھاؤں گا،" اور اپنی بہن کے بیٹے کو پیش کیا۔

زبیرؓ، صفیہؓ کے بیٹے، بھی وہاں موجود تھے، اور نبی ﷺ کے دیگر چچازاد بھائی بھی شامل تھے: طلیب بن عروہ؛ امیمہ کے دو بیٹے، عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن جحش اور عبید اللہ، عبید اللہ کی اہلیہ ام حبیبہ کے ساتھ؛ اور برہ کے دو بیٹے، ابو سلمہ اور ابو سبرہ، دونوں اپنی بیویوں کے ساتھ۔

اس پہلے ہجرت کی کہانیوں کا زیادہ تر حصہ خوبصورت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے ہمیں پہنچا ہے۔

[1] I.S.IV/I, 24.

جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو نجاشی نے ان سے کہا:

"یہ کون سا دین ہے جس میں تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی ہے، حالانکہ تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ہی ہمارے آس پاس کے کسی اور قوم کے دین میں؟" جعفر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"اے بادشاہ، ہم ایک ایسی قوم تھے جو جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، گناہ کرتے تھے، اور طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔

ایسے میں اللہ نے ہمارے درمیان سے ایک رسول بھیجا، جس کا نسب ہم جانتے ہیں، جس کی سچائی، امانت داری، اور پاکدامنی پر ہمیں یقین ہے۔

انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اس کی وحدانیت کی گواہی دیں، اس کی عبادت کریں، اور ان پتھروں اور بتوں کو ترک کریں جن کی ہم اور ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں سچ بولنے، وعدے پورے کرنے، رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنے، اور جرائم و خونریزی سے بچنے کا حکم دیا۔

چنانچہ ہم نے اللہ کی عبادت شروع کر دی، کسی کو اس کا شریک نہ بنایا، جو اس نے حرام کیا اسے حرام جانا اور جو جائز کیا اسے جائز جانا۔

انہی وجوہات کی بنا پر ہماری قوم ہم سے دشمنی پر اتر آئی اور ہمیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تاکہ ہم اپنے دین کو چھوڑ دیں اور اللہ کی عبادت سے پھر بتوں کی طرف لوٹ جائیں۔

اسی لیے ہم نے تیرے ملک کا رخ کیا، اور تجھے دوسروں پر ترجیح دی۔ ہم تیری پناہ میں خوش ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اے بادشاہ، یہاں تیرے ساتھ ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔" شاہی مترجموں نے جعفر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا ترجمہ کیا۔

پھر نجاشی نے پوچھا:

"کیا تمہارے پاس کوئی ایسی وحی ہے جو تمہارے نبی ﷺ نے اللہ کی طرف سے تمہارے لیے لائی ہو؟"

جعفر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "جی ہاں!"

"تب نجاشی نے کہا: تو پھر مجھے سناؤ۔" جعفر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی ایک آیت تلاوت کی جو ان کے روانہ ہونے سے کچھ ہی پہلے نازل ہوئی تھی:

"اور کتاب میں مریم کا ذکر کرو، جب وہ اپنے گھر والوں سے مشرق کی طرف الگ ہو گئیں اور پردہ ڈال لیا۔ تب ہم نے اپنی روح ان کی طرف بھیجی، اور وہ ایک کامل انسان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مریم نے کہا: میں تجھ سے خدائے مہربان کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو پرہیزگار ہے۔

روح نے کہا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

مریم نے کہا: میرے لیے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ نہ مجھے کسی انسان نے چھوا ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں؟

روح نے کہا: ایسا ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔ تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں اور اپنی رحمت۔ اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔[1]" نجاشی یہ سن کر رو پڑا اور اس کے پادری بھی رونے لگے۔

جب ان کے لیے ترجمہ کیا گیا تو وہ دوبارہ رو پڑے۔

نجاشی نے کہا: یہ یقیناً اسی سرچشمے سے آیا ہے جہاں سے عیسیٰ لائے تھے۔"

پھر اس نے قریش کے دو سفیروں کی طرف رخ کیا اور کہا "تم جا سکتے ہو، اللہ کی قسم، میں انہیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا؛ انہیں دھوکہ نہیں دیا جائے گا۔"

[1] XIX, 16-21.

نجاشی کے سفیروں نے مسلمانوں سے کہا: "تمہیں دوبارہ بلایا جارہا ہے تاکہ تم بتاؤ کہ تم عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔"
یہ خبر سن کر مسلمان پریشان ہو گئے، کیونکہ اس قسم کے سوال سے پہلے کبھی ان کا سامنا نہیں ہوا تھا۔
انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر ان سے یہ سوال کیا گیا تو انہیں کیا جواب دینا چاہیے۔
سب جانتے تھے کہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہی کہیں جو اللہ نے ان پر نازل کیا تھا۔
جب وہ دوبارہ شاہی دربار میں پیش ہوئے اور ان سے پوچھا گیا: "تم عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"
تو جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:
"ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں بتایا: وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح، اور اس کا کلمہ ہیں، جو اس نے مریم بابرکت کنواری کی طرف بھیجا۔"
نجاشی نے ایک لکڑی کا ٹکڑا اٹھایا اور کہا: "عیسیٰ ابن مریم تمہارے کہے سے اس لکڑی کے طول برابر بھی زیادہ نہیں۔"
جب اس کے جنرلز Generals نے اعتراض کے انداز میں ناک سکیڑیں تو نجاشی کہا: "چاہے تم جتنا بھی ناک چڑھاؤ۔"
پھر اس نے جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف رخ کیا اور کہا: "جاؤ، تم میرے ملک میں محفوظ ہو۔
سونے کے پہاڑ بھی مجھے تم میں سے کسی کو نقصان پہنچانے پر آمادہ نہیں کر سکتے۔"
پھر اس نے قریش کے سفیروں کی طرف اشارہ کیا اور اپنے خادم کو حکم دیا: "ان دونوں آدمیوں کے تحفے واپس کر دو، مجھے ان کی ضرورت نہیں۔"
چنانچہ عمرو اور اس کا ساتھی ذلت کے ساتھ مکہ واپس لوٹ گئے۔

اس دوران نجاشی کے الفاظ عیسیٰ کے بارے میں لوگوں میں پھیل گئے، اور وہ بے چین ہو کر اس کے خلاف نکل آئے۔
انہوں نے اس پر الزام لگایا کہ اس نے ان کا دین چھوڑ دیا ہے۔
نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان کے لیے کشتیاں تیار کیں تاکہ اگر ضرورت پڑے تو وہ روانہ ہو سکیں۔
پھر اس نے ایک کاغذ لیا اور اس پر لکھا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور عیسیٰ ابن مریم اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح، اور اس کا کلمہ ہیں، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا۔"
پھر اس نے کاغذ اپنی قمیص کے اندر چھپا لیا اور اپنی قوم کے سامنے آیا جو اس کے منتظر تھی۔
اس نے کہا: "اے حبشیو، کیا میں تمہارا بادشاہ نہیں ہوں؟"
انہوں نے کہا: "بے شک، آپ ہیں۔"
اس نے پوچھا: "میری زندگی تمہارے ساتھ کیسی رہی ہے؟"
انہوں نے جواب دیا: "یہ بہترین زندگی رہی ہے۔"
اس نے کہا: "پھر تمہیں کس چیز نے پریشان کیا ہے؟"
انہوں نے کہا: "آپ نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ عیسیٰ ایک بندہ ہیں۔" اس نے پوچھا: "تو تم عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"
انہوں نے کہا: "ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔"
تب اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا، جہاں کاغذ چھپا ہوا تھا، اور گواہی دی کہ وہ "یہ" مانتا ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ وہ ان کے الفاظ کی تصدیق کر رہا ہے[1]،
چنانچہ وہ مطمئن ہو گئے اور چلے گئے۔ وہ نجاشی کی حکومت سے خوش تھے اور صرف یقین دہانی چاہتے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی کشتیوں سے اتر کر واپس اپنے گھروں میں جا سکتے ہیں، جہاں وہ پہلے کی طرح سکون اور حفاظت سے رہتے رہے۔

[1] I.I. 224.

XXVIII

Umar

عمر رضی اللہ عنہ

جب دونوں قاصد مکہ واپس پہنچے اور بتایا کہ ان کی درخواست مسترد کر دی گئی ہے اور مسلمان نجاشی کی حمایت میں محفوظ ہیں، تو قریش غصے اور مایوسی سے بھر گئے۔

انہوں نے فوری طور پر مسلمانوں پر ظلم و ستم کو مزید سخت کرنے کی کوشش شروع کی، جس کی قیادت ابو جہل کر رہے تھے۔

ابو جہل کے بھتیجے عمر بن خطاب، اس وقت تقریباً چھبیس سال کے ایک جوان، ان کے حکم پر عمل کرنے میں سب سے زیادہ شدت پسند اور بے لگام تھے۔

عمر، اپنے چچا کے برعکس، دیندار تھے اور یہی ان کا اسلام کے خلاف ہونے کا بڑا محرک تھا۔

خطاب نے انہیں کعبہ کی عزت کرنے اور ان دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرنے کی تربیت دی تھی جو کعبہ سے وابستہ تھیں۔ یہ سب ان کے لیے ایک مقدس وحدت میں گندھا ہوا تھا، جس پر سوال نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ قریش ایک قوم تھی، لیکن اب مکہ دو مذاہب اور دو برادریوں میں بٹ چکا تھا۔ عمر کو صاف نظر آ رہا تھا کہ یہ مسئلہ صرف ایک شخص کی وجہ سے ہے۔ اگر اس شخص کو ختم کر دیا جائے، تو سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔ یہی ایک حل تھا، اور یقینی حل تھا۔

عمر ان خیالات میں ڈوبے رہتے، اور بالآخر ایک دن، غصے کی شدید لہر میں، انہوں نے اپنی تلوار اٹھائی اور گھر سے نکلے۔

ابھی وہ گھر سے نکلے ہی تھے کہ ان کی ملاقات اپنے قبیلے کے ایک شخص، نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، سے ہوئی۔

نعیم مسلمان ہو چکے تھے لیکن خوف کی وجہ سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھتے تھے۔

جب انہوں نے عمر کے چہرے پر سختی دیکھی تو پوچھا: "کہاں جا رہے ہو؟"

عمر نے جواب دیا: "میں محمد ﷺ، اس باغی، کے پاس جا رہا ہوں، جس نے قریش کو دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے، اور میں اسے قتل کر دوں گا۔"

نعیم نے انہیں روکنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ وہ خود بھی مارے جائیں گے۔

لیکن جب دیکھا کہ عمر کسی بات کو سننے کے لیے تیار نہیں، تو انہوں نے ایک اور چال سوچی تاکہ انہیں کم از کم کچھ وقت کے لیے روکا جا سکے۔

اس کے لیے انہیں کچھ ایسے مسلمانوں کا راز فاش کرنا پڑا جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔

لیکن وہ جانتے تھے کہ موجودہ حالات میں وہ انہیں معاف کر دیں گے اور ان کی اس حرکت کی تعریف کریں گے۔

نعیم نے کہا:

"اے عمر، پہلے اپنے ہی گھر والوں کے پاس جاؤ اور انہیں ٹھیک کرو۔" عمر نے کہا: "میرے گھر والے؟ کون؟"

نعیم نے جواب دیا: "تمہارا بہنوئی سعید اور تمہاری بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ دونوں محمد ﷺ کے دین پر ہیں۔

یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ انہیں چھوڑ نہ دو۔" عمر بغیر کچھ کہے واپس لوٹے اور سیدھا اپنی بہن کے گھر پہنچے۔

زہرہ کے ایک غلام، خباب، اکثر سعید اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے۔

اسی وقت وہ ان کے پاس موجود تھے اور سورہ طٰہٰ[1] کی کچھ آیات کے صفحات ان کے ساتھ تھے، جو حال ہی میں نازل ہوئی تھیں، اور وہ سب مل کر انہیں پڑھ رہے تھے۔
جب انہوں نے عمر کی غصے بھری آواز سنی، جو اپنی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پکار رہے تھے، تو خباب گھر کے ایک کونے میں چھپ گئے، اور فاطمہ رضی اللہ عنہانے وہ صفحات اپنے کپڑوں کے نیچے چھپالیے۔ عمر نے اندر آتے ہی کہا: "یہ جو تم بُڑبُڑ کر رہے تھے، میں نے کیاسنا؟"
انہوں نے کہا کہ یہ اس کا وہم ہو گا اور کچھ نہیں۔ میں نے سنا تھا!" عمر نے کہا، "اور مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دونوں محمد ﷺ کے دین کے پیروکار ہو گئے ہو!" پھر وہ اپنے بہنوئی سعید پر جھپٹے اور ان سے گتھم گتھا ہو گئے۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کو بچانے آئیں تو عمر نے ان پر ایسازور سے ہاتھ مارا کہ خون نکل آیا۔

انہوں نے کہا: "ہاں، ہم مسلمان ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ جو تم کرنا چاہتے ہو، کر لو۔"
فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زخم سے خون بہتا دیکھ کر عمر کو اپنی حرکت پر افسوس ہوا۔ انہیں ایک تبدیلی محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنی بہن سے کہا:
"مجھے وہ صفحات دکھاؤ جو تم ابھی پڑھ رہے تھے، تاکہ میں دیکھ سکوں کہ محمد ﷺ نے کیالایا ہے۔"

عمر کو پڑھنا آتا تھا، لیکن جب انہوں نے صفحات مانگے تو فاطمہ رضی اللہ عنہانے کہا: "ہم تم پر اعتبار نہیں کرتے۔"
عمر نے اپنی تلوار اتار کر زمین پر رکھ دی اور اپنے دیوی دیوتاؤں کی قسم کھائی کہ وہ پڑھنے کے بعد صفحات واپس کر دیں گے۔
فاطمہ رضی اللہ عنہانے دیکھا کہ عمر کا دل نرم ہو چکا ہے، اور ان کی خواہش ہوئی کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔
انہوں نے کہا: "میرے بھائی، تم بتوں کی پرستش کی حالت میں ناپاک ہو، اور صرف پاک لوگ ان صفحات کو چھو سکتے ہیں۔"

یہ سن کر عمر نے جا کر غسل کیا، اور پھر فاطمہ رضی اللہ عنہانے وہ صفحات انہیں دے دیے جن پر سورہ طہ کی ابتدائی آیات لکھی ہوئی تھیں۔
انہوں نے پڑھنا شروع کیا اور جب کچھ آیات پڑھ لیں تو کہا: "کتنی خوبصورت اور عظیم الشان باتیں ہیں یہ!"

یہ سن کر خباب اپنی چھپنے کی جگہ سے نکلے اور کہا: "اے عمر، مجھے امید ہے کہ اللہ نے تمہیں اپنے رسول کی دعا کے ذریعے چن لیا ہے۔
کل میں نے انہیں یہ دعا کرتے سنا تھا: 'یااللہ، اسلام کو ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے مضبوط کر دے!'"

عمر نے کہا: "اے خباب، محمد ﷺ اس وقت کہاں ہیں؟ میں ان کے پاس جانا چاہتا ہوں اور اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔"
خباب نے انہیں بتایا کہ وہ صفا کے دروازے کے قریب دار ارقم میں ہیں۔ عمر نے اپنی تلوار پھر سے باندھی اور دار ارقم کی طرف چل پڑے۔

انہوں نے دروازے پر دستک دی اور بتایا کہ وہ کون ہیں۔
صحابہ کو نعیم نے خبر دار کر دیا تھا، اس لیے وہ عمر کے آنے سے حیران نہ ہوئے، لیکن ان کی آواز کی نرم لہجے سے چونک گئے۔
ایک صحابی نے دروازے کی جھری سے جھانک کر دیکھا اور آکر کہا: "یارسول اللہ، یہ عمر ہیں اور وہ اپنی تلوار لے کر آئے ہیں۔"

حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "انہیں اندر آنے دو۔ اگر ان کا ارادہ نیک ہوا تو ہم انہیں خیر کی دولت دیں گے، اور اگر ان کا ارادہ برا ہوا تو ہم انہیں ان کی اپنی تلوار سے مار ڈالیں گے۔"

نبی اکرم ﷺ نے انہیں اندر بلانے کی اجازت دی، اور جیسے ہی عمر اندر آئے، آپ ﷺ نے ان کی کمر سے پکڑ کر انہیں کمرے کے بیچ میں کھینچا اور کہا:
"اے خطاب کے بیٹے، تم یہاں کس ارادے سے آئے ہو؟ میں نہیں دیکھتا کہ تم باز آؤ گے جب تک اللہ تم پر کوئی آفت نہ بھیجے۔" عمر نے کہا: "یارسول اللہ، میں اس لیے آیا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول اور جو کچھ آپ لائے ہیں اس پر ایمان لاؤں۔"

[1] xx.

نبی اکرم ﷺ نے "اللہ اکبر" کہا، اور گھر کے تمام مرد و عورتوں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر نے اسلام قبول کر لیا ہے۔
سب نے خوشی کا اظہار کیا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے اسلام کو چھپائیں۔
وہ سب کو، خاص طور پر ان لوگوں کو، جو نبی ﷺ کے سب سے زیادہ دشمن تھے، بتانا چاہتے تھے۔
بعد کے سالوں میں وہ بیان کرتے: "جب میں نے اس رات اسلام قبول کیا تو میں نے اپنے آپ سے کہا: مکہ کے لوگوں میں سے کون سب سے زیادہ اللہ کے رسول کے خلاف دشمنی رکھتا ہے؟ کہ میں اس کے پاس جاؤں اور اسے بتاؤں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میرا جواب تھا: ابو جہل۔
چنانچہ اگلی صبح میں اس کے دروازے پر گیا اور دستک دی۔
ابو جہل باہر آیا اور کہا: عمر کو خوش آمدید! تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟'
میں نے جواب دیا: 'میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ پر اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لایا ہوں،
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ وہ لائے ہیں، وہ حق ہے۔'

ابو جہل نے کہا: 'اللہ تجھے برباد کرے، اور وہ خبر جو تو لایا ہے، اس پر بھی اس کی لعنت ہو!'
پھر اس نے دروازہ میرے منہ پر بند کر دیا۔[2]"

[1] I.I. 227. [2] I.I.230.

XXIX

The Ban and its Annulment

مقاطعت اور اس کا خاتمہ

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ناقابلِ قبول تھا کہ قریش کھلے عام کعبہ میں اپنے معبودوں کی عبادت کریں،
جبکہ مسلمان خدا کی عبادت چھپ کر کریں۔ لہٰذا وہ کعبہ کے سامنے نماز ادا کرتے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے۔
کبھی کبھار وہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مومنوں کے ایک بڑے گروہ کے ساتھ حرم جاتے، اور ایسے مواقع پر قریش کے رہنما دور رہتے۔
ان کے لیے یہ بات بے عزتی کی ہوتی کہ وہ کھڑے ہو کر یہ سب ہوتے دیکھیں،
اور اگر وہ مزاحمت کرتے تو انہیں معلوم تھا کہ حضرت عمر کسی بات پر رکنے والے نہیں۔

لیکن قریش یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت عمر یہ تصور کریں کہ انہوں نے انہیں شکست دے دی ہے۔
ابو جہل کے دباؤ کے تحت انہوں نے فیصلہ کیا کہ بہترین حل یہ ہو گا کہ بنو ہاشم کے پورے قبیلے پر پابندی لگا دی جائے،
جو ابولہب کے سوا سب کے سب اپنے رشتہ دار ﷺ کی حفاظت کے لیے پر عزم تھے،
چاہے وہ انہیں نبی مانیں یا نہ مانیں۔ ایک معاہدہ تحریر کیا گیا، جس کے مطابق کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ بنو ہاشم کی کسی عورت سے شادی کرے
یا اپنی بیٹی کی شادی بنو ہاشم کے کسی مرد سے کرے؛ اور نہ ہی کسی کو ان کے ساتھ خرید و فروخت کرنے کی اجازت دی گئی۔
یہ پابندی اس وقت تک جاری رہنی تھی جب تک بنو ہاشم خود حضرت محمد ﷺ کو قبیلے سے نکال نہ دیں، یا وہ اپنی نبوت کے دعوے سے دستبردار نہ ہو جائیں۔
قریش کے چالیس سے زیادہ رہنماؤں نے اس معاہدے پر اپنی مہر ثبت کی، حالانکہ ان میں سے سب کے دل سے اس کے حق میں ہونا ضروری نہیں تھا،
اور بعض کو منانے کی کوشش کی گئی۔ بنو مطلب نے اپنے ہاشمی رشتہ داروں کو چھوڑنے سے انکار کر دیا،
اور انہیں بھی اس پابندی میں شامل کر دیا گیا۔ دستاویز کو بڑی احتیاط سے کعبہ کے اندر رکھ دیا گیا۔

باہمی تحفظ کے لیے بنو ہاشم ابو طالب رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے، جہاں وہ اور قبیلے کے اکثر لوگ رہتے تھے
جب حضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رضی اللہ عنہا اپنے گھرانے کے ساتھ وہاں پہنچے،
تو ابولہب اور اس کی بیوی وہاں سے نکل گئے اور قریش کے مجموعی مؤقف سے یکجہتی کے اظہار کے لیے
اپنے دوسرے گھر میں رہنے چلے گئے۔ یہ پابندی ہمیشہ سختی سے نافذ نہیں کی گئی، اور تمام راستے بند کرنا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ شادی کے بعد بھی عورت اپنی خاندان کی رکن رہتی تھی ابو جہل مسلسل نگرانی کرتا رہا، لیکن وہ ہمیشہ اپنی مرضی مسلط نہ کر سکا۔ ایک دن اس نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم کو ایک غلام کے ساتھ دیکھا،
جو آٹے کی ایک بوری لے جا رہے تھے، اور یہ ظاہر تھا کہ وہ بنو ہاشم کی رہائش گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ ابو جہل نے ان پر دشمن کو خوراک پہنچانے کا الزام لگایا اور دھمکی دی کہ وہ انہیں قریش کے سامنے بے نقاب کرے گا۔

جب وہ بحث کر رہے تھے، اسد قبیلے کے ایک اور شخص ابوالبختری آئے اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے، اور جب اسے بتایا گیا تو اس نے ابوجہل سے کہا: "یہ اس کی خالہ کا آٹا ہے اور وہ اسے اس کے لیے بھیج رہی ہے۔ آدمی کو اس کے راستے پر جانے دو۔" نہ تو حکیم اور نہ ہی ابوالبختری مسلمان تھے، لیکن اسد قبیلے کے ایک فرد سے دوسرے فرد تک آٹے کا یہ تھیلا کسی بھی غیر متعلقہ شخص کا معاملہ نہیں تھا۔ مکہ کے مخزومی کی مداخلت قابل برداشت نہیں تھی اور جب ابوجہل نے اپنی ضد جاری رکھی، تو ابوالبختری نے ایک اونٹ کی جبڑے کی ہڈی اٹھا کر اس کے سر پر اس شدت سے ماری کہ وہ آدھا بے ہوش ہو گیا اور زمین پر گر گیا، اور پھر ان لوگوں نے اسے قدموں تلے روند ڈالا، جس سے حمزہ رضی اللہ عنہ خوش ہوئے جو اس لمحے وہاں پہنچے۔

"حکیم اپنے حقوق کے مطابق عمل کر رہا تھا، لیکن دوسرے لوگ صرف متاثرین سے ہمدردی کے باعث پابندی کی مخالفت کرتے تھے۔ عامر کے ہشام بن عمرو کا کوئی ہاشمی خون نہیں تھا، لیکن ان کے خاندان کی قریبی شادی کے تعلقات قبیلہ کے ساتھ تھے؛ اور رات کی آڑ میں وہ اکثر ایک اونٹ کو خوراک سے بھر کر ابوطالب رضی اللہ عنہ کے علاقے کے دروازے پر لے آتا تھا۔ پھر وہ اس کی مہار اتار کر اس کے پہلو پر ایک ضرب لگاتا تاکہ وہ ان کے گھروں کے پاس سے گزرے؛ اور دوسری رات وہ اسے کپڑوں اور دیگر تحائف سے لاد دیتا کفار سے اس قسم کی مدد کے علاوہ، دوسرے قبائل کے مسلمانوں نے، خاص طور پر ابوبکر اور عمر نے، اس پابندی کو ناکام بنانے کے مختلف طریقے نکالے۔ جب دو سال گزر چکے تھے، ابوبکر کو اب مزید دولت مند شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسی مدد کے باوجود، دونوں مظلوم قبیلوں میں خوراک کی کمی مسلسل جاری رہی، اور کبھی کبھار یہ کمی قحط کے قریب پہنچ جاتی تھی۔

مقدس مہینوں کے دوران، جب وہ اپنے پناہ گاہ سے نکل کر آزادانہ طور پر گھوم سکتے تھے اور انہیں تنگ نہیں کیا جاتا تھا، نبی اکرم اکثر حرم میں جاتے، اور قریش کے رہنماؤں نے ان کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر انہیں تکلیف دینے اور ان کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔ کبھی کبھار جب وہ قریش کو سابقہ قوموں کے بارے میں قرآن کی آیات پڑھ کر تنبیہ کرتے، نضر بن عبد دار اٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے: "خدا کی قسم، محمد ﷺ میری طرح بولنے والے نہیں ہیں۔ ان کی باتیں صرف قدیم لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یہ ان کے لیے لکھ کر دی گئی ہیں جیسے میری کہانیاں میرے لیے لکھی گئی ہیں۔" پھر وہ رستم اور اسفندیار اور فارس کے بادشاہوں کی کہانیاں سناتے۔ اس حوالے سے ایک آیت نازل ہوئی جو دل کو اس قوت کے طور پر بیان کرتی ہے جس کے ذریعے انسان غیر معمولی حقیقتوں کو دیکھ پاتا ہے۔ دل کی آنکھ، اگرچہ انسان کے گناہ کی وجہ سے بند ہو گئی ہو، پھر بھی اس میں روشنی کی ایک چمک دیکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور یہ ایمان ہے۔ لیکن برا طریقہ زندگی گزارنا دل پر ایسی جھریوں کی تہہ چڑھاتا ہے کہ وہ خدا کے پیغام کے الٰہی اصل کو محسوس نہیں کر پاتا: "جب ہماری آیات ان کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ بلکہ ان کی کمائی ان کے دلوں پر زنگ کی طرح جمی ہوئی ہے۔[1]" اس کے برعکس، اس بصیرت کی بلند ترین حالت، نبی نے خود ایک سے زیادہ مواقع پر یہ فرمایا کہ ان کی دل کی آنکھ کھلی ہوتی ہے، حتیٰ کہ نیند میں بھی: "میری آنکھ سوتی ہے، لیکن میرا دل جاگتا ہے۔[2]"

ایک اور وحی، جو کہ بہت کم ہے، جس میں نبی اکرم کے کسی ہم عصر کا نام ذکر کیا گیا، اب نازل ہوئی جس میں ابولہب اور ان کی بیوی کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ جہنم[3] میں جائیں گے۔ اُم جمیل کو اس کا علم ہوا، اور وہ گئیں۔۔۔

[1] LXXXIII,13-15. [2] I.I. 37S; B.XIX,I6, etc.. [3] XCI.

وہ مسجد کی طرف ایک پتھر کے دستے کے ساتھ جا رہی تھیں، تا کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تلاش کریں، جو ابو بکر کے ساتھ بیٹھے تھے۔ وہ ابو بکر کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا: "تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" ابو بکر کو پتہ تھا کہ وہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بات کر رہی ہیں، جو ان کے سامنے بیٹھے تھے، اور وہ اتنے حیران ہوئے کہ کچھ نہ کہہ سکے۔ "میں نے سنا ہے،" وہ کہنے لگیں، "کہ اس نے میری ہجو کی ہے، اور خدا کی قسم، اگر میں نے اسے پایا تو اس پتھر سے اس کا منہ توڑ ڈالوں گی۔" پھر انہوں نے کہا: "جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو ایک شاعری کرنے والی ہوں،" اور انہوں نے نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بارے میں ایک اشعار پڑھا:

"ہم اس بے راہ کی نافرمانی کرتے ہیں،
جو حکم دیتا ہے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں،
اور اس کے دین سے نفرت کرتے ہیں۔"

جب وہ چلی گئیں، تو ابو بکر نے نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا کہ کیا انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا؟ "انہوں نے مجھے نہیں دیکھا،" نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، "اللہ نے ان کی نظر مجھ سے ہٹا دی۔" "بد نصیب" کے بارے میں - عربی میں "مذمّم" یعنی قابلِ مذمت، جو "محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" کے بالکل برعکس ہے، جس کا مطلب ہے تعریف شدہ، محبوب - قریش کے کچھ لوگوں نے اسے اسی طریقے سے بیزار کرنے کے لیے "مذمّم" کہنا شروع کر دیا تھا۔ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے: "کیا یہ عجیب نہیں ہے کہ اللہ قریش کے اذیتوں کو مجھ سے ہٹا دیتا ہے؟ وہ 'مذمّم' کو گالی دیتے ہیں، حالانکہ میں 'محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم' ہوں۔[1]"

ہاشم اور مطلب کی پابندی دو سال یا اس سے زیادہ عرصے تک جاری رہی اور اس کے مطلوبہ اثرات ظاہر ہونے کی کوئی علامت نہیں تھی۔ اس کے علاوہ، اس کا غیر متوقع اور ناپسندیدہ اثر یہ تھا کہ اس نے نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور نئی مذہب کی طرف مزید توجہ مبذول کروادی اور پورے عرب میں اس کے بارے میں زیادہ باتیں ہونے لگیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے علاوہ، قریش کے بہت سے لوگوں نے اس پابندی کے بارے میں دوبارہ سوچنا شروع کر دیا، خاص طور پر وہ لوگ جن کے قریبی رشتہ دار اس کے متاثرین میں شامل تھے۔ وقت آ چکا تھا کہ ان کے ذہنوں میں تبدیلی آئے، اور پہلا شخص جو حرکت میں آیا وہ وہی ہشام تھا جو بار بار ہاشمیوں کے لیے کھانا اور کپڑے لے کر آتا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اکیلا کچھ نہیں کر سکتا، اس لیے وہ مخزومی زہیر کے پاس گیا، جو نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پھوپھی عاتکہ کے دو بیٹوں میں سے ایک تھا، اور اس سے کہا: "کیا تم خوش ہو کہ کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو اور عورتوں سے شادی کرو، جب کہ تمہیں تمہاری ماں کے رشتہ داروں کی حالت کا پتہ ہے؟ وہ نہ خرید سکتے ہیں نہ بیچ سکتے ہیں، نہ شادی کر سکتے ہیں نہ شادی دے سکتے ہیں؛ اور خدا کی قسم، اگر وہ ابو حکیم کی ماں کے بھائی ہوتے، اور تم نے اسے وہ کرنے کو کہا ہوتا جو تمہیں کرنے کو کہا گیا ہے، تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔"

زہیر نے کہا: "ہشام، تجھے کیا ہو گیا؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو اکیلا ہوں۔ اگر میرے ساتھ کوئی اور ہوتا، تو میں آرام نہ کرتا جب تک کہ میں اس پابندی کو ختم نہ کر دیتا۔" "میں نے ایک آدمی ڈھونڈ لیا ہے،" ہشام نے کہا۔ "وہ کون ہے؟" زہیر نے پوچھا۔ "میں خود ہوں،" ہشام نے جواب دیا۔ "ہمیں تیسرا آدمی تلاش کرو،" زہیر نے کہا۔ تو ہشام "مطعم بن عدی، جو قبیلہ نوفل کے ایک اہم شخصیات میں سے تھے - خود نوفل کے پوتے، اور ہاشم اور مطلب کے بھائی" - اور کہا: "کیا تمہاری مرضی ہے کہ 'عبد مناف' کے دو بیٹے تباہ ہو جائیں، جب کہ تم قریش کے اعمال پر خاموش رہو؟ خدا کی قسم، اگر تم نے انہیں ایسا کرنے دیا، تو تم بہت جلد ان سے اسی طرح کا سلوک اپنے ساتھ ہوتے دیکھو گے۔ مطعم نے چوتھے شخص کا مطالبہ کیا، تو ہشام ابو البختری بن اسد کے پاس گیا، وہی شخص جو ابو جہل کو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آٹے کے تھیلے کی وجہ سے مار چکا تھا، اور جب اس نے پانچویں شخص کا مطالبہ کیا

[1] I.I. 234.

ہشام نے دوسرے اسدی، زمعۃ بن الاسود کے پاس گیا، جو پانچواں بننے کے لئے راضی ہو گیا بغیر چھٹے کے پوچھے۔ وہ سب اس رات مکہ کے اوپر حجون کے کنارے پر ملنے کا عہد کر چکے تھے، اور وہاں انہوں نے اپنے منصوبہ عمل پر اتفاق کیا اور یہ عہد کیا کہ وہ اس دستاویز کا معاملہ ختم کرنے تک اس پر کوئی خاموشی اختیار نہیں کریں گے۔ "میں سب سے زیادہ متاثر ہوں،" زہیر نے کہا، "لہٰذا میں سب سے پہلے بات کروں گا۔"

اگلے دن صبح سویرے وہ مسجد میں لوگوں کے اجتماع میں شامل ہوئے، اور زہیر، جو ایک لمبے چوغہ میں ملبوس تھے، کعبہ کے گرد سات بار چکر لگائے۔ پھر وہ اس اجتماع کی طرف رخ کر کے کہنے لگے: "اے مکہ کے لوگو، کیا ہم کھانا کھائیں اور کپڑے پہنیں، جبکہ ہاشمیوں کے بیٹے مر رہے ہیں، نہ خرید سکتے ہیں نہ بیچ سکتے ہیں؟ خدا کی قسم، میں تب تک بیٹھوں گا نہیں جب تک یہ ظالمانہ پابندی ختم نہیں ہو جاتی۔" "تو جھوٹ بول رہا ہے!" ابو جہل نے کہا۔ "یہ پابندی ختم نہیں ہو گی۔" "تم خود جھوٹے ہو،" زمعہ نے کہا۔ "ہم اس کے لکھے جانے کے وقت سے ہی اس کے حق میں نہیں تھے۔" "زمعہ درست ہے،" ابو البختری نے کہا۔ "ہم اس میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے حق میں نہیں ہیں، نہ ہم اس کی حمایت کرتے ہیں۔" "تم دونوں صحیح کہہ رہے ہو،" مطعم نے کہا، "اور جو نہ کہے وہ جھوٹا ہے۔ ہم اللہ کو گواہ بناتے ہیں کہ ہم اس سے اور اس میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے بری ہیں۔" ہشام نے بھی تقریباً یہی کہا، اور جب ابو جہل نے ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے ساری سازش رات بھر کی تھی، تو مطعم نے اس کو روک دیا اور کعبہ میں جا کر دستاویز لے آئے۔ وہ خوشی سے باہر آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ورق تھا: کیڑے نے اس پابندی کو کھا لیا تھا، سوائے ابتدائی الفاظ "بِسْمِ اللّٰہِ" کے۔

قریش کے بیشتر افراد پہلے ہی تقریباً راضی ہو چکے تھے، اور یہ بلا چون وچرا اشارہ ایک حتمی اور فیصلہ کن دلیل بن گئی تھی۔ ابو جہل اور چند ایک ہم خیال افراد جانتے تھے کہ اب مزاحمت کرنا بے فائدہ ہو گا۔ پابندی باضابطہ طور پر منسوخ کر دی گئی، اور قریش کا ایک گروہ بانی ہاشم اور بانی مطلب کو خوشخبری دینے کے لیے روانہ ہوا۔

پابندی کے ختم ہونے کے بعد مکہ میں بڑی راحت کا سامنا ہوا، اور اس لمحے کے لیے مسلمانوں کے خلاف دشمنی میں نرمی آ گئی۔ اس کے بارے میں مبالغہ آمیز خبریں فوری طور پر حبشہ تک پہنچ گئیں، جس پر کچھ مہاجرین نے فوراً مکہ واپس آنے کی تیاری شروع کر دی، جبکہ دیگر، جن میں جعفر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، نے وہاں کچھ عرصہ اور رکنے کا فیصلہ کیا۔

اس دوران، قریش کے رہنماؤں نے اپنی کوششیں نبی اکرم ﷺ کو کسی سمجھوتے پر راضی کرنے کی طرف مرکوز کر دیں۔ یہ ان کی طرف سے نبی ﷺ کے ساتھ اب تک کا سب سے قریب ترین رویہ تھا۔ ولید اور دیگر سرداروں نے تجویز پیش کی کہ وہ دونوں مذاہب کو مانیں۔ نبی اکرم ﷺ کو اپنے انکار کا محض آسمانی جواب مل گیا، جو ایک چھ آیتوں کی سورہ میں نازل ہوا:

"کہہ دو: اے کافرو، میں اس کی عبادت نہیں کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو، نہ تم اس کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، نہ میں نے اس کی عبادت کی ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو، نہ تم نے اس کی عبادت کی ہے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین، اور میرے لیے میرا دین۔[1]"

نتیجۃً، جب واپس آنے والے مہاجرین مقدس حدود کے قریب پہنچے تو اس عارضی اچھے سلوک کا اثر کافی کم ہو چکا تھا۔

[1] CIX.

جعفر رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ بن جحش کے سوا، نبی اکرم ﷺ کے تمام کزن حبشہ سے واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ عثمان اور رقیہ بھی واپس آئے۔ ایک اور شمسی جو عثمان کے ساتھ واپس آیا وہ ابو حذیفہ تھا۔ وہ اپنے والد عتبہ پر اعتماد کر سکتا تھا کہ وہ اس کی حفاظت کریں گے۔ لیکن ابو سلمہ اور ام سلمہ اپنے قبیلے سے صرف ظلم کی امید کر سکتے تھے، اس لیے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ابو سلمہ نے اپنے ہاشمی چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا اور ان سے حفاظت کی درخواست کی، جسے ابو طالب رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا، جس پر مخزوم قریش غصے میں آ گئے۔ "تم نے محمد ﷺ کو ہم سے بچا لیا ہے،" انہوں نے کہا، "لیکن تم ہمارے اپنے قبیلے کے رشتہ دار کو کیوں بچا رہے ہو؟" ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "وہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ اگر میں اپنی بہن کے بیٹے کو نہ بچاؤں تو میں اپنے بھائی کے بیٹے کو کیسے بچا سکتا ہوں؟ مخزوم کے افراد کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ ابو طالب رضی اللہ عنہ کو اس کے حقوق ادا کرنے دیں۔

اس موقع پر ابو لہب نے اپنے بھائی کا ساتھ دیا، اور مخزوم جانتے تھے کہ ابو لہب ان کے سب سے طاقتور اتحادیوں میں سے ایک ہے جو نبی ﷺ کے خلاف ہیں، اس لیے انہوں نے ابو طالب رضی اللہ عنہ کو ناراض کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ابو لہب، شاید اس وقت نبی ﷺ کے بارے میں اپنی شدید نفرت کو ظاہر کرنے پر پچھتایا تھا، جب پابندی کے دوران اس نے اپنے بھتیجے کے لیے اتنی شدید دشمنی کا اظہار کیا تھا۔ یہ نفرت کسی بھی طرح کم نہیں ہوئی تھی، لیکن وہ اپنے خاندان کے ساتھ بہتر تعلقات چاہتا تھا، کیونکہ اس کے بڑے بھائی کی وفات کے بعد وہ عام طور پر قبیلے کا سردار بننے کی امید کر سکتا تھا؛ اور ممکن ہے کہ اسے اب ابو طالب رضی اللہ عنہ میں یہ آثار نظر آ رہے ہوں کہ اب وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہیں گے۔

XXX

Paradise and Eternity

جنت اور ابدیت

وہ لوٹ کر آنے والا مہاجر، جسے اپنے ہی لوگوں کے خلاف مدد کی ضرورت تھی، عمر کے بہنوئی عثمان بن مظعون تھے، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے کزنز، امیہ اور ابی، انہیں تکلیف پہنچائیں گے۔ اس بار مخزوم قبیلے نے دوسرے قبیلے کے ایک آدمی کو اپنی حفاظت میں لے لیا: خود ولید نے عثمان کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ لیکن جب عثمان نے دیکھا کہ ان کے ساتھی مسلمان ظلم و ستم کا شکار ہو رہے ہیں، جبکہ وہ محفوظ ہیں، تو وہ ولید کے پاس گئے اور ان کی حفاظت کو ترک کر دیا۔ بوڑھے آدمی نے کہا، "میرے بھائی کے بیٹے، کیا میری قوم میں سے کسی نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے؟" عثمان نے جواب دیا، "نہیں، لیکن میں خدا کی حفاظت چاہتا ہوں اور میں کسی کی حفاظت نہیں چاہتا سوائے اس کے۔" چنانچہ وہ ولید کے ساتھ مسجد گئے اور عوامی طور پر انہیں اپنی حفاظت سے بری کر دیا۔

کچھ دن بعد ایسا ہوا کہ شاعر لبید قریش کو اپنی شاعری سنا رہے تھے، اور عثمان اس بڑی محفل میں موجود تھے جو ان کی شاعری سننے کے لیے جمع ہوئی تھی۔ عربوں کی عمومی شاعری کے فن کے مقابلے میں، بہت سے ایسے شاعر تھے جو خاص طور پر ہنر مند تھے، جیسے ابو طالب رضی اللہ عنہ، حبیرہ، اور ابو سفیان بن حارث۔ لیکن ان سے بھی بڑھ کر کچھ ایسے تھے جو عظیم شمار ہوتے تھے، اور لبید عام اتفاق سے ان میں سے ایک تھے۔ وہ شاید اس وقت کے سب سے بڑے زندہ عرب شاعر تھے، اور قریش ان کے درمیان ان کی موجودگی کو ایک اعزاز سمجھتے تھے۔

لبید نے ایک شعر پڑھا:

"یقیناً خدا کے سوا سب کچھ فنا ہو جائے گا۔"

عثمان نے کہا، "تم نے سچ کہا۔"

لبید نے آگے کہا:

"اور تمام نعمتیں مٹ جائیں گی۔"

عثمان نے کہا، "تم جھوٹ بولتے ہو، جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔"

لبید کو اپنی شاعری میں مداخلت کی عادت نہ تھی؛ قریش نہ صرف حیران اور ناراض ہوئے بلکہ شدید شرمندہ بھی ہوئے کیونکہ شاعر ان کا مہمان تھا۔ لبید نے کہا، "اے قریش کے لوگوں، جو لوگ تمہارے ساتھ دوست بن کر بیٹھے ہیں، وہ کبھی برا سلوک نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ کب سے ہونے لگا؟" محفل میں سے ایک شخص اٹھا اور قبیلے کی طرف سے معذرت پیش کی، "یہ آدمی ایک بیوقوف ہے، ان بیوقوفوں میں سے ایک جو ہمارے مذہب کو چھوڑ چکے ہیں۔ اس کی بات سے تمہارا دل نہ دکھے۔" عثمان نے اس کے جواب میں اتنی شدت سے بات کی کہ وہ شخص آیا اور ان کی آنکھ پر مارا، جس سے ان کی بھنویں سبز ہو گئیں۔ ولید، جو قریب بیٹھے تھے، نے کہا، "تمہاری آنکھ کو کبھی نقصان نہ پہنچتا اگر تم میری حفاظت میں رہتے۔"

"نہیں،" عثمان نے کہا، "میری اچھی آنکھ واقعی غریب ہے کیونکہ جو کچھ اس کی بہن پر خدا کی راہ میں گزر چکا ہے، اس کی کمی محسوس کر رہی ہے۔ میں اس کی پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ طاقتور اور فیصلہ کن ہے۔" "آؤ، میرے بھائی کے بیٹے،" ولید نے کہا، "میرے ساتھ اپنا عہد تازہ کر لو۔" لیکن عثمان نے انکار کر دیا۔ نبی پاک ﷺ اس محفل میں موجود نہیں تھے، لیکن انہیں لبید کی نظم اور اس کے نتیجے میں ہونے والے واقعات کا علم ہوا۔ ان کا صرف یہی تبصرہ نقل کیا گیا: "سب سے سچا کلام جو کسی شاعر نے کہا وہ یہ ہے: 'بے شک، خدا کے سوا سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔'[1]"

انہوں نے لبید پر ان الفاظ کے لیے ملامت نہیں کی جو اس کے فوراً بعد آئے تھے۔ شاعر کو اس کا مطلب "تمام دنیاوی نعمتیں ختم ہو جائیں گی" سمجھا جا سکتا تھا؛ اور دوسری طرف، تمام جنتیں اور نعمتیں جو دائمی ہیں، انہیں خدا یا خدا کے چہرے میں شامل سمجھا جا سکتا تھا۔

تقریباً اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی: "سب کچھ فنا ہو جائے گا سوائے اس کے چہرے کے۔[2]"

اور اس سے پہلے کی ایک وحی میں یہ الفاظ آئے تھے: "تیرے رب کا چہرہ عظمت اور بخشش میں دائمی ہے۔"

جہاں یہ دائمی بخشش ہو گی، وہاں اس کے حاصل کرنے والے بھی ہوں گے، اور ان کی نعمتیں بھی[3]۔

اب ایک زیادہ واضح وحی نازل ہوئی جس میں یہ الفاظ شامل تھے:

پہلی آیت قیامت کا ذکر کرتی ہے: "جس دن یہ آئے گی، کوئی روح اس کے اذن کے بغیر کچھ نہ بولے گی؛ کچھ بدنصیب ہوں گے اور کچھ خوش نصیب۔ بدنصیب آگ میں ہوں گے، آہیں بھریں گے اور چیخیں گے، اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، سوائے جس قدر خدا چاہے۔ بے شک، تیرا رب وہ ہے جو جو چاہے کرتا ہے۔ اور خوش نصیب باغ میں ہوں گے، اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، سوائے جس قدر خدا چاہے—یہ ایک انعام ہے جو واپس نہ لیا جائے گا۔[4]"

آخری الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ خدا کی مرضی نہیں ہے کہ قیامت کے بعد انسان کو جنت کا انعام واپس لیا جائے، جیسا کہ اسے پہلی جنت (آدم علیہ السلام کی جنت) سے نکالا گیا تھا۔

اس آیت سے متعلق دیگر سوالات کا جواب نبی ﷺ نے خود دیا، جو اپنے پیروکاروں سے مسلسل قیامت، حساب کتاب، جہنم اور جنت کے بارے میں بات کرتے تھے۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اختتامی الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خدائی مرضی نہیں ہے کہ قیامت کے بعد جنت کا تحفہ انسان سے واپس لے لیا جائے جیسے کہ اس کی پہلی جنت تھی۔ اس حوالے سے دوسرے سوالات کا جواب خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، جو مسلسل اپنے پیروکاروں کو قیامت، حساب، جہنم اور جنت کے بارے میں بات کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"اللہ، جسے چاہے گا اپنے رحم میں داخل کرے گا، جنت والوں کو جنت میں داخل کرے گا اور جہنم والوں کو جہنم میں۔ پھر وہ فرشتوں سے کہے گا: 'اس شخص کو تلاش کرو جس کے دل میں ایمان کا ایک دانہ برابر وزن ہو، اور اسے جہنم سے نکالو'... پھر وہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو نکال لیں گے اور کہیں گے: 'ہمارے رب، ہم نے وہاں کوئی بھی شخص نہیں چھوڑا جسے تم نے ہمیں نکالنے کا حکم دیا تھا'، اور وہ کہے گا: 'واپس جاؤ اور اس شخص کو نکالو جس کے دل میں اچھائی کا ذرہ برابر وزن ہو'۔ پھر وہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو نکال لیں گے اور کہیں گے: 'ہمارے رب، ہم نے وہاں کوئی بھی اچھائی نہیں چھوڑی'۔ پھر فرشتے، نبی اور مومن شفاعت کریں گے۔ پھر اللہ کہے گا: 'فرشتوں نے شفاعت کی، نبیوں نے شفاعت کی، اور مومنوں نے شفاعت کی۔ اب صرف رحمٰن کی شفاعت باقی ہے'۔ اور وہ جہنم سے ان لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے کوئی بھی اچھا عمل نہیں کیا اور انہیں جنت کے دروازے پر ایک دریا میں ڈال دے گا جسے دریائے حیات کہا جاتا ہے۔"

اور جنت والوں کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

""" خدا جنت والوں سے کہے گا: 'کیا تم راضی ہو؟' اور وہ کہیں گے: 'ہم کیسے راضی نہ ہوں؟

[1] B. LXIII, [2]6. 2 XXVIII, 88. [3] LV, 27.
[4]XI, lOs- 8. [5] M. I, 79; B. XCVII, 24.

وہ کہیں گے: "ہم راضی ہیں، اے رب، کیونکہ تُونے ہمیں وہ عطا کیا جو تُونے اپنی کسی اور مخلوق کو نہیں دیا۔"
پھر وہ فرمائے گا: "کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر عطا نہ کروں؟"
اور وہ کہیں گے: "اے رب، اس سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے؟"
اور وہ فرمائے گا: "میں تم پر اپنی رضا نازل کروں گا۔"

"رضوان"[1]، جسے کبھی کبھی "خوشنودی" کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، اس کا مطلب ہے خدا کی طرف سے کسی روح کو آخری اور مکمل قبولیت، اسے اپنے قریب کر لینا، اور اپنی دائمی خوشنودی عطا کرنا۔

یہ اعلیٰ جنت عام طور پر جانی جانے والی جنت کو مسترد نہیں کرتی، کیونکہ قرآن ہر مبارک روح کے لیے دو جنتوں کا وعدہ کرتا ہے[2]۔
اور نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے آخرت کے حال کو دوہری نعمت کے طور پر بیان کیا: "میرے رب سے ملاقات اور جنت۔[3]"

. [1]M.LI,2. [2] LV, 46. [3] I.I. 1000.

XXXI

The Year of Sadness

غم کا سال

سن 619 عیسوی میں، پابندی کے خاتمے کے کچھ ہی عرصے بعد، نبی اکرم ﷺ کو اپنی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رضی اللہ عنہا کی وفات کا عظیم صدمہ سہنا پڑا۔ وہ تقریباً پینسٹھ سال کی تھیں، اور آپ ﷺ قریب پچاس سال کے تھے۔ وہ پچیس سال تک گہری ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ رہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا صرف آپ ﷺ کی بیوی ہی نہیں بلکہ آپ کی قریبی دوست، دانا مشیر، اور آپ کے پورے خاندان، بشمول حضرت علی اور حضرت زید کے لیے ماں کا درجہ رکھتی تھیں۔
آپ ﷺ کی چاروں بیٹیاں اس صدمے سے مغلوب ہو گئیں، لیکن آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ جبرائیل علیہ السلام ایک بار آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان کے رب کی طرف سے سلام پہنچا دیں اور یہ بھی بتا دیں کہ ان کے لیے جنت میں ایک محل تیار کیا گیا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے فوراً بعد ایک اور صدمہ پہنچا، جو اگرچہ خود اتنا بڑا اور گہرا نہ تھا، لیکن اس کے ظاہری اثرات زیادہ گہرے اور غیر تسلی بخش تھے۔
حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے، اور جلد ہی واضح ہو گیا کہ ان کی وفات قریب ہے۔

بستر مرگ پر قریش کے چند رہنما - عتبہ، شیبہ، ابوسفیان (بنو عبد شمس)، امیہ (بنو جمعہ)، ابو جہل (بنو مخزوم) اور دیگر - ان کے پاس آئے اور کہا:
"اے ابو طالب رضی اللہ عنہ، تم جانتے ہو کہ ہم تمہاری کتنی قدر کرتے ہیں، اور اب یہ معاملہ تم پر آ گیا ہے۔ ہمیں تمہارے لیے فکر ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے اور تمہارے بھتیجے کے درمیان کیا چل رہا ہے۔ تو اسے بلاؤ اور ہم اس کے لیے بھی ایک تحفہ لائیں گے اور اس سے بھی ایک تحفہ لیں گے، تاکہ وہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ ہمیں اور ہمارے دین کو امن کے ساتھ چھوڑ دے۔"

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو بلوایا۔ جب آپ ﷺ آئے تو انہوں نے کہا:
"میرے بھتیجے، تمہاری وجہ سے یہ لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں، کچھ لینے اور کچھ دینے کے لیے۔"
آپ ﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے، مجھے ایک بات دو، ایک ایسی بات جس کے ذریعے تم عربوں پر حکمرانی کرو اور فارس تمہارے ماتحت ہو جائیں۔"

ابو جہل نے کہا: "ہاں، اپنے باپ کی قسم! ہم تمہیں ایک بات دیں گے، بلکہ دس باتیں بھی۔"
آپ ﷺ نے فرمایا: "کہو، لا الہ الا اللہ، اور ان تمام معبودوں کو چھوڑ دو جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔"

انہوں نے اپنے ہاتھ پیٹے اور کہا: "اے محمد ﷺ کیا تم ہمیں ایک خدا کے آگے جھکانا چاہتے ہو؟ یہ تو بہت عجیب بات ہے!"
پھر انہوں نے آپس میں کہا: "یہ شخص تمہیں کچھ نہیں دے گا، جس کی تم نے امید کی تھی، اس لیے اپنے راستے پر چلو اور اپنے آبا و اجداد کے دین پر قائم رہو، یہاں تک کہ اللہ تمہارے اور اس کے درمیان فیصلہ کرے۔"

جب وہ چلے گئے تو حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا:
"میرے بھتیجے، جیسا کہ میں نے دیکھا، تم نے ان سے کچھ غیر مناسب مطالبہ نہیں کیا۔"

یہ باتیں سن کر نبی کریم ﷺ کی شدید خواہش ہوئی کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"چچا، آپ یہ کلمہ کہہ دیں تاکہ قیامت کے دن میں آپ کے لیے شفاعت کر سکوں۔"

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"میرے بھتیجے، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ قریش یہ کہیں گے کہ میں نے یہ کلمات محض موت کے خوف سے کہے ہیں، تو میں یہ کلمہ کہہ دیتا۔ لیکن میرا یہ کہنا صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے ہوتا۔"

پھر جب حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی وفات قریب آئی، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے لب حرکت کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا کان قریب کیا اور سنا، پھر کہا:

"میرے بھائی نے وہ کلمات کہے ہیں جو تم نے انہیں کہنے کو کہا تھا۔"

لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں نے انہیں نہیں سنا۔"

مکہ میں اب ان لوگوں کے لیے زندگی مشکل ہو رہی تھی جن کے پاس کوئی رسمی حفاظت نہ تھی۔ حضرت ابو بکر، جو پہلے ایک بااثر شخصیت تھے، جب اسلام لائے تو قریش کے رہنماؤں کے ساتھ ان کا اثر و رسوخ تقریباً ختم ہو گیا۔ حالانکہ ان کی عزت مسلم برادری میں بڑھتی گئی۔

حضرت ابو بکر کا معاملہ اس لیے بھی مشکل تھا کیونکہ وہ بہت سے لوگوں کے قبول اسلام کا سبب بنے تھے۔ ایک موقع پر حضرت اسود بن نوفل کے اسلام لانے کے انتقام میں نوفل (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی) نے ایک حملے کا اہتمام کیا، جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت طلحہ کو سرعام باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کے لیے مکہ چھوڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ آپ ﷺ سے اجازت لے کر انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ لیکن راستے میں، سرخ سمندر (بحر احمر) کے قریب، ان کی ملاقات ابن دغنہ سے ہوئی، جو قریش کے اتحادی قبیلوں کے سردار تھے۔

ابن دغنہ نے ان کی حالت دیکھ کر حیرت سے پوچھا:

"تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟"

حضرت ابو بکر نے کہا:

"انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور مجھے نکال دیا۔ میں تو بس زمین پر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے رہنا چاہتا ہوں۔"

ابن دغنہ نے کہا:

"تم اپنے قبیلے کے لیے باعث عزت ہو، مصیبت میں مدد کرنے والے، نیک کام کرنے والے، اور دوسروں کی ضروریات پوری کرنے والے ہو۔ واپس چلو، تم میری حفاظت میں ہو۔"

ابن دغنہ انہیں مکہ واپس لے گئے اور قریش کو بتایا:

"قریش کے لوگو، میں نے ابو قحافہ کے بیٹے کو اپنی حفاظت میں لیا ہے، اس لیے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔"

قریش نے یہ حفاظت تسلیم کی، لیکن بنی جمعہ کے کہنے پر انہوں نے ابن دغنہ سے کہا:

"ان سے کہو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر کریں، اور جو چاہیں وہاں نماز اور تلاوت کریں۔ لیکن ہمیں دکھ اور تکلیف نہ دیں کہ ان کا ظاہر اور ان کا طریقہ ہمارے بیٹوں اور عورتوں کو بہکا دے۔"

ابن دغنہ نے یہ پیغام حضرت ابو بکر تک پہنچایا، اور کچھ عرصے تک حضرت ابو بکر نے اپنے گھر کے اندر ہی عبادت کی۔

حضرت ابو بکر نے اپنے گھر کے صحن میں قرآن کی تلاوت شروع کر دی تھی، اور کچھ وقت کے لیے بنی جمعہ کے سرداروں کے ساتھ کشیدگی کم ہو گئی۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ابو لہب بنی ہاشم کا سردار بنا، لیکن اس نے نبی ﷺ کو جو حفاظت دی، وہ صرف برائے نام تھی۔ نتیجتاً، نبی ﷺ کو پہلے سے کہیں زیادہ بد سلوکی کا سامنا کرنا پڑا۔

ایک موقع پر، ایک شخص نے آپ ﷺ کے دروازے پر آ کر گندے اور سڑتے ہوئے فضلے کا ٹکڑا آپ کے کھانے کے برتن میں ڈال دیا۔ ایک اور بار جب آپ ﷺ اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے، تو کسی نے آپ پر گندے خون اور فضلے سے بھری ہوئی بھیڑ کی بچہ دانی پھینک دی۔ آپ ﷺ نے اسے ایک لکڑی کے سرے پر اٹھایا اور دروازے پر جا کر کہا:

"اے عبد مناف کے بیٹو! یہ کیسی حفاظت ہے؟"

آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ حرکت عقبہ[1]، جو حضرت عثمان کے سوتیلے والد تھے، نے کی تھی۔

ایک اور موقع پر، جب آپ ﷺ خانہ کعبہ سے واپس آ رہے تھے، تو ایک شخص نے مٹی کی مٹھی بھر کر آپ ﷺ کے چہرے اور سر پر ڈال دی۔ جب آپ ﷺ گھر واپس آئے تو آپ کی ایک بیٹی نے روتے ہوئے آپ کو صاف کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بیٹی، مت رو، اللہ تمہارے والد کی حفاظت کرے گا۔"

اس وقت آپ ﷺ نے طائف کے قبیلہ ثقیف سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ کیا، جو مکہ میں آپ کی صورت حال کی سنگینی کو ظاہر کرتا تھا۔ لیکن یہ ایک پر خطر فیصلہ تھا کیونکہ ثقیف لات کی دیوی کے مندر کے محافظ تھے، جسے وہ خانہ کعبہ کے برابر سمجھتے تھے۔

آپ ﷺ امید کے ساتھ طائف کے باغات اور کھیتوں کے قریب پہنچے۔ آپ ﷺ نے تین بھائیوں کے گھر کا رخ کیا، جو اس وقت ثقیف کے سردار تھے، لیکن جب آپ ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے اور آپ کی مدد کرنے کو کہا، تو ان میں سے ایک نے کہا:

"اگر خدا نے تمہیں بھیجا ہے، تو میں کعبہ کے پردے پھاڑ ڈالوں گا!"

دوسرے نے کہا:

"کیا خدا کو تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں ملا؟"

اور تیسرے نے کہا:

"میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا! اگر تم واقعی خدا کے رسول ہو، تو تم بہت بڑے آدمی ہو کہ میں تم سے بات کروں، اور اگر تم جھوٹے ہو، تو تم سے بات کرنا میرے شایان شان نہیں۔"

آپ ﷺ وہاں سے نکلے، شاید طائف میں کہیں اور کوشش کرنے کا ارادہ تھا، لیکن ان لوگوں نے غلاموں اور دیگر لوگوں کو آپ کے خلاف اکسا دیا۔ لوگوں کی ایک ہجوم نے آپ ﷺ پر آوازیں کسیں اور توہین کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ایک نجی باغ میں پناہ لینا پڑی۔

باغ میں پہنچ کر، آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے سایہ لیا اور دعا کی:

"اے اللہ! تجھ ہی سے میں اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کے سامنے اپنی بے قدری کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! تُو کمزوروں کا رب ہے اور تُو ہی میرا رب ہے۔ تُو مجھے کس کے سپرد کرے گا؟ کسی اجنبی کے جو میرے ساتھ برا سلوک کرے؟ یا کسی دشمن کے جسے تُو نے مجھ پر مسلط کر دیا؟"

[1] " وہ عثمان کی والدہ عروہ کے دوسرے شوہر تھے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کزن تھیں، جن کا نام ان کی خالہ عروہ کے نام پر رکھا گیا تھا، جو طلیب کی والدہ تھیں

نبی ﷺ نے دعا کی: "اے اللہ! تو مجھے جس کے سپرد کرے، مجھے کوئی پرواہ نہیں، جب تک کہ تو مجھ سے ناراض نہ ہو
"، لیکن اگر تیری مدد و حمایت میرے شامل حال ہو، تو یہ میرے لیے کشادہ راستہ اور وسیع میدان ہو گا۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ لیتا ہوں، جس سے ہر تاریکی روشن ہوتی ہے اور اس دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوتے ہیں۔ تا کہ نہ تو مجھ پر تیرا غضب نازل ہو اور نہ ہی تیری ناراضی مجھے گھیر لے۔ لیکن اگر تو ملامت کرے تو یہ تیری مرضی پر منحصر ہے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ طاقت اور قدرت صرف تجھی سے ہے۔[1] "

یہ جگہ جہاں نبی ﷺ نے سکون پایا، مکمل طور پر ویران نہ تھی۔ قریش کے ہر آدمی کی یہ خواہش ہوتی کہ وہ طائف کی سرسبز پہاڑیوں پر ایک باغ اور مکان خرید سکے تا کہ مکہ کی گرمی کے دوران وہاں پناہ لے سکے۔ یہ باغ ثقیف کے کسی شخص کی ملکیت نہیں تھا بلکہ قریش کے شمس خاندان کے سرداروں، عتبہ اور شیبہ، کی جائداد کا حصہ تھا۔

انہوں نے جو کچھ ہوا تھا، دیکھا اور انہیں یہ دیکھ کر غصہ آیا کہ ثقیف کے لوگوں نے قریش کے ایک آدمی کے ساتھ ایسا سلوک کیا، خاص طور پر جو ان کی اپنی نسل عبد مناف سے تعلق رکھتا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک نوجوان عیسائی غلام، عداس، کو بلایا اور کہا:
"ان انگوروں کا خوشہ لے کر جاؤ اور اس شخص کو پیش کرو، اور اسے کھانے کے لیے کہو۔"

عداس نے ایسا ہی کیا، اور جب نبی ﷺ نے انگوروں کو ہاتھ لگایا تو کہا:
"اللہ کے نام سے۔"
عداس نے غور سے آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا:
"یہ الفاظ اس علاقے کے لوگوں کے نہیں ہیں۔"
نبی ﷺ نے فرمایا:
"تم کہاں کے رہنے والے ہو، اور تمہارا مذہب کیا ہے؟"
عداس نے جواب دیا: "میں نینوا کا رہنے والا ہوں اور عیسائی ہوں۔"
نبی ﷺ نے فرمایا:
"حضرت نبی نے فرمایا: 'انصاف پسند آدمی یونس کی شہر سے، جو متّی کے بیٹے تھے۔'"

عداس نے حیرت سے پوچھا: "آپ یونس بن متی کے بارے میں کیسے جانتے ہیں؟"
آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ میرے بھائی تھے، نبی تھے، اور میں بھی نبی ہوں۔"

یہ سن کر عداس نے آپ ﷺ کے سر، ہاتھ، اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ عتبہ اور شیبہ نے یہ منظر دیکھ کر کہا:
"ہمارے غلام کو تو اس نے بگاڑ دیا!" انہوں نے عداس سے کہا: "افسوس تم پر، عداس! تم نے اس شخص کے سر، ہاتھ، اور پاؤں کو کیوں چوما؟
عداس نے جواب دیا: "میرے آقا، زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی نہیں۔ انہوں نے مجھے وہ باتیں بتائی ہیں جو صرف ایک نبی ہی جان سکتا ہے۔"
انہوں نے کہا: "افسوس تم پر، عداس! دیکھنا، وہ تمہیں تمہارے دین سے گمراہ نہ کرے، کیونکہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔"

نبی ﷺ طائف سے روانہ ہو گئے اور مکہ کی جانب چل پڑے، یہ دیکھ کر کہ اس وقت ثقیف قبیلے سے کوئی مدد ممکن نہ تھی۔ رات کے وقت آپ ﷺ وادی نخلہ پہنچے، جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام تھا۔ یہاں، جہاں قریش اور ثقیف دونوں نے آپ ﷺ کو رد کر دیا تھا، آپ ﷺ کی نبوت کو ایک دور دراز کے علاقے نینوا کے شخص نے تسلیم کیا۔
اسی رات جب آپ ﷺ نخلہ میں نماز پڑھ رہے تھے، کچھ جن آپ کے قریب سے گزرے۔۔۔

[1] I.I.280.

جنِ نَصیبین سے آئے اور وہ قرآن کی آیات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کر رہے تھے، سن کر دنگ رہ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بخوبی علم تھی کہ آپ کو صرف انسانوں کی دنیا میں نہیں بھیجا گیا تھا۔ حالیہ وحی میں تصدیق کی گئی تھی: "ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے[1] "اور قرآن کی ایک سورۃ[2] میں جنات اور انسانوں دونوں کو خطاب کیا گیا ہے، جس میں دونوں کو برے اعمال پر عذابِ جہنم کی دھمکی اور نیک عمل پر جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ پھر ایک نئی وحی آئی: "کہہ دو: میرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ جنّوں کے ایک گروہ نے میری بات سنی اور پھر کہا: ہم نے ایک عجیب تلاوت سنی ہے جو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔[3] "اور ایک دوسری وحی میں بتایا گیا[4] کہ جِنّوں نے اپنے گروہ میں واپس جا کر اللہ کے پیغامبر کی پکار پر لبیک کہنے کی دعوت دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ وہ پھر سے انہی حالات کا سامنا کریں جنہوں نے انہیں صرف دو دن پہلے اپنے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اگر انہیں کسی کی پناہ مل جاتی تو وہ اپنا پیغام جاری رکھ سکتے تھے۔ بنی ہاشم نے ان سے تعاون نہیں کیا تھا، لہٰذا ان کے خیالات اپنی والدہ کے قبیلے کی طرف مائل ہوئے۔ وہاں کی صورتحال غیر معمولی تھی، کیونکہ قبیلے کے سب سے اہم اور مؤثر شخص اخنس بن شریق تھے، جو حقیقت میں قبیلہ زُہرہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی قریش کے تھے۔ وہ دراصل ثقیف سے تھے، لیکن وہ طویل عرصے سے زہری کے اتحادی تھے اور انہیں اپنے سردار کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، جب ان کے سامنے ایک سوار آ گیا جو مکہ کی طرف جا رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیز سفر کر رہا تھا، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ جب وہ مکہ پہنچے تو اخنس کے پاس جا کر ان سے کہے: "محمد ﷺ کہتے ہیں: کیا تم مجھے اپنی پناہ دو گے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟ "وہ سوار خوش دل تھا اور جواب لے کر واپس آنے کا وعدہ کیا، مگر جواب منفی تھا۔ اخنس نے صرف یہ کہا کہ ایک اتحادی قبیلے کی طرف سے اس کے ساتھ اتحاد کے قبیلے کے نام پر کسی پناہ کا وعدہ نہیں کر سکتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جو اس وقت مکہ سے زیادہ دور نہیں تھے، نے پھر وہی درخواست سہیل کے پاس بھیجی۔ اس کا جواب بھی مایوس کن تھا، حالانکہ اس نے اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں کی تھی، بلکہ یہ ایک قبیلے کے اصولوں کی بات تھی۔ مکہ کے اندر اس کا قبیلہ باقی تمام قبیلوں سے مختلف تھا کیونکہ وہ 'عامر بن لوی[5] 'کی نسل سے تھے، جب کہ باقی سب قبیلے 'عامر' کے بھائی 'کعب' کی نسل سے تھے۔ سہیل نے بس یہ کہا: "عامر کے بیٹے کعب کے بیٹوں کو پناہ نہیں دیتے۔"

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر کی طرف جانے والے راستے سے ہٹ کر پہاڑِ حرا کی غار میں پناہ لے گئے جہاں آپ کو پہلی وحی ملی تھی۔ وہاں سے آپ نے ایک رہنما سے درخواست کی جو آپ سے زیادہ قریب تھا، یعنی مطعم، نوفل کا سردار، جو ان پانچ افراد میں شامل تھا جنہوں نے پابندی کے حکم کو منسوخ کرنے کی تنظیم کی تھی۔ مطعم، فوراً راضی ہو گئے اور پیغام بھیجا: "انہیں شہر میں داخل ہونے دو۔ "اگلے دن، اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کے ساتھ مسلح ہو کر مطعم، نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ تک پہنچایا۔ ابو جہل نے ان سے پوچھا آیا کیا وہ محمد ﷺ کے پیروکار بن گئے ہیں؟ تو مطعم، کے لوگوں نے جواب دیا: "ہم انہیں پناہ دے رہے ہیں۔ "ابو جہل نے بس یہ کہا: "جسے تم پناہ دو، ہم بھی اسے پناہ دیں گے۔

. [1]XXI, 107.   [2] LV.   [3] LXXII,1-2.   [4] XLVI,30 - 1. 347 "نسلی درخت ملاحظہ کریں، صفحہ".

XXXII

The Light of Thy Countenance

تیری صورت کانور

فاطمہ رضی اللہ عنہا، ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیوہ نے اسلام قبول کیا تھا، چاہے وہ اپنے شوہر کی وفات سے پہلے یا بعد میں تھا، اور اسی طرح ان کی بیٹی اُمِّ ہانیٰ، جو علی رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، نے بھی اسلام قبول کیا تھا؛ لیکن اُمِّ ہانیٰ کے شوہر، حبیرہ، اللہ کی واحدیت کے پیغام کو بالکل نہیں سمجھ سکے۔ پھر بھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا، اور اگر اس دوران نماز کا وقت ہو تا تو گھر کے مسلمان اکٹھے نماز پڑھتے۔ ایک بار جب وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے، تو اُمِّ ہانیٰ نے انہیں رات اپنے گھر میں گزارنے کی دعوت دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دعوت قبول کی؛ لیکن تھوڑی دیر کی نیند کے بعد آپ بیدار ہو گئے اور مسجد چلے گئے، کیونکہ آپ کو رات کے اوقات میں خانہ کعبہ کی زیارت کرنا پسند تھا۔ جب آپ وہاں پہنچے، تو نیند کا احساس دوبارہ آیا اور آپ حِجر میں لیٹ گئے۔

"جب میں حِجر میں سو رہا تھا، " آپ نے فرمایا، "جب جبرائیل آئے اور انہوں نے اپنی ٹانگ سے مجھے ہلایا، جس پر میں سیدھا بیٹھ گیا، لیکن کچھ نہ دیکھا، پھر دوبارہ لیٹ گیا۔ دوسری بار وہ آئے، اور تیسری بار بھی، پھر انہوں نے مجھے بازو سے پکڑا اور میں ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مجھے مسجد کے دروازے تک لے آئے، وہاں ایک سفید جانور تھا، جو گدھے اور خچر کے درمیان تھا، جس کے پہلوؤں میں پروں کی جوڑیاں تھیں، اور وہ اپنے قدموں کو اس طرح اٹھا رہا تھا کہ ہر قدم اتنا دور تھا جتنا اس کی نظر جا سکتی تھی۔[1] "

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ براق پر سوار ہوئے، کیونکہ یہی اس جانور کا نام تھا؛ اور جبرائیل، جو ان کے ساتھ تھے، راستہ دکھاتے ہوئے اور اپنے قدموں کی رفتار آسمانی سواری کے مطابق کرتے ہوئے، وہ شمال کی طرف یثرب اور خیبر سے آگے تک پہنچے، یہاں تک کہ وہ بیت المقدس پہنچے۔ وہاں ان کا استقبال انبیاء کی ایک جماعت نے کیا، جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر شامل تھے۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی جگہ پر نماز پڑھی، تو تمام انبیاء آپ کے پیچھے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر دو برتن آپ کے سامنے پیش کیے گئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ۔ آپ نے دودھ کا برتن لیا اور اس سے پیا، مگر شراب کا برتن چھوڑ دیا، تو جبرائیل نے فرمایا: "آپ کو اصل راستہ دکھایا گیا ہے، اور آپ نے اپنے لوگوں کو بھی اسی راستے کی طرف رہنمائی کی ہے، اے محمد ﷺ، اور آپ پر شراب حرام کر دی گئی ہے۔"

پھر، جیسے دوسرے انبیاء کے ساتھ ہوا تھا— حضرت ادریس، حضرت الیاس، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے ساتھ— نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

[1]. I.I.264

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے مرکز میں واقع چٹان سے، دوبارہ براق پر سوار ہوئے، جو اپنے پروں کو اوپر کی طرف پھیلانے کے بعد اپنے سوار کے لیے ویسا ہی ہو گیا جیسا آگ کی رتھ حضرت الیاس کے لیے تھی۔ جبرائیل کے ساتھ، جو اب آسمانی ہستی کی صورت میں ظاہر ہوئے، وہ زمینی وقت، جگہ اور جسمانی شکلوں کی حدود سے ماوراء آسمانوں کی طرف بلند ہوئے۔ ساتوں آسمانوں کو عبور کرتے ہوئے، انہیں پھر ان انبیاء سے ملاقات ہوئی جن کے ساتھ وہ یروشلم میں نماز پڑھ چکے تھے۔ لیکن وہاں وہ ان انبیاء کو ویسے نہیں دیکھ رہے تھے جیسے وہ دنیا میں تھے، بلکہ اب وہ انہیں ان کی آسمانی حقیقت میں دیکھ رہے تھے، جیسے وہ ان کو دیکھ رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف کے بارے میں کہا کہ ان کا چہرہ چاند کی روشنی کی طرح چمکتا تھا[1]، اور وہ تمام موجودہ خوبصورتی کا نصف رکھتے تھے[2]۔ پھر بھی، اس کے باوجود، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوسرے بھائیوں کی بھی تعریف کی، اور خاص طور پر حضرت ہارون کی خوبصورتی کا ذکر کیا[3]۔

ان آسمانی باغات میں سے جنہیں انہوں نے مختلف آسمانوں میں دیکھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں کہا: "جنت کا ایک ٹکڑا، جو ایک کمان کے برابر ہو، زمین پر جو کچھ بھی ہے اس سے بہتر ہے، جس پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے؛ اور اگر جنت کی کوئی عورت اہلِ زمین کے سامنے آجائے، تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان تمام جگہ کو روشنی اور خوشبو سے بھر دے گی۔[4]" جو کچھ انہوں نے اب دیکھا، وہ روحانی نظر سے دیکھا تھا؛ اور اپنی روحانی حقیقت کے بارے میں، جو تمام دنیاوی حقیقتوں کے آغاز سے متعلق ہے، آپ نے فرمایا: "میں نبی تھا جب آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔[5]"

ان کی بلندی کی سب سے بلند چوٹی "سِدْرَةُ الْمُنْتَهَىٰ" (بیر کا درخت) تھی۔ جیسا کہ قرآن میں اسے کہا گیا ہے، اور ایک قدیم تفسیر میں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر مبنی ہے، کہا گیا ہے: "بیر کا درخت عرش کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اور یہ ہر جاننے والے کے علم کا اختتام ہے، چاہے وہ جبرائیل ہو یا کوئی نبی یا رسول۔ اس کے پار کچھ بھی نہیں ہے، سوائے اللہ کے راز کے، جو کسی کو بھی معلوم نہیں سوائے اللہ کے۔[6]" اس کائنات کی اس بلند چوٹی پر جبرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی پوری فرشتوں کی شان میں ظاہر ہوئے، جیسا کہ وہ پہلے تخلیق ہوئے تھے[7]۔ پھر وحی کے الفاظ میں: "جب سدرۃ المنتہی کو وہ چیز ڈھانپتی ہے جو ڈھانپتی ہے، آنکھ نہ ہٹتی ہے اور نہ تجاوز کرتی ہے۔ بے شک انہوں نے اپنے رب کی تمام نشانیوں میں سب سے بڑی نشانی کو دیکھا۔[8]" تفسیر کے مطابق، اللہ کی روشنی بیر کے درخت پر اتری اور اسے اور اس کے ارد گرد کی تمام چیزوں کو ڈھانپ لیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نے اسے بغیر کسی جھکاؤ یا انحراف کے دیکھا[9]۔

یہ وہ جواب تھا—یا ان میں سے ایک جواب—جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے لیے تھا: "میں تیری چہرے کی روشنی سے پناہ لیتا ہوں۔"

لوت (بیر کے درخت (کے نزدیک، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لوگوں کے لیے روزانہ پچاس نمازوں کا حکم ملا[10]؛ اور اسی وقت، انہوں نے وہ وحی حاصل کی جس میں اسلام کا عقیدہ موجود تھا: "رسول اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور مومن اس پر ایمان لاتے ہیں جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ ہر ایک اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتا ہے: ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔ اور وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی؛ اے ہمارے رب، ہمیں معاف کر دے؛ تیری طرف ہی واپس جانا ہے۔[11]"

اس کے بعد، وہ دوبارہ آسمانوں کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے نیچے اترے، جیسے وہ پہلے چڑھے تھے۔

[1] I.I. 270. [2] A.H. III, 286. [3] I.I. 270. [4] B. LVI

[5]. Tir. XLVI, I; A.H. IV, 66. [6] Tab., Tafsir lT, LIII.

[7] M. I, 280; B. LIX, 7. [8] LII,16-18.

[9] Tab., Tafsir, LIII. [10] M. I, 280. [11] II, 285.

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب میں واپس آیا اور جب میں موسیٰ کے پاس سے گزرا- اور وہ آپ کے لئے کیا اچھے دوست تھے!- انہوں نے مجھ سے پوچھا: 'تم پر کتنی نمازیں فرض کی گئی ہیں؟' میں نے کہا: 'ہر دن میں پچاس نمازیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: 'نمازِ جماعت ایک بھاری ذمہ داری ہے، اور تمہاری قوم کمزور ہے۔ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے اپنی قوم کے لیے بوجھ کم کرنے کی درخواست کرو۔' چنانچہ میں واپس گیا اور اپنے رب سے بوجھ کم کرنے کی درخواست کی، تو اس نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر میں دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، اور انہوں نے وہی کہا جو پہلے کہا تھا، تو میں دوبارہ واپس گیا اور مزید دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ لیکن جب بھی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس گیا، تو انہوں نے مجھے واپس بھیج دیا، یہاں تک کہ آخر کار صرف پانچ نمازیں ہر دن اور رات کے لئے باقی رہ گئیں۔ پھر میں دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا، لیکن پھر بھی انہوں نے وہی کہا جو پہلے کہا تھا؛ اور میں نے کہا: 'میں اپنے رب کے پاس واپس گیا ہوں اور اس سے درخواست کی ہے یہاں تک کہ مجھے شرم آ گئی ہے، اب میں دوبارہ نہیں جاؤں گا۔' اور یہ ہے کہ جو شخص ان پانچ نمازوں کو ایمان سے اور اللہ کی بخشش پر بھروسہ کر کے ادا کرے گا، اس کے لئے پچاس نمازوں کا ثواب دیا جائے گا۔[1] "

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بیت المقدس میں واقع چٹان پر نزول کیا، تو وہ اسی راستے سے واپس مکہ پہنچے اور کئی قافلوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھے۔ جب وہ خانہ کعبہ پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کزن ام ہانی ((Umm Hani کے گھر گئے۔ ان کے الفاظ ہیں: "صبح سے پہلے تھوڑی دیر قبل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جگایا، اور جب ہم نے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے فرمایا: 'اے ام ہانی، میں نے تمہارے ساتھ اس وادی میں آخری عشاء کی نماز پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا۔ پھر میں بیت المقدس گیا اور وہاں نماز پڑھی، اور اب میں تمہارے ساتھ صبح کی نماز پڑھی ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔' پھر وہ جانے لگے، اور میں نے ان کی چادر کو اس قدر زور سے پکڑا کہ وہ چھوٹ گئی اور ان کا پیٹ ظاہر ہو گیا، جیسے وہ محض روئی کا کپڑا پہنے ہوئے ہوں۔ 'اے اللہ کے نبی، ' میں نے کہا، 'لوگوں سے یہ نہ کہو، کیونکہ وہ آپ کو جھوٹا کہیں گے اور آپ کو بے عزتی کریں گے۔ "اللہ کی قسم! میں انہیں بتاؤں گا، [2]' انہوں نے کہا۔"

پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسجد گئے اور وہاں موجود لوگوں کو اپنے سفر کے بارے میں بتایا۔ ان کے دشمن فوراً خوش ہو گئے کیونکہ اب انہیں مذاق کرنے کے لئے ایک ناقابل تردید وجہ مل گئی تھی۔ قریش کا ہر بچہ جانتا تھا کہ مکہ سے شام جانے اور واپس آنے میں ایک مہینہ لگتا ہے۔ اور اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ وہ ایک رات میں وہاں گئے اور واپس آ گئے۔ کچھ لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: "اب تمہارا کیا خیال ہے اپنے دوست کے بارے میں؟ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ گزشتہ رات بیت المقدس گئے، وہاں نماز پڑھی، پھر واپس مکہ آ گئے۔" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اان لوگوں کو جھوٹا کہا، لیکن انہوں نے انہیں بتایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں ہیں اور اپنے سفر کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ "اگر وہ ایسا کہہ رہے ہیں، " ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، "تو یہ سچ ہے[3]۔ اور اس میں کیا حیرانی ہے؟ وہ مجھے بتاتے ہیں کہ انہیں آسمان سے زمین پر خبریں ایک گھنٹے میں پہنچتی ہیں، اور میں جانتا ہوں کہ وہ سچ بولتے ہیں۔ اور یہ تمہارے اعتراضات سے بالاتر ہے۔" پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ مسجد گئے اور دوبارہ اس بات کی تصدیق کی کہ "اگر وہ ایسا کہہ رہے ہیں، تو یہ سچ ہے۔" اور اسی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو "الصدیق" کا لقب دیا، جو "سچائی کا عظیم گواہ" یا "سچائی کا عظیم تصدیق کرنے والا" کے معنی میں ہے۔

مزید بر آں، کچھ لوگ جو اس کہانی کو ناقابل یقین سمجھتے تھے، نے دوبارہ سوچنا شروع کیا، کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قافلے راستے میں ملاقات کی تھی، ان کی تفصیل بتائی اور کہا کہ وہ کہاں ہیں اور کب تک مکہ پہنچ سکتے ہیں؛ اور ہر قافلہ وقت پر پہنچا، اور جو تفصیلات بتائی تھیں وہ بالکل درست تھیں۔

[1] I.I. 271. [2] I.I. 26 7. [3] 1.1. 26 5

حضرت محمد ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کے سفر کے بعد، جب وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اکیلے تھے، تو انہیں اپنی آسمانی سفر کی تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے ساتوں آسمانوں میں اپنے عروج کے بارے میں بتایا اور جو کچھ انہوں نے دیکھا اس کا کچھ حصہ ذکر کیا۔ ان تفصیلات کو بعد کے سالوں میں سوالات کے جواب میں مزید بیان کیا گیا۔

XXXIII

After the Year of Sadness

غم کے سال کے بعد

غم کے سال کے بعد کے سال میں، حج کا موسم جون کے شروع میں آیا تھا؛ اور قربانی کی عید کے دنوں میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان منیٰ کا رخ کیا جہاں حاجی تین دن کے لیے قیام کرتے ہیں۔ یہ ان کی عادت بن چکی تھی کہ وہ ہر سال مختلف خیموں میں جا کر جو بھی ان کی دعوت سننا چاہتا تھا، اُسے اپنا پیغام پہنچاتے، اور جو آیات اُنہیں اللہ کی طرف سے وحی کی گئی تھیں، ان میں سے وہ ان پر تلاوت کرتے۔ میدان منیٰ کا مکہ سے قریب ترین مقام "عقبہ" ہے، جہاں سے پہاڑوں کی طرف ایک چڑھائی ہے جو مقدس شہر کی سمت میں جاتی ہے۔ اور اسی سال "عقبہ" پر وہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں سے ملے جو یثرب (مدینہ) سے آئے تھے۔ ان چھ میں سے کسی کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی طور پر علم نہیں تھا، مگر وہ سب ان کی نبوت اور پیغام سے واقف تھے۔ جیسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تعارف کرایا، ان کے چہرے خوشی سے روشن ہو گئے اور وہ بڑی دلچسپی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سننے لگے۔ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے ہمسایہ یہودیوں کی اس دھمکی سے واقف تھا کہ "ایک نبی اب بھیجا جانے والا ہے، ہم اس کی پیروی کریں گے اور تمہیں ایسے ہی ہلاک کریں گے جیسے قوم عاد اور قوم ثمود ہلاک ہوئی تھی۔" جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات مکمل کی، تو ان چھ لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: "یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں یہودیوں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئیں گے۔ ہمیں نہیں چاہیئے کہ وہ پہلے ان تک پہنچیں۔" پھر ایک دو سوالات پوچھے گئے اور ان کے جوابات دیے گئے، اور ہر ایک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی سچائی کی گواہی دی اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ "ہم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا ہے،" انہوں نے کہا، "کیونکہ ہماری قوم اس قدر دشمنی اور فساد میں مبتلا ہے کہ اللہ کی طرف سے شاید آپ کو ہماری قوم کو اکٹھا کرنے کا موقع ملے۔ ہم اب ان کے پاس جائیں گے اور انہیں آپ کا دین قبول کرنے کی دعوت دیں گے، جیسے ہم نے اسے قبول کیا ہے؛ اور اگر اللہ ان کو آپ کے ارد گرد جمع کر لے، تو آپ سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں ہو گا۔[1]"

اسی سال، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آتے رہے۔ یہ ملاقاتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بچپن کا ایک یادگار حصہ تھیں۔ وہ یہ نہیں یاد کر سکتی تھیں کہ ان کے والدین کبھی مسلمان نہیں تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کے گھر روزانہ ملاقات کے لیے نہ آتے ہوں۔

[1] I.I.287.

اسی سال میں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آیا، نبی نے خواب میں دیکھا ایک آدمی ایک ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا: "یہ تمہاری بیوی ہے، تو اسے کھول کر دیکھو۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کو اٹھایا اور وہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صرف چھ سال کی تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پچاس سال کی عمر کو پار کر چکے تھے۔ مزید بر آں، ابو بکر نے اسے مطعم کے بیٹے جبیر کے لئے وعدہ کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں کہا: "اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے حقیقت بنا دے گا۔[1] " چند راتوں بعد انہوں نے دوبارہ خواب میں وہی ریشمی کپڑا دیکھا اور اس مرتبہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتے سے کہا: "مجھے دکھاؤ" فرشتے نے ریشم کو اٹھایا اور وہاں پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کہا: "اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے حقیقت بنا دے گا۔[2]"

ان خوابوں کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک کسی سے نہیں کیا تھا، حتیٰ کہ ابو بکر سے بھی نہیں۔ لیکن اب ایک تیسرا تصدیق کا واقعہ پیش آیا، جو کچھ مختلف نوعیت کا تھا۔

حضرت خولہ بنت حکیم، جو حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی مختلف ضروریات کا خیال رکھ رہی تھیں؛ اور ایک دن جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھیں، تو انہوں نے آپ سے مشورہ دیا کہ آپ کو ایک اور بیوی کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کس سے شادی کروں؟" تو حضرت خولہ نے کہا: "یا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت ابو بکر یا حضرت سَودَہ رضی اللہ عنہا بنت زَمعَہ سے۔" حضرت سَودَہ رضی اللہ عنہا، جو حضرت سہیل کی چچازاد اور بھابھی (sister-in-law of Suhayl) تھیں، اب بیوہ ہو چکی تھیں اور تقریباً تیس سال کی تھیں[3]۔

ان کے پہلے شوہر، سکران، حضرت سہیل کے بھائی تھے، جنہیں وہ ساتھ لے کر حبشہ گئے تھے، اور وہ پہلے لوگ تھے جو مکہ واپس آئے تھے۔ واپس آنے کے کچھ ہی عرصے بعد سکران کا انتقال ہو گیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ کو دونوں بیویوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا۔ حضرت سَودَہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "میں تمہارے لیے ہوں، اے اللہ کے رسول!" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ اپنی قوم کے کسی شخص سے کہو کہ وہ تمہیں میرے نکاح میں دے. حضرت سَودَہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بہنوئی حاطب کو منتخب کیا، جو اس وقت حبشہ سے واپس آ چکے تھے، اور حاطب نے ان کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔

"اسی دوران، ابو بکر نے مطعم سے رابطہ کیا، جنہیں آسانی سے قائل کر لیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کو ملتوی کر دیں؛ اور سودہ کی شادی کے کچھ ماہ بعد، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی نبی کی زوجہ بن گئیں، ایک نکاح کے ذریعے جو کہ خود ان کی موجودگی کے بغیر ان کے والد کے ذریعہ کیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں بتایا کہ انہیں اپنے نئے مقام کا پہلا اشارہ اس وقت ہوا جب وہ ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ باہر کھیل رہی تھیں، اور ان کی والدہ آئی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئیں، اور انہیں بتایا کہ اب وہ باہر نہیں کھیلیں گی اور ان کی سہیلیاں ان کے پاس آئیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دھندلے سے اندازے کے مطابق اس وجہ کو سمجھ لیا، اگرچہ ان کی والدہ نے فوراً انہیں بتایا کہ ان کا نکاح ہو چکا ہے۔ اور اس کے علاوہ، ان کی زندگی پہلے کی طرح ہی رہی، سوائے اس کے کہ اب انہیں سڑک پر کھیلنے کے بجائے اپنے گھر کے صحن میں کھیلنا پڑتا تھا۔

اسی دوران حضرت ابو بکر نے اپنے گھر کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مسجد دیواروں سے گھری ہوئی تھی لیکن آسمان کے لیے کھلی ہوئی تھی، اور وہاں وہ نماز پڑھا کرتے تھے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ لیکن دیواریں اتنی اونچی نہیں تھیں کہ راہ چلتے لوگ ان کے اوپر سے دیکھ نہ سکیں، اور اکثر لوگ وہاں کھڑے ہو جاتے اور ان کی تلاوت سننے لگتے، اور ساتھ ہی وہ قرآن کے ساتھ ان کی عقیدت کو بھی دیکھتے جو ان کے دل کی گہرائیوں تک اثر کرتی تھی۔

اب امیہ کو خدشہ تھا کہ ابو بکر کے نو مسلموں کی تعداد مزید بڑھ جائے گی،

.

[1] B. XCI, 20. [2] ibid. [3] صفحہ دیکھیں .ff72.

قریش کے رہنماؤں نے ابن الدغنہ کے پاس ایک نمائندگی بھیجی، جو ان کے حفاظتی معاہدے کے آغاز میں کہی گئی باتوں کی یاد دہانی کراتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی کہ ابو بکر کی مسجد کے دیواریں اسے ان کے گھر کا حصہ نہیں بناتیں۔ "اگر وہ اپنے رب کی عبادت اندر ہی اندر کرے تو وہ ایسا کرے،" انہوں نے کہا، "لیکن اگر اسے یہ عبادت علانیہ کرنی ضروری ہو، تو اسے حکم دے دو کہ وہ تجھے اس کی حفاظت سے آزاد کر دے۔" لیکن ابو بکر نے اپنی مسجد دینے سے انکار کیا اور انہوں نے ابن الدغنہ کو اپنے معاہدے سے رسمی طور پر آزاد کر دیا، اور کہا: "میں اللہ کی حفاظت پر راضی ہوں۔"

اسی دن نبی اکرم نے ان سے اور دیگر صحابہ سے کہا: "مجھے تمہارے ہجرت کے مقام کی نشان دہی کی گئی ہے: میں نے ایک خوبصورت سرسبز زمین دیکھی، جس میں کھجوروں کے درخت تھے، دو سیاہ پتھروں کے درمیان۔[1]"

[1]B. XXXVII 7.

XXXIV

Yathrib Responsive

یثرب کا جواب

"یثرب والے دشمنی اور برائی کی وجہ سے پاش پاش ہو چکے ہیں۔" یہ بیان کرتے ہوئے یثرب کے چھ حالیہ مسلمان ہوئے افراد نے مبالغہ نہیں کیا تھا۔
جنگِ بعاث، جو کہ خانہ جنگی کا چوتھا اور سب سے شدید معرکہ تھا، مکمل طور پر فیصلہ کن نہیں تھا؛ نہ ہی اس کے بعد کوئی ایسی امن کی حالت آئی جو قابلِ ذکر ہو، بلکہ صرف اس بات پر اتفاق ہوا کہ فوراً لڑائی روک دی جائے۔ مسلسل تلخی کی خطرناک حد تک بڑھتی ہوئی حالت، جس میں تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو رہا تھا، دونوں طرف کے معتدل افراد کو اس بات پر مائل کر دیا تھا کہ انہیں ایک مرکزی سردار کی ضرورت ہے جو انہیں قریش کے قُصَیّ کی طرح متحد کر سکے، اور ان کے مسئلے کا کوئی اور حل نہیں تھا یثرب, نخلستان مدینہ کے ایک اہم شخص، عبد اللہ بن ابی، کو بہت سے لوگ ایک ممکنہ بادشاہ کے طور پر پسند کرتے تھے۔ اس نے حالیہ جنگ میں اوس کے خلاف نہیں لڑا تھا بلکہ جنگ کے آغاز سے پہلے اپنے آدمیوں کو واپس بلا لیا تھا۔ وہ خَزرج کا تھا، اور یہ انتہائی مشکوک تھا کہ اوس (Aws) ایسے بادشاہ کو قبول کرے گا جو ان کی قبیلے کا نہ ہو۔

خَزرج کے چھ افراد نے اسلام کا پیغام ان کے لوگوں تک پہنچایا جو انہیں سننے کے لئے تیار تھے؛ اور اگلے سال یعنی 621 عیسوی میں، ان میں سے پانچ افراد نے دوبارہ حج کیا اور ساتھ میں سات اور لوگوں کو لے آئے، جن میں سے دو اوس کے تھے۔ ان بارہ افراد نے "عقبیٰ" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اور یہ بیعت پہلی "عقبیٰ" کہلاتی ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "ہم نے پہلی عقبیٰ کی رات اللہ کے رسول کے ساتھ بیعت کی تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، ہم چوری نہیں کریں گے، نہ ہی زنا کریں گے، نہ ہی اپنے اولاد کو قتل کریں گے [1]، نہ ہی بہتان تراشی کریں گے؛ اور ہم ان کی اس بات میں نافرمانی نہیں کریں گے جو حق ہو۔ اور انہوں نے ہم سے کہا: 'اگر تم یہ بیعت پورا کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہے؛ اور اگر تم ان میں سے کوئی گناہ کرو اور پھر اس دنیا میں اس کی سزا پاؤ، تو وہ تمہارے لیے کفارہ بن جائے گا۔ اور اگر تم اسے قیامت کے دن تک چھپائے رکھو گے، تو پھر اللہ کے لیے ہے کہ وہ تمہیں سزا دے یا معاف کرے، جیسے وہ چاہے۔[2]"
جب وہ یثرب کے لیے روانہ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مصعب بن عبد دار کو بھیجا جو اس وقت حبشہ سے واپس آ چکے تھے۔ انہیں ان کے درمیان قرآن کی تلاوت کرنے اور دینی تعلیم دینے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ وہ اسعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہرے، جو کہ چھ افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے پچھلے سال اسلام قبول کیا تھا۔ مصعب کو نماز بھی پڑھانی تھی کیونکہ ان کے اسلام کے باوجود، اوس اور خزرج کے لوگ ابھی تک ایک دوسرے کو نماز میں پیشوا بنانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

[1] عرب میں غریب بدوؤں کے درمیان، خاص طور پر قحط کے وقت، ناپسندیدہ بچیوں کو دفن کرنے کی روایت کا حوالہ۔

[2] I.I. 289.

قبیلہ کے دو بیٹوں کی نسلوں کے درمیان دشمنی بہت پرانی تھی۔ اس کے باوجود دونوں قبائل کے درمیان اکثر آپس میں شادیاں بھی ہوئی تھیں، اور انہی میں سے ایک شادی کے نتیجے میں مُصعَب کے خَزرجی میزبان اسعد، اوس کے قبیلے کے ایک سردار سعد بن معاذ کے پھوپھی کے بیٹے تھے۔ سعد نئے مذہب سے سخت ناپسندیدہ تھا۔ اس لئے اس نے غصے کے ساتھ، لیکن ساتھ ہی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے، اپنے کزن اسعد کو ایک دن اپنے قبیلے کی حدود میں ایک باغ میں، جہاں وہ مُصعَب اور کچھ نئے مسلمان ہوئے افراد کے ساتھ بیٹھے تھے، اپنے قبیلے کے لوگوں سے بات کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ ان سرگرمیوں کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا، لیکن ساتھ ہی وہ خود کسی ناخوشگوار صورتحال میں ملوث نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اسید، جو کہ اس کے بعد آنے والی اتھارٹی پر تھا، کو کہا: "تم ان دونوں آدمیوں کے پاس جاؤ، جو ہمارے کمزور بھائیوں کو بے وقوف بنانے آئے ہیں" وہ یقیناً اپنے چھوٹے بھائی ایاس کو یاد کر رہا تھا، جو یثرب کا پہلا شخص تھا جس نے اسلام قبول کیا تھا![1] "انہیں یہاں سے نکال دو اور انہیں دوبارہ ہمارے علاقے میں آنے سے روک دو۔ اگر اسعد میرا رشتہ دار نہ ہوتا تو میں تمہیں یہ تکلیف نہ دیتا، لیکن وہ میری ماں کی بہن کا بیٹا ہے، اور میں اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔" اسید نے اپنا نیزہ اٹھایا اور ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور جتنا سخت ہو سکتا تھا، کہا: "تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو، ہمارے کمزور بھائیوں کو بے وقوف بنانے کے لیے؟ اگر اپنی زندگیوں کی قدر کرتے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔" مُصعَب نے اس کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا: "کیوں نہ تم بیٹھو اور جو میں کہنا چاہوں اسے سنو؟ پھر اگر تمہیں یہ پسند آئے تو قبول کر لو، اور اگر نہیں تو اس سے بچو۔" اسید نے کہا: "یہ بات اچھی طرح سے کہی گئی ہے،" اس نے نبی کے نمائندے کی شکل اور انداز دونوں پسند کیے تھے؛ اور اپنے نیزہ کو زمین میں گاڑتے ہوئے، وہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مُصعَب نے اس سے اسلام کے بارے میں بات کی اور قرآن کی تلاوت کی؛ اور اسید کا چہرہ بدل گیا، یہاں تک کہ وہاں موجود لوگوں نے اس کے چہرے پر اسلام کی روشنی اور سکون کو دیکھ لیا، جس سے اس کی حالت کا اثر صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ "یہ کلمات کتنے شاندار ہیں اور کتنے خوبصورت!" اس نے کہا جب مُصعَب نے بات مکمل کی۔ "اگر تم یہ مذہب اختیار کرنا چاہتے ہو تو کیا کرنا ہو گا؟" انہوں نے اسے بتایا کہ اسے پورے جسم کو دھونا ہو گا تاکہ وہ پاک ہو جائے، اور اپنی کپڑوں کو بھی صاف کرنا ہو گا، پھر نماز پڑھنی ہو گی۔ باغ میں ایک کنواں تھا، تو اس نے خود کو دھویا اور اپنے کپڑے صاف کیے، اور اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے اسے نماز پڑھنا سکھایا، اور اس نے نماز پڑھی۔ پھر اس نے کہا: "میرے پیچھے ایک شخص ہے جو اگر تمہیں پیروی کرے گا، تو اس کے بعد اس کے قبیلے کا ہر فرد تمہیں ضرور پیروی کرے گا، اور میں اب اسے تمہارے پاس بھیجوں گا۔"

چنانچہ وہ اپنے قبیلے والوں کے پاس واپس آیا، اور ان کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ دیکھ سکتے تھے کہ وہ ایک تبدیل شدہ شخص تھا۔ "تم نے کیا کیا؟" سعد نے پوچھا۔ "میں نے ان دونوں سے بات کی،" اسید نے کہا، "اور اللہ کی قسم، مجھے ان میں کوئی نقصان نہیں دکھائی دیا۔ لیکن میں نے انہیں جاری رکھنے سے منع کیا اور انہوں نے کہا: 'ہم تمہاری مرضی کے مطابق عمل کریں گے۔'" "میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کوئی فائدہ نہیں دیا،" سعد نے کہا، اور اس کا نیزہ لے کر وہ ان لوگوں کے پاس جہاں مسلمان ابھی تک باغ میں سکون سے بیٹھے تھے، روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے کزن اسعد سے تنقید کی اور اسے رشتہ داری کا فائدہ اٹھانے پر سرزنش کی۔ لیکن مُصعَب نے مداخلت کی اور اسی طرح اس سے بات کی جیسے اس نے اسید سے بات کی تھی، جس پر سعد نے اسے سننے پر رضامندی ظاہر کی، اور نتیجہ آخرکار وہی نکلا جو پہلے تھا۔

[1] صفحہ 57 دیکھیں

جب سعد نے نماز ادا کر لی، تو وہ اسید اور ان کے ساتھیوں کے پاس واپس آیا اور سب مل کر اپنی قوم کی مجلس میں گئے۔ سعد نے انہیں خطاب کیا اور کہا: "تم میرے مرتبے اور حیثیت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "تم ہمارے سردار ہو، ہمارے درمیان بہترین فیصلہ کرنے والے ہو، اور قیادت میں سب سے زیادہ خوش بخت ہو۔" سعد نے کہا: "پھر میں تمہیں بتاتا ہوں، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات نہیں کروں گا جب تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔" اور رات ہوتے ہوتے اس کے قبیلے کا کوئی مرد یا عورت ایسا نہ تھا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔

مُصعَب تقریباً گیارہ مہینے اسعد کے ساتھ رہے، اور اس دوران کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر جب اگلے حج کا مہینہ قریب آیا تو وہ مکہ واپس چلے گئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کو اوس اور خزرج کے مختلف قبیلوں میں اپنی کامیابی کی خبریں دیں۔

نبی اکرم ﷺ جانتے تھے کہ وہ سرسبز زمین جو دو سیاہ پتھریلی وادیوں کے درمیان تھی اور جسے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا، وہ یثرب تھی۔ اور آپ کو معلوم تھا کہ اس بار آپ بھی مہاجرین میں شامل ہوں گے۔ مکہ میں چند ہی لوگ ایسے تھے جن پر آپ کو اتنا اعتماد تھا جتنا اپنی چچی (aunt) ام الفضل پر تھا۔ آپ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ، اگرچہ وہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، کبھی آپ کے ساتھ خیانت نہیں کریں گے اور کوئی راز افشا نہیں کریں گے۔
لہٰذا آپ نے ان دونوں کو بتایا کہ آپ کو امید ہے کہ آپ یثرب جا کر رہیں گے اور بہت کچھ اس وفد پر منحصر ہوگا جو آنے والے حج کے لیے اس بستی سے متوقع تھا۔ یہ سن کر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ وفد سے ملاقات کے لیے جائیں گے اور ان سے بات کریں گے، اور نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے اتفاق کیا۔

مُصعَب کی روانگی کے کچھ ہی دیر بعد یثرب کے چند مسلمان اس حج کے لیے روانہ ہوئے جیسا کہ ان کے اور مُصعَب کے درمیان طے ہوا تھا۔ ان کی تعداد تہتر مرد اور دو عورتیں تھی، جو رسول اللہ ﷺ سے رابطہ کرنے کی امید لے کر نکلے تھے۔ ان کے رہنماؤں میں سے ایک خزرجی سردار براء تھے۔ سفر کے ابتدائی دنوں میں براء کے دل میں ایک فکر جاگی۔
وہ مکہ کی طرف جا رہے تھے، جہاں اللہ کا گھر، کعبہ، تھا جو پوری عرب کی عبادت کا سب سے بڑا مرکز تھا؛ اور وہاں رسول اللہ ﷺ بھی تھے، جن کی طرف وہ جا رہے تھے، اور وہیں قرآن نازل ہوا تھا۔ ان کے دل پہلے ہی روحانی طور پر مکہ کی طرف مائل ہو چکے تھے۔
کیا یہ درست یا معقول تھا کہ جب نماز کا وقت آتا، تو وہ اس سمت کو پیٹھ کرتے اور شمال کی طرف، شام کی جانب رخ کرتے؟ یہ شاید محض ایک خیال سے زیادہ تھا، کیونکہ براء کے پاس زندہ رہنے کے صرف چند مہینے باقی تھے، اور بعض اوقات موت کے قریب انسان کو کچھ چیزوں کا پیشگی شعور حاصل ہو جاتا ہے۔
براء نے اپنے ساتھیوں کو اپنے دل کی بات بتائی، جس پر انہوں نے کہا کہ جہاں تک وہ جانتے ہیں رسول اللہ ﷺ شام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، یعنی بیت المقدس کی طرف، اور وہ آپ ﷺ سے مختلف عمل کرنا نہیں چاہتے تھے۔
براء نے کہا: "میں کعبہ کی طرف نماز پڑھوں گا،" اور اس نے پورے سفر کے دوران ایسا ہی کیا، جبکہ باقی سب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔
تاہم، جب وہ مکہ پہنچے تو براء کے دل میں کچھ تردد پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے ایک جوان قریبی عزیز کعب بن مالک، جو یثرب کے زیادہ باصلاحیت شاعروں میں سے تھے، سے کہا: "میرے بھائی کے بیٹے، آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں اور ان سے پوچھیں کہ میں نے اس سفر میں جو کچھ کیا اس کے بارے میں کیا رائے ہے، کیونکہ میرے دل میں شک پیدا ہوا ہے جب میں نے دیکھا کہ تم سب میرے خلاف تھے۔"
چنانچہ انہوں نے مکہ کے ایک آدمی سے پوچھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو کہاں پا سکتے ہیں، کیونکہ وہ آپ ﷺ کو شکل سے بھی نہیں جانتے تھے۔ "کیا تم ان کے چچا کو جانتے ہو؟"

عباس رضی اللہ عنہ ؟" اس شخص نے کہا۔ وہ بولے: "ہاں، ہم انہیں جانتے ہیں"، کیونکہ عباس رضی اللہ عنہ یثرب کے اکثر دورے کرتے تھے اور وہاں اچھی طرح معروف تھے۔ اس شخص نے کہا: "جب تم مسجد میں داخل ہو، تو وہ عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے۔" چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، اور براء کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے پاس ایک قبلہ تھا، اگر تم اسے اختیار رکھتے۔"

براء نے دوبارہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنی شروع کر دی تاکہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق کریں، اگرچہ انہیں جو جواب ملا تھا، اس کے کئی مفہوم ہو سکتے تھے۔

ان کا مکہ کا سفر یثرب کے مشرک حاجیوں کے قافلے کے ساتھ ہوا تھا، جن میں سے ایک، وادیٔ منیٰ میں اسلام میں داخل ہوا۔ وہ خزرج کے ایک نمایاں شخص، ابو جابر عبد اللہ بن عمرو تھے، جو بنی سلمہ کے سردار اور بڑے اثر و رسوخ والے تھے۔ یہ طے پایا کہ وہ خفیہ طور پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں گے، جیسا کہ پہلے ہوا تھا، عقبہ میں حج کے بعد کی دوسری راتوں میں سے ایک رات کو۔

ان میں سے ایک کے الفاظ میں: "ہم نے اس رات اپنے لوگوں کے ساتھ قافلے میں سونا شروع کیا، یہاں تک کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا تو ہم چپکے سے سوتے ہوئے لوگوں میں سے نکلے، چکور پرندوں کی طرح آہستہ آہستہ اپنے مقررہ مقام کی طرف رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے گئے، یہاں تک کہ ہم سب عقبہ کے قریب گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ وہاں ہم نے انتظار کیا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو اس وقت اپنی قوم کے دین پر تھے، اگرچہ وہ اس ملاقات میں شریک ہونا چاہتے تھے تاکہ یہ یقینی بنائیں کہ آپ ﷺ سے کیے گئے وعدے پختہ اور قابل اعتماد ہوں۔"

جب رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے تو سب سے پہلے عباس رضی اللہ عنہ نے بات کی: "اے خزرج کے لوگو!" - کیونکہ عرب اوس اور خزرج دونوں کو خزرج کے نام سے پکارتے تھے - "تم جانتے ہو کہ ہم محمد ﷺ کو کتنی عزت دیتے ہیں اور ہم نے اپنی قوم کے خلاف ان کی حفاظت کی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی برادری میں عزت دار ہیں اور اپنے ملک میں محفوظ ہیں۔ پھر بھی انہوں نے تمہاری طرف رجوع کرنے اور تمہارے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اس وعدے پر قائم رہو گے جو تم ان سے کر رہے ہو اور ان کی ہر اس کے خلاف حفاظت کرو گے جو ان کے خلاف کھڑا ہو، تو یہ بوجھ اٹھالو جو تم نے اپنے اوپر لیا ہے۔ لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان کے ساتھ بے وفائی کرو گے اور ان کی مدد چھوڑ دو گے جب وہ تمہارے پاس آ جائیں گے، تو ابھی انہیں چھوڑ دو۔"

انہوں نے کہا: "ہم نے جو تم نے کہا وہ سن لیا، لیکن اے اللہ کے رسول، آپ خود بات کریں اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو چاہیں چن لیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اللہ اور اسلام کی دعوت دی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تم سے اس شرط پر یہ معاہدہ کرتا ہوں کہ جس بیعت کا تم مجھ سے عہد کرو گے، وہ تمہیں اس بات کا پابند کرے گی کہ تم میری حفاظت ایسے کرو جیسے تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔"

براء نے اٹھ کر آپ ﷺ کا ہاتھ تھاما اور کہا: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، ہم آپ کی ویسے ہی حفاظت کریں گے جیسے ہم ان کی کرتے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسول، ہماری بیعت قبول کریں، کیونکہ ہم جنگ کے آدمی ہیں، ہمارے پاس وہ ہتھیار ہیں جو ہمیں ہمارے باپ دادا سے وراثت میں ملے ہیں۔"

پھر اوس کے ایک شخص نے کہا: "اے اللہ کے رسول، ہمارے اور دوسرے لوگوں" - ان کا اشارہ یہودیوں کی طرف تھا - "کے درمیان رشتے ہیں، اور ہم انہیں توڑنے کو تیار ہیں۔ لیکن کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اگر ہم ایسا کریں اور اللہ آپ کو فتح عطا کرے تو آپ واپس اپنی قوم کی طرف لوٹ جائیں اور ہمیں چھوڑ دیں؟"

رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: "نہیں، میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ جس کے خلاف تم جنگ کرو گے، میں اس کے خلاف جنگ کروں گا، اور جس سے تم صلح کرو گے، میں اس سے صلح کروں گا۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس تمہارے بارہ آدمیوں کو بطور رہنما پیش کرو، تاکہ وہ اپنی قوم کے معاملات دیکھ سکیں۔" چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے بارہ رہنما پیش کیے، جن میں سے نو خزرج سے اور تین اوس سے تھے۔

جب لوگ ایک ایک کر کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیعت کرنے والے تھے تو خزرج کے ایک آدمی، جو پچھلے سال ان بارہ افراد میں شامل تھے جنہوں نے بیعت کی تھی، نے اشارہ کیا کہ انتظار کریں اور ان سے مخاطب ہو کر کہا: "اے خزرج کے لوگو، جانتے ہو کہ اس آدمی کے ساتھ بیعت کرنے کا کیا مطلب ہے؟"

انہوں نے کہا: "ہم جانتے ہیں،" لیکن اس نے ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا: "تم اس آدمی کے ساتھ بیعت کر رہے ہو کہ سب انسانوں کے خلاف جنگ کرو گے، چاہے وہ سرخ ہوں یا سیاہ[1]۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جب تمہیں اپنے مال و دولت کا نقصان ہو گا اور تمہارے اشراف مارے جائیں گے تو تم اسے چھوڑ دو گے، تو ابھی اسے چھوڑ دو، کیونکہ اگر اس وقت چھوڑ دیا تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہارے لیے رسوائی کا باعث ہو گا۔ لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اپنے عہد کو پورا کرو گے، تو اسے لے لو، کیونکہ اللہ کی قسم، اس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔"

انہوں نے کہا: "اگرچہ ہمارے مال ضائع ہوں اور ہمارے اشراف قتل ہو جائیں، تب بھی ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ لیکن اے اللہ کے رسول، اگر ہم اپنا عہد پورا کریں، تو اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "جنت۔" وہ بولے: "اپنا ہاتھ بڑھائیں۔" چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بیعت کر لی۔

شیطان یہ سب عقبہ کی چوٹی سے دیکھ اور سن رہا تھا، اور جب وہ خود کو روک نہ سکا تو بلند ترین آواز میں چلایا اور اس نے "مذمّم" (قابل نفرت) کا لفظ استعمال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جان لیا کہ یہ کس کی آواز ہے، اور آپ ﷺ نے جواب دیا: "اے اللہ کے دشمن، میں تجھے کوئی مہلت نہ دوں گا۔"

1. یعنی تمام انسان خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔ عقبہ کے مقام پر اس دوسرے عہد کے بعد، پہلا عہد جو "خواتین کا عہد" کہلایا جانے لگا، صرف خواتین کے لیے مخصوص کر دیا گیا کیونکہ اس میں جنگ کی ذمہ داریوں کا ذکر نہیں تھا۔

XXXV

Many Emigrations

کئی ہجرتیں

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن ان میں سے ایک شخص پہلے ہی ایسا کر چکا تھا۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ کی وفات نے ان کے بھتیجے ابو سلمہ کو ایک محافظ سے محروم کر دیا تھا، اور ابو سلمہ کو اپنے قبیلے سے پناہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہذا، وہ اپنی بیوی کو اونٹ پر سوار کر کے، اپنے بیٹے سلمہ کو اس کے ہاتھوں میں اٹھائے، شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابو سلمہ خود اونٹ کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ لیکن، اُم سلمہ بنی مغیرہ کی تھیں، جو قریش کے معروف سردار ابو جہل کی پھوپھی زاد تھیں، اور ان کے خاندان نے ابو سلمہ کے پیچھے جا کر اونٹ کی لگام چھین لی۔ ابو سلمہ کمزور تھے اور ان کے پاس مزاحمت کرنے کی طاقت نہیں تھی، تو انہوں نے اُم سلمہ کو واپس جانے کا کہا اور کہا کہ وہ ایک طریقہ نکال کر اُم سلمہ کو ان کے ساتھ ملانے کا راستہ ڈھونڈیں گے۔

مکہ کے دوسرے خاندان کی طرف سے اُم سلمہ اور ان کے بیٹے کو علیحدہ کرنے کی کوششیں شروع ہو گئیں، اور ابو سلمہ کے قبیلے نے لڑکے کی پرورش کا دعویٰ کر لیا۔ یوں تینوں کو ایک دوسرے سے سختی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ بالآخر، پورے قبیلے نے اُن پر ترس کھایا اور اُم سلمہ کو اپنے بیٹے کے ہمراہ ابو سلمہ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ اُم سلمہ نے تنہا اپنے بیٹے کو لے کر ایک اونٹ پر سفر شروع کیا۔ چھ میل کا سفر طے کرنے کے بعد، وہ عبد الدار قبیلے کے ایک شخص، ارہمان بن طلحہ سے ملیں، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور اس شخص نے اُم سلمہ کو یثرب تک پہنچانے کا عہد کیا۔ وہ دونوں سنہری درختوں والے گاؤں قبا پہنچے، جہاں ابو سلمہ مقیم تھے، اور ارہمان نے اُم سلمہ سے کہا: "تمہارا شوہر اس گاؤں میں ہے، اللہ کی رحمت سے اس میں داخل ہو جاؤ"، اور پھر وہ واپس مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُم سلمہ نے اس کی حسن سلوک کو کبھی نہ بھولا اور ہمیشہ اس کی بزرگی کی تعریف کی۔

دوسری عقبہ کی بیعت کے بعد، قریش کے مسلمانوں نے بڑی تعداد میں یثرب کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دی۔ سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں پیغمبر کے قریبی رشتہ دار شامل تھے، جیسے کہ عبد اللہ بن جحش اور ان کی بہنیں زینب رضی اللہ عنہا اور ہمنہ، ان کے ساتھ کئی اور افراد بھی تھے جو بنی اسد سے تعلق رکھتے تھے اور جو پہلے سے عبد شمس کے اتحادی تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید نے بھی ہجرت کی، لیکن انہوں نے اپنی بیویوں کو ابھی مکہ میں چھوڑا تھا۔ حضرت عثمان نے اپنی بیوی رقیہ کو اپنے ساتھ لیا، اور حضرت عمر نے اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا، اپنی بیٹی حفصہ اور اپنے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیا۔ حفصہ کے شوہر خنیس بن سہل بھی ان کے ساتھ تھے۔ ابو سلمہ کے سوتیلے بھائی ابو صبرہ نے اپنی بیوی ام کلثوم، جو سہل کی بیٹی تھیں، کو اپنے ساتھ لے جایا، اور پیغمبر کے دیگر رشتہ دار جیسے زبیر اور طلیب بھی اس ہجرت میں شامل ہوئے۔

چند ہی دنوں میں، پیغمبر کے تمام قریبی صحابہ مکہ چھوڑ چکے تھے، سوائے ابو بکر اور علی کے

ابو بکر نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یثرب ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی تھی، لیکن پیغمبر نے فرمایا: "جلدی نہ کرو، شاید اللہ تمہیں کسی ساتھی کا بندوبست کر دے۔" ابو بکر نے اس بات کو سمجھا کہ انہیں پیغمبر کا انتظار کرنا ہو گا، اور انہوں نے یثرب کے سفر کے لیے دو اونٹوں کو تیار کرنے کا حکم دیا۔

قریش نے ہجرت کو روکنے کی پوری کوشش کی۔ سہیل کی دوسری بیٹی اپنے شوہر ابو حذیفہ کے ساتھ ہجرت کر چکی تھی، جیسے وہ پہلے حبشہ ہجرت کر گئے تھے، لیکن سہیل نے یہ عہد کیا تھا کہ اس بار اس کا بیٹا عبد اللہ اس سے نہیں بچ سکے گا، اور اس نے اس پر سخت نظر رکھی۔ اسی طرح، سہائٹ قبیلے کے ایک رہنما ہشام کے بیٹے کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا، جو پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کر چکا تھا۔ ہشام کا سوتیلا بھائی عمرو، جسے قریش نے نجران کے بادشاہ کے خلاف مسلمانوں کو بد ظن کرنے کے لیے بھیجا تھا، اس کی ناکامی کا گواہ تھا۔ عمر، جو ہشام کے چچازاد تھے – ان کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں، نے طے کیا تھا کہ وہ دونوں یثرب کے لیے ساتھ روانہ ہوں گے، اور مکہ سے الگ الگ روانہ ہو کر، آٹھ میل شمال میں عادات کے کانٹے دار درختوں کے قریب ملیں گے۔

مقررہ وقت اور مقام پر ہشام نظر نہ آیا، تو عمر اور اس کا خاندان عیاش کے ساتھ یثرب روانہ ہو گئے، کیونکہ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کا انتظار نہیں کریں گے۔ ہشام کے والد اور بھائی نے اس کے منصوبے کے بارے میں سنا اور اسے زبردستی روک لیا۔ وہ اتنی سختی سے اس پر دباؤ ڈالے کہ آخر کار ہشام نے اسلام سے برگشتہ ہو کر اسے ترک کر دیا۔

عیاش، عمر کے ساتھ یثرب پہنچ گیا، لیکن اس کے دو سوتیلے بھائی، ابو جہل اور حارث، نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے کہا کہ ان کی ماں، جو کہ عیاش کی بھی ماں تھی، نے یہ قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اس کے سامنے نہ آئے، نہ تو وہ اپنے بال کترے گی اور نہ ہی دھوپ سے بچنے کے لیے چھاؤں لے گی۔ عیاش اس بات سے بہت پریشان ہوا، لیکن عمر نے اسے کہا: "وہ صرف تمہیں اپنے دین سے پھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں؛ خدا کی قسم، اگر تمہاری ماں کو جس چیز کی ضرورت ہوتی، جیسے سر میں جوئیں ہوں، تو وہ کنگھی کر لیتی اور اگر مکہ کی گرمی میں وہ تکلیف اٹھاتی، تو وہ چھاؤں میں آ جاتی۔" مگر عیاش نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور اس نے اپنی ماں کے قسم سے آزاد ہونے کے لیے مکہ واپس جانے کی ٹھانی۔ اس نے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے پیسے بھی واپس لینے کا ارادہ کیا۔ لیکن جب وہ راستے میں نصف سفر طے کر چکا تھا، ابو جہل اور حارث نے اس پر حملہ کیا، اسے باندھ کر مکہ واپس لے آئے اور کہا: "اے مکہ والو، اپنے جاہلوں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو ہم نے اس جاہل کے ساتھ کیا۔"

ہشام اور عیاش دونوں کو اسلام سے پھرنے کے لیے مجبور کیا گیا، لیکن یہ حالت دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ کچھ عرصے بعد دونوں کو اپنے گناہوں پر افسوس ہوا اور یہ سمجھنے لگے کہ ان کے لیے کوئی توبہ ممکن نہیں۔ عمر کا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن پھر اللہ کی طرف سے وحی آئی: "اے میرے بندو، جو اپنے آپ پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے، وہ بڑا معاف کرنے والا، بہت رحم والا ہے۔ اور اپنے رب کی طرف توبہ کے ساتھ رجوع کرو اور اس کے سامنے سر فراز ہو جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے، جب تمہیں کوئی مدد نہ ملے۔[1]" عمر نے ان الفاظ کو لکھ کر ہشام تک پہنچایا۔ جب ہشام کے پاس یہ پیغام آیا، تو اس نے اسے آنکھوں کے قریب کر کے پھر واپس نیچے کر دیا، لیکن وہ اسے سمجھ نہ سکا، حتیٰ کہ اس نے کہا: "اے اللہ، مجھے اس کی حقیقت سمجھا دے۔" پھر اللہ نے اس کے دل میں ڈالا کہ اس میں اس کی توبہ کا راستہ موجود ہے۔

[1] XXXIV, 53-4

"یہ وحی ہمارے لیے بالخصوص آئی ہے، جو ہم اپنے بارے میں کہہ رہے تھے اور جو ہمارے بارے میں کہا جا رہا تھا۔"

ہشام نے یہ پیغام عیاش کو دکھایا، اور دونوں نے اپنے اسلام کو دوبارہ تازہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی حالت پر غور کیا اور یثرب کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اپنے موقع کا انتظار کرنے لگے۔

XXXVI

A Conspiracy

ایک سازش

ہشام اور عیّاش کی ظاہری مرتدیاں قریش کے لیے صرف معمولی کامیابیاں تھیں، جو کہ ان مہاجرین کے مسلسل بہاؤ کے مقابلے میں کچھ نہ تھیں جنہیں وہ روکنے میں ناکام رہے۔ مکہ کے کچھ بڑے گھر اب خالی پڑے تھے، اور جو گھر بھرے ہوئے تھے، وہ اب ایک یا دو بوڑھے افراد کے سوا خالی ہو گئے تھے۔ دس سال پہلے جو شہر خوشحال اور ہم آہنگ نظر آتا تھا، وہ اب مکمل طور پر بدل چکا تھا، اور اس کی وجہ صرف ایک شخص تھا۔ لیکن ان غمگین اور افسردہ جذبات کے آنے اور جانے کے باوجود، شمال میں موجود اس شہر سے بڑھتے ہوئے خطرے کا شعور مستقل طور پر موجود تھا، جہاں اب بہت سے ممکنہ دشمن اکٹھے ہو رہے تھے۔ وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کے الفاظ "قریش، میں تمہیں قتل وغارت کی خبر دیتا ہوں" سن چکے تھے، ان الفاظ کو کبھی نہیں بھولے، حالانکہ اس وقت ان کے لیے خوف کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن اگر نبی ﷺ اب ان کی نگرانیوں کے باوجود نکل گئے اور یثرب پہنچ گئے، تو یہ الفاظ محض دھمکی نہیں رہیں گے۔

مطعم بن عدی کی وفات نے قریش کو مزید کارروائی کا موقع دیا، اور ابو لہب نے جان بوجھ کر قریش کے سرداروں کی مجلس سے خود کو دور رکھا، جو اب دار الندوہ میں جمع تھے۔ طویل بحث کے بعد، جب مختلف تجاویز پیش کی گئیں اور مسترد ہوئیں، تو ابو جہل کا منصوبہ، جسے وہ واحد موثر حل سمجھتے تھے، منظور کر لیا گیا، اگرچہ کچھ لوگ اسے ہچکچاہٹ کے ساتھ قبول کر رہے تھے۔ ہر قبیلے کو ایک مضبوط، قابل اعتماد اور بااثر نوجوان چننا تھا، اور ایک مقررہ وقت پر یہ سب مل کر محمد ﷺ پر حملہ کرتے، اور ہر کوئی آپ کو ایک جان لیوا وار مارتا، تاکہ آپ کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے۔ بنی ہاشم قریش کے پورے قبیلے سے جنگ نہ کر سکتے، انہیں بدلے کے بجائے خون بہا قبول کرنا پڑتا، جو انہیں پیش کیا جاتا؛ اور اس طرح آخر کار قریش اس شخص سے چھٹکارا حاصل کر لیتے جو زندہ رہتے ہوئے انہیں سکون نہ لینے دیتا۔

جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو بتایا کہ کیا کرنا ہے۔ دوپہر کا وقت تھا، جو ملاقات کے لیے غیر معمولی وقت تھا، لیکن نبی ﷺ سیدھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، جنہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ کچھ اہم واقعہ پیش آیا ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بڑی بہن اسماء اپنے والد کے ساتھ موجود تھیں جب نبی ﷺ اندر آئے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ نے مجھے اجازت دی ہے کہ میں شہر چھوڑ دوں اور ہجرت کروں۔" ابو بکر نے کہا: "میرے ساتھ؟" آپ نے فرمایا: "تیرے ساتھ۔" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، جو اس وقت سات سال کی تھیں، بعد میں کہا کرتی تھیں: "اس دن سے پہلے میں نہیں جانتی تھی کہ خوشی کے مارے رونا بھی ممکن ہے، یہاں تک کہ میں نے ابو بکر کو یہ الفاظ سن کر روتے دیکھا۔"

جب قریش نے اپنی سازش مکمل کر لی، نبی کریم ﷺ اپنے گھر واپس آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ وہ یثرب کے لیے روانہ ہونے والے ہیں، اور انہیں ہدایت کی کہ وہ مکہ میں ٹھہریں یہاں تک کہ وہ ان تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں جو نبی ﷺ کے پاس حفاظت کے لیے رکھی گئی تھیں۔ نبی ﷺ ہمیشہ "امین" کے لقب سے مشہور رہے تھے، اور اب بھی بہت سے کفار آپ پر اپنی جائیداد کے معاملے میں ویسا ہی اعتماد کرتے تھے جیسا کسی اور پر نہ کرتے۔ آپ نے حضرت علی کو یہ بھی بتایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے قریش کی سازش کے بارے میں کیا خبر دی تھی۔

وہ نوجوان جو نبی ﷺ کو قتل کرنے کے لیے منتخب کیے گئے تھے، رات کے وقت آپ کے دروازے کے باہر جمع ہونے پر متفق تھے۔ لیکن جب تک ان کی تعداد مکمل نہ ہوئی، وہ دروازے کے باہر انتظار کرتے رہے اور گھر سے خواتین کی آوازیں سنیں، جن میں حضرت سودہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام ایمن کی آوازیں شامل تھیں۔ یہ آوازیں سن کر وہ کچھ دیر کے لیے رک گئے، اور ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر وہ دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہوئے تو عربوں میں ان کے نام ہمیشہ کے لیے بے عزت ہو جائیں گے کیونکہ انہوں نے خواتین کی حرمت کو پامال کیا۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ صبح کے وقت تک انتظار کریں گے، جب نبی ﷺ معمول کے مطابق باہر آئیں گے، اگر وہ پہلے باہر نہ نکلے۔

نبی ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی موجودگی کا علم ہو گیا۔ نبی ﷺ نے اپنی ایک چادر لی، جو آپ سونے کے لیے استعمال کرتے تھے، اور حضرت علی کو دی۔ آپ نے فرمایا: "تم میرے بستر پر سو جاؤ اور اس چادر میں لپٹ جاؤ، تمہیں ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" پھر آپ نے سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کی، اور جب آپ ان الفاظ پر پہنچے: "اور ہم نے ان پر پردہ ڈال دیا، سو وہ کچھ نہیں دیکھتے"، تو آپ گھر سے باہر نکل گئے۔ اللہ نے ان کی آنکھوں سے بینائی لے لی، اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے، اور آپ ان کے درمیان سے گزر کر اپنی راہ پر چل دیے [1]۔

ایک شخص، جو مخالف سمت سے آ رہا تھا، نبی ﷺ کو پہچان گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نبی ﷺ کے گھر کے قریب سے گزرا اور دروازے پر موجود لوگوں کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر تم محمد ﷺ کو ڈھونڈ رہے ہو تو وہ یہاں نہیں ہیں، بلکہ کچھ دیر پہلے نکل گئے ہیں۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اس نے خود نبی ﷺ کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا، اور وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ آپ گھر سے باہر نہیں نکلے۔ لیکن جب ان میں سے ایک نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو بستر پر کوئی شخص سبز چادر میں لپٹا ہوا نظر آیا، اور اس نے باقی ساتھیوں کو یقین دلایا کہ نبی ﷺ ابھی گھر میں ہی ہیں۔

تاہم، جب صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چادر میں لپٹے ہوئے اٹھے اور دروازے پر آئے، تو وہ جان گئے کہ ان کے ساتھ کوئی چالاکی ہو چکی ہے۔ وہ کچھ دیر اور رکے رہے، لیکن جب صفر کے مہینے کی آخری تاریخ کا ہلال مشرقی پہاڑیوں پر نمودار ہوا اور روشنی بڑھنے لگی، تو وہ مایوس ہو کر اپنے قبیلوں کے سرداروں کے پاس گئے تا کہ انہیں خبردار کر سکیں۔

[1] XXXVI,9.

XXXVII

The Hijrah

ہجرت

اسی دوران نبی کریم ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے، اور وقت ضائع کیے بغیر وہ ابو بکر کے گھر کے پچھلے حصے میں موجود ایک کھڑکی سے باہر نکلے، جہاں دو اونٹنیاں پہلے ہی زین کسی ہوئی موجود تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک اونٹنی پر سوار ہوگئے، اور دوسری پر ابو بکر رضی اللہ عنہ سوار ہوئے، ان کے ساتھ ان کے بیٹے عبد اللہ بھی تھے۔ جیسا کہ منصوبہ تھا، وہ جنوب کی جانب ثور کے پہاڑ میں ایک غار کی طرف روانہ ہوئے، جو یمن کے راستے پر تھا، کیونکہ انہیں علم تھا کہ جیسے ہی نبی ﷺ کی غیر موجودگی کا پتہ چلے گا، تلاش کرنے والے گروہ شہر کے شمالی علاقوں میں تلاش شروع کر دیں گے۔

جب وہ مکہ کی حدود سے کچھ دور پہنچے، تو نبی ﷺ نے اپنی اونٹنی روکی، اور پیچھے مڑ کر مکہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اے اللہ کی زمین، تو میرے لیے سب سے عزیز ہے اور اللہ کے نزدیک بھی سب سے عزیز ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔"

عامر بن فہیرہ، وہ چرواہا جسے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غلامی سے آزاد کیا تھا اور اپنی بکریوں کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا تھا، ان کے پیچھے اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ ان کے نشانات مٹانے کے لیے چل رہا تھا۔ جب وہ غارِ ثور پہنچے، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو اونٹنیاں لے کر گھر واپس بھیج دیا، اور انہیں ہدایت کی کہ اگلے دن مکہ میں نبی ﷺ کی غیر موجودگی کے بارے میں جو کچھ کہا جائے، اسے سنیں اور اگلی رات آکر اطلاع دیں۔

عامر بن فہیرہ دن کے وقت اپنی بکریوں کو دوسرے چرواہوں کے ساتھ چراتے اور رات کو انہیں غار کے پاس لے آتے، ہمیشہ عبد اللہ کے راستے کے نشانات مٹاتے ہوئے، جو ثور اور مکہ کے درمیان آتے جاتے تھے۔

اگلی رات عبد اللہ واپس غار آئے اور ان کی بہن اسماء رضی اللہ عنہا بھی کھانے کا سامان لے کر آئیں۔ ان کی خبر یہ تھی کہ قریش نے نبی ﷺ کو ڈھونڈ کر مکہ واپس لانے والے کو سو اونٹوں کا انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔ سوار پہلے ہی مکہ سے مدینہ کے تمام عام راستوں پر نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پیچھا کر رہے تھے، کیونکہ یہ مان لیا گیا تھا کہ ابو بکر بھی نبی ﷺ کے ساتھ ہیں، کیونکہ وہ بھی غائب تھے۔

لیکن کچھ لوگ، شاید عبد اللہ کو علم نہ تھا، یہ سمجھتے تھے کہ نبی ﷺ مکہ کے آس پاس پہاڑوں میں موجود کسی غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ مزید برآں، صحرائی عرب بہترین سراغ رساں ہوتے ہیں: چاہے بکریوں کا ایک ریوڑ دو یا تین اونٹوں کے پیچھے چلا ہو، اوسطاً ایک بدوی بھی بڑی اونٹنی کے نشانات کا اندازہ لگا سکتا تھا، جو بکریوں کے قدموں سے تقریباً مٹ چکے تھے۔

یہ امکان کم تھا کہ وہ مکہ کے جنوب میں ہوں گے، لیکن اتنے بڑے انعام کے لیے ہر ممکن راستہ آزمایا جا رہا تھا۔ اور ان نشانات پر، جو غارِ ثور کی سمت جا رہے تھے، اونٹنیوں نے یقینی طور پر بکریوں سے پہلے سفر کیا تھا۔

تیسرے دن، ان کے پہاڑی پناہ گاہ کی خاموشی ٹوٹ گئی...

غار میں ابھی سکون ہی تھا کہ باہر سے پرندوں کی آواز آنے لگی۔ وہ پہاڑی کبوتروں کا جوڑا لگ رہا تھا، جو غار کے قریب پھڑ پھڑا رہے تھے اور گنگنا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد، نیچے کسی فاصلے سے مردوں کی دھیمی آوازیں سنائی دیں، جو آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں، گویا وہ پہاڑ کی ڈھلان پر چڑھ رہے ہوں۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے آنے کا وقت رات کے بعد تھا، لیکن ابھی سورج غروب ہونے میں کچھ گھنٹے باقی تھے، حالانکہ غار کے اندر عجیب طور پر روشنی بہت کم تھی۔ آوازیں اب قریب پہنچ چکی تھیں، کم از کم پانچ یا چھ آدمی تھے، اور وہ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"[1]

پھر فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے، دو کے بارے میں جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو؟"[3]

اب ان کے قدموں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، جو قریب آ کر رک گئی۔ وہ آدمی غار کے باہر کھڑے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا کہ غار کے اندر جانے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ یہاں کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد وہ واپس لوٹ گئے۔

جب ان کے قدموں اور آوازوں کی گونج معدوم ہو گئی، تو نبی کریم ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ غار کے دہانے تک آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ غار کے سامنے ایک ببول کا درخت کھڑا ہے، جو صبح کے وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ درخت کے اور غار کی دیوار کے درمیان جو خلا تھا، اس پر ایک مکڑی نے اپنا جالا بنا رکھا تھا۔ انہوں نے جالے کے پار دیکھا تو ایک چٹان کے کھوکھلے حصے میں، جہاں کوئی انسان قدم رکھ سکتا تھا، ایک پہاڑی کبوتر نے گھونسلا بنا لیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنے انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہے، جبکہ اس کا ساتھی قریب کی ایک چٹان پر بیٹھا ہوا تھا۔

جب رات کے مقررہ وقت پر عبد اللہ اور ان کی بہن اسماء رضی اللہ عنہما پہنچے، تو نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے احتیاط سے جالے کو ایک طرف ہٹایا، کبوتر کو پریشان کیے بغیر باہر آئے اور ان سے ملاقات کی۔ اس بار عامر بن فہیرہ بھی آیا، لیکن اپنی بکریوں کے بغیر۔ وہ اس بدوی کو لے آیا تھا جس کے حوالے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں کی تھیں۔ یہ بدوی ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، لیکن وہ ان کا راز رکھنے اور ایسی راستوں سے لے جانے کے لیے قابلِ اعتماد تھا، جنہیں صرف ایک حقیقی صحرائی شخص جان سکتا تھا۔ وہ نیچے وادی میں ان کے لیے دو اونٹنیاں اور اپنے لیے ایک تیسری اونٹنی لے کر انتظار کر رہا تھا۔

اسماء رضی اللہ عنہا کھانے کا تھیلا لے کر آئی تھیں، لیکن رسّی لانا بھول گئی تھیں، چنانچہ انہوں نے اپنی کمر کا پٹکا اتارا اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ تھیلے کو اپنے والد کی زین سے باندھنے کے لیے استعمال کیا اور دوسرا اپنے لیے رکھا۔ اس وجہ سے انہیں "ذَاتُ النِّطَاقَيْنِ" (دو پٹکوں والی) کا لقب ملا۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو بہتر اونٹنی پیش کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں ایسی اونٹنی پر سوار نہیں ہوں گا جو میری اپنی نہ ہو۔"

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یا رسول اللہ، یہ تو آپ کی ہی ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، لیکن تم نے اس کی قیمت کیا دی؟"

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قیمت بتائی، اور نبی ﷺ نے فرمایا: "میں اسے اسی قیمت پر لیتا ہوں۔"

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مزید اصرار نہیں کیا کہ اسے تحفہ قبول کریں، حالانکہ نبی ﷺ پہلے ان سے کئی تحائف قبول فرما چکے تھے۔ لیکن یہ موقع خاص تھا، کیونکہ یہ ہجرت تھی، جس میں نبی ﷺ نے اللہ کی خاطر گھر اور وطن کے تمام تعلقات منقطع کر دیے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی سب سے عظیم قربانی تھی۔

[1] IX, 40. [2] B. LVII, 5.

نبی کریم ﷺ نے اپنے عملِ ہجرت کے دوران ہر چیز کو اللہ کی رضا کے لیے مخصوص رکھا۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اسی اونٹنی پر سوار ہوں گے جو ان کی اپنی ہو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قیمت بتائی اور نبی ﷺ نے اسے قبول کر لیا۔ یہ اونٹنی "قصواء" کہلائی اور وہ آپ ﷺ کی پسندیدہ اونٹنی بن گئی۔

ان کے رہنما نے مکہ سے مغرب اور جنوب کی جانب لے جا کر انہیں بحیرۂ احمر کے کنارے تک پہنچایا۔ مدینہ مکہ کے شمال میں واقع تھا، لیکن رہنما نے احتیاطاً ساحلی راستے کا انتخاب کیا تاکہ تعاقب کرنے والوں کو دھوکہ دیا جا سکے۔ کئی دنوں تک وہ اس ساحلی راستے پر چلتے رہے۔

ایک شام، جب انہوں نے دریا کے پار نیو بین صحرا کی طرف دیکھا، تو نئے چاند کو دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا:

"اے بھلائی اور ہدایت کے ہلال، میرا ایمان اس پر ہے جس نے تجھے پیدا کیا۔[1]"

ایک صبح، انہیں ایک چھوٹا قافلہ اپنی طرف آتا دکھائی دیا، لیکن یہ پریشانی جلد خوشی میں بدل گئی کیونکہ وہ قافلہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی طلحہ کا تھا۔ طلحہ شام سے واپسی پر مکہ جا رہے تھے اور راستے میں یثرب (مدینہ) میں رکے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ کو بتایا کہ مدینہ میں آپ ﷺ کی آمد کا شدت سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ روانگی سے پہلے، انہوں نے آپ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سفید شامی لباس کے جوڑے تحفے میں دیے۔

کچھ دن بعد، وہ سیدھے شمال کی طرف اور پھر شمال مشرق کی طرف مدینہ کے راستے پر روانہ ہو گئے۔ راستے میں نبی ﷺ پر وحی نازل ہوئی:

"یقیناً جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو واپس لانے والا ہے۔[2]"

غار چھوڑنے کے بارہویں دن، فجر سے کچھ پہلے، وہ "وادیٔ عقیق" پہنچے۔ اس وادی کو عبور کرنے کے بعد، وہ دوسری طرف کے کالے پہاڑی ڈھلان پر چڑھے۔ جب وہ چوٹی پر پہنچے تو سامنے وہی منظر تھا جو نبی ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا:

"دو سیاہ پتھریلی وادیوں کے درمیان خوب سیراب زمین۔"

سامنے کھجور کے درختوں کے سبز-سرمئی جھنڈ اور باغات کے ہلکے سبز حصے نظر آ رہے تھے، جو پہاڑی کے دامن سے تین میل کے فاصلے تک پھیلے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے اپنے رہنما کو حکم دیا:

"ہمیں بنی عمرو کے علاقے قبا تک لے چلو، لیکن ابھی شہر (مدینہ) کے قریب نہ جانا۔"

قبا، مدینہ کے قریب ایک بستی، وہ جگہ تھی جہاں اکثر مہاجرین مکہ سے آ کر پہلے قیام کرتے تھے۔ مدینہ کا وہ شہر جہاں آپ ﷺ نے جانا تھا، جلد ہی "مدینۃ النبی" کے نام سے مشہور ہو گیا، جسے دنیا آج "مدینہ" کے نام سے جانتی ہے۔

چند دن قبل مکہ سے نبی ﷺ کی گمشدگی کی خبر قبا پہنچ چکی تھی، اور مدینہ میں ہر کوئی آپ ﷺ کے استقبال کا منتظر تھا۔

[1] A.H. V, 329.
[2] XXVIII,85.

اُن خبروں کے بارے میں جو انعام کی پیشکش کے ساتھ اُن (نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے بارے میں مدینہ کے لوگوں تک پہنچ چکی تھیں، قبا کے لوگ روزانہ ان کی آمد کے منتظر تھے کیونکہ ان کے پہنچنے کا وقت گزر چکا تھا۔ ہر صبح فجر کی نماز کے بعد بنی عمر کے کچھ لوگ ان کے استقبال کے لیے نکلتے اور ان کے ساتھ دیگر قبائل کے لوگ بھی شامل ہو جاتے جو اُس گاؤں میں رہتے تھے، اور وہ مہاجر قریش بھی جو ابھی مدینہ منتقل نہیں ہوئے تھے۔

یہ لوگ کھیتوں اور کھجور کے باغات سے آگے، لاوے کی زمین تک پہنچ کر کچھ دور چلتے، اور جب دھوپ کی شدت زیادہ ہو جاتی تو واپس لوٹ آتے۔ اُس صبح بھی وہ لوگ نکلے لیکن جب چار مسافر پہاڑی ڈھلان سے نیچے اترنا شروع ہوئے، تو وہ پہلے ہی واپس جا چکے تھے۔ اب کوئی بھی اُس طرف دیکھنے کی امید میں نہیں تھا، لیکن سورج کی روشنی نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نئے سفید کپڑوں کو چمکا دیا، جو نیلے سیاہ آتش فشانی پتھروں کے پس منظر میں مزید نمایاں ہو گئے تھے۔

ایک یہودی، جو اپنے گھر کی چھت پر موجود تھا، نے انہیں دیکھ لیا اور فوراً پہچان لیا کہ یہ کون ہو سکتے ہیں، کیونکہ قبا کے یہودیوں نے اپنے ہمسایوں سے یہ معلوم کیا تھا کہ وہ روزانہ صبح صحراء میں کیوں جاتے ہیں۔ اُس نے بلند آواز میں پکارا: "اے قبیلہ قیلہ کے لوگو، وہ آ گئے ہیں، وہ آ گئے ہیں!"

یہ آواز سنتے ہی لوگ، عورتیں اور بچے گھروں سے نکل کر اس سبز پٹی کی طرف دوڑ پڑے جو پتھریلی زمین کی طرف لے جاتی تھی، لیکن اُنہیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ مسافر اب کھجور کے سب سے باہر والے باغ تک پہنچ چکے تھے۔ ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
"اے لوگو، ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں دو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، رشتہ داری کے حقوق ادا کرو، اور رات کے اوقات میں جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز ادا کرو۔ تب تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔[1]"

یہ طے پایا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قبا کے ایک بزرگ کلثوم کے گھر قیام فرمائیں گے، جنہوں نے پہلے حمزہ رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہما کو بھی مکہ سے آمد پر اپنے گھر میں ٹھہرایا تھا۔ بنی عمر، کلثوم کا قبیلہ، اوس کے قبیلے سے تھا۔ اسی دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ خزرج کے ایک آدمی کے ہاں گاؤں سنہ میں قیام کیا، جو مدینہ کے کچھ قریب تھا۔

کچھ دنوں بعد علی رضی اللہ عنہ مکہ سے آئے اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ہی قیام کیا۔ اُنہیں تین دن لگے مکہ میں لوگوں کی امانتیں واپس کرنے میں، جو اُن کے پاس جمع تھیں۔

کئی لوگ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملاقات کے لیے آئے، اور اُن میں کچھ مدینہ کے یہودی بھی تھے، جنہیں زیادہ تر تجسس کھینچ لایا تھا۔ لیکن دوسرے یا تیسرے دن ایک شخص آیا جو ظاہری طور پر باقی سب سے مختلف تھا، نہ وہ عرب لگتا تھا اور نہ یہودی۔

یہ سلمان فارسی تھے، جنہوں نے زرتشتی خاندان میں اصفہان کے قریب جےؔ نامی گاؤں میں جنم لیا تھا لیکن بعد میں عیسائی ہو گئے تھے۔ وہ نوجوانی میں شام چلے گئے تھے، جہاں انہوں نے ایک بزرگ پادری سے تعلق قائم کیا۔ اُس پادری نے اپنی وفات کے وقت سلمان کو نصیحت کی کہ وہ موصل کے پادری سے جا ملیں، جو خود بھی ضعیف تھے لیکن انتہائی نیک اور دیانتدار انسان تھے۔

[1] I.S. I/I, 159.

"وہ دینِ ابراہیم کے ساتھ بھیجے جائیں گے اور عرب میں ظاہر ہوں گے، جہاں وہ اپنے گھر سے ہجرت کر کے دو آتش فشانی میدانوں کے درمیان ایک جگہ جائیں گے، جو کھجوروں کا ملک ہو گا۔ ان کی نشانیاں واضح ہیں: وہ تحفہ قبول کریں گے لیکن صدقہ قبول نہیں کریں گے؛ اور ان کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر ہو گی۔"

سلمان نے اس نبی کے پاس پہنچنے کا فیصلہ کیا اور قبیلہ کلب کے تاجروں کے ایک گروہ کو معاوضہ دیا کہ وہ انہیں عرب لے جائیں۔ لیکن جب وہ بحیرہ احمر کے شمال میں وادی القریٰ پہنچے تو ان تاجروں نے سلمان کو ایک یہودی کے ہاتھوں غلام کے طور پر بیچ دیا۔ وادی القریٰ میں کھجوروں کے درخت دیکھ کر سلمان نے سوچا کہ شاید یہی وہ بستی ہے جس کی وہ تلاش میں تھے، لیکن انہیں شک ہوا۔

جلد ہی وہ یہودی سلمان کو مدینہ لے آیا اور اپنے بنی قریظہ کے ایک رشتہ دار کو بیچ دیا۔ جیسے ہی سلمان نے مدینہ کی زمین اور کھجوروں کے باغات کو دیکھا، ان کے شک ختم ہو گئے اور وہ یقین کر بیٹھے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں نبی ہجرت کریں گے۔

سلمان کے نئے مالک کا ایک اور رشتہ دار قبا میں رہتا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ قبا پہنچے تو اس یہودی نے مدینہ جا کر اپنے رشتہ دار کو یہ خبر دی۔ سلمان اس وقت کھجور کے ایک درخت پر کام کر رہے تھے، جب انہوں نے اپنے مالک کے اس رشتہ دار کو کہتے سنا: "اللہ قبیلہ قیلہ کے بیٹوں پر لعنت کرے! وہ قبا میں اُس شخص کے گرد جمع ہو گئے ہیں جو آج مکہ سے آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک نبی ہیں۔"

یہ الفاظ سن کر سلمان کا دل یقین سے بھر گیا، اور ان پر ایسا اثر ہوا کہ ان کا پورا جسم کانپنے لگا۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں وہ درخت سے گر نہ جائیں، چنانچہ وہ نیچے اتر آئے۔ زمین پر پہنچ کر سلمان نے اس یہودی سے بے صبری سے سوالات کرنے شروع کیے، لیکن ان کے مالک کو غصہ آیا اور انہیں واپس درخت پر کام کرنے کا حکم دیا۔

اسی شام سلمان خاموشی سے قبا کی طرف نکلے، اپنے ساتھ کچھ کھانے کا سامان لے کر جو انہوں نے بچا رکھا تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جو اپنے نئے اور پرانے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمان پہلے ہی دل سے یقین رکھتے تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے نبی کریم ﷺ کو کھانا پیش کیا اور کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو کھانے کا حکم دیا، لیکن خود نہیں کھایا۔

سلمان امید رکھتے تھے کہ وہ ایک دن نبوت کی مہر دیکھ سکیں گے، لیکن پہلی ملاقات میں نبی کریم ﷺ کی موجودگی اور ان کے کلام کو سننا ان کے لیے کافی تھا۔ وہ خوشی اور شکر گزاری کے جذبات کے ساتھ مدینہ واپس لوٹ گئے۔

XXXVIII

The Entry into Medina

مدینہ میں داخلہ

نبی کریم ﷺ پیر 27 ستمبر 622 عیسوی کو وادیِ قبا پہنچے۔ مختلف پیغامات سے یہ واضح ہو گیا کہ مدینہ کے لوگ آپ کی آمد کے لیے بے تاب ہیں، لہذا آپ نے قبا میں صرف تین مکمل دن گزارے، جن دوران آپ نے اسلام میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھی۔ جمعہ کے دن صبح کو آپ قبا سے روانہ ہوئے، اور دوپہر کو آپ اور آپ کے ساتھی وادیِ رانونہ میں رکے جہاں بنی سلیم قبیلے کے خزرجی لوگ آپ کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے اور آپ سے نماز پڑھنے کی درخواست کی۔ یہ وہ پہلی جمعہ کی نماز تھی جو آپ نے اس ملک میں پڑھی جو اب آپ کا وطن بننے والا تھا۔ آپ کے بعض قریبی رشتہ دار بنی نجار کے لوگ آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے اور بعض بنی عمرو نے قبا سے آپ کا ساتھ دیا تھا، جس کے نتیجے میں پوری جماعت تقریباً سو افراد پر مشتمل ہو گئی۔ نماز کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنی اونٹنی **قسوا** پر سوار ہوئے، اور ابو بکر اور قریش کے دوسرے لوگ بھی اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر آپ کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے دائیں بائیں، زرہ پہنے ہوئے اور تلواریں نکالے ہوئے، اوس اور خزرج کے لوگ سرفراز کی صورت میں آپ کے ساتھ تھے، تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ جس عہد کی انہوں نے آپ کی حفاظت کے لیے کی تھی، وہ محض لفظوں کا نہیں تھا، حالانکہ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ اس وقت آپ کو کسی حفاظت کی ضرورت نہیں تھی۔ کبھی بھی اتنا خوشی کا دن نہیں آیا تھا۔ "آگیا اللہ کا پیغمبر! آگیا اللہ کا پیغمبر!" یہ خوشی کی آوازیں تھی جو مردوں، عورتوں اور بچوں کے جوق در جوق آوازوں میں سنی جا رہی تھیں جو راستے کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ **قسوا** نے جلوس کی سست اور مرتب رفتار کو قائم رکھا کیونکہ وہ مدینہ کے جنوب میں باغات اور کھجور کے درختوں کے بیچ سے گزر رہے تھے۔ گھروں کا تناسب ابھی کم تھا اور فاصلے پر تھے، لیکن آہستہ آہستہ وہ زیادہ آباد علاقوں میں داخل ہوئے، اور بہت سی دل سے پیشکشیں کی گئیں۔ "اے اللہ کے پیغمبر، یہاں قیام فرمائیں، ہمارے پاس آپ کے لیے طاقت اور حفاظت ہے، اور یہاں رزق کی فراوانی ہے۔" بار بار ایک شخص یا ایک گروہ نے قسوا کی لگام کو پکڑا۔ مگر ہر بار نبی کریم ﷺ نے ان کو دعا دی اور فرمایا: "اسے اس کے راستے پر جانے دو، کیونکہ وہ اللہ کے حکم میں ہے۔"

"ایک موقع پر ایسا لگا جیسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کے 'عدی' شاخ کے گھروں کی طرف جا رہی تھی جو عظیم خزرجی قبیلے نجار کی شاخ سے تھے، کیونکہ وہ شہر کے مشرقی حصے کی طرف مڑ گئی جہاں زیادہ تر قبیلہ رہتا تھا۔ لیکن وہ اس جگہ سے گزر گئی جہاں انہوں نے بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ قیام کیا تھا اور ان تمام گھروں سے بھی جن کے قریب ترین رشتہ دار تھے، باوجود اس کے کہ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ وہاں اپنا گھر بنائیں۔"

نبی کریم ﷺ نے انہیں وہی جواب دیا جو آپ نے دوسروں کو دیا تھا، اور وہ بس سر تسلیم خم کر کے رہ گئے۔ آپ اب بنی نجار کی مالک شاخ کے گھروں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اس ذیلی قبیلے میں وہ چھ افراد شامل تھے جنھوں نے پہلی بیعتِ عقبہ سے پہلے آپ سے بیعت کی تھی، یعنی اسعد اور عوف؛ اور یہاں قسوا سڑک سے ہٹ کر ایک بڑی دیوار والی صحن میں داخل ہو گئی، جس میں چند کھجور کے درخت اور ایک عمارت کے کھنڈرات تھے۔ ایک کونے میں قبرستان استعمال ہوتا تھا۔ وہاں کھجوروں کو خشک کرنے کی جگہ بھی بنی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ ایک کھردری باڑ کی طرف بڑھتی گئی، جو اسعد نے نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کیا تھا، اور وہاں پہنچ کر اس نے گھٹنے ٹیک دیے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی لگام چھوڑ دی، لیکن خود نہ اترے؛ اور کچھ لمحوں بعد قسوا اپنے پیروں پر اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ لیکن وہ زیادہ دور نہیں گئی کہ وہ رک گئی، پیچھے مڑی اور پھر اس جگہ واپس آ کر دوبارہ گھٹنے ٹیک دیے۔ اس بار اس نے اپنا سینہ زمین پر مسل کر لگا لیا۔ نبی کریم ﷺ اترے اور فرمایا: "یہ، اگر اللہ چاہے، مسکن ہے۔"[1]

پھر آپ نے پوچھا کہ یہ صحن کس کا ہے، اور معاذ، عوف کے بھائی، نے بتایا کہ یہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کا ہے۔ وہ اسعد کی سرپرستی میں تھے، اور نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ انہیں میرے پاس لے آؤ، لیکن وہ پہلے ہی وہاں موجود تھے اور آپ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ یہ صحن آپ کو بیچیں گے، اور انہیں قیمت بتانے کو کہا، لیکن انہوں نے کہا: "نہیں، ہم یہ تمہیں دیتے ہیں، اے اللہ کے پیغمبر۔" تاہم، نبی کریم ﷺ نے اسے تحفہ کے طور پر قبول نہیں کیا، اور قیمت اسعد کی مدد سے طے کی گئی۔ اس دوران ابو ایوب خالد، جو قریب میں رہتے تھے، نے سامان کھول کر اپنے گھر میں رکھ دیا۔ اب قبیلے کے دوسرے لوگ آئے اور نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ان کے یہاں قیام کریں، لیکن آپ نے فرمایا: "آدمی اپنے سامان کے ساتھ ہونا چاہیے۔" ابو ایوب وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے دوسری بیعتِ عقبہ میں حصہ لیا تھا۔ وہ اور ان کی بیوی اب اوپر کی منزل پر چلے گئے، اور نبی کریم ﷺ کے لیے نیچے کا پورا حصہ چھوڑ دیا؛ جبکہ اسعد نے قسوا کو اپنے گھر کے صحن میں باندھ دیا، جو قریب ہی تھا۔

[1] B. LXIII

XXXIX

Harmony and Discord

ہم آہنگی اور اختلاف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کا نیا حاصل کردہ صحن مسجد میں تبدیل کیا جائے، اور قبا کی طرح فوراً اس پر کام شروع کر دیا گیا۔ بیشتر عمارت اینٹوں سے تعمیر کی گئی، لیکن شمالی دیوار یعنی بیت المقدس والی دیوار کے بیچ میں نماز کے مقام کے دونوں طرف پتھر لگائے گئے۔ صحن میں موجود کھجور کے درخت کاٹ کر ان کے تنوں کو چھت کے ستون بنانے کے لیے استعمال کیا گیا، لیکن زیادہ تر صحن کھلا چھوڑ دیا گیا۔

مدینہ کے مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "انصار" کا لقب دیا تھا، جس کا مطلب ہے "مدد کرنے والے"، جبکہ مکہ مکرمہ اور دیگر قبائل سے جو لوگ ہجرت کر کے یہاں آئے تھے، انہیں "مھاجرین" یعنی "ہجرت کرنے والے" کہا۔ اس کام میں سب نے حصہ لیا، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے، اور جب وہ کام کر رہے تھے تو وہ ایک اشعار کی دو مصرعے پڑھتے تھے جو ان میں سے کسی نے اس موقع کے لیے بنائے تھے:

"اے اللہ، کوئی بھلائی نہیں مگر آخرت کی بھلائی،
پس مدد کر انصار اور مہاجرین کی۔"

اور کبھی وہ یوں گاتے تھے:

"یہاں کوئی زندگی نہیں مگر آخرت کی زندگی،
رحمت ہو، اے اللہ، مہاجرین اور انصار پر۔"

امید کی جا رہی تھی کہ ان دونوں گروپوں کو ایک تیسرا گروپ بھی مضبوط کرے گا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اب اپنے پیروکاروں اور مدینہ کے یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ کیا جس کے تحت دونوں کو ایک ہی کمیونٹی کا حصہ بنایا گیا، مگر ان دونوں مذاہب کے درمیان فرق کو برقرار رکھا گیا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کو برابر کا درجہ دیا گیا۔ اگر کسی یہودی کے ساتھ ظلم ہوتا تو اسے مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کی مدد سے انصاف دلایا جائے گا، اور اسی طرح اگر کسی مسلمان کے ساتھ زیادتی ہوتی۔ مشرکوں کے خلاف جنگ میں دونوں کو ایک ہی قوم کے طور پر لڑنا تھا، اور نہ یہودیوں کو علیحدہ صلح کرنے کی اجازت تھی نہ مسلمانوں کو، بلکہ امن کو ایک ہی حصے میں تسلیم کیا جائے گا۔ اختلافات یا تنازعات کی صورت میں معاملہ اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ تاہم، یہودیوں سے کوئی مخصوص شرط یہ نہیں تھی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسمی طور پر پیغمبر کے طور پر تسلیم کریں۔

اللہ کے پیغمبر اور رسول کے طور پر، اگرچہ انہیں اس دستاویز میں یہی لقب دیا گیا تھا، مگر وہ اس کے باوجود یہودیوں کی جانب سے اس معاہدے کو سیاسی وجوہات کی بنا پر تسلیم کیا گیا۔ نبی ﷺ پہلے ہی مدینہ کے سب سے طاقتور آدمی بن چکے تھے اور ان کی طاقت میں مزید اضافہ ہونے کی توقع تھی۔ ان کے پاس اس معاہدے کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا؛ تاہم ان میں سے بہت کم لوگ یہ ماننے کے قابل تھے کہ اللہ ایک ایسا پیغمبر بھیجے گا جو کہ یہودی نہ ہو۔ ابتدائی طور پر وہ ظاہری طور پر خوشگوار تھے، چاہے وہ آپس میں کیا کہتے ہوں اور جتنا وہ اپنے آپ کو تمام لوگوں پر منتخب قوم کی بے نظیر برتری میں ڈوبے ہوئے سمجھتے ہوں، لیکن ان کے نئے مذہب کے بارے میں شک ہمیشہ چھپے رہتے۔ وہ ہمیشہ اس شک کو اس عرب کے ساتھ شیئر کرنے کے لیے تیار رہتے تھے جس کے دل میں وحی کے الہامی ہونے کے بارے میں کوئی سوال ہوتا۔

اسلام آہستہ آہستہ اوس اور خزرج کے قبائل میں پھیل رہا تھا، اور کچھ ایمان لانے والوں کو یہ امید تھی کہ یہودیوں کے ساتھ معاہدے کی بدولت یہ وادی ایک ہم آہنگ مجموعہ بن جائے گی۔ لیکن وحی اب چھپی ہوئی اختلافات کی علامات دے رہی تھی۔ اسی وقت قرآن کی سب سے طویل سورۃ "البقرہ" (گائے) کا نزول شروع ہوا، جو کتاب کے آغاز میں، سورۃ الفاتحہ کے سات آیات کے فوراً بعد رکھی گئی ہے۔ اس کا آغاز ہدایت یافتہ لوگوں کی تعریف سے ہوتا ہے:

"الف، لام، میم۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے پرہیز گاروں کے لیے، جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں؛ اور جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جو آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت کی پیروی کرتے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔[1]"

اس کے بعد کافروں کا ذکر ہے جو حقیقت کے بارے میں بہرے اور اندھے ہیں، اور ایک تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر آتا ہے: "اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں: ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں، حالانکہ وہ ایمان دار نہیں ہیں۔ جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لاتے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ الگ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں؛ ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے۔[2]"

یہ وہ لوگ تھے جو اوس اور خزرج کے منافقین اور شک کرنے والے تھے، اور ان کے شیطان وہ افراد تھے جو کافروں میں سے تھے، جو ہر وقت شک کا بیج بونے کی کوشش کرتے تھے۔ نبی ﷺ کو یہاں ایک مسئلے سے آگاہ کیا جا رہا تھا جس سے وہ مکہ میں بے فکر تھے۔ وہاں جو بھی اسلام قبول کرتا تھا، اس کی سچائی پر کبھی شک نہیں کیا گیا تھا۔ اسلام میں داخل ہونے کے اسباب صرف روحانی ہوتے تھے، کیونکہ دنیاوی لحاظ سے ایک مسلمان ہونے کے لیے کسی کے پاس کچھ حاصل کرنے کے بجائے کھونے کے مواقع زیادہ ہوتے تھے۔ مگر اب نئے دین میں داخل ہونے کے لیے کچھ دنیاوی وجوہات بھی تھیں، اور یہ وجوہات مسلسل بڑھتی جا رہی تھیں۔ منافقوں کا مدینہ میں مسلمانوں کے مرتبہ میں شامل ہونا اب ہمیشہ کے لیے ایک حقیقت بن چکا تھا۔

کچھ شیطان جو ذکر کیے گئے تھے وہ یہودی تھے۔ اسی وحی میں کہا گیا: "کتاب کے اہل میں سے بہت سے لوگ[3] تمہیں تمہارے ایمان کے بعد دوبارہ کفر میں لانا چاہتے ہیں، صرف حسد کی بنا پر جو ان کے دلوں میں ہے۔[4]"

.[1] 11,2-5. [2] 11,8,14. [3] The Bible. 11, 109 [4] II,109

یہودی بڑی بے صبری سے پیشگوئی کیے گئے نبی کی آمد کے منتظر تھے، لیکن یہ انتظار ان کی محبت یا عقیدت کی وجہ سے نہیں تھا۔ نہ اس روحانی روشنی کے لیے جو وہ لائیں گے بلکہ اس لیے کہ وہ یثرب میں اپنی سابقہ برتری دوبارہ حاصل کر سکیں۔؛ اور اب ان کی مایوسی کا سبب یہ تھا کہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ یہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھنے والا، اسحاق علیہ السلام کی نسل نہیں، جو واحد خدا کی سچائی کا اعلان کر رہا تھا، اور یہ کامیابی حقیقی طور پر خدائی مدد کی طرف اشارہ کرتی تھی۔ انہیں خوف تھا کہ یہ وہی وعدہ شدہ نبی ہے، جس کی توقع تھی، اور اسی لیے ان کی حسد بھری نظر اس قوم پر تھی جس کے لیے وہ بھیجا گیا تھا۔ پھر بھی وہ امید کرتے تھے کہ یہ نبی نہیں ہے، اور وہ مسلسل خود کو اور دوسروں کو یہ قائل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ اس میں آسمانی پیغامبر کی تمام ضروری صفات نہیں ہیں۔ "محمد ﷺ کہتا ہے کہ اسے آسمان سے خبریں ملتی ہیں، حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا اونٹ کہاں ہے،" ایک دن یہودیوں کے ایک شخص نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ "میں صرف وہی جانتا ہوں جو اللہ مجھے بتاتا ہے،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو کہا، "اور اللہ نے مجھے یہ دکھایا ہے: وہ وادی میں ہے جس کا میں تمہیں بتاؤں گا، وہ درخت سے بندھا ہوا ہے۔[1] "کچھ انصار گئے اور اسے وہاں پایا جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔

بہت سے یہودیوں نے ابتدا میں اس بات کا خیر مقدم کیا جو کہ یثرب میں مزید خانہ جنگی کے خطرے کے خاتمے کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ اس خطرے میں کوئی شک نہیں کہ کچھ فائدے تھے، کیونکہ عربوں کے درمیان تقسیم نے غیر عربوں کی حیثیت کو بڑھا دیا تھا، جو اتحادیوں کے طور پر بہت مانگ میں تھے۔ لیکن اوس اور خزرج کا اتحاد پرانے اتحادوں کو غیر ضروری بنا دیتا تھا، اور اسی دوران یہ یثرب کے عربوں کو ایک طاقتور قوت عطا کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہودیوں کا عہد ان کے لیے اس طاقت میں شریک ہونے کا امکان پیدا کرتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ انہیں اس ممکنہ جنگ کے لیے ذمہ داری اٹھانی پڑے گی جو کہ وادی سے باہر کی بہت بڑی عرب طاقت کے خلاف ہو سکتی تھی؛ ان کے لیے نئے نظام میں کچھ سنگین نقصانات ہو سکتے تھے جو ابھی تک آزمایا نہیں گیا تھا، جبکہ پرانا نظام وہ جانتے تھے اور اس کے طریقوں میں اتنے ماہر تھے کہ بہت جلد ان میں سے کئی لوگ اس کی طرف لوٹنے کی آرزو رکھنے لگے۔ "بنی قینقاع کے ایک بوڑھے یہودی سیاستدان، جو عرب قبائل کے درمیان اختلافات کو فائدہ اٹھانے میں ماہر تھے، خاص طور پر اوس اور خزرج کے درمیان نئے تعلقات سے مایوس تھے۔

اس لیے انہوں نے اپنے قبیلے کے ایک نوجوان کو جو خوبصورت آواز رکھتا تھا، یہ ہدایت دی کہ وہ انصار کے درمیان بیٹھ کر وہ اشعار سنائے جو اوس اور خزرج کے مردوں نے بُعاث کے بعد اور قبل میں جنگ کے بارے میں تخلیق کیے تھے - دشمنوں کی مذمت، بہادری کے کاموں کی تعریف، مرے ہوئے لوگوں کے لیے مرثیے، اور انتقام کی دھمکیاں۔ نوجوان نے جیسا کہا گیا تھا ویسا کیا، اور جلد ہی اس نے وہاں موجود سب لوگوں کی توجہ حاصل کر لی، انہیں حال سے ماضی میں منتقل کر دیا۔ اوس کے لوگ اوس کے اشعار کی بھرپور داد دیتے تھے اور خزرج کے لوگ خزرج کے اشعار کی، پھر دونوں طرف سے بحث شروع ہوئی، فخر کیا گیا، گالی گلوچ اور دھمکیاں دینے لگے، یہاں تک کہ آخر کار یہ نعرہ نکلا: "ہتھیار اٹھاؤ! ہتھیار اٹھاؤ!" اور وہ دوبارہ جنگ کرنے کے لیے وادی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے تمام مہاجرین کو جمع کیا جو وہاں موجود تھے اور فوراً ان کے پاس پہنچے جہاں دونوں فوجیں پہلے ہی لڑائی کے لیے تیار ہو چکی تھیں۔ "اے مسلمانو،" انہوں نے کہا، اور پھر اللہ کا ذکر کیا۔ "کیا تم وہی سلوک کرو گے جو جاہلیت کے دنوں میں ہوتا تھا، حالانکہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اور اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی ہے، اور تمہیں اس کے ساتھ عزت دی ہے، اور اس کے ذریعے تمہیں مدد دی ہے؟"

[1] I.I. 361.

"اور اسی کے ذریعے تمہیں مشرکانہ طریقوں سے نکلنے کی توفیق دی، اور اسی کے ذریعے تمہیں کفر سے نجات دی، اور اسی کے ذریعے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا؟" فوراً ہی انہیں احساس ہوا کہ وہ گمراہ ہو گئے تھے۔ وہ رو پڑے، ایک دوسرے سے گلے ملے، اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ شہر واپس لوٹ آئے، آپ کے ارشادات پر توجہ دیتے ہوئے اور فرمانبرداری کے ساتھ[1]۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کی کمیونٹی کو مزید متحد کرنے کے لیے، انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک بھائی چارے کا معاہدہ قائم کیا، تاکہ ہر انصاری کا ایک مہاجر بھائی ہو جو اس کے لیے کسی بھی انصاری سے زیادہ قریب ہو، اور ہر مہاجر کا ایک انصاری بھائی ہو جو اس کے لیے کسی بھی مہاجر سے زیادہ قریب ہو۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو اس سے مستثنیٰ کیا، کیونکہ ان کے لیے یہ مناسب نہیں ہوتا کہ وہ انصار میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں، اس لیے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہاتھ میں لے کر کہا: "یہ میرا بھائی ہے"؛ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید کا بھائی بنایا۔

اسلام کے بڑے مخالفوں میں دو کزن تھے، جو دو بہنوں کے بیٹے تھے، لیکن اپنے والدوں کے ذریعے اوس اور خزرج کے تھے، ہر ایک اپنے قبیلے میں بہت بڑی تاثیر رکھتا تھا۔ اوس کا آدمی، ابو عامر، کو کبھی کبھار "راہب" کہا جاتا تھا کیونکہ وہ طویل عرصے سے زاہد تھا اور اسے بالوں کا لباس پہنے ہوئے جانا جاتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو دینِ ابراہیم کا پیروکار قرار دیا تھا اور یثرب کے لوگوں میں کچھ مذہبی اختیار حاصل کر لیا تھا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، ابتدا میں نئی مذہب کے بارے میں پوچھنے کے لیے۔ اس کا جواب وحی کے الفاظ میں دیا گیا جو اس سے پہلے کئی بار دینِ ابراہیم کو واضح کر چکی تھی۔ "لیکن میں تو اس میں ہوں،[2]" ابو عامر نے کہا، اور انکار کے باوجود اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام لگایا کہ انہوں نے دینِ ابراہیم کو تحریف کر دیا ہے۔ "میں نے نہیں کیا،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، "بلکہ میں نے اسے سفید اور خالص شکل میں پیش کیا ہے۔" "اللہ جھوٹے کو اکیلا اور جلاوطن کرے!" ابو عامر نے کہا، "ہاں! اللہ ایسا کرے!" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، "اللہ جھوٹ بولنے والے کے ساتھ ایسا کرے![3]"

ابو عامر نے جلد ہی دیکھا کہ اس کا اختیار تیزی سے کم ہو رہا ہے؛ اور وہ مزید دل شکستہ ہو گیا جب اس کے بیٹے حنظلہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا شروع کی۔ یہ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے اپنے باقی پیروکاروں، جن کی تعداد تقریباً دس تھی، کو مکہ جانے کا فیصلہ کیا، بظاہر یہ نہیں جانتے ہوئے کہ یہ اس کی جلاوطنی کا آغاز تھا۔

اس کے خزرج والے کزن عبداللہ بن ابی تھے، جنہیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے مایوسی ہوئی اور نہ صرف روحانی اختیار بلکہ یثرب کی وادی میں عارضی طاقت سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ اسی طرح اس کو یہ تلخی تھی کہ اس کا بیٹا عبداللہ اور بیٹی جمیلہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار بن گئے تھے۔ لیکن ابو عامر کے برعکس، ابن ابی نے انتظار کرنے کا فیصلہ کیا، یہ سوچ کر کہ جلد یا بدیر نئے آنے والے کا غلبہ کم ہو جائے گا۔ اس دوران اس کی پالیسی یہ تھی کہ وہ جتنا ممکن ہو غیر جانبدار رہے، مگر کبھی کبھی وہ اپنے جذبات کو خود سے چھپانے میں ناکام رہتا تھا۔

ایسی ہی ایک موقع پر خزرج کے دوسرے سردار، سعد بن عبادہ بیمار تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے گئے۔ وادی کے تمام مالداروں کے گھروں کی عمارتیں قلعوں کی طرح تھیں، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر کی طرف جا رہے تھے تو وہ ابن ابی کے قلعہ "مزاحم" کے پاس سے گزرے، جہاں وہ اپنے بعض قبیلہ کے لوگوں اور خزرج کے دیگر افراد کے ساتھ اس کے سائے میں بیٹھا تھا۔ اس سردار کے ساتھ مہذب سلوک کے طور پر،

[1] I.I. 386. [2] 11,135. [3] 1.1. [4] 411- 12

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ سے اتر کر اس کے پاس جا کر اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا، قرآن پڑھا اور اسے اسلام کی دعوت دی۔ جب اس نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو وہ کہنا چاہتا تھا، ابن ابی نے اان کی طرف رخ کیا اور کہا: "تمہاری بات اس وقت بہترین ہو سکتی تھی، اگر یہ سچائی ہوتی۔ پھر اپنے گھر میں بیٹھو، اپنے گھر میں، اور جو تمہارے پاس آئے، اسے ایسی باتیں سناؤ، لیکن جو نہ آئے، اسے اپنی باتوں کا بوجھ نہ دو، اور نہ اس کی مجلس میں ایسی باتیں کرو جو اسے پسند نہ ہوں۔" "نہیں،" ایک آواز آئی، "ہمیں اپنی باتوں کے ساتھ ہمارے درمیان آؤ، ہماری مجلسوں اور گھروں میں آؤ، کیونکہ ہمیں یہی پسند ہے اور یہی وہ چیز ہے جسے اللہ نے اپنی بخشش سے ہمیں عطا کیا ہے، اور اسی پر وہ ہمیں ہدایت دے چکا ہے۔" بولنے والا عبد اللہ بن رواحہ تھا، ایک ایسا شخص جس پر ابن ابی کو ہر موقع پر اعتماد تھا۔ مایوس سردار نے اب اکتاہٹ کے ساتھ ایک مصرعہ پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جب دوست انسان کو چھوڑ دیں تو انسان کو شکست کا سامنا ہوتا ہے۔ اب اسے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مزاحمت کرنا بے فائدہ ہے۔ جہاں تک رسول اللہ کا تعلق ہے، باوجود عبد اللہ کے جو شیلے خراجِ تحسین کے وہ غمگین ہو کر چلے گئے،؛ اور جب وہ بیمار کے گھر میں داخل ہوئے تو جو جواب انہیں ملا تھا، وہ ابھی تک ان کے چہرے پر نمایاں تھا۔ سعد نے فوراً پوچھا کہ انہیں کیا پریشانی ہے، اور جب انہیں ابن ابی کے ناقابلِ سمجھ انکار کے بارے میں بتایا گیا تو سعد نے کہا: "اے اللہ کے پیغمبر، ان کے ساتھ نرمی برتو، کیونکہ جب اللہ نے "آپ کو ہمارے پاس بھیجا، تو ہم اس کے لئے ایک تاج تیار کر رہے تھے تاکہ اسے سرفراز کریں؛ اور وہ دیکھتا ہے کہ آپ نے اس سے ایک سلطنت چھین لی ہے۔"

رسول اللہ ان الفاظ کو کبھی نہیں بھولے؛ اور جہاں تک ابن ابی کا تعلق ہے، اس نے جلد ہی دیکھ لیا کہ اس کا اثر، جو کبھی بہت بڑا تھا، تیزی سے کم ہو رہا ہے اور اگر اس نے اسلام قبول نہ کیا تو یہ مکمل طور پر ختم ہو جائے گا۔ دوسری طرف وہ جانتا تھا کہ اسلام کو محض نام کی سطح پر قبول کرنا اس کی اتھارٹی کو مستحکم کرے گا، کیونکہ عرب اپنے پرانے وفاداری کے تعلقات کو توڑنے سے گریزاں تھے جب تک کہ اس کے لئے کوئی بڑا سبب نہ ہو۔ لہٰذا زیادہ دیر نہ گزری کہ اس نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا؛ لیکن اگرچہ اس نے رسمی طور پر رسول اللہ سے بیعت کی اور اس کے بعد باقاعدگی سے نماز میں شریک ہوتا رہا، مسلمانوں کو کبھی بھی اس پر پورا بھروسہ نہیں ہوا۔ ایسے دیگر افراد بھی تھے جن پر انہیں شک تھا، لیکن ابن ابی کی فرق یہ تھی کہ اس کی وسیع اثر و رسوخ کی بنا پر وہ دوسروں سے زیادہ خطرناک تھا۔

پہلے مہینوں میں، جب مسجد ابھی بن رہی تھی، جماعت نے اسعد کی وفات سے ایک بڑا نقصان اٹھایا، جو یثرب، مدینہ کا پہلا شخص تھا جس نے رسول اللہ سے بیعت کی تھی۔ وہ وہی شخص تھا جو مصعب کا میزبان تھا، اور جس نے 'عقبہ' کے دو سالوں کے درمیان مصعب کے ساتھ قریب سے کام کیا تھا۔ رسول اللہ نے کہا: "یہودی اور عرب منافق یہ ضرور کہیں گے: 'اگر وہ نبی ہوتا تو اس کا ساتھی نہ مرتا۔' اور حقیقت یہ ہے کہ میری مرضی نہ تو میرے لیے فائدہ مند ہے نہ ہی میرے ساتھی کے لیے اللہ کی مرضی کے خلاف۔[1]"

شاید اسی وقت اسعد کی تدفین پر سلمان فارسی کی رسول اللہ سے دوسری ملاقات ہوئی تھی، کیونکہ سلمان نے بعد میں یہ ملاقات 'ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو بتائی، کہا: "میں اللہ کے رسول کے پاس گیا جب وہ بقیع الغرقد[2] میں تھے، جہاں انہوں نے اپنے ایک صحابی کی تدفین کے پیچھے پیچھے گئے تھے سلمان کو معلوم تھا کہ وہ وہاں ہوں گے۔

[1] I.I. 346.

[2] مدینہ کے جنوب مشرقی کونے میں قبرستان

وہ وہاں ہونے کی امید کے ساتھ آ گیا، اور اس نے اپنے کام سے چھٹی لے کر تدفین کے بعد قبرستان پہنچنے کی کوشش کی، جبکہ رسول اللہ ابھی وہاں کچھ مہاجرین اور انصار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمان نے کہا: "میں نے ان کو سلام کیا، اور پھر میں ان کے پیچھے سے گزرا تا کہ میں مہر نبوت کو دیکھ سکوں۔ اور وہ جانتے تھے کہ میں کیا چاہتا ہوں، تو انہوں نے اپنا چادر پکڑا اور اپنے کندھے سے اُتار دیا، اور میں نے مہر نبوت کو وہی دیکھا جیسے میرے آقا نے مجھے بیان کیا تھا۔ میں اس کے قریب جھکا اور اسے چوم کر رونے لگا۔ پھر اللہ کے رسول نے مجھے اپنے پاس آنے کا حکم دیا اور میں ان کے سامنے بیٹھا اور اپنا قصہ سنایا، اور وہ خوش ہوئے کہ ان کے صحابہ اسے سنیں۔ پھر میں نے اسلام قبول کیا۔[1] "لیکن سلمان کو بنی قریظہ میں غلامی کی حالت میں کام کرنے پر مجبور کیا گیا، اور اگلے چار سال تک اس کا مسلمانوں کے ساتھ کم رابطہ ہو سکا۔

اس وقت اہل کتاب میں سے ایک اور شخص جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ بنی قینقاع کے ایک عالم، حسین بن سالم تھے۔ وہ خاموشی سے رسول اللہ کے پاس آئے اور ان سے بیعت کی۔ پھر رسول اللہ نے انہیں عبد اللہ کا نام دیا، اور نئے مسلمان نے مشورہ دیا کہ اس کے اسلام کو عوام میں جانے سے پہلے اس کی قوم سے اس کے مقام کے بارے میں سوال کیا جائے۔ رسول اللہ نے انہیں اپنے گھر میں چھپایا اور بنی قینقاع کے کچھ اہم لوگوں کو بلایا۔ "وہ ہمارے سردار ہیں،" انہوں نے جواب دیا، "اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں؛ وہ ہمارے عالم اور ہمارے فقیہ ہیں۔" پھر عبد اللہ ان کے سامنے آیا اور کہا: "اے یہودیو، اللہ سے ڈرو، اور اس بات کو قبول کرو جو اس نے تمہارے پاس بھیجی ہے، کیونکہ تم جانتے ہو کہ یہ شخص اللہ کے رسول ہیں۔" پھر انہوں نے اپنے اسلام اور اپنے خاندان کا اسلام کا اعلان کیا؛ اور ان کی قوم نے انہیں برا بھلا کہا اور ان کے متعلق جو پہلے عزت کی باتیں کہی تھیں، ان کو رد کر دیا۔

اب اسلام وادی میں مضبوطی سے قائم ہو چکا تھا۔ وحی نے زکوۃ دینے اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھنے کو فرض کیا تھا، اور عام طور پر یہ بتایا تھا کہ کیا چیز حرام ہے اور کیا حلال۔ پانچ وقت کی نمازیں باجماعت باقاعدگی سے ادا کی جاتی تھیں، اور جب ہر نماز کا وقت آتا تو لوگ اس جگہ جمع ہوتے جہاں مسجد بنائی جا رہی تھی۔ ہر شخص وقت کا اندازہ سورج کی پوزیشن سے لگاتا یا اس کی روشنی کے مشرقی افق پر نمودار ہونے یا غروب کے بعد مغرب میں مدھم ہونے سے کرتا تھا؛ لیکن رائے میں فرق ہو سکتا تھا، اور رسول اللہ نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ لوگوں کو نماز کے وقت آنے کے لیے کسی طریقے کی ضرورت ہے۔ ابتدا میں انہوں نے ایک شخص کو مقرر کرنے کا سوچا جو یہودیوں کی طرح ایک نرسنگا بجائے۔ لیکن بعد میں انہوں نے ایک لکڑی کے کھڑکھڑ کلا پر کا انتخاب کیا، جو مشرقی عیسائیوں کے استعمال میں تھا، اور اس مقصد کے لیے دو لکڑی کے ٹکڑے بنائے گئے۔ لیکن انہیں کبھی استعمال نہیں کیا گیا؛ کیونکہ ایک رات بنی خزرج کا ایک شخص، عبد اللہ بن زید، جو دوسرے عقبہ میں موجود تھا، نے ایک خواب دیکھا جس کا وہ اگلے دن رسول اللہ کو بیان کرنے آیا: "میرے سامنے ایک شخص آیا جو دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک نقوس تھا، تو میں نے اس سے کہا: 'اے اللہ کے بندے، کیا تم مجھے یہ نقوس کلا پر بیچو گے؟' 'تم اس کا کیا کرو گے؟' اس نے پوچھا۔ 'ہم اس سے لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے،' میں نے جواب دیا۔ 'کیا میں تمہیں بہتر طریقہ نہ دکھاؤں؟' اس نے کہا۔ 'وہ طریقہ کیا ہے؟' میں نے پوچھا، اور اس نے جواب دیا: 'تم یہ کہو: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ اکبر۔' سبز لباس والے شخص نے 'اللہ سب سے بڑا ہے' کو چار بار دہرایا، پھر درج ذیل کو دو دو بار کہا:

[1] I.I, 141; I.S. IV, 56

میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؛ میں گواہی دیتاہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؛ نماز کی طرف آؤ؛ کامیابی کی طرف آؤ؛ اللہ سب سے بڑا ہے؛ اور آخر میں ایک بار پھر کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ ایک سچی رؤیا ہے، اور انہوں نے عبد اللہ بن زید کو حکم دیا کہ وہ بلال کے پاس جائیں، جن کی آواز بہت اچھی تھی، اور ان الفاظ کو بالکل ویسے سکھائیں جیسے اس نے خواب میں سنے تھے۔ مسجد کے علاقے میں سب سے بلند گھر نجار کے قبیلے کی ایک عورت کا تھا، اور بلال وہاں ہر صبح سویرے آتے اور چھت پر بیٹھ کر صبح کی روشنی کا انتظار کرتے۔ جب انہیں مشرق میں پہلی مدھم روشنی نظر آتی، تو وہ اپنے ہاتھ پھیلانے کے بعد یہ دعا کرتے: "اے اللہ، میں تیری حمد کرتا ہوں اور تیرے مدد کی دعا کرتا ہوں تا کہ قریش تیرے دین کو قبول کریں۔" پھر وہ کھڑے ہوتے اور اذان دیتے

XL

The New Household

نیاگھرانہ

جب مسجد تقریباً مکمل ہو گئی، تو پیغمبر ﷺ نے اس کے مشرقی دیوار کے ساتھ دو چھوٹے مکان بنانے کا حکم دیا، ایک ان کی بیوی سَودَہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور دوسرا ان کی منگیتر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے۔ یہ عمارت مکمل ہونے میں سات مہینے لگے، اور اس دوران وہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر رہے۔ لیکن جب سودہ رضی اللہ عنہا کا گھر تقریباً تیار ہو گیا، تو آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ سودہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ لے آئے، اور ان کے ساتھ ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آئیں۔ اسی دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو پیغام بھیجا کہ وہ ام رومان، اسماء اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ آئیں۔ ساتھ ہی زید رضی اللہ عنہ اپنی بیوی ام ایمن اور ان کے چھوٹے بیٹے اسامہ کو بھی لے آیا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ہمراہ سفر کیا، اس نے اپنے تمام جائیداد بیچ دی تھی اور اب وہ ہجرت کر رہا تھا۔ کچھ وقت بعد جب یہ گروہ مدینہ پہنچا، ابو بکر نے اسماء کا نکاح زبیر رضی اللہ عنہ سے کر دیا، جو اپنی والدہ صفیہ کے ساتھ کچھ ماہ پہلے ہی مدینہ آ چکے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بہن قریبہ مکہ میں اپنے والد ابو قحافہ کا خیال رکھنے کے لیے رہ گئیں، جو بوڑھے اور نابینا تھے۔ قریبہ کی طرح ابو قحافہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

اب پیغمبر ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ام ایمن کے ساتھ زید رضی اللہ عنہ کی ایک اور بیوی بھی ہونی چاہیے، جو اس کی عمر کے قریب ہو، اور آپ ﷺ نے اپنے کزن عبد اللہ بن جحش سے ان کی خوبصورت بہن زینب رضی اللہ عنہا کا ہاتھ مانگا۔ ابتدا میں زینب رضی اللہ عنہا راضی نہ ہوئیں، اور ان کے انکار کی وجہ وہ واقعہ تھا جو بعد میں سامنے آیا۔ انہوں نے یہ وجہ پیش کی کہ وہ قریش کی عورت ہیں، مگر یہ دلیل تسلی بخش نہیں تھی۔ ان کی والدہ امیمہ، جو دونوں طرف سے قریش کی تھیں، نے اسد قبیلے کے شخص سے شادی کی تھی؛ اور زید رضی اللہ عنہ کا قریش میں ملا جلا ہونا، اور ان کے والدین، بنی کلب اور بنی تیم کی قبائل کا بنی اسد سے کمتر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب زینب رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ یہ پیغمبر ﷺ کا حکم ہے کہ وہ زید سے شادی کریں، تو انہوں نے رضامندی ظاہر کی اور نکاح ہو گیا۔ اسی دوران ان کی بہن حمنہ کا نکاح مصعب سے ہوا۔ کچھ وقت بعد امیمہ مدینہ آئیں اور پیغمبر ﷺ کے ساتھ بیعت کی۔

اب پیغمبر ﷺ اور ان کی بیٹیاں سودہ رضی اللہ عنہا کے نئے گھر میں رہنے گئے، اور ایک یا دو مہینے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا جائے۔ وہ اس وقت صرف نو سال کی تھیں، اور اپنی شاندار وجاہت کے باعث ایک غیر معمولی خوبصورتی کی حامل تھیں، جیسا کہ ان کے خاندان سے توقع کی جاسکتی تھی۔ قریش نے ان کے والد کو "عتیق" کا لقب دیا تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب ان کے خوبصورت چہرے[1] کی وجہ سے تھا۔

[1] I.H.161.

پیغمبر ﷺ نے ان کی والدہ کے بارے میں کہا تھا: "جو شخص جنت کی حسینوں میں سے کسی عورت کو دیکھنا چاہے، وہ ام رومان کو دیکھے۔[1]" پیغمبر ﷺ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان گہرا اور محبت بھرا تعلق تھا، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ روزانہ ملاقات کرنے کی عادی تھیں، سوائے ان چند مہینوں کے دوران جب آپ ﷺ اور ان کے والد مدینہ ہجرت کر گئے تھے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کی والدہ ابھی مکہ میں تھیں۔ بچپن سے ہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والدین کو پیغمبر ﷺ کے ساتھ اتنی محبت اور احترام کے ساتھ پیش آتے دیکھا، جو انہوں نے کسی اور کے ساتھ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ بات بھی واضح کر دی تھی کہ اس محبت اور عزت کا سبب کیا ہے: وہ بخوبی جانتی تھی کہ پیغمبر ﷺ اللہ کے رسول ہیں، وہ حضرت جبرائیل سے باقاعدگی سے بات کرتے ہیں اور وہ زندہ انسانوں میں اس لیے منفرد ہیں کہ وہ آسمان پر گئے اور پھر واپس زمین پر آئے۔ آپ ﷺ کی موجودگی میں اس بلند مرتبہ کی گواہی تھی اور آپ ﷺ کی قربت میں جنت کی خوشبو محسوس کی جاسکتی تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ کی تاثیر میں یہ خوشبو محسوس کی جاسکتی تھی: جب دوسرے لوگ گرمی سے پسینے میں ڈوبے ہوتے، آپ ﷺ کا ہاتھ "برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے بھی زیادہ خوشبودار[2]" ہوتا تھا۔ آپ ﷺ ہمیشہ جواں مرد اور شاداب دکھائی دیتے، جیسے کہ آپ کی عمر میں اضافہ نہ ہوا ہو۔ آپ ﷺ کی آنکھوں کا نور، سیاہ بالوں اور داڑھی کی چمک، اور آپ ﷺ کے جسم کی متوازن ساخت، یہ سب اس بات کا مظہر تھے کہ آپ ﷺ کی عمر اس عمر کی نصف ہے جو ترپن برسوں کا عرصہ بیت چکا تھا، اور جو کہ فیل کے سال سے شروع ہوا تھا۔

شادی کے لیے بہت زیادہ تیاری نہیں کی گئی تھی، اتنی بھی نہیں کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کوئی بہت بڑی اور رسمی تقریب کا احساس ہوتا، اور تقریباً ان کی شادی کے دنوں سے پہلے ہی وہ اپنے کھیل کے دوران ایک دوست کے ساتھ دوڑتی ہوئی آنگن میں کھیلنے نکل گئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں: "میں جھولے پر کھیل رہی تھی اور میرے لمبے کھلے ہوئے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ آئے اور مجھے کھیل سے اٹھا کر تیار کیا۔[3]" ابو بکر نے بحرین سے خوبصورت سرخ دھاری دار کپڑا خریدا تھا، جسے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے شادی کا لباس بنایا گیا تھا۔ انہیں اسی لباس میں لاد کر تیار کیا گیا۔ پھر ان کی والدہ نے انہیں نئے بنے ہوئے گھر میں لے جایا، جہاں انصار کی کچھ خواتین ان کے استقبال کے لیے دروازے کے باہر کھڑی تھیں۔ انہوں نے خوش آمدید کہتے ہوئے کہا: "خوشی اور کامیابی کے لیے، سب کچھ اچھا ہو!" اور پھر انہیں پیغمبر ﷺ کی موجودگی میں لے آئیں۔ پیغمبر ﷺ مسکراتے ہوئے وہاں کھڑے تھے، اور خواتین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بال سنوارنے اور انہیں زیور سے آراستہ کرنے میں مصروف تھیں۔ ان کی دوسری شادیوں کی نسبت اس بار کوئی شاندار دعوت نہیں ہوئی۔ یہ تقریب جتنی سادہ ہو سکتی تھی، اتنی سادہ تھی۔ ایک پیالہ دودھ لایا گیا اور پیغمبر ﷺ نے پہلے خود پی لیا، پھر انہوں نے دودھ کا پیالہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پیش کیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شرماتے ہوئے انکار کرتی ہیں، لیکن جب آپ ﷺ نے انہیں پینے کی تاکید کی تو وہ پئیں اور دودھ کا پیالہ اپنی بہن اسماء کو پیش کیا، جو ان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس دودھ سے پیا، پھر وہ سب اپنے اپنے راستوں پر روانہ ہو گئے، اور دولہا اور دلہن اکیلے رہ گئے۔

آخری تین سالوں میں شاید ہی کوئی دن گزرا ہو جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دوستوں میں سے کوئی نہ ان کے والد کے گھر کے صحن میں آکر ان کے ساتھ نہ کھیلتی ہو۔ پیغمبر ﷺ کے گھر منتقل ہونے کے بعد بھی اس حوالے سے کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اب روزانہ نئی سہیلیاں آکر ان سے ملتی رہیں، جو مدینہ آنے کے بعد ان کی ہم عمر تھیں اور کچھ پرانی سہیلیاں بھی آئیں، جن کے والدین بھی ہجرت کر کے مدینہ آچکے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "میں اپنی گڑیوں سے کھیل رہی ہوتی، اور لڑکیاں جو میری سہیلیاں تھیں، اور پیغمبر ﷺ اندر آتے تو وہ سب گھر سے باہر چلی جاتیں، اور آپ ﷺ ان کے پیچھے جا کر انہیں واپس لے آتے، کیونکہ وہ میری خوشی کے لیے انہیں وہاں رکھتے تھے۔" کبھی کبھار آپ ﷺ یہ بھی کہتے: "جہاں ہو، وہیں رہو!"[5]

[1].I.S VII, 202. [2] B.LXI, 22. [3] I.S. VIII, 40-1.
[4] I.S. VIII, 42. [5] ibid., 41.

پیغمبر ﷺ کبھی کبھار خود بھی بچوں کے کھیلوں میں شریک ہو جاتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کو بچوں سے بے حد محبت تھی اور آپ ﷺ اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی اکثر کھیل چکے تھے۔ گڑیاں یا پتلیاں کئی مختلف کردار ادا کرتی تھیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہانے ایک دن کہا: "ایک دن پیغمبر ﷺ اندر آئے جب میں گڑیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور آپ ﷺ نے کہا: 'اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، یہ کیا کھیل ہے؟' میں نے کہا: 'یہ سلیمان کے گھوڑے ہیں'اور آپ ﷺ ہنس پڑے۔[1]" لیکن کبھی کبھار جب آپ ﷺ اندر آتے، تو وہ خود کو اپنی چادر سے چھپا لیتے تا کہ بچوں کو تنگ نہ کریں۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا ایک سنجیدہ پہلو بھی تھا۔ یثرب پورے عرب میں ایک ایسی جگہ کے طور پر جانا جاتا تھا جہاں خاص موسموں میں بخار کا شدید خطرہ ہوتا تھا، خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو وہاں کے مقامی نہیں تھے۔ پیغمبر ﷺ خود بخار سے محفوظ رہے، لیکن اس کا اثر آپ ﷺ کے کئی صحابہ پر شدید تھا، جن میں ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے دو آزاد کردہ غلام، عامر رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، جو اس وقت پیغمبر ﷺ کے ساتھ رہ رہے تھے۔ ایک دن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کی عیادت کے لیے گئیں، اور انہیں اس حالت میں دیکھ کر بہت افسردہ ہو گئیں کہ تینوں مرد انتہائی کمزوری کی حالت میں الٹے پڑے تھے۔ "کیسا حال ہے، ابو؟" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہانے کہا، لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ اتنے بیمار تھے کہ وہ نو سال کی لڑکی کے سوال کا صحیح جواب نہ دے سکے اور دو اشعار کہہ کر جواب دیا:

"ہر شخص صبح اپنے اہل سے بخیر ملاقات کرتا ہے،
مگر موت اس کی سینڈل کی تسمہ سے بھی قریب تر ہے۔"

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لگا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ وہ جو کہہ رہے تھے، وہ نہیں سمجھ رہے اور اس لیے اس نے عامر کی رضی اللہ عنہ طرف رخ کیا، جس نے بھی اس کو اشعار میں جواب دیا، اور کہا کہ وہ مرے بغیر اتنی قریب موت کا تجربہ کر چکے ہیں کہ اسے جانتے ہیں۔ اسی دوران بخار بلال رضی اللہ عنہ سے چلا گیا، لیکن وہ ابھی بھی اتنے کمزور تھے کہ گھر کے صحن میں لیٹے تھے۔ لیکن ان کی آواز میں اتنی طاقت تھی کہ انہوں نے یہ اشعار گائے:

"کیا میں کبھی رات کو سکون سے سو سکوں گا
وہ جگہ جہاں مکہ کے باہر تھائم اور نار داگتے ہیں،
اور کیا میں پھر مجنہ کے پانی پی سکوں گا[2]،
اور میرے سامنے شامہ اور تافل نظر آئیں گے[3]؟

"عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا گھر لوٹیں اور شدید پریشانی میں تھیں۔ "وہ سب بخار کی شدت سے دیوانے ہو گئے ہیں،" انہوں نے کہا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اطمینان ہوا جب انہوں نے بچپن کی یادداشت کی طرح تقریباً الفاظ بہ الفاظ ان سطروں کو دہرایا جو انہوں نے کہے تھے اور جو وہ پوری طرح نہیں سمجھ سکی تھی۔ اسی موقع پر انہوں نے دعا کی: "اے اللہ، مدینہ کو ہمارے لئے اتنا ہی عزیز بنا دے جتنا کہ تم نے مکہ کو بنایا ہے، یا اس سے بھی زیادہ۔ اور ہمیں اس کے پانی اور اناج میں برکت دے اور اس کے بخار کو محیعہ تک دور لے جا۔[4,5]" اور اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔"

[1] ibid., 42. [2] مکہ کے دو پہاڑ [3] مکہ کے قریب ایک جگہ.
[4] I.I.414. [5] مدینہ کے جنوب میں سات اونٹ دن کے فاصلے پر ایک جگہ.

XLI

The Threshold of War

جنگ کی دہلیز

اللہ کی طرف سے لڑنے کی اجازت ان لوگوں کو دی گئی ہے جو ظلم کے شکار ہوئے ہیں؛ اور اللہ انہیں فتح دینے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بے گناہ نکالے گئے، صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا: "ہمارا رب اللہ ہے,[1] نبی کریم ﷺ کو یہ وحی مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد موصول ہوئی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہاں اجازت دراصل ایک حکم تھا، اور جنگ کے اصول یہودیوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے میں تفصیل سے بیان کیے گئے تھے۔ لیکن اس وقت کے لیے، صرف چھاپہ مار کارروائیوں کی بات ہو سکتی تھی۔ قریش اپنے تجارتی قافلوں میں کمزور تھے، اور خاص طور پر بہار اور اوائل گرمیوں کے مہینوں میں، جب ان کا شام کے ساتھ تجارت عروج پر تھی، مدینہ سے ان پر حملہ کرنا نسبتاً آسان تھا۔ خزاں اور سردیوں میں وہ اپنے بیشتر قافلے جنوب کی طرف بھیجتے تھے، خاص طور پر یمن اور حبشہ کی طرف۔

مدینہ میں جو معلومات قافلوں کے بارے میں ملتی تھیں، وہ اکثر بہت واضح نہیں ہوتیں، اور منصوبوں میں آخری وقت میں تبدیلیاں آجایا کرتی تھیں۔ مکہ کے قافلے پہلی چند چھاپہ مار کارروائیوں سے بچ نکلے، مگر مسلمانوں نے اس کے باوجود بحر احمر کے ساحل پر بدو قبائل کے ساتھ معاہدے کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

جب پیغمبر ﷺ خود نکلتے تو وہ اپنے کسی صحابی کو مدینہ میں ان کی غیر موجودگی میں حکمرانی کے لیے مقرر کرتے، اور یہ اعزاز سب سے پہلے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو ملا۔ یہ ہجرت کے گیارھواں مہینے کی بات ہے؛ اس کے بعد تک پیغمبر ﷺ نے کسی مہم میں خود شرکت نہیں کی تھی، اور جب بھی وہ پیچھے رہتے، تو لیڈر کو ایک سفید پرچم دیتے جو ایک نیزے پر سجا ہوتا تھا۔ پہلے سال میں، پیغمبر ﷺ نے صرف مہاجرین کو مہمات پر روانہ کیا، مگر ستمبر 623 میں ایک خبر آئی کہ مکہ کا ایک امیر قافلہ شمال سے واپس آ رہا ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری امیہ بن خلف، جو قریش کے جمعہ قبیلے کا سردار تھا، کے پاس ہے اور اس کے ہمراہ سو مسلح افراد ہیں۔ امیہ ہمیشہ اسلام کا سخت دشمن رہا تھا؛ اور حملے کی ایک وجہ یہ قیمتی مال و دولت بھی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ اس مال کو 2,500 اونٹوں پر لادا گیا تھا۔ لیکن صرف مہاجرین قریش کے سو افراد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا اس مرتبہ پیغمبر ﷺ دو سو افراد کے ساتھ روانہ ہوئے، جن میں سے نصف سے زائد انصار مدنی تھے۔

تاہم، ایک بار پھر معلومات غلط ثابت ہوئیں۔

[1] XXII, 39-40

معلومات کی کمی کی وجہ سے پیغمبر ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اس قافلے کا سامنا نہیں ہو سکا، اور تین ماہ بعد، ایک اور امیر قافلہ، جو کم مسلح تھا، ابوسفیان کی قیادت میں شام جا رہا تھا، اسے بھی گنوا دیا۔ اس کی اطلاع دیر سے پہنچی، اور جب پیغمبر ﷺ اور ان کے ساتھی ینبع کے وادی "عشیرہ" پہنچے، جو مدینہ کے جنوب مغرب میں بحر احمر کے قریب واقع ہے، تو وہ قافلہ وہاں سے گزر چکا تھا۔ تاہم، ابوسفیان شام سے واپس آ رہا تھا، اور اگر اللہ نے چاہا، تو اس وقت وہ ان کے ہاتھ آ سکتا تھا، اور پھر وہ اسے راستے میں گھیرنے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔

اگرچہ ابھی تک کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی، لیکن قریش پہلے ہی اس بات سے آگاہ ہو چکے تھے کہ مدینہ میں ایک دشمن کا قیام ان کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ لیکن ان کے خیال میں یہ صورتحال ان کے جنوب کی تجارت کو متاثر نہیں کرے گی۔ جلد ہی انہیں اس بات کا احساس ہوا، کیونکہ پیغمبر ﷺ کو یمن سے ایک قافلے کے آنے کی خبر ملی تھی۔ پیغمبر ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن جحش کو آٹھ دیگر مہاجرین کے ساتھ اس قافلے کی نگرانی کے لیے "نخلہ" بھیجا، جو طائف اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ رجب کا مہینہ تھا، جو چار مقدس مہینوں میں سے ایک تھا، اور پیغمبر ﷺ نے عبداللہ کو قافلے پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ صرف یہ کہا تھا کہ وہ اس کی خبر لے کر آئیں۔ ممکنہ طور پر پیغمبر ﷺ اس بات کا جائزہ لینا چاہتے تھے کہ جنوبی قافلے کتنی محفوظ طریقے سے گزر رہے ہیں تاکہ مستقبل میں ان پر کارروائی کی جا سکے۔

جب مہاجرین اپنے مقام پر پہنچے اور ایک اچھے مقام پر کیمپ لگایا، تو قریش کا ایک چھوٹا قافلہ ان کے پاس سے گزرا اور پھر ان کے قریب رک کر کیمپ لگا لیا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے ارد گرد دشمن چھپے ہوئے ہیں۔ اونٹوں پر کشمش، چمڑے اور دیگر مال و دولت لدا ہوا تھا۔ عبداللہ اور ان کے ساتھی ایک دلی دقت میں مبتلا تھے: پیغمبر ﷺ کے دیے گئے واحد واضح ہدایات یہ تھیں کہ وہ صرف قافلے کی خبر لے کر آئیں، لیکن انہوں نے جنگ کرنے سے منع نہیں کیا تھا، اور نہ ہی مقدس مہینے کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ پرانے اسلام سے پہلے کے معاہدے ابھی بھی نافذ ہیں؟ وہ اپنے آپ سے سوال کرتے تھے۔ ساتھ ہی وہ اس وحی کو بھی یاد کرتے تھے: "لڑائی کی اجازت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو اس لیے لڑتے ہیں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے... وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ظلم سے نکالے گئے..."[1] وہ قریش سے جنگ کر رہے تھے، اور انہیں اس قافلے کے کم از کم دو تاجروں کو مکہ کے "مخزومی" قبیلے سے تعلق رکھنے والے افراد کے طور پر پہچاننے میں کوئی شک نہیں تھا، اور یہی قبیلہ اسلام کے خلاف سب سے زیادہ متحرک تھا۔ یہ رجب کا مہینے کا آخری دن تھا، سورج غروب ہونے پر شعبان کا مہینہ شروع ہو جائے گا، جو کہ مقدس مہینہ نہیں تھا۔ لیکن اس وقت تک، اگرچہ یہ مہینہ اب ان کی حفاظت نہیں کر رہا تھا، ان کے دشمن جغرافیائی لحاظ سے محفوظ ہو چکے تھے، کیونکہ وہ مقدس حدود میں پہنچ چکے تھے۔

کافی تردد کے بعد، انہوں نے فیصلہ کیا کہ حملہ کیا جائے۔ ان کا پہلا تیر قبیلہ "کِندہ" کے ایک شخص کو لگا، جو عبد شمس قبیلے کا اتحادی تھا، جس پر "عثمان" اور "حکم" (جو آزاد شدہ غلام تھے) نے ہتھیار ڈال دیے، حالانکہ عثمان کا بھائی "نوفل" مکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے اسیران، اونٹوں اور مال و دولت کو واپس مدینہ لے آیا۔ انہوں نے غنیمت کا پانچواں حصہ پیغمبر ﷺ کے لیے مخصوص کیا اور باقی مال اپنے ساتھیوں اور خود میں تقسیم کر لیا۔ لیکن پیغمبر ﷺ نے کچھ قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا: "میں نے تمہیں مقدس مہینے میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا"، جس پر وہ لوگ جنہوں نے لڑائی کی تھی، خود کو گناہگار سمجھنے لگے۔ مدینہ کے دوسرے مسلمانوں نے ان پر رجب کے مہینے کی خلاف ورزی کا الزام لگایا، جب کہ یہودیوں نے کہا کہ یہ پیغمبر ﷺ کے لیے ایک برا شگون ہے، اور قریش نے یہ خبر پھیلانی شروع کر دی کہ محمد ﷺ نے مقدس مہینے کی خلاف ورزی کی ہے۔

[1] XXII, 39.

پھر وحی آئی: "وہ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے: اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اللہ کے دین کا انکار کرنا، مسجد حرام کی بے حرمتی کرنا، اور وہاں سے اس کے لوگوں کو نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے[1]۔

پیغمبر ﷺ نے اس وحی کی تشریح یوں کی کہ یہ مقدس مہینے میں جنگ کرنے کی قدیم پابندی کی تو تصدیق کرتی ہے، مگر اس خاص صورت حال میں استثنا قرار دیتی ہے۔ اس طرح، پیغمبر ﷺ نے عبد اللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کا خوف دور کیا اور غنیمت کے پانچویں حصے کو کمیونٹی کے عام فائدے کے لیے قبول کر لیا۔ قبیلہ مخزوم نے دونوں قیدیوں کے بدلے تاوان بھیجا، لیکن حکَم، جو ان کے آزاد شدہ غلام تھے، نے اسلام قبول کرنے اور مدینہ میں رہنے کا فیصلہ کیا، اس لیے عثمان اکیلا واپس مکہ آیا۔

یہی شعبان کا مہینہ تھا، جب ایک اہم وحی آئی جو مذہبی لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اس وحی کے ابتدائی الفاظ میں پیغمبر ﷺ کی نماز کے لیے درست سمت کا خیال رکھنے کی بات کی گئی تھی۔ مسجد میں سمت کا تعین محراب سے ہوتا تھا، جو بیت المقدس کی دیوار میں تھا، لیکن جب پیغمبر ﷺ شہر کے باہر ہوتے تو دن کے وقت سورج سے اور رات کے وقت ستاروں سے سمت کا پتہ لگاتے تھے۔

ہم نے آسمان کی طرف تمہارے چہرے کا بار بار اٹھنا دیکھا؛ تو اب ہم تمہیں اس قبلے کی طرف موڑ دیں گے جو تمہیں پسند ہے۔ پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کر لو، اور جہاں کہیں بھی تم ہو، اپنے چہرے اسی کی طرف موڑ لو[2]۔

چند ہی دنوں میں مسجد کے جنوبی دیوار میں ایک محراب تیار کیا گیا جو مکہ کی طرف رخ کرتا تھا، اور اس تبدیلی کو پیغمبر ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے خوشی سے قبول کیا۔ اسی دن سے مسلمانوں نے نماز اور دیگر عبادات کے لیے کعبہ کی طرف رخ کرنا شروع کیا

[1] II, 2 17. [2] II,144.

XLII

The March to Badr

بدر کی طرف مارچ

ابوسفیان کے لیے وقت قریب آ چکا تھا کہ وہ اپنے تمام تجارتی سامان کے ساتھ شام سے مکہ واپس آئے۔ پیغمبر ﷺ نے طلحہ اور عمر کے چچازاد بھائی سعید بن زید حنیفی کو مدینہ کے مغرب میں ساحل پر واقع حوراء بھیجا تاکہ وہ قافلے کے بارے میں خبر لے کر فوراً واپس آئیں۔ اس سے پیغمبر ﷺ کو یہ موقع ملے گا کہ وہ جنوب مغرب کی طرف تیز مارچ کر کے قافلے کو ساحل پر کہیں آگے جا کر پکڑ سکیں۔ ان دونوں جاسوسوں کو جُہَینہ کے ایک سردار نے خوش دلی سے اپنے گھر میں چھپایا تاکہ قافلہ گزر جائے۔ لیکن ان دونوں اور اس سردار کی محنت بے سود ثابت ہوئی کیونکہ مدینہ میں، شاید کسی منافق یا کسی یہودی نے، پیغمبر ﷺ کے منصوبے کی خبر ابوسفیان تک پہنچا دی تھی۔ ابوسفیان نے فوراً غفار قبیلے کے ایک شخص دمدم کو مکہ بھیجا تاکہ وہ فوری طور پر قریش کو اطلاع دے کہ وہ فوراً ایک فوج کے ساتھ نکلیں اور اپنے قافلے کو بچائیں، جبکہ خود ابوسفیان ساحلی راستے سے سفر جاری رکھتے ہوئے دن رات سفر کر رہا تھا۔

لیکن یہ صرف ابوسفیان کا ہی معاملہ نہیں تھا۔ پیغمبر ﷺ کے پاس بھی جلدی کرنے کی وجہ تھی کیونکہ ان کی محبوب بیٹی رقیہ شدید بیمار ہو چکی تھی۔ تاہم، ذاتی وجوہات کو مقدم نہیں رکھا جا سکتا تھا اور خطرہ یہ تھا کہ کہیں دیر نہ ہو جائے، اس لیے پیغمبر ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے جاسوسوں کا انتظار کیے بغیر ہی نکل پڑیں۔ جب تک وہ مدینہ واپس پہنچے، پیغمبر ﷺ تین سو پانچ جنگجوؤں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ روانہ ہو چکے تھے۔ ا اس وقت مدینہ میں ستتر مضبوط اور صحت مند مہاجرین موجود تھے، اور ان میں سے تین کے علاوہ تمام اس موقع پر حاضر تھے۔ پیغمبر ﷺ نے اپنے داماد عثمان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیمار بیوی کا خیال رکھے؛ باقی دو، طلحہ اور سعید، ساحل پر دیر سے واپس آئے اور وہ روانہ نہ ہو سکے۔

پہلی رکنے کی جگہ پر، جو ابھی تک نخلستان میں تھی، پیغمبر ﷺ کے چچازاد بھائی سعد بن زہری نے اپنے پندرہ سالہ بھائی امیر کو پریشان اور چپ چاپ دیکھا تو پوچھا کہ کیا بات ہے؟ "مجھے خوف ہے" امیر نے کہا، "کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھے دیکھیں گے اور کہیں گے کہ تم ابھی بہت چھوٹے ہو، اور مجھے واپس بھیج دیں گے۔ میں اللہ سے شہادت کی آرزو رکھتا ہوں۔" جیسے کہ امیر نے اندازہ کیا تھا، پیغمبر ﷺ نے ان کو دیکھا اور کہا کہ تم بہت چھوٹے ہو اور انہیں واپس بھیج دیا۔ لیکن امیر رونے لگے اور پیغمبر ﷺ نے ان کا دل نرم کر کے انہیں اس مہم میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ سعد بن زہری نے کہا: "وہ بہت چھوٹے تھے، اتنے کہ مجھے ان کی تلوار کی زنجیر باندھنی پڑی۔"

فوج میں ستر اونٹ تھے جن پر جنگجو باری باری سوار ہوتے تھے، تین یا چار آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے، اور تین گھوڑے تھے جن میں سے ایک زبیر بن عوام کا تھا۔

سفید پرچم مُصعب بن عمیر کو دیا گیا، اور یہ فیصلہ یقیناً اس لیے کیا گیا کہ وہ پیغمبر ﷺ کے انتہائی قابل اعتماد صحابہ میں سے تھے اور انہوں نے مدینہ میں اسلام کی دعوت دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ مُصعب بن عمیر کا شمار نہ صرف پیغمبر ﷺ کے مشیروں میں ہوتا تھا بلکہ وہ جنگ بدر میں علم کی قیادت کرنے والے پہلے صحابی تھے۔

عَبْدُ الدَّار قبیلے کے لوگ، جن کا وراثتی حق تھا کہ وہ قریش کا پرچم جنگ میں لے کر چلیں، وہ سب سے پہلے سامنے آئے۔ اس کے بعد خود پیغمبر ﷺ آئے، جن کے ساتھ دو سیاہ جھنڈے تھے، ایک مہاجرین کے لیے اور دوسرا انصار کے لیے۔ یہ دونوں جھنڈے بالترتیب علی بن ابی طالب اور سعد بن معاذ (قبیلہ اوس) نے اٹھائے تھے۔ جب پیغمبر ﷺ مدینہ میں نہیں تھے تو نمازوں کی امامت ابن ام مکتوم کرتے تھے، جو ایک نابینا صحابی تھے، جن کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے: "وہ بے رخی کے ساتھ منہ موڑ کر چلے گئے جب ایک نابینا شخص ان کے پاس آیا۔[1] "

مدینہ میں پیغمبر ﷺ کے جانے سے پہلے مکہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ** پیغمبر ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کو ایک خوفناک خواب آیا جس نے انہیں قریش کے لیے آنے والی تباہی کا یقین دلا دیا۔ انہوں نے اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اسے بتایا: "میں نے ایک آدمی کو اونٹ پر سوار دیکھا، جو وادی میں رک کر بلند آواز میں بولا: 'جلدی کرو، اے قریش کے لوگو، تمہارے لیے تین دنوں میں ایک ایسی تباہی آنے والی ہے جو تمہیں پچھاڑ کر رکھ دے گی۔' پھر وہ مسجد میں داخل ہوا، اور لوگ اس کے پیچھے اس کے ساتھ چل پڑے۔ پھر وہ شخص خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا اور وہی الفاظ پھر سے کہے۔ اس کے بعد اس کا اونٹ ابو قبیس کے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور پھر وہی الفاظ گونجے۔ پھر اس نے ایک پتھر توڑا اور اسے پہاڑ سے نیچے پھینک دیا، اور جب وہ نیچے پہنچا تو وہ ٹکڑوں میں بکھر گیا، اور مکہ میں کوئی ایسا گھر نہیں تھا جس پر اس پتھر کا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو۔"

عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا خواب ولید کو سنایا، جو عُتبہ کے بیٹے تھے، اور پھر یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ اگلے دن ابو جہل نے عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے خوشی سے مذاق کرتے ہوئے کہا: "اے بنی عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے لوگو، کب سے تمہاری خواتین بھی نبوت کی پیش گوئیاں کرنے لگی ہیں؟ کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں تھا کہ تمہارے مرد نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں؟ اور کیا تمہاری عورتوں کو بھی ایسا کرنا ضروری ہو گیا ہے؟"

عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جواب نہیں تھا، لیکن ابو جہل کو اس کا جواب اگلے دن مل گیا جب دھم دھم کی طاقتور آواز ابو قبیس کے پہاڑوں میں گونج اُٹھی۔ لوگ اپنے گھروں اور مسجد سے باہر نکل آئے اور اس وادی میں جمع ہوئے جہاں وہ رکا ہوا تھا۔ ابو سفیان نے اسے بھاری رقم دی تھی اور وہ اپنا کردار بخوبی ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے اپنے اونٹ کی رکاب کو پلٹ دیا اور اونٹ کی سر سے پیچھے بیٹھا، اور مزید تباہی کی علامت کے طور پر اس نے اپنے اونٹ کی ناک کو پھاڑ دیا تاکہ خون بہے، اور اپنے کپڑے بھی پھاڑ ڈالے۔ "قریش کے لوگو!" اس نے پکارا، "تمہارے سامان والی اونٹیاں، تمہارا مال جو ابو سفیان کے ساتھ ہے! محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تم پر حملہ آور ہیں! مدد! مدد!"

اس خبر کے فوری بعد شہر میں افراتفری مچ گئی۔ یہ قافلہ ایک بہت قیمتی قافلہ تھا اور بہت سے لوگ اس کے نقصان کا خوف محسوس کر رہے تھے۔ تقریباً ہزار آدمیوں کی ایک فوج فوری طور پر تیار کی گئی۔ "کیا محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو لگتا ہے کہ یہ قافلہ بھی ابن الحضرمی کے قافلے کی طرح ہو گا؟" وہ کہتے تھے، جس کا ذکر عمرو بن عبد شمس سے تھا، جو نخلہ میں مقدس مہینے میں ایک تیر سے مارا گیا تھا۔

قبیلہ عدی واحد قبیلہ تھا جس نے اس مہم میں شرکت نہیں کی۔ باقی تمام قبائل کے سردار اپنے اپنے دستے لے کر نکلے، سوائے ابولہب کے، جس نے اپنی جگہ پر مخزوم قبیلے کا ایک آدمی بھیجا جو اس کا قرض دار تھا۔

[1] صفحہ 64 ملاحظہ کریں.

لیکن بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے قبائل کے اپنے مفادات اس قافلے میں شامل تھے اور وہ اس کی حفاظت کے لیے عزت کی بنا پر مجبور تھے، لہٰذا طالب نے دونوں قبیلوں کے افراد کا ایک گروہ روانہ کیا، اور عباس رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ گئے، شاید اس ارادے سے کہ وہ صلح کا کردار ادا کریں۔ حکیم بن اسد، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے، بھی اسی مقصد کے ساتھ گئے تھے۔ ابو لہب کی طرح، امیہ بن خلف بھی گھر پر ہی رہنے کا ارادہ رکھتے تھے، کیونکہ وہ ایک بوڑھے اور زیادہ موٹے آدمی تھے؛ لیکن جب وہ مسجد میں بیٹھے تھے تو عقبہ ان کے پاس آیا اور ایک عطر کی دھونی لے کر ان کے سامنے رکھی، اور کہا: "اس سے خوشبو لگا، ابو علی، کیونکہ تم عورتوں میں سے ہو۔" امیہ نے کہا: "اللہ تجھے لعنت کرے!" اور دوسروں کے ساتھ جانے کی تیاری کی۔

اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے جنوب کی طرف جانے والی براہ راست راستے کو چھوڑ دیا تھا اور بدر کی طرف جا رہے تھے، جو کہ شام سے مکہ جانے والے ساحلی راستے پر واقع تھا۔ بدر میں وہ ابو سفیان کا راستہ روکنے کی امید رکھتے تھے، اور انہوں نے اپنے اتحادیوں میں سے دو شخصوں کو جُہَینہ کے لوگوں کو بھیجا تھا جو اس علاقے کو اچھی طرح جانتے تھے، تاکہ وہ قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ بدر میں وہ ایک ٹیلے پر رکے، اور جب وہ پانی بھرنے گئے تو انہوں نے گاؤں کی دو لڑکیوں کے درمیان قرض کے بارے میں بات سنی۔ ایک نے دوسری سے کہا: "قافلہ کل یا اس کے اگلے دن آئے گا، اور میں ان کے لیے کام کروں گی اور تجھ پر جو قرض ہے وہ چکا دوں گی۔" جب انہوں نے یہ بات سنی تو وہ فوراً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئے۔ لیکن اگر وہ تھوڑی دیر اور رکتے تو انہیں مغرب سے ایک اکیلا سوار آتا ہوا نظر آتا، وہ خود ابو سفیان تھا، جو قافلے سے آگے نکل کر یہ دیکھنے آیا تھا کہ کیا مکہ جانے کا قریب ترین راستہ بدر محفوظ ہے۔ جب وہ پانی تک پہنچا تو وہاں ایک گاؤں والا شخص موجود تھا جس سے اس نے پوچھا کہ کیا اس نے کوئی اجنبی دیکھا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ اس نے دو سواروں کو دیکھا جو ٹیلے پر رکے تھے، پھر انہوں نے پانی بھرا اور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ ابو سفیان اس کے رکنے کی جگہ پر گیا اور اونٹوں کی گندگی میں کچھ ٹکڑے اٹھائے۔ اس میں کچھ کھجور کے بیج تھے۔ اس نے کہا: "اللہ کی قسم، یہ یثرب کا چارہ ہے۔" پھر وہ فوراً اپنے پیروکاروں کے پاس واپس گیا اور قافلے کو راستے سے ہٹا کر، انہوں نے بدر کو اپنے بائیں طرف چھوڑتے ہوئے سمندر کے کنارے کی طرف تیز رفتاری سے سفر شروع کیا۔

دوسری طرف، دونوں جاسوس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور اطلاع دی کہ قافلہ اگلے دن یا اس کے بعد بدر پہنچنے والا ہے۔ وہ بدر پر ضرور رکیں گے، جو کہ مکہ اور شام کے درمیان ایک بڑا پڑاؤ تھا، اور مسلمانوں کے پاس قافلے کو اچانک قابو پانے اور ان پر غالب آنے کا کافی وقت تھا۔

پھر یہ خبر آئی کہ قریش اپنے قافلے کو بچانے کے لیے ایک لشکر کے ساتھ نکلے ہیں۔ یہ ہمیشہ ممکنہ بات سمجھی جاتی تھی، لیکن جب یہ حقیقت بن گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لوگوں سے مشورہ کیا اور ان کے درمیان یہ فیصلہ کرنے دیا کہ وہ آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں۔ ابو بکر اور عمر نے مہاجرین کی طرف سے آگے بڑھنے کے حق میں بات کی اور پھر ان کی باتوں کی تصدیق کے طور پر، بنی زہرہ کے ایک اتحادی جو ابھی حال ہی میں مدینہ آئے تھے، مقداد بن عمرو نے کھڑے ہو کر کہا: "اے اللہ کے رسول، وہی کرو جو اللہ نے تمہیں دکھایا ہے۔ ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: "آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔" بلکہ ہم یہ کہیں گے: "آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں، اور ہم بھی آپ کے ساتھ لڑیں گے،

[1] K. V, 24

آپ کے دائیں اور بائیں، آپ کے سامنے اور پیچھے۔" عبد اللہ بن مسعود بعد میں یہ روایت کیا کرتے تھے کہ جب پیغمبر ﷺ نے یہ باتیں سنیں تو ان کے چہرے پر ایک شاندار روشنی چھا گئی اور انہوں نے اس شخص پر دعاء کی جو یہ باتیں کہہ رہا تھا۔ یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں تھی، کیونکہ پیغمبر ﷺ کو معلوم تھا کہ مہاجرین بلا کسی توقف کے ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن کیا یہی بات تمام انصار کے بارے میں بھی کہی جا سکتی تھی، جو اس وقت موجود تھے؟

فوج مدینہ سے قافلے کو پکڑنے کی امید میں نکلی تھی۔ لیکن اب یہ لگ رہا تھا کہ انہیں کسی زیادہ طاقتور دشمن کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ مزید برآں، جب انصار نے عقبہ میں پیغمبر ﷺ کے ساتھ بیعت کی تھی، تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ پیغمبر ﷺ کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہیں جب تک وہ ان کی سرزمین میں داخل نہ ہو جائیں، لیکن جب وہ ان کے درمیان ہوں گے، تو وہ انہیں اپنے بیوی بچوں کی طرح تحفظ دیں گے۔ کیا اب وہ ان کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں گے، جب وہ یثرب میں نہیں ہیں؟

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "میرے لئے تمہاری رائے کیا ہے؟" یہ عام الفاظ تھے لیکن ان کا مقصد انصار تھا، جن میں سے بعض نے پہلے ہی ان کے دل میں آنے والے خیالات سمجھ لئے تھے، لیکن کوئی بھی ابھی تک بولنے نہیں آیا تھا۔ پھر سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور کہا: "لگتا ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کا تمہیں مطلب ہے، اے اللہ کے رسول۔" اور جب پیغمبر ﷺ نے ان کی باتوں سے اتفاق کیا تو وہ مزید بولے: "ہم تم پر ایمان رکھتے ہیں اور تم جو کچھ بھی ہمیں بتا چکے ہو، اس پر یقین رکھتے ہیں، اور ہم نے تمہیں سننے اور اطاعت کرنے کا پختہ عہد کیا ہے۔ تو جو چاہو کرو، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم، اگر تم ہمیں سمندر عبور کرنے کا حکم دو اور تم خود اس میں غوطہ لگاؤ، تو ہم تمہارے ساتھ غوطہ لگائیں گے۔ ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اور ہمیں دشمن سے لڑنے میں کوئی مشکل نہیں، ہم جنگ میں تربیت یافتہ ہیں اور میدان جنگ میں قابل اعتماد ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تمہیں ہماری طاقت دکھائے جو تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک دے۔ تو اللہ کے برکت سے ہمیں آگے بڑھاؤ۔"

پیغمبر ﷺ ان کے الفاظ سن کر خوش ہوئے؛ اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب انہیں یا تو قریش کی فوج کا سامنا کرنا ہو گا یا قافلے کا، لیکن دونوں کا نہیں۔ "آگے بڑھو،" انہوں نے کہا، "اور خوش ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے، اور مجھے ایسا لگتا ہے جیسے دشمن پہلے ہی زمین پر گر چکا ہے۔"

حالانکہ وہ بدترین حالات کے لیے تیار تھے، پھر بھی انہیں امید تھی کہ وہ قافلے پر حملہ کر کے واپس مدینہ جا سکیں گے، مال و دولت اور قیدیوں کے ساتھ، اس سے پہلے کہ قریش کی فوج پہنچے۔ لیکن جب وہ بدر سے ایک دن کی مسافت سے کم جگہ پر پہنچے، تو پیغمبر ﷺ نے ابو بکر کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر ایک بوڑھے آدمی سے معلومات حاصل کیں، جس سے یہ نتیجہ نکالا کہ مکہ کی فوج پہلے ہی قریب پہنچ چکی ہے۔

پھر پیغمبر ﷺ نے اپنے تین چچازاد بھائی علی، زبیر اور سعد کو اور کچھ دوسرے صحابہ کو بدر کے کنویں پر بھیجا تاکہ وہ یہ معلوم کریں کہ آیا فوج یا قافلہ یا دونوں میں سے کسی نے وہاں پانی بھر لیا ہے، یا وہاں کسی نے ان میں سے کسی کے بارے میں کوئی خبر سنی ہو۔ کنویں پر پہنچ کر انہوں نے دو آدمیوں کو پایا جو قریش کی فوج کے لیے پانی بھر رہے تھے، اور انہیں پکڑ کر پیغمبر ﷺ کے پاس لے آئے، جو نماز میں مشغول تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتے، انہوں نے دونوں آدمیوں سے سوالات کرنا شروع کر دیے،

آنکھوں کی ٹھنڈک" عربوں کا پسندیدہ اظہار ہے جو خوشی، مسرت یا دل کی راحت کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے [1]"

[2] I.I.435.

جو کہہ رہے تھے کہ وہ فوج کے پانی بردار ہیں۔ لیکن ان کے بازپرس کرنے والوں میں سے کچھ کا خیال تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ وہ شدت سے امید کر رہے تھے کہ یہ ابوسفیان کے لوگ ہیں جو قافلے کے لیے پانی لینے آئے ہیں۔ ان لوگوں نے ان پر تشدد کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کہا: "ہم ابوسفیان کے لوگ ہیں۔" تب ان کو چھوڑ دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی نماز کے آخری سجدے مکمل کیے، سلام پھیر دیا، اور فرمایا:

"جب انہوں نے سچ بولا تو تم نے ان کو مارا، اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ یہ واقعی قریش کی فوج کے لوگ ہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے ان دونوں قیدیوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

"مجھے بتاؤ، قریش کے بارے میں، وہ کہاں ہیں؟"

انہوں نے کہا: "وہ اس پہاڑی کے پیچھے ہیں،" اور 'عقنقل کی طرف اشارہ کیا، "وادی کے اس پار۔"

آپ ﷺ نے پوچھا: "وہ کتنے لوگ ہیں؟"

انہوں نے کہا: "بہت زیادہ،" لیکن کوئی درست تعداد نہ بتا سکے۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ روز کتنے جانور ذبح کرتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا: "کبھی نو، کبھی دس۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر وہ نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہیں۔"

آپ ﷺ نے مزید پوچھا: "قریش کے کون کون سے سردار ان کے ساتھ ہیں؟"

انہوں نے پندرہ نام لیے، جن میں شامل تھے: عبد شمس کے بھائی عتبہ اور شیبہ؛ نوفل کے حارث اور تُعیمہ (Tu'aymah)؛ عبد الدار کے نضر؛ اسد کے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی نوفل؛ مخزوم کے ابو جہل؛ جمح کے امیہ؛ اور عامر کے سہیل۔

ان ناموں کو سن کر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

"یہ مکہ نے اپنے جگر کے بہترین ٹکڑے تمہارے سامنے ڈال دیے ہیں۔"

جلد ہی، ہزار افراد پر مشتمل فوج کی خبر ابوسفیان تک پہنچی۔ اس وقت تک وہ ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جہاں ان کے محافظین دشمن کے بیچ میں تھے۔ جب انہیں یقین ہوا کہ قافلہ محفوظ ہے، تو انہوں نے قریش کو یہ پیغام بھیجا:

"تم اپنے اونٹوں، اپنے لوگوں اور اپنے سامان کی حفاظت کے لیے نکلے تھے؛ اور اللہ نے انہیں بچا لیا ہے، اس لیے واپس لوٹ جاؤ۔"

یہ پیغام اس وقت پہنچا جب قریش کی فوج بدر کے قریب جُحفہ میں خیمہ زن تھی۔ آگے نہ بڑھنے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ قریش کے کیمپ میں ایک خواب نے مایوسی پھیلا دی تھی، جو کہ تقریباً ایک کشف کی مانند تھا۔ یہ خواب مطّلب کے ایک شخص جُہَیم (Juhaym) نے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا:

"میں نے نیند اور بیداری کے درمیان ایک آدمی کو گھوڑے پر آتے دیکھا، جو ایک اونٹ کو لیے ہوئے تھا۔ وہ رکا اور کہا: 'عتبہ، شیبہ، ابوالحکم اور امیہ مارے جا چکے ہیں،'" اور دیگر سرداروں کے نام بھی لیے۔ پھر، انہوں نے اونٹ کو سینے میں چھری ماری اور اسے کیمپ میں آزاد چھوڑ دیا، اور کوئی خیمہ ایسا نہ تھا جو اس کے خون سے نہ چھِنا گیا ہو۔

جب ابو جہل کو اس خواب کے بارے میں بتایا گیا، تو اس نے طنزیہ انداز میں کہا:

"یہ مطّلب کے خاندان سے ایک اور نبی آیا ہے۔"

پھر، مایوسی کو ختم کرنے کے لیے، اس نے اپنے لوگوں سے کہا:

"خدا کی قسم، ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک بدر نہ پہنچ جائیں۔ تین دن وہاں قیام کریں گے؛ اونٹ ذبح کریں گے، جشن منائیں گے، شراب بہے گی، اور گانے والی عورتیں ہمارے لیے گائیں گی۔ عرب سنیں گے کہ ہم کیسے نکلے اور ہماری بڑی فوج کا ذکر کریں گے، اور وہ ہمیشہ کے لیے ہمارا خوف مانیں گے۔ بدر کی طرف بڑھو!"

اخنس بن شریق، جو زہرہ کے حمایتی تھے، نے انہیں ابو جہل کی بات نہ ماننے کی تلقین کی۔ نتیجتاً، وہ سب جحفہ سے واپس مکہ لوٹ گئے۔ طالب بھی ان کے ساتھ لوٹ آئے۔

ہاشم کے چند افراد اور قریش کے دیگر لوگوں کے درمیان گفتگو ہوئی، جس میں قریش نے کہا:
"اے ہاشم کے بیٹو! ہم جانتے ہیں کہ اگرچہ تم ہمارے ساتھ نکلے ہو، مگر تمہارے دل محمد ﷺ کے ساتھ ہیں۔"
عباس رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ وہ باقی فوج کے ساتھ بدر کی طرف جائیں گے، اور اپنے تین بھتیجوں کو بھی ساتھ لے گئے:
ابوسفیان، نوفل (حارث کے بیٹے)، اور عقیل (ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے)۔

پہاڑی کے اس پار شمال مشرق کی جانب مسلمان اپنی چھاؤنی ختم کر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دشمن سے پہلے بدر کے پانی تک پہنچ جائیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے فوراً پیش قدمی کا حکم دیا۔ کچھ دیر بعد بارش ہونے لگی، جسے آپ ﷺ نے اللہ کی طرف سے رحمت اور نصرت کی علامت سمجھا۔ بارش نے مسلمانوں کو تازگی بخشی، گرد کو بٹھایا، اور وادی یلیل کی نرم ریت کو سخت کر دیا، جہاں سے وہ گزر رہے تھے۔ لیکن یہ بارش دشمن کے لیے مشکلات پیدا کر سکتی تھی، جو ابھی عقنقل کی ڈھلوان پر چڑھائی کر رہے تھے۔ یہ مقام مسلمانوں کی بائیں جانب اور بدر کے مخالف سمت میں تھا۔

تمام کنویں ہموار زمین پر واقع تھے، اور نبی ﷺ نے پہلے کنویں پر قیام کا حکم دیا۔ لیکن خزرج کے ایک شخص، حباب بن منذر، نے عرض کی:
"اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ جگہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے، جہاں سے ہمیں آگے یا پیچھے نہیں جانا چاہیے، یا یہ جنگی حکمت عملی کی بات ہے؟"
آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حکمت عملی کی بات ہے۔ حباب نے کہا:
"یہ جگہ قیام کے لیے مناسب نہیں۔ آپ ہمیں اس کنویں تک لے جائیں جو دشمن کے قریب ہے۔ وہاں قیام کریں، باقی کنوؤں کو بند کر دیں، اور اپنے لیے ایک حوض بنا لیں۔ پھر ہم دشمن سے لڑیں گے، اور پانی ہمارا ہوگا، جبکہ ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔"
نبی ﷺ نے فوراً ان کی تجویز قبول کی، اور منصوبہ مکمل طور پر نافذ کیا گیا۔ دیگر کنوؤں کو بند کر دیا گیا، حوض بنایا گیا، اور ہر آدمی نے اپنا پانی بھر لیا۔

پھر سعد بن معاذ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:
"اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ کے لیے ایک پناہ گاہ بناتے ہیں، اور آپ کے سواری کے اونٹ وہاں تیار رکھیں گے۔ پھر ہم دشمن سے لڑیں گے، اور اگر اللہ نے ہمیں کامیاب کیا اور دشمن پر غلبہ عطا کیا تو یہ ہماری شدید خواہش ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا، تو آپ وہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں اور ان لوگوں کے پاس جا سکتے ہیں جو آپ کے ساتھ نہیں آئے۔ ان کی محبت آپ سے ہماری محبت سے کم نہیں، اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ آپ جنگ میں شامل ہوں گے، تو وہ پیچھے نہ رہتے۔ اللہ آپ کی حفاظت ان کے ذریعے کرے گا، وہ آپ کو بہترین مشورہ دیں گے اور آپ کے ساتھ لڑیں گے۔"
نبی ﷺ نے ان کی تعریف کی اور ان کے لیے دعائے برکت کی، اور پناہ گاہ کھجور کی شاخوں سے تیار کی گئی۔

اس رات اللہ نے مومنوں پر سکون کی نیند نازل کی، اور وہ تازہ دم اٹھے[1]۔ یہ جمعہ، 17 مارچ 623 عیسوی تھا، جو ہجری سال 2 کا 17 رمضان تھا[2]۔
صبح ہوتے ہی قریش اپنی فوج کے ساتھ عقنقل کی پہاڑی پر چڑھے۔ سورج نکل چکا تھا جب وہ چوٹی پر پہنچے، اور نبی ﷺ نے انہیں گھوڑوں اور اونٹوں پر وادی یلیل میں بدر کی طرف اترتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نے دعا کی:
"اے اللہ، یہ قریش ہیں: وہ تکبر اور غرور کے ساتھ آئے ہیں، تیری مخالفت کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔۔۔"

[1] کتاب VIII، صفحہ 11 دیکھیں

[2] **ہجری سال "یا" سال ہجرت**

اے پروردگار، ہمیں وہ مدد عطا فرما جو تُو نے ہمیں وعدہ کی تھی! اے رب، آج صبح انہیں تباہ کر دے!"

انہوں نے ڈھلان کے دامن میں اپنا کیمپ لگایا؛ اور چونکہ انہیں محسوس ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہے جیسا کہ انہوں نے اندازہ لگایا تھا، انہوں نے جمعہ کے عمیر کو گھوڑے پر بھیجا تاکہ ان کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکے اور یہ دیکھا جا سکے کہ ان کے عقب میں کوئی مددگار ہیں یا نہیں۔ اس نے اطلاع دی کہ ان کے علاوہ جو اب وادی کے دوسری طرف ان کے سامنے ہیں، کوئی اور فوج نہیں ہے۔ "لیکن اے قریش کے لوگوں،" انہوں نے مزید کہا، "مجھے نہیں لگتا کہ ان میں سے کوئی بھی قتل کیا جائے گا جب تک کہ وہ پہلے تم میں سے ایک آدمی کو قتل نہ کر لے؛ اور اگر وہ تم میں سے اتنے ہی تعداد کو قتل کر دیں جتنے ان کے ہیں، تو اس کے بعد زندگی میں کیا بہتری رہ جائے گی؟" عمیر کی مکہ میں ایک نجومی کی حیثیت سے کچھ شہرت تھی، اور اس سے ان کے الفاظ کو وزن ملتا تھا۔ اس نے ابھی بات ختم کی ہی تھی کہ اسد کے حکیم، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے، نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور پیدل ہی کیمپ سے ہو کر عبد و شمس کے لوگوں تک پہنچا۔ "ولید کے والد،" انہوں نے 'عتبہ سے کہا، "تم قریش کے سب سے بڑے آدمی ہو، اور ان کے سردار ہو اور وہ جو ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ کیا تم ان کے درمیان تعریف کے ساتھ یاد کیا جانا چاہتے ہو یہاں تک کہ قیامت تک؟" "یہ کیسے ہو گا؟" 'عتبہ نے کہا۔ "آدمیوں کو واپس لے جاؤ،" حکیم نے کہا، "اور اپنے مقتول اتحادی 'عمرو کے معاملے کو اپنے اوپر لے لو۔" اس کا مطلب تھا کہ 'عتبہ کو لڑائی کی ایک مضبوط وجہ کو ختم کرنا چاہئے اور خون بہا ان لوگوں کو ادا کرنا چاہئے جن کے آدمی کو نخلہ میں قتل کیا گیا تھا، جس کے بھائی 'امیر نے درحقیقت میدان جنگ میں اس کا انتقام لینے کے لیے آیا تھا۔ 'عتبہ نے کہا کہ وہ وہ سب کچھ کرے گا جو حکیم نے کہا، لیکن اس نے اسے ابو جہل سے بات کرنے پر زور دیا، وہ آدمی جو سب سے زیادہ جنگ پر اصرار کرے گا۔ درمیان میں وہ فوجیوں سے مخاطب ہُوا، "قریش کے مردوں، تم محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں سے لڑنے سے کچھ حاصل نہیں کرو گے۔ اگر تم انہیں نیچا دکھاتے ہو تو تم میں سے ہر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے کے لیے ہمیشہ نفرت سے دیکھے گا جس نے اپنے چچا یا اپنے کزن یا کسی اور قریبی رشتہ دار کو قتل کیا ہو۔ اس لیے واپس چلے جاؤ اور محمد ﷺ کو باقی عربوں پر چھوڑ دو۔ اگر وہ اسے قتل کرتے ہیں تو یہ وہی ہے جو تم چاہتے ہو؛ اور اگر نہیں، تو وہ دیکھے گا کہ تم نے اس کے ساتھ خود ضبطی دکھائی ہے۔" بلاشبہ وہ 'عامر الہدریمی کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا تھا تاکہ اپنے بھائی کے خون بہا کے لیے بات چیت کرے، لیکن ابو جہل بہت تیز تھا۔ اس نے 'عتبہ کو بزدلی کا طعنہ دیا، اپنی اور اپنے بیٹے ابی حذیفہ کی موت سے ڈرنے کا۔ پھر اس نے 'عامر سے کہا کہ وہ اپنے بھائی کے انتقام کے موقع کو نہ گنوا دے۔ "اٹھو،" انہوں نے کہا، "اور انہیں اپنے عہد و پیمان اور اپنے بھائی کے قتل کی یاد دلاؤ۔" 'عامر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا، اور اپنے کپڑے فرین کے اوپر اتار کر، وہ زار و قطار چیخنا شروع کر دیا، "افسوس 'عمرو! افسوس 'عمرو!" اس طرح جنگ کی آگ جل گئی اور لوگوں کی روحیں تشدد سے بھر گئیں اور 'عتبہ یا کسی اور کے لیے انہیں واپس موڑنے کی کوشش بے سود ہو گئی۔ اب معرکے کی آخری تیاریوں میں عام مصروفیت نے ایک آدمی کو وہ موقع دیا جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔ خوف سے کہ وہ اپنی غیر موجودگی میں فرار ہو سکتا ہے، سہیل جو اپنے بیٹے 'عبد اللہ کو بدر لایا تھا۔ جُمح کے سردار امیہ نے اپنے بیٹے علی کے ساتھ بھی یہی کیا تھا، جسے انہوں نے اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن علی کے برعکس، جو متزلزل تھا، 'عبد اللہ اپنے ایمان میں غیر متزلزل تھا؛ اور کیمپ کے نظروں سے دور ایک قریبی ٹیلے کے پیچھے جا کر، وہ ناہموار ریتوں کے پار جلدی سے اپنی راہ ہموار کر گیا۔

[1]I.I 448-9

مسلم کیمپ کی طرف، جہاں وہ سیدھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، اور دونوں کے چہروں پر خوشی تھی۔ پھر انہوں نے خوشی سے اپنے دوسالوں، ابوسبرہ اور ابوحذیفہ کومبارکباد دی

XLIII

The Battle of Badr

جنگ بدر

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو ترتیب دیا اور ہر آدمی کے سامنے سے گزرے تاکہ انہیں حوصلہ دیں اور صفیں سیدھی کریں، ان کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ "قطار میں کھڑے ہو جاؤ، اے سواد،" انہوں نے انصار میں سے ایک سے کہا جو آگے تھا، اور انہوں نے اپنے تیر سے اس کے پیٹ میں ہلکا سا چھیدا۔ "اے اللہ کے رسول، آپ نے مجھے تکلیف دی ہے،" سواد نے کہا، "اور اللہ نے آپ کو حق اور انصاف کے ساتھ بھیجا ہے، لہٰذا مجھے میری جزا دو۔" "لے لو،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، اپنا پیٹ کھول دیا اور اسے تیر دیتے ہوئے جہاں اس نے جھک کر بوسہ دیا۔ "یہ تم نے کیوں کیا؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ اور اس نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول، ہم اب اس چیز کا سامنا کر رہے ہیں جو آپ دیکھ رہے ہیں؛ اور میں چاہتا تھا کہ اگر یہ میرا آخری لمحہ ہو تو میری جلد آپ کی جلد سے چھو جائے؛" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی اور اسے برکت دی۔

اب قریش نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ لہریلے ٹیلوں کے پار دیکھا تو مکہ کی فوج تعداد میں کم دکھائی دی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصل تعداد اور دونوں فوجوں کے درمیان بڑے فرق سے بخوبی واقف تھے، اور اب وہ ابو بکر کے ساتھ پناہ گاہ میں واپس آئے اور اللہ سے وہ مدد مانگی جو اس نے وعدہ کی تھی۔

ایک ہلکی سی نیند ان پر آئی، اور جب وہ جاگے تو کہا: "خوش ہو جاؤ، ابو بکر؛ اللہ کی مدد تمہارے پاس آگئی ہے۔ یہ جبرائیل ہیں اور ان کے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام ہے جسے وہ لے جا رہے ہیں، اور وہ جنگ کے لیے مسلح ہیں۔[1]"

عربوں کی تاریخ میں کئی جنگیں آخری لمحے پر ٹل گئی تھیں، حالانکہ دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اب یقین ہو چکا تھا کہ جنگ ہو گی، اور یہ دونوں پارٹیوں میں سے وہی ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ گدھوں کو بھی معلوم تھا کہ خونریزی قریب ہے اور وہ پہلے ہی مقتولوں کی لاشوں پر بھوک مٹانے کے انتظار میں تھے، کچھ اوپر چکر کاٹ رہے تھے اور کچھ دونوں فوجوں کے پیچھے پتھریلی ڈھلانوں پر بیٹھے تھے۔ مزید یہ کہ قریش کی حرکات سے واضح تھا کہ وہ حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ پہلے ہی قریب تھے اور اب مسلمانوں نے جو حوض بنایا تھا اس کی پہنچ میں رک چکے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کا پہلا قدم اسے اپنے قبضے میں لینا ہو گا۔

مخزوم کا اسود دوسروں سے آگے بڑھا، ظاہر ہے کہ وہ پانی پینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے گئے اور ایک ضرب ماری جس سے ان کی ایک ٹانگ گھٹنے کے نیچے سے کاٹ دی، اور دوسری ضرب جس سے وہ قتل ہو گئے۔

.[1] B. LXIV, 10; I.I. 444

"عتبہ، ابھی بھی ابو جہل کے طعنوں سے جلتا ہوا، صفوں سے آگے بڑھا اور سنگل لڑائی کا چیلنج دیا۔ اور خاندان کے مزید اعزاز کے لئے، اس کے بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید اس کے دونوں طرف آگے بڑھ گئے۔" یہ چیلنج فوراً خزرج کے نجار قبیلے کے عوف نے قبول کیا

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والے پہلے چھ انصاریوں میں سے ایک تھا؛ اور عوف کے ساتھ اس کا بھائی معوذ بھی آگے بڑھا۔ یہ مدینہ میں ان کا وہی حصہ تھا جہاں قصواء نے ہجرت کا آخری مقام چنا تھا۔ تیسرا چیلنج قبول کرنے والا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ تھا، جس نے اپنے لیڈر ابن ابی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید اور تسلی کے الفاظ کہنے میں چیلنج کیا تھا۔

"تم کون ہو؟" چیلنج کرنے والوں نے پوچھا۔ جب مردوں نے جواب دیا، تو عتبہ نے کہا: "تم معزز ہو اور ہمارے ہم پلہ ہو، لیکن ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارا چیلنج صرف ہماری اپنی قبیلے کے لوگوں کے خلاف ہے۔" پھر قریش کے پیامبر نے چیخا: "اے محمد ﷺ، ہمارے اپنے قبیلے کے ہم پلہ لوگوں کو ہمارے خلاف بھیجو۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اور نہیں سوچا تھا، لیکن انصاریوں کی جلد بازی نے انہیں پہلے ہی روک دیا تھا۔ اب وہ اپنے خاندان کی طرف مڑے، کیونکہ خاص طور پر ان کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ جنگ کا آغاز کریں۔ چیلنج کرنے والے دو بالغ مرد اور ایک نوجوان تھے۔ "اٹھو، اے عبیدہ،" انہوں نے کہا۔ "اٹھو، اے حمزہ رضی اللہ عنہ، اٹھو، اے علی۔" عبیدہ فوج کے سب سے پرانے اور تجربہ کار آدمی تھے، مطلب کے پوتے، اور انہوں نے عتبہ کا سامنا کیا جبکہ حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کا سامنا کیا اور علی نے ولید کا۔ جنگیں زیادہ دیر تک نہیں رہیں: شیبہ اور ولید جلد ہی زمین پر مردہ پڑے تھے، جبکہ حمزہ رضی اللہ عنہ اور علی بے گزند تھے: لیکن جب عبیدہ نے عتبہ کو زمین پر گرایا تو اس نے لیکن اسے عتبہ کی تلوار کے ایک وار سے ٹانگ کٹنے کا سامنا کرنا پڑا یہ تین کے مقابلے تین کا مقابلہ تھا، لہٰذا حمزہ رضی اللہ عنہ اور علی نے عتبہ پر اپنی تلواریں ماری، اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے موت کا جھٹکا دیا۔ پھر انہوں نے اپنے زخمی کزن کو اپنے کیمپ میں واپس لے جایا۔ اس نے بہت زیادہ خون کھو دیا تھا، اور اس کی ٹانگ کے کٹنے والے حصے سے گودا بہہ رہا تھا ان کے پاس صرف ایک ہی سوچ تھی۔ "کیا میں شہید نہیں ہوں، اے اللہ کے رسول؟" انہوں نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچے۔ "یقیناً تم ہو،" انہوں نے جواب دیا۔

دونوں فوجوں کے درمیان تناؤ کی خاموشی اب قریش کی طرف سے ایک تیر کی آواز سے ٹوٹ گئی، اور عمر کے آزاد کردہ شخص زمین پر گرا، مہلک طور پر زخمی ہوا۔ ایک اور تیر خزرج کے نوجوان حارثہ کے گلے میں پیوست ہوا، جب وہ حوض پر پانی پی رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اب اپنے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، آج کا دن کوئی آدمی قتل نہیں کیا جائے گا، جب تک کہ وہ ان کے خلاف لڑنے میں ثابت قدم رہتے ہوئے اپنی امید کی مکمل امید کے ساتھ، آگے بڑھتے ہوئے نہ پیچھے ہٹتے ہوئے، خدا اسے فوراً جنت میں داخل کرے گا۔[1]" ان کے الفاظ ان لوگوں نے جو سنے تھے ان تک پہنچائے جو سننے کے قابل نہیں تھے۔ خزرج کے سلیمہ قبیلے کے عمیر نے کچھ کھجوریں جنہیں وہ کھا رہا تھا ہاتھ میں اٹھائی۔ "کمال کی بات ہے!" اس نے پکارا۔ "کیا میرے اور میری جنت میں داخلے کے درمیان کچھ بھی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں؟ اور اس نے کھجوریں پھینک دیں اور حکم کے انتظار میں بے تابی سے اپنی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا، عوف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے تھے، اس چیلنج کا اعزاز کھونے سے مایوس تھے جو انہوں نے سب سے پہلے قبول کیا تھا، اور اب وہ نبی کی طرف مڑ کر بولے: "اے خدا کے رسول، وہ کیا چیز ہے جو اللہ کو اپنے بندے پر خوشی سے ہنسا دیتی ہے؟"

[1] I.I. 445.

فوراًجواب آیا: "جب وہ بغیر زرہ بکتر کے دشمن کے بیچ میں گھس جاتا ہے"; اور عوف نے جو زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے، اتار دیا، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں کی ایک مٹھی اٹھائی اور قریش کی طرف دیکھ کر "یہ چہرے مٹ جائیں"، کہہ کر کنکروں کو ان پر پھینک دیا، اس بات کا شعور رکھتے ہوئے کہ وہ تباہی پھیلا رہے ہیں۔ پھر انہوں نے حملے کا حکم دیا۔ جنگ کا نعرہ جو انہوں نے بنایا تھا، "یا مَنصُور اَمِت [1]"، ہر گلے سے گونج رہا تھا جب مرد آگے بڑھ رہے تھے۔ عوف بغیر زرہ بکتر کے اور عمیر ان میں سے پہلے لوگوں میں تھے جنہوں نے دشمن کا سامنا کیا اور دونوں لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ ان کی اور عبیدہ کی شہادت اور تیروں سے مارے گئے دو لوگوں کی موت کے ساتھ شہداء کی تعداد پانچ ہو گئی۔ اس دن مزید نو ایمان والے شہید ہونے والے تھے، ان میں سعد کا چھوٹا بھائی عمیر بھی شامل تھا، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر بھیجنا چاہتے تھے۔

"تم نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا، بلکہ یہ اللہ تھا جس نے پھینکا.[2] "یہ الفاظ جنگ کے فوراً بعد وحی کے حصہ تھے۔ اور کنکر وہ واحد نشانی نہیں تھے جو اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے الہی طاقت کے طور پر نکلے۔ ایک مقام پر جہاں قریش کی مزاحمت سب سے زیادہ مضبوط تھی، ایک مومن کے ہاتھوں میں تلوار ٹوٹ گئی، جس کی پہلی سوچ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر دوسرا ہتھیار طلب کریں۔ یہ عکاشہ تھے، جو جحش خاندان سے تعلق رکھتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لکڑی کا ڈنڈا دیتے ہوئے کہا: "اس سے لڑو، عکاشہ۔" انہوں نے اسے لیا اور لہرا دیا اور وہ ان کے ہاتھ میں ایک لمبی، مضبوط، چمکدار تلوار بن گئی۔ انہوں نے اس سے بدر کی باقی لڑائیاں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دیگر لڑائیوں میں جنگ کی، اور اس کا نام العون رکھا گیا جس کا مطلب الہی مدد ہے۔

جب ایمان والوں کو حملے کا حکم دیا گیا، تو وہ تنہا حملہ نہیں کر رہے تھے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا، کیونکہ انہیں وعدہ کیا گیا تھا: "میں تمہاری مدد ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے کروں گا، فوج کے بعد فوج۔[3]" اور فرشتوں کو بھی ایک الہی پیغام ملا: "جب تمہارے رب نے فرشتوں پر وحی کی: سنو، میں تمہارے ساتھ ہوں، لہٰذا ایمان والوں کو ثابت قدم بناؤ۔ میں کافروں کے دلوں میں خوف ڈال دوں گا۔ یہ تمہارے لیے ہے کہ تم ان کے سر قلم کرو، اور ان کی ہر ایک انگلی کو کٹ دو,[4]

فرشتوں کی موجودگی کو سب نے محسوس کیا، ایمان والوں کے لئے یہ طاقت تھی اور کافروں کے لئے دہشت، لیکن وہ موجودگی صرف چند لوگوں کے لئے نظر یا سنائی دیتی تھی، اور مختلف درجہ میں۔ ایک قریبی عرب قبیلے کے دو آدمی ایک پہاڑی کے اوپر گئے تا کہ معاملہ دیکھ سکیں اور امید رکھتے تھے کہ جنگ کے بعد لوٹ مار میں حصہ لیں گے۔ ان کے پاس سے ایک بادل گزرا، ایک بادل جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں تھیں، اور ان میں سے ایک آدمی فوراً مر گیا۔ "اس کا دل خوف سے پھٹ گیا"، زندہ رہنے والے نے کہا، جو اس نے اپنے دل سے محسوس کیا۔

ایک مومن دشمن کے ایک آدمی کا پیچھا کر رہا تھا، اور آدمی کا سر اس کے جسم سے اڑ گیا اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچ سکتا، ایک نادیدہ ہاتھ سے مارا گیا۔ دوسروں نے فرشتوں کو گھوڑوں پر سوار دیکھنے کی مختصر جھلک دیکھی، جن کے کھروں نے زمین کو کبھی نہیں چھوا، جبرائیل کی قیادت میں جو پیلا عمامہ پہنے ہوئے تھے، جبکہ دوسرے فرشتوں کے عمامے سفید تھے، ایک سرا ان کے پیچھے لہر رہا تھا۔ قریش جلد ہی مکمل طور پر شکست کھا گئے اور بھاگنے لگے، سوائے ان چھوٹے گروہوں کے جہاں فرشتے نہیں گزرے تھے۔ ان میں سے ایک میں ابو جہل اپنی شدید بہادری کے ساتھ لڑ تا رہا یہاں تک کہ عوف کے بھائی معاذ نے اسے زمین پر گرا دیا۔

[1] اے وہ جسے اللہ نے فتح دی ہے، قتل کر!"

[2] VIII,17. [3] VIII,9. [4] VIII,12.

پھر ابو جہل کا بیٹا عکرمہ مُعاذ پر حملہ ہوا اور اس کا بازو کندھے سے تقریباً کٹ گیا۔ معاذ اپنی اچھی بازو سے لڑتے رہے، جبکہ دوسرا بازو ان کے پہلو میں جلد کے ساتھ لٹکا ہوا تھا؛ لیکن جب یہ بہت زیادہ تکلیف دہ ہوا تو وہ جھکے، اور اپنے مُردہ ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھ کر خود کو جھٹک کر اٹھایا، اور اس بوجھل بازو کو اتار دیا، اور دشمن کا پیچھا جاری رکھا۔ ابو جہل ابھی بھی زندہ تھا، لیکن معوّذ، عوف کے دوسرے بھائی، نے اسے پہچانا اور اس پر ایک وار کیا جس نے اسے مرنے کے قریب چھوڑ دیا۔ پھر معوّذ آگے بڑھا اور عوف کی طرح لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔

قریش کے بیشتر لوگ فرار ہو گئے، لیکن کچھ پچاس افراد شدید زخمی یا جنگ میں مارے گئے یا بھاگتے ہوئے قتل ہوئے۔ تقریباً اتنے ہی افراد کو قیدی بنایا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا: "مجھے معلوم ہے کہ بنی ہاشم کے کچھ افراد اور دیگر ایسے ہیں جنہیں ان کی مرضی کے بغیر نکالا گیا ہے، بغیر کسی ارادے کے کہ وہ ہم سے لڑیں۔" اور انہوں نے بعض کے نام لے کر کہا جن کی زندگیاں بچائی جانی چاہئیں اگر وہ پکڑے جائیں۔ لیکن ان کے فوج کے بیشتر افراد بہر حال اپنے قیدیوں کو تاوان کے لئے رکھنے کے خواہشمند تھے بجائے کہ انہیں تلوار سے مار ڈالیں۔

چونکہ قریش کی تعداد مومنوں سے بہت زیادہ تھی، اس امکان کو بھی مد نظر رکھنا تھا کہ وہ دوبارہ لڑائی کے لئے جمع ہو سکتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکر کے ساتھ اپنی پناہ گاہ میں واپس جانے پر قائل کیا گیا جبکہ کچھ انصاری پہرہ دیتے رہے۔ سعد بن معاذ دروازے پر تلوار نکالے پہرہ دے رہے تھے، اور جب ان کے ساتھی جنگجو قیدیوں کو کیمپ میں لانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر شدید ناپسندیدگی کے اظہار سے متاثر ہوئے۔ "اے سعد،" انہوں نے کہا، "ایسا لگتا ہے کہ ان کا کام تمہیں ناپسند ہے۔" سعد نے زور سے اس کی تائید کی؛ پھر انہوں نے مزید کہا: "یہ پہلی شکست ہے جو اللہ نے بت پرستوں پر دی ہے؛ اور میں چاہتا ہوں کہ ان کے مردوں کو زندہ دیکھنے سے بہتر ہے کہ انہیں قتل کیا جائے۔" عمر بھی اسی رائے کے حامل تھے، لیکن ابو بکر قیدیوں کو زندہ رکھنے کے حق میں تھے، اس امید پر کہ جلد یا بدیر وہ مومن بن جائیں گے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے کی طرف مائل ہو گئے۔ لیکن دن کے بعد، جب عمر پناہ گاہ میں واپس آئے، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کو ایک وحی کی وجہ سے روتے ہوئے پایا جو آئی تھی: "یہ کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ قیدی رکھے جب تک کہ وہ زمین میں بڑی خونریزی نہ کر چکا ہو[1]۔ تم اپنے لئے دنیا کی فائدے چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے، اور اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔" لیکن پھر وحی نے واضح کیا کہ قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ اللہ نے قبول کیا ہے اور اب اسے منسوخ نہیں کیا جانا چاہئے؛ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدیوں کے لئے ایک پیغام دیا گیا: "اے نبی، ان قیدیوں سے کہو جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں: اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں کوئی خیر معلوم ہو، وہ تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے، اور وہ تمہیں معاف کرے گا۔ یقیناً اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔[2]"

تاہم، ایک آدمی، ابو جہل، جسے صاف طور پر زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ عمومی رائے یہ تھی کہ وہ مارا جا چکا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کی لاش کی تلاش کی جائے۔ عبد اللہ بن مسعود دوبارہ میدان جنگ میں گئے اور جب تک تلاش کیا جب تک وہ آدمی نہ مل گیا جس نے مکہ کے لوگوں میں اسلام کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لئے کسی اور سے زیادہ کیا تھا۔ ابو جہل کے پاس ابھی بھی اتنی زندگی تھی کہ وہ دشمن کو پہچان سکے جو اب اس کے اوپر کھڑا تھا۔

[1] یہ ایک قیدی کو ناحق چھوڑنے کی وجہ سے تھا کہ ساؤل اپنی بادشاہت سے محروم کر دیا گیا (I Samuel 15).

[2] VIII, 70.

عبد اللہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے کعبہ کے سامنے بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کی، اور ابو جہل نے اسے ایک شدید ضرب مار کر اس کے چہرے پر زخم لگایا، کیونکہ وہ صرف زہرہ کا اتحادی اور ایک غریب آدمی تھا، اس کی ماں ایک غلام تھی۔ عبد اللہ نے اب اپنا پاؤں ابو جہل کی گردن پر رکھا، جس نے کہا: "تم نے واقعی بلند مقام حاصل کیا ہے، چھوٹے چرواہے۔" پھر اس نے اس سے پوچھا کہ اس دن جنگ کی قسمت کس طرف گئی، اس کا مطلب یہ تھا کہ اگلی بار وہ مخالف سمت میں جائے گی۔ "اللہ اور اس کے رسول نے جیت لی ہے،" اس نے جواب دیا۔ پھر اس نے اس کا سر کاٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔

ابو جہل واحد قریش کا سردار نہیں تھا جو لڑائی ختم ہونے کے بعد قتل ہو گیا۔ عبد الرحمان ابن عوف زرہ بکتر لے کر جا رہے تھے جو انہوں نے مال غنیمت کے طور پر لی تھی، اور وہ فربہ امیہ کے پاس سے گزرے، جو اپنا سواری کھو چکے تھے اور فرار ہونے سے قاصر تھے۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا علی تھا، جس کا ہاتھ وہ پکڑے ہوئے تھے۔ امیہ نے اپنے ایک وقت کے دوست کو پکارا: "مجھے قیدی بنالو، کیونکہ میں زرہ بکتر سے زیادہ قیمت رکھتا ہوں۔" عبد الرحمان نے اتفاق کیا، اور زرہ بکتر پھینک کر انہیں اور ان کے بیٹے کو ایک ہاتھ سے پکڑ لیا۔ لیکن جب وہ انہیں کیمپ کی طرف لے جا رہے تھے تو بلال نے انہیں دیکھا اور اپنے سابق مالک اور اذیت دینے والے کو پہچان لیا۔ "امیہ،" انہوں نے پکارا، "کفر کا سردار! میں نہیں جیوں گا اگر وہ بچ جائے!" عبد الرحمان نے سختی سے احتجاج کیا کہ وہ ان کے قیدی ہیں، لیکن بلال نے دوبارہ اپنا نعرہ دہرایا: "میں نہیں جیوں گا اگر وہ بچ جائے!" "کیا تم مجھے نہیں سنو گے، اے کالی ماں کے بیٹے؟" غصے میں آئے قیدی نے کہا، جس پر بلال نے اپنے مومنین کو آواز دی: "اے اللہ کے مددگار، کفر کا سردار، امیہ! میں نہیں جیوں گا اگر وہ بچ جائے!" مرد ہر طرف سے دوڑتے ہوئے آئے اور عبد الرحمان اور ان کے دو قیدیوں کو تنگ دائرے میں گھیر لیا۔ پھر ایک تلوار نکلی اور علی کو زمین پر مارا گیا لیکن وہ قتل نہیں ہوا۔ عبد الرحمان نے ابو جہل کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "اپنی فرار کی کوشش کرو،" انہوں نے کہا، "پھر بھی کوئی فرار نہیں ہے، کیونکہ اللہ کی قسم میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا!" انہیں ایک طرف دھکیل کر مردوں نے اپنی تلواروں کے ساتھ قیدیوں پر حملہ کیا اور انہیں جلدی سے مار دیا۔ عبد الرحمان بعد کے سالوں میں کہا کرتے تھے: "اللہ بلال پر رحم کرے! میری زرہ بکتر مجھ سے ضائع ہو گئیں، اور اس نے میرے دو قیدیوں کو مجھ سے چھین لیا۔[1]"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جنگ میں مارے گئے تمام کافروں کی لاشوں کو ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے؛ اور جب عتبہ کی لاش کو گھسیٹ کر لے جایا جا رہا تھا تو اس کے بیٹے ابو حذیفہ کا چہرہ زرد ہو گیا، اور غم سے بھر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے محسوس کیا، اور انہیں شفقت سے دیکھا، جس پر ابو حذیفہ نے کہا: "اے اللہ کے رسول، یہ نہیں کہ میں آپ کے حکم پر سوال کرتا ہوں کہ میرے باپ کو کہاں پھینکا گیا ہے۔ لیکن میں انہیں ایک دانشمند، تحمل اور فضیلت والے آدمی کے طور پر جانتا تھا، اور مجھے امید تھی کہ یہ خوبیاں انہیں اسلام کی طرف لے جائیں گی؛ اور جب میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا، اور جب میں نے یاد کیا کہ وہ کس حالت میں فوت ہوئے تھے، تو یہ مجھے اداس کر گیا۔" پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حذیفہ کو دعا دی اور ان سے محبت بھری باتیں کیں۔

کیمپ کی خاموشی جلد ہی بلند آوازوں سے ٹوٹ گئی، کیونکہ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے مال غنیمت کا حصہ مانگا، اور جنہوں نے دشمن کا پیچھا کیا اور انہیں گرفتار کیا...

[1] I.I. 448-9.

اور جن لوگوں نے دشمن کا پیچھا کیا تھا اور آدمیوں، ہتھیاروں اور زرہوں کو قبضے میں لیا تھا، وہ اپنی محنت سے حاصل کی ہوئی چیزیں چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کی منصفانہ تقسیم کا حکم دے کر ہم آہنگی بحال کر پاتے، مطلوبہ اثر زیادہ سادگی اور فوری طور پر وحی سے حاصل ہوا: وہ تجھ سے جنگ کے مال کے بارے میں سوال کریں گے۔ کہہ: جنگ کا مال اللہ اور رسول کے لئے ہے[1]۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو کچھ لیا گیا ہے، بشمول قیدی، اکٹھا کیا جائے اور اب کسی فرد کی ذاتی ملکیت نہیں سمجھی جائے۔ اس حکم کی فوراً بغیر سوال کی تعمیل کی گئی۔

قیدیوں میں سب سے ممتاز 'عامر کا سردار، سہیل، تھا، جو سودہ رضی اللہ عنہا کا کزن اور اُن کے پہلے شوہر کا بھائی تھا۔ دوسروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب تھے، جیسے ان کے چچا 'عباس رضی اللہ عنہ، ان کے داماد زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص، اور ان کے کزن 'عقیل اور نوفل۔ انہوں نے عمومی حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، اگرچہ واضح طور پر انہیں باندھنا پڑا۔ لیکن ان کے چچا کی تکلیف دہ حالت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات سونے نہیں دیا، اور انہوں نے حکم دیا کہ ان کے بندھن ڈھیلے کر دیے جائیں۔ دوسرے قیدیوں کو ان کے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے اتنی رعایت نہیں ملی۔ مصعب اپنے بھائی ابو عزیز کے پاس سے گزرے جب اسے انصاری نے باندھا تھا جس نے اسے پکڑا تھا، اور کہا: "اسے مضبوطی سے باندھ لو کیونکہ اس کی ماں مالدار ہے، اور ممکن ہے کہ وہ اسے تم کو فدیہ دے کر چھڑا لے "بھائی، "ابو عزیز نے کہا، "کیا تم اس طرح دوسروں کے سامنے میری سفارش کرتے ہو؟" "اب وہ میرا بھائی ہے تمہاری جگہ پر، "مصعب نے کہا۔ اس کے باوجود، ابو عزیز بعد کے سالوں میں بتاتے تھے کہ انہیں انصاریوں کی طرف سے اچھا سلوک ملا، جنہوں نے انہیں مدینہ لے جا کر ان کی ماں نے 4,000 درہم کے بدلے فدیہ دیا۔

جیسے ہی یہ واضح ہو گیا کہ آٹھ سو یا اس سے زیادہ مکہ کے فوجی جو ابھی تک آزاد تھے، انہیں ایسی شکست دی گئی ہے کہ وہ دوبارہ اکٹھے ہونے کے قابل نہیں رہے، نبی اکرم ﷺ نے عبد اللہ بن رواحہ کو اوپر مدینہ (یعنی شہر کے جنوبی حصے) کے لوگوں تک فتح کی خوشخبری پہنچانے کے لیے بھیجا، اور زید کو نیچے مدینہ کے لوگوں کے پاس بھیجا۔۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں فوج کے ساتھ رہے؛ اور اس رات وہ اس گڑھے کے پاس گئے جس میں اسلام کے دشمنوں کی لاشیں پھینکی گئی تھیں۔ "اے گڑھے کے لوگوں، "انہوں نے کہا، "اپنے نبی کے رشتہ دارو، تم نے اسے دکھائی دینے والا رشتہ دکھایا۔ تم نے مجھے جھوٹا کہا، جب دوسروں نے مجھے قبول کیا؛ تم نے میرے خلاف جنگ کی، جب دوسروں نے مجھے فتح دلائی۔ کیا تم نے سچ پایا، جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ میں نے سچ پایا، جو میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ "ان کے بعض صحابہ نے انہیں سنا اور مردہ جسموں سے بات کرتے ہوئے حیران ہوئے۔ "تمہارا سننا جو میں کہتا ہوں ان سے بہتر نہیں، "انہوں نے کہا، "لیکن وہ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔[2]"

اگلی صبح سویرے، وہ اپنی فوج اور مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے

دو قیدی جو سب سے زیادہ قیمتی تھے، یعنی وہ جن کے خاندانوں پر یہ بھروسا کیا جا سکتا تھا کہ وہ 4,000 درہم کا پورا فدیہ ادا کریں گے، نضر بن عبد الدار اور عقبہ[3] بن عبد شمس تھے۔ لیکن یہ دونوں اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھے، اور اگر انہیں واپس جانے دیا جاتا تو وہ فوراً اپنی شیطانی سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دیتے، جب تک کہ مسلمانوں کی بدر میں حیران کن فتح نے انہیں سوچنے پر مجبور نہ کیا ہو۔ نبی کریم ﷺ کی نظر اب مسلسل ان پر تھی، لیکن دونوں میں سے کسی کے دل کی حالت میں تبدیلی کا کوئی اشارہ نظر نہ آیا،

[1] VIII, I. [2] I.I. 454. [3] صفحہ 98 دیکھیں

محمد ﷺ کے مدینہ واپسی کے سفر میں قیدی نضر بھی شامل تھا، اور دورانِ سفر یہ واضح ہو گیا کہ یہ خدا کی مرضی کے خلاف ہے کہ انہیں زندہ چھوڑ دیا جائے۔ پہلے پڑاؤ پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ نضر کو قتل کر دیا جائے، اور علیؓ نے اسے قتل کیا۔ ایک دوسرے پڑاؤ پر عقبہ کو بھی اوس کے ایک آدمی نے قتل کیا۔

نبی ﷺ نے باقی قیدیوں اور مالِ غنیمت کو تین دن کی مسافت کے اندر ایک پڑاؤ پر تقسیم کیا، اور ممکن حد تک ہر اُس شخص کو برابر حصہ دیا جو اس مہم میں شریک تھا۔

اس وقت تک زیدؓ اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہؓ مدینہ پہنچ چکے تھے، اور وہاں بڑی خوشی منائی گئی سوائے یہودیوں اور منافقوں کے۔ لیکن زیدؓ کو اپنی خوشخبری کے بدلے افسوسناک خبر ملی: رقیہؓ انتقال کر چکی تھیں؛ عثمانؓ اور اسامہؓ ان کی تدفین سے واپس آئے تھے۔

شہر کے اس حصے میں رونے دھونے میں مزید اضافہ ہوا جب زیدؓ نے عفراءؓ کو اُن کے دونوں بیٹوں، عوفؓ اور معوذؓ کی شہادت کی خبر دی۔ سودہؓ اپنے گھر اور عفراءؓ کے گھر کے درمیان آتی جاتی رہیں تاکہ دونوں جگہوں پر غم میں شریک ہوں۔ عفراءؓ کے لیے اپنے بیٹوں کی عظیم شہادت کی وجہ سے غم کے ساتھ خوشی بھی تھی۔

زیدؓ نے ربیعؓ کو بھی یہ خبر دی کہ ان کے جوان بیٹے حارثہ بن سراقہؓ شہید ہو گئے تھے، جن کی گردن ایک تیر سے اُس وقت چھید دی گئی جب وہ حوض سے پانی پی رہے تھے۔ چند دن بعد جب نبی ﷺ خود واپس لوٹے تو ربیعؓ آپ ﷺ کے پاس آئیں اور اپنے بیٹے کے بارے میں دریافت کیا؛ وہ اس خیال سے پریشان تھیں کہ شاید ان کا بیٹا جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی شہید ہو گیا تھا اور اسے اسلام کے لیے لڑنے کا موقع نہیں ملا۔

"اے خدا کے رسول ﷺ، کیا آپ مجھے حارثہ کے بارے میں نہیں بتائیں گے تاکہ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر سے اپنا غم برداشت کروں، اور اگر نہیں تو میں اس کے لیے رو کر توبہ کروں؟"

نبی ﷺ نے اس قسم کے سوالات کا عمومی جواب پہلے ہی دیا تھا کہ مومن کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے[1]، خواہ وہ اپنے ارادے کو پورا نہ کر سکے: "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" لیکن اس موقع پر آپ ﷺ نے خاص طور پر جواب دیا:

"اے حارثہ کی ماں، جنت میں بہت سے باغ ہیں، اور بے شک تمہارا بیٹا سب سے اعلیٰ، فردوس، میں پہنچ چکا ہے۔[2]"

[1] B.I,1. [2] B. LVI, 14.

XLIV

The Return of the Vanquished

شکست خوردہ کی واپسی

قریش کی فوج چھوٹے چھوٹے گروہوں میں مکہ کی طرف واپس لوٹ رہی تھی، ان میں سے کچھ افراد اکیلے آگے یا پیچھے جا رہے تھے۔ سب سے پہلے جو خبر لے کر پہنچا وہ ابوسفیان تھا، جس کا بھائی نوفل گرفتار ہو گیا تھا۔ ابوسفیان کا نئے دین کے خلاف عناد اسے اس بات پر آمادہ کرتا رہا کہ وہ اس کے اور اپنے کزن اور رضاعی بھائی، نبی ﷺ، کے خلاف اشعار لکھے۔ لیکن بدر کے تجربے نے اسے سخت جھنجھوڑ دیا تھا۔

اس کا پہلا خیال خانہ کعبہ جانے کا تھا، اور اتفاقاً اس کا چچا ابولہب زمزم کے بڑے خیمے میں بیٹھا تھا۔ اپنے بھتیجے کو دیکھ کر ابولہب نے اسے بلایا اور کہا کہ وہ اس کے پاس بیٹھے اور اسے بتائے کہ کیا ہوا۔ ابوسفیان نے کہا: "بس یہی ہے کہ ہم دشمن سے ٹکرا گئے اور پیٹھ موڑ دی، اور انہوں نے ہمیں بھگا دیا یا حسب مرضی قیدی بنا لیا۔

میں ہمارے لوگوں کو قصوروار نہیں ٹھہراتا، کیونکہ ہمیں ان کے علاوہ ان سفید پوش مردوں کا بھی سامنا تھا جو آسمان اور زمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر تھے، جو کسی کو نہیں چھوڑتے تھے اور ان کے سامنے کچھ ٹھہر نہیں سکتا تھا۔" اب ام الفضل خیمے کے ایک کونے میں بیٹھی تھیں، اور ان کے ساتھ عباس رضی اللہ عنہ کے غلام ابو رافع تھے جو تیر بنا رہے تھے۔

وہ بھی ان کی طرح مسلمان تھے اور انہوں نے اپنا اسلام چند لوگوں کے سوا سب سے چھپایا ہوا تھا۔ لیکن ابورافع اپنی خوشی کو ضبط نہ کر سکے اور نبی ﷺ کی فتح کی خبر سن کر اور خاص طور پر "آسمان اور زمین کے درمیان سفید پوش مردوں" کا ذکر سن کر حیرت اور فتح مندی سے بول اٹھے:

"وہ تو فرشتے تھے۔"

یہ سن کر ابولہب غصے سے پاگل ہو گیا اور اس نے ابورافع کے چہرے پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ غلام نے پلٹ کر وار کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ دبلا اور کمزور تھا، اور موٹے اور بھاری بھرکم ابولہب نے اسے زمین پر گرا دیا، اس پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا اور بار بار مارنے لگا۔ پھر ام الفضل نے ایک لکڑی کا ڈنڈا اٹھایا جو خیمے کے ستونوں کو مضبوط کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا، اور انہوں نے پورے زور سے اپنے دیور کے سر پر مارا۔

اس ضرب سے ابولہب کے سر کی کھال اور گوشت پھٹ گیا اور ایک لمبا زخم ہو گیا جو کبھی نہ بھر سکا۔

انہوں نے کہا: "کیا تم اسے بے حیثیت سمجھتے ہو، اب جبکہ اس کا مالک یہاں نہیں ہے کہ اسے بچا سکے؟"

یہ زخم سڑ گیا، اور ایک ہفتے کے اندر اس کے پورے جسم پر پیپ سے بھرے ہوئے پھوڑے نکل آئے، جس سے وہ مر گیا۔

جب جنگ کی مزید خبریں پہنچیں اور سوگواروں نے اپنے مقتولین پر نوحہ کرنا شروع کیا،

تو مجلس میں فوری طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ انہیں اپنے جذبات پر قابو پانے کی ہدایت دی جائے۔ انہیں کہا گیا، "محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اس کی خبر پہنچے گی اور وہ خوش ہوں گے۔" جہاں تک قیدیوں کے رشتہ داروں کا تعلق تھا، انہیں یثرب کو کوئی فدیہ بھیجنے میں تاخیر کرنے کی تلقین کی گئی۔۔ قریش کے بہت سے معزز افراد کی موت کے بعد، اموی ابوسفیان قریش کے رہنما کے طور پر ابھرے، اور ایک مثال قائم کرنے کے لیے انہوں نے اپنے دو بیٹوں، حَنظَلَہ اور عمرو کے بارے میں کہا، جن میں سے ایک قتل ہو چکا تھا اور دوسرا قید تھا:

"کیا میں اپنے خون اور مال دونوں کا نقصان برداشت کروں؟ انہوں نے حَنظَلَہ کو قتل کر دیا، تو کیا میں اب عمرو کا فدیہ بھی دوں؟ انہیں ان کے پاس رہنے دو، جتنے دن چاہیں!"

ابوسفیان کی آتش مزاج بیوی ہندہ حَنظَلَہ یا عمرو کی ماں نہیں تھیں، لیکن جنگ کے آغاز میں انہوں نے اپنے والد عتبہ، اپنے چچا شیبہ، اور اپنے بھائی ولید کو کھو دیا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے ماتم کو روکے ہوئے تھیں، لیکن انہوں نے قسم کھائی کہ جب قریش مسلمانوں کی فوج سے بدلہ لے گی—جیسا کہ وہ ضرور لیں گے—تو وہ حمزہ رضی اللہ عنہؓ کا کلیجہ چبا کر کھائیں گی، جنہوں نے ان کے چچا کو قتل کیا تھا اور ان کے والد کو کاری زخم دیا تھا۔

ابوسفیان کے اس قافلے کا جو وہ بخیریت مکہ لے آیا تھا، متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کے تمام منافع کو ایک ایسی فوج بنانے کے لیے وقف کیا جائے جو اتنی بڑی اور طاقتور ہو کہ یثرب کی کسی بھی مزاحمت کو شکست دینے میں ناکام نہ ہو سکے۔ اس بار عورتوں کو بھی مردوں کے ساتھ روانہ کیا جائے گا، تاکہ وہ انہیں حوصلہ دیں اور بہادری کے کارنامے انجام دینے کے لیے اکسائیں۔ اسی مقصد کے لیے یہ بھی طے ہوا کہ عرب کے تمام اتحادیوں کو پیغام بھیجا جائے، انہیں حملے میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے، اور نئے دین کے پیروکاروں کو ایک مشترکہ دشمن قرار دینے کی قریش کی سوچ کو تقویت دی جائے۔

مجلس کے ماتم کے اصول کا احترام کرتے ہوئے، قریش کے زیادہ تر افراد نے فدیے کے بارے میں دی گئی ہدایت کو نظر انداز کیا، اور تقریباً ہر قبیلے کے لوگ مدینہ روانہ ہو گئے تاکہ قیدیوں کے ساتھ معاملہ طے کر کے اپنے رشتہ داروں یا اتحادیوں کو آزاد کروا سکیں۔

ابوسفیان نے اپنا وعدہ نبھایا؛ لیکن اگلے حج کے موقع پر اس نے یثرب کے ایک حاجی، اوس کے ایک بوڑھے آدمی، کو روک لیا اور کہا کہ وہ اسے اُس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک اس کا بیٹا عمرو اسے واپس نہ کر دیا جائے۔ حاجی کے خاندان نے نبی ﷺ کو اس تبادلے پر آمادہ کیا، اور اس طرح یہ معاملہ طے پایا۔

XLV

The Captives

قیدی

قیدی ایک دن بعد مدینہ پہنچے جب نبی اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔

سودہ رضي الله عنها، جو ایک بار پھر عفراء سے ملنے گئی تھیں، جب واپس آئیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ ان کے قبیلے کے سردار اور ان کے چچازاد اور بہنوئی سہیل کمرے کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان کے ہاتھ ان کی گردن سے بندھے ہوئے ہیں۔

یہ منظر ان کے دل میں مدتوں پرانے جذبات کو جگا گیا اور انہیں لمحے بھر کے لیے ان سب باتوں کو بھلا دیا جو ان جذبات کی جگہ لے چکی تھیں۔

"اے ابویزید!" انہوں نے کہا، "تم نے بہت آسانی سے ہتھیار ڈال دیے۔ تمہیں ایک شاندار موت مرنی چاہیے تھی۔"

"سودہ!" نبی اکرم ﷺ نے پکارا، جن کی موجودگی کا انہیں احساس نہ ہوا تھا۔ ان کی آواز میں ملامت نے سودہ رضي الله عنها کو فوراً ان کے جاہلیت کے ماضی سے ان کے اسلامی حال کی طرف واپس لا دیا، لیکن اس کے ساتھ ایک شرمندگی کا احساس بھی۔

ابھی بھی امید تھی کہ سہیل اسلام قبول کریں گے، اور مدینہ کی ترقی کرتی اور طاقتور تھیوکریسی کا اثر ان پر اور دیگر قیدیوں پر ضرور پڑے گا۔

لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں پر بھروسہ کیا کہ وہ ان کے دلوں میں اسلامی خیالات ڈالیں، نہ کہ جاہلی خیالات۔

پھر آپ ﷺ نے سودہ رضي الله عنها کی طرف مڑ کر فرمایا: "کیا تم اللہ اور اس کے رسول کے خلاف فتنہ پیدا کرنا چاہتی ہو؟"

سہیل کی اہمیت، ابوسفیان کی طرح، ان بہت سے سرداروں کی موت کے بعد اور بھی بڑھ گئی تھی۔

یہ امید کی جا سکتی تھی کہ ان کا اثر و رسوخ ان کے قبیلے اور دیگر لوگوں میں سے بہت سے متزلزل لوگوں کو اسلام کی طرف لے آئے گا؛ لیکن ان کا مدینہ میں قیام مختصر تھا، کیونکہ بنی عامر نے جلد ہی اپنے قبیلے کے ایک آدمی کو ان کا فدیہ دینے کے لیے بھیج دیا۔

وہ آدمی قید میں رہنے پر راضی ہو گیا جب تک کہ سہیل مکہ واپس جا کر طے شدہ رقم کا انتظام نہ کر لیں۔

ہر قیدی کو تین یا اس سے زیادہ مجاہدین میں بانٹا گیا تھا، اور انصار کے اس گروہ نے جو عباس رضی اللہ عنہ کے مالک تھے، انہیں نبی اکرم ﷺ کے پاس لایا اور کہا:

"اے اللہ کے رسول، ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے حصے کا فدیہ معاف کر دیں، کیونکہ یہ ہماری بہن کے بیٹے ہیں۔"

"بہن" سے ان کی مراد قیدی کی دادی سلمیٰ تھی۔

لیکن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "تم ایک درہم بھی معاف نہ کرو گے۔"

پھر آپ ﷺ نے اپنے چچا کی طرف رخ کیا اور فرمایا: "اپنے لیے فدیہ دو، عباس رضی اللہ عنہ، اور اپنے دو بھتیجوں عقیل اور نوفل کے لیے، اور اپنے حلیف عتبہ کے لیے، کیونکہ تم ایک مالدار آدمی ہو۔"

عباس رضی اللہ عنہ نے احتجاج کیا: "میں پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، لیکن لوگوں نے مجھے اپنے ساتھ آنے پر مجبور کیا۔"

نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا: "تمہارے اسلام کے بارے میں، اللہ بہتر جانتا ہے۔ اگر تمہارا دعویٰ سچ ہے تو اللہ تمہیں اس کا صلہ دے گا۔ لیکن ظاہری طور پر تم ہمارے خلاف تھے، اس لیے اپنا فدیہ ادا کرو۔" عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے پاس کوئی رقم نہیں ہے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"پھر وہ رقم کہاں ہے جو تم نے ام الفضل کے پاس چھوڑی تھی؟ تم دونوں اکیلے تھے جب تم نے اس سے کہا: 'اگر مجھے قتل کر دیا گیا تو یہ رقم فضل، عبد اللہ رضی اللہ عنہ، قثم، اور عبید اللہ کے لیے ہے۔'" تبھی عباس رضی اللہ عنہ کے دل میں سچا ایمان داخل ہوا۔

انہوں نے کہا:

"اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، اس بات کو میرے اور میری بیوی کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

پھر انہوں نے اپنے دو بھتیجوں اور اپنے حلیف کے ساتھ اپنا فدیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔

قیدیوں میں سے ایک، جو نبی ﷺ کے ساتھ قیام پذیر تھا، آپ کے داماد ابو العاص تھے۔ ان کے بھائی عمرو مکہ سے ان کے فدیے کے لیے رقم لے کر آئے، جو زینب رضی اللہ عنہا نے بھیجی تھی۔ اس رقم کے ساتھ زینب رضی اللہ عنہا نے ایک عقیق کا ہار بھی بھیجا جو ان کی والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی شادی کے دن انہیں دیا تھا۔

جب نبی ﷺ نے یہ ہار دیکھا تو آپ کا رنگ فق ہو گیا، اور آپ فوراً اسے پہچان گئے کہ یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار ہے۔ جذبات سے مغلوب ہو کر آپ نے ان لوگوں سے کہا جن کا قیدی پر حصہ تھا:

"اگر تم اسے آزاد کرنا اور اس کا فدیہ واپس کرنا مناسب سمجھو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔"

انہوں نے فوراً رضامندی ظاہر کی، اور رقم، ہار، اور قیدی ابو العاص سب کو واپس کر دیا گیا۔

یہ امید کی جا رہی تھی کہ ابو العاص مدینہ میں اسلام قبول کریں گے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ جب وہ مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو نبی ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ واپس جا کر زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں، اور انہوں نے اس شرط کو قبول کیا۔ وحی کے ذریعے یہ واضح ہو چکا تھا کہ ایک مسلم عورت کافر مرد کی بیوی نہیں ہو سکتی۔

عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کا حصہ ولید میں تھا، جو مخزوم کے سابق سردار ولید کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ نوجوان کے دو بھائی خالد اور ہشام اسے چھڑانے کے لیے آئے۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم کا مطالبہ کیا، لیکن خالد اس رقم کو دینے پر تیار نہیں تھے۔ ہشام نے انہیں قائل کیا، اور انہوں نے رقم ادا کر دی۔

نبی ﷺ نے اس معاملے پر اختلاف کیا اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی کہ وہ ان سے ان کے والد کے مشہور ہتھیار اور زرہ کا مطالبہ کریں۔ خالد نے ایک بار پھر انکار کیا، لیکن ہشام نے انہیں راضی کر لیا۔ جب وہ اس خاندانی ورثے کو مدینہ لے آئے، تو اپنے بھائی کو لے کر واپس مکہ روانہ ہو گئے۔

لیکن راستے میں ولید فرار ہو کر دوبارہ مدینہ چلے آئے اور نبی ﷺ کے پاس پہنچ کر اسلام قبول کیا اور آپ سے بیعت کی۔ ان کے بھائی ان کے پیچھے آئے اور جب انہیں علم ہوا تو غصے میں خالد نے کہا:

"تم نے یہ کام اس سے پہلے کیوں نہ کیا جب تمہارا فدیہ نہیں دیا گیا تھا اور ہمارے والد کی میراث ہمارے ہاتھوں سے نہیں گئی تھی؟ اگر تمہارا یہی مقصد تھا تو پہلے ہی محمد ﷺ ﷺ کے پیروکار بن جاتے۔"

ولید نے جواب دیا کہ وہ قریش کو یہ نہیں کہنا دینا چاہتے تھے کہ وہ فدیہ دینے سے بچنے کے لیے محمد ﷺ کے پیروکار بن گئے۔ پھر وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مکہ واپس گئے تاکہ اپنی کچھ چیزیں لے سکیں، بغیر یہ سوچے کہ ان کے بھائی ان کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں گے۔ لیکن وہاں پہنچ کر انہیں قید کر دیا گیا۔

نبی ﷺ اکثر ان تمام مسلمانوں کی رہائی کے لیے دعا کرتے، جنہیں مکہ میں زبردستی روکا گیا تھا

جبیر بن مطعم نے اپنے چچا کے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے مدینہ کا سفر کیا۔ نبی ﷺ نے ان کا استقبال خوش دلی سے کیا اور کہا کہ اگر مطعم زندہ ہوتے اور قیدیوں کی رہائی کے لیے آتے تو بغیر کسی فدیے کے ان کے حوالے کر دیتا۔

[1] Tab. 1344

جبیر نے مدینہ میں جو کچھ دیکھا، اس سے بے حد متاثر ہوا۔ ایک شام، جب سورج غروب ہو رہا تھا، وہ مسجد کے باہر رکا اور نماز کے کلمات سنے۔ نبی اکرم ﷺ نے سورۃ الطور کی تلاوت فرمائی، جس میں قیامت، جہنم کی وعید اور جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ سورۃ ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے:

"پس اپنے رب کے حکم کے فیصلے کے پورا ہونے کا صبر سے انتظار کرو، کیونکہ تم ہماری نظر میں ہو؛ اور جب تم اٹھو تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو، اور رات کے وقت اور تاروں کے چھپنے کے وقت اس کی تسبیح کرو۔[1]"

جبیر نے کہا، "یہی وہ وقت تھا جب ایمان میرے دل میں جڑ پکڑ گیا۔[2]"

لیکن وہ ابھی اپنے دل کی آواز پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھا کیونکہ وہ ابھی تک اپنے چچا کی حالیہ موت کا غم لے کر جی رہا تھا، جو بدر میں شہید ہوئے تھے۔

طُعیمہ، مطعم کا بھائی، ان افراد میں شامل تھا جنہیں حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اور جبیر نے اپنے چچا کے قتل کا بدلہ لینے کا عزم کر رکھا تھا۔

اپنے ارادے میں کمزوری کے خدشے سے، جبیر مدینہ میں قیدیوں کے فدیے کے بارے میں معاہدہ کر کے فوراً مکہ روانہ ہو گیا۔

اکثر فدیہ دینے والے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کم از کم شائستہ رویہ رکھتے تھے، لیکن ایک استثناء اُبی بن جُمحہ تھا، جو امیہ کا بھائی اور عقبہ کا قریبی دوست تھا۔ دونوں بدر کے معرکے کے بعد قتل ہو چکے تھے۔

جب وہ اپنے فدیے پر آزاد کیے گئے بیٹے کے ساتھ جا رہا تھا تو اس نے کہا:

"اے محمد ﷺ، میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کا نام 'عود' ہے، میں اسے روزانہ بہت سا دانہ کھلاتا ہوں۔ میں تمہیں اسی پر سوار ہو کر قتل کروں گا۔"

نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا: "نہیں، بلکہ میں تمہیں قتل کروں گا، اگر اللہ نے چاہا۔[3]"

اس دوران مکہ میں اُبی کے دو بھتیجے، صفوان اور عمیر، بدر میں اپنے مقتول سرداروں کے نقصان پر شدید تلخی کے ساتھ بات کر رہے تھے۔

صفوان، جو امیہ کا بیٹا تھا، اب جمحہ قبیلے کا سردار بننے والا تھا۔

اس کے کزن عمیر، وہی شخص تھے جنہوں نے بدر میں مسلمانوں کی فوج کا اندازہ لگانے کے لیے ان کے ارد گرد گھوم کر جائزہ لیا تھا۔

صفوان نے کہا: "خدا کی قسم، ان کے جانے کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں رہی۔"

عمیر نے اتفاق کیا، اور وہ اس حوالے سے صفوان سے زیادہ مخلص تھا۔

اس کا بیٹا قیدیوں میں شامل تھا، لیکن وہ اسے چھڑانے کے لیے فدیہ دینے کے قابل نہ تھا اور اپنی زندگی سے اتنا پریشان تھا کہ وہ اسے قریش کے مقصد کے لیے قربان کرنے کو تیار تھا۔

اس نے کہا: "اگر قرض نہ ہوتا جو میں ادا نہیں کر سکتا، اور ایک خاندان نہ ہوتا جسے چھوڑ جانے کا خوف ہے، تو میں محمد ﷺ کو قتل کرنے کے لیے نکل پڑتا۔" صفوان نے کہا: "تیرا قرض میرے ذمہ، اور تیرا خاندان میرے خاندان کی طرح! میں ان کا خیال رکھوں گا جب تک وہ زندہ ہیں۔

انہیں کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی، جو میرے پاس ہے وہ ان کے لیے ہوگا۔" عمیر نے فوراً اس پیشکش کو قبول کیا، اور دونوں نے عہد کیا کہ اس راز کو اپنے درمیان رکھیں گے جب تک کہ ان کا منصوبہ پورا نہ ہو جائے۔ پھر عمیر نے اپنی تلوار کو تیز کیا، اس پر زہر لگایا، اور اپنے بیٹے کے فدیے کا بہانہ کرتے ہوئے یثرب (مدینہ) کے لیے روانہ ہو گیا۔ جب وہ مدینہ کے نچلے حصے میں پہنچا تو نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔

عمیر کو تلوار کے ساتھ آتے دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اندر جانے سے روک دیا، لیکن نبی اکرم ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسے آنے دیں۔

تب عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کے چند افراد سے کہا: "تم لوگ رسول اللہ کے پاس جاؤ، ان کے ساتھ بیٹھو اور اس بدکار کے خلاف چوکسی رکھو، کیونکہ اس پر بالکل اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

[1] LII, 48-9 [2] B.LII,25 [3] W.251

عمیر نے انہیں سلام کیا جو کہ مشرکانہ طریقہ تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے ہمیں تمہارے سلام سے بہتر سلام عطا فرمایا ہے، اے عمیر۔ "یہ جنتیوں کا سلام ہے،" پھر نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں۔ عمیر نے اپنے بیٹے کا ذکر کیا اور اسے اپنے آنے کی وجہ بتایا۔ "پھر یہ تلوار کیوں؟" نبی ﷺ نے پوچھا۔ عمیر نے کہا: "اللہ تلواروں کو برباد کرے! کیا انہوں نے ہمارے لیے کوئی فائدہ دیا ہے؟" نبی ﷺ نے فرمایا: "سچ کہو، تم کس مقصد کے لیے آئے ہو؟" جب عمیر نے دوبارہ اپنے بیٹے کا بہانہ پیش کیا تو نبی ﷺ نے حجر میں صفوان کے ساتھ ان کی بات چیت کو لفظ بہ لفظ دہرا دیا

نبی ﷺ نے فرمایا: "صفوان نے تمہارے قرض اور خاندان کی ذمہ داری لی تاکہ تم مجھے قتل کر دو، لیکن اللہ نے تمہیں اس سے روک دیا۔ "عمیر نے کہا: "یہ تمہیں کس "نے بتایا؟ کیونکہ خدا کی قسم، ہمارے ساتھ کوئی تیسرا شخص نہیں تھا۔ "نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ جبرائیل نے مجھے بتایا۔

عمیر نے کہا: "ہم نے آپ کو جھوٹا کہا تھا جب آپ نے ہمیں آسمان کی خبریں دیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام کی طرف رہنمائی دی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: "اپنے بھائی کو اس کے دین کی تعلیم دو، اور اسے قرآن پڑھاؤ، اور اس کے قیدی بیٹے کو رہا کرو۔ "[1]

عمیر مکہ واپس جانے کے لیے بے تاب تھا تاکہ دوسروں کو اسلام کی دعوت دے، خاص طور پر صفوان کو۔ نبی ﷺ نے انہیں اجازت دی، اور انہوں نے کئی لوگوں کو مسلمان کیا؛ لیکن صفوان نے انہیں غدار سمجھا اور ان سے بات کرنے یا تعلق رکھنے سے انکار کر دیا۔ کچھ مہینوں بعد عمیر مدینہ بطور مہاجر واپس آئے۔

جب ابو العاص مکہ لوٹے تو انہوں نے زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ انہوں نے ان کے والد سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں مدینہ بھیج دیں گے۔ دونوں نے اتفاق کیا کہ ان کی چھوٹی بیٹی امامہ ان کے ساتھ جائے گی۔ ان کا بیٹا علی بچپن میں انتقال کر گیا تھا اور زینب رضی اللہ عنہا اب ایک اور بچے کی امید کر رہی تھیں

جب سفر کی تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں، تو ابو العاص نے اپنے بھائی کنانہ کو ان کے ہمراہ بھیجا۔ ان کے منصوبے خفیہ تھے، لیکن اس کے باوجود وہ دن کے وقت روانہ ہوئے، اور مکہ میں اس کے بارے میں بہت باتیں ہوئیں۔ آخر کار قریش کے کچھ لوگ انہیں واپس لانے کے لیے پیچھا کرنے لگے تاکہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے قبیلے عبد شمس کی آغوش میں واپس لے آئیں، جس سے ان کی شادی ہوئی تھی۔

جب وہ قریب پہنچے تو فہر کے ایک آدمی، جس کا نام حبار تھا، نے تیزی سے آگے بڑھ کر زینب رضی اللہ عنہا کے قریب گھوڑا دوڑایا۔ وہ امامہ کے ساتھ ہودج میں بیٹھی تھیں۔ حبار نے اپنا نیزہ لہراتے ہوئے انہیں ڈرایا اور پھر قریش کے دیگر افراد کے پاس لوٹ گیا۔ کنانہ گھوڑے سے اترے، اپنی کمان اٹھائی، اور قریش کی طرف رخ کر کے تیر زمین پر ڈال دیے۔ انہوں نے کہا: "اگر کوئی میرے قریب آیا تو خدا کی قسم، میں اس پر تیر مار دوں گا۔

قریش پیچھے ہٹ گئے۔ پھر، ابو سفیان اور چند دیگر افراد آگے بڑھے اور کنانہ سے کہا کہ وہ کمان نیچے کرے اور بات کرے۔ ابو سفیان نے کہا: "عوام کے سامنے عورت کو اس طرح لے جانا ہماری غلطی تھی۔ یہ ہماری کمزوری کی علامت بنے گا اور لوگ کہیں گے کہ یہ ہماری بے بسی ہے۔ لیکن ہمارا مقصد اسے اس کے والد سے دور رکھنا "نہیں۔

[1] I.S.I, 147, I.I. 472-3

"لیکن عورت کو مکہ واپس لے جاؤ، اور جب لوگوں کی باتیں ہمارے کمزور ہونے کے بارے میں بند ہو جائیں، اور یہ خبر پھیل جائے کہ ہم اس کے پیچھے گئے اور اسے واپس لے آئے، تب اسے چپکے سے اس کے والد کے پاس بھیج دینا۔"

کنانہ نے اس تجویز کو قبول کیا، اور وہ سب مکہ واپس آ گئے۔ کچھ عرصے بعد زینب رضی اللہ عنہا کا حمل ضائع ہو گیا، جس کی وجہ حبّار کے خوفزدہ کرنے کو قرار دیا گیا۔

جب زینب رضی اللہ عنہا صحت یاب ہو گئیں اور کچھ وقت گزر گیا، تو کنانہ نے انہیں اور اُمامہ کو رات کی تاریکی میں مکہ سے نکالا۔ وہ انہیں یجّاج کی وادی تک لے گئے، جو مکہ سے تقریباً آٹھ میل دور تھی۔ وہاں، پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت، زید ان سے ملے اور انہیں بحفاظت مدینہ لے گئے

XLVI

Bani Qaynuqa

بنو قینقاع

یہ طویل عرصے سے واضح تھا کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے تھے، اور ان میں سے اکثر بت پرست مشرکین کو ایک خدا کی عبادت کرنے والے مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض افراد کی دیانت داری اور تقویٰ کو تسلیم کیا گیا، لیکن وحی میں اکثر یہودیوں کے خلاف خبر دار کیا گیا۔ نبی ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کو ان سے محتاط رہنے کی تاکید کی گئی:

"وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کریں گے، اور وہ تمہیں پریشانی میں ڈالنے کو پسند کرتے ہیں۔ ان کی نفرت ان کے الفاظ سے ظاہر ہے، اور ان کے دلوں میں جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔"[1]

یہ کوئی شک کی بات نہ تھی کہ یہودیوں کی امیدیں نبی ﷺ کے اپنے قبیلے (قریش) کی طرف زیادہ مائل ہو رہی تھیں تاکہ نئے دین کو ختم کیا جاسکے اور یثرب کے نخلستان کو اس کے پرانے حالات میں واپس لایا جاسکے۔ نبی ﷺ کی حرکات و سکنات باقاعدگی سے مکہ مکرمہ کو رپورٹ کی جارہی تھیں؛ اور اگر قریش مدینہ کے جنوب میں یہودی قلعوں تک، یعنی نبی ﷺ کی مسجد سے تقریباً آدھے دن کی مسافت تک، پہنچ جاتے تو یہ یقین تھا کہ مکہ کی فوج کو فیصلہ کن لمحے میں یہودیوں کے طاقتور دستوں سے مدد ملے گی۔

"اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو یہ انہیں برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو یہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔"[2]

یہ بات بدر کی فتح پر یہودیوں کے ردعمل سے واضح ہو گئی۔ جب یہ خبر پہنچی، تو بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے قبیلے اپنی پریشانی چھپا نہ سکے۔ اس سلسلے میں کعب بن اشرف کا معاملہ خاص طور پر قابل ذکر تھا۔

کعب کے والد قبیلہ طے کے ایک عرب تھے، لیکن کعب اپنی والدہ کی نسبت سے خود کو بنو نضیر کا فرد شمار کرتا تھا۔ اس کی والدہ یہودی تھیں، اور اس قبیلے نے اسے اپنا فرد تسلیم کر لیا تھا۔ کعب اپنی دولت، مضبوط شخصیت، اور مشہور شاعر ہونے کی وجہ سے بنو نضیر میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

جب زید اور عبد اللہ نے قریش کے بڑے آدمیوں کے قتل کی خبر دی، تو کعب نے کہا:

"خدا کی قسم، اگر محمد ﷺ نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے، تو زمین کے اندر ہونا اس کے اوپر ہونے سے بہتر ہے۔"

اور جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ خبریں سچ ہیں، تو وہ نبی ﷺ کی واپسی سے پہلے ہی یثرب سے نکل گیا اور مکہ مکرمہ پہنچ کر ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور دیگر مقتولین کے لیے نوحہ لکھا۔

اسی دوران اس نے قریش کو ان کی عزت بحال کرنے اور بدلہ لینے کے لیے زبردست فوج جمع کرنے اور یثرب پر حملہ کرنے پر اکسایا۔

مدینہ میں کعب کی سرگرمیوں کی خبر پہنچی، لیکن کعب وہاں پہنچ سے دور تھا۔

[1] III, II8. [2] III, 120.

اس وقت فوری کارروائی کی ضرورت تھی، اور ایک یہودی قبیلے کے خلاف عمل کرنا ضروری تھا، جو کہ کعب بن اشرف سے مختلف تھا۔ نبی ﷺ کو بنو قینقاع کی غداری اور نفرت کے بارے میں خاص طور پر اچھی طرح اطلاع تھی، کیونکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام ان کے اہم رہنماؤں میں سے تھے اور ان کے طریقوں سے بخوبی واقف تھے۔ مزید برآں، یہ وہی لوگ تھے جو خزرجی ابن ابی نے، جو منافقین کے سردار تھے، کا اتحادی تھے؛ اور ان کی موجودگی دیگر یہودی قبیلوں کی نسبت زیادہ محسوس کی جاتی تھی کیونکہ ان کی آبادیاں شہر کے قریب تھیں، جب کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ، جو اوس کے اتحادی تھے، شہر سے باہر دور مقیم تھے۔

نبی ﷺ کو حال ہی میں یہ حکم ملا تھا:

"اگر تم کسی قوم سے غداری کا خوف کرو تو ان سے ان کا عہد واپس لے لو۔ یقیناً اللہ غداروں کو پسند نہیں کرتا۔"[1]

لیکن وحی نے یہ بھی کہا:

"اگر وہ امن کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔"[2]

لہذا نبی ﷺ فیصلہ کن اقدام اٹھانے سے گریز کرنا چاہتے تھے، جب تک کہ نرمی سے کچھ حاصل نہ کیا جا سکتا۔ اور بدر سے واپسی کے فوراً بعد ایک دن نبی ﷺ بنو قینقاع کے ساتھ مدینہ کے جنوب میں واقع ان کے بازار میں گئے۔ بدر کے معجزے پر غور کرتے ہوئے انہیں دل کی تبدیلی کی امید تھی، چنانچہ انہوں نے انہیں خبردار کیا کہ اللہ کے غضب کو نہ بلائیں، جو ابھی حال ہی میں قریش پر نازل ہوا تھا۔

"اے محمد ﷺ!" انہوں نے جواب دیا، "اس ملاقات سے مت بہکنا، کیونکہ یہ ان لوگوں کے خلاف تھی جو جنگ کا کچھ بھی علم نہیں رکھتے تھے، اور تم نے ان پر غالب آ کر ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ مگر خدا کی قسم، اگر ہم تم سے جنگ کریں، تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم وہ لوگ ہیں جن سے ڈرنا چاہیے۔" نبی ﷺ نے رخ موڑا اور ان سے رخصت ہو گئے، اور وہ لمحے بھر کے لیے یہ سمجھ بیٹھے کہ انہوں نے کامیابی حاصل کر لی ہے۔

چند دن بعد، اسی بازار میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو حالات کو حتمی نتیجے تک پہنچا دیا: ایک مسلم خاتون جو سامان بیچنے یا تبادلہ کرنے آئی تھی، کو ایک یہودی سنار نے سنگین طور پر بے عزت کیا۔ ایک انصاری جو وہاں موجود تھا، اس کی مدد کے لیے آیا اور دونوں کے درمیان ہونے والی لڑائی میں وہ یہودی مارا گیا۔ پھر یہودیوں نے اس انصاری پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے خاندان نے بدلہ کا مطالبہ کیا اور انصاریوں کو بنو قینقاع کے خلاف بھڑکایا۔ لیکن خون دونوں طرف سے بہا تھا، اور اگر یہودیوں نے نبی ﷺ کی طرف رجوع کیا ہوتا اور معاہدے کے مطابق ان سے حکم طلب کیا ہوتا تو معاملہ آسانی سے طے ہو سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے کی توہین کی اور فیصلہ کیا کہ اب ان کو سبق سکھانا ضروری ہے، تو انہوں نے اپنے سابق اتحادی خزرج کے ابن ابی اور عبادہ بن صامت سے کمک طلب کی، اور خود اپنی مضبوط قلعہ بندیوں میں پسپا ہو گئے، جیسے کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لمحہ وقتی ہے۔ وہ سات سو افراد کی ایک فوج جمع کر سکتے تھے، جو بدر کے مسلمانوں سے دوگنا تھی؛ اور انہیں ابن ابی اور عبادہ سے مزید کمک کی توقع تھی۔ جب یہ کمک آئی، تو یقیناً ان کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے قلعوں سے نکل کر نبی ﷺ کو دکھائیں گے کہ ان کی حالیہ دھمکیاں صرف باتوں تک محدود نہیں تھیں۔

لیکن در اصل وہ دھمکیاں ان کی اپنی خود سزا بن گئیں؛ اور چند گھنٹوں میں ہی انہیں یہ دیکھ کر حیرت اور مایوسی ہوئی کہ وہ ایک ایسی فوج سے محصور ہو گئے ہیں جو ان سے زیادہ تعداد میں تھی اور جس نے ان سے بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا تھا۔

[1] VIII, 58. [2] VIII, 61.

ابن ابی نے عبادہ کے پاس مشورے کے لیے رجوع کیا، لیکن عبادہ اس بات پر سختی سے قائم رہے کہ کوئی بھی پچھلا معاہدہ نئے عہد کے خلاف نہیں چل سکتا، اور انہوں نے قینقاع کے لیے اپنی تمام ذمہ داری سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ ابن ابی کی فطرت ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک ہی لمحے میں ان تعلقات کو توڑ دے جو اس نے برسوں کی محنت سے اپنے اور اتنے طاقتور اتحادیوں کے درمیان بنائے تھے۔ لیکن وہ اس حقیقت سے آنکھیں نہیں چرا سکتا تھا، جیسے کہ یہودی آنکھیں چرا رہے تھے، کہ ان کے زیادہ تر ہم وطن نبی ﷺ کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے تھے۔

ابن ابی نے کئی بار اپنے پیروکاروں کی بے وفائی کا کڑوا گھونٹ پیا تھا، جنہوں نے واضح طور پر دکھا دیا تھا کہ ان کی وفاداری نبی ﷺ کے ساتھ زیادہ مضبوط ہے۔ دو سال پہلے، وہ اندرونی مدد کے ذریعے ایک بڑی فوج کا محاصرہ توڑ سکتے تھے، لیکن اب وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کے کسی اقدام کے بعد وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ بنی قینقاع اپنی قلعہ بندیوں کے پیچھے بے سود انتظار کرتے رہے، اور دن بدن ان کی امید مایوسی میں بدلتی گئی۔ دو ہفتے تک انہوں نے مزاحمت کی؛ اور پھر انہوں نے بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیے۔

ابن ابی خیمے میں آئے اور نبی ﷺ کے قریب پہنچ کر کہا: "اے محمد ﷺ، میرے اتحادیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔" نبی ﷺ نے اسے ٹال دیا، اور جب اس نے اپنی بات دہرائی تو نبی ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ اس پر ابن ابی نے آپ ﷺ کی زرہ پکڑ لی اور اپنے ہاتھ کو ان کی گردن کے سوراخ میں ڈال دیا۔ نبی ﷺ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "چھوڑ دو!" ابن ابی نے کہا: "خدا کی قسم! میں نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ آپ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا وعدہ نہ کریں۔ چار سو غیر مسلح اور تین سو مسلح افراد، انہوں نے مجھے سرخ اور کالے سے بچایا[1]۔ کیا آپ انہیں ایک ہی صبح میں ختم کر دیں گے؟" نبی ﷺ نے فرمایا: "میں ان کی جان بخشتا ہوں۔"

لیکن وحی نے یہ حکم دیا تھا کہ جو لوگ عہد توڑتے ہیں: "اگر تم جنگ میں ان پر قابو پالو، تو ان کو ایسی سزا دو جو ان کے پیچھے آنے والوں کو ڈرا دے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔[2]" چنانچہ نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ بنی قینقاع اپنی تمام جائیدادوں سے محروم ہوں گے اور جلاوطن کیے جائیں گے۔ آپ نے عبادہ کو حکم دیا کہ انہیں نخلستان سے نکال دیں۔ وہ شمال مغرب میں وادی القری کے ایک یہودی قبیلے کے پاس پناہ لینے چلے گئے، اور ان کی مدد سے وہ آخر کار شام کی سرحد پر جا بسے۔

وہ لوہار تھے، اور مہاجرین و انصار ان ہتھیاروں اور زرہوں سے بہت زیادہ مستفید ہوئے جو ان میں تقسیم کیے گئے، جبکہ نبی ﷺ نے ان کا شرعی خمس اپنے اور اپنی اسلامی ریاست کے لیے لے لی

1 صفحہ 112 ملاحظہ فرمائیں، نوٹ .

2 VIII,57

XLVII

Deaths and Marriages

اموات اور شادیاں

بدر سے واپسی کے فوراً بعد نبی کریم ﷺ کے اولین اقدامات میں سے ایک اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر جانا تھا، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ گئیں۔ یہ ان کے قریبی خاندانی حلقے میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد پہلا صدمہ تھا، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی بہن کے بچھڑنے پر بہت غمزدہ تھیں۔ وہ قبر کے کنارے اپنے والد کے ساتھ بیٹھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ نبی ﷺ نے انہیں تسلی دی اور اپنے چادر کے کنارے سے ان کے آنسو پونچھنے کی کوشش کی۔

آپ ﷺ پہلے ہی مردوں کے لیے بین کرنے کے خلاف بیان دے چکے تھے، لیکن اس سے ایک غلط فہمی پیدا ہوئی تھی۔ جب وہ قبرستان سے لوٹے تو عمرؓ کی آواز ان عورتوں پر بلند ہوئی جو بدر کے شہداء اور رقیہ کے لیے بین کر رہی تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "عمر، انہیں رونے دو۔" پھر مزید فرمایا: "جو دل اور آنکھ سے آتا ہے، وہ اللہ کی طرف سے اور اس کی رحمت سے ہے، لیکن جو ہاتھ اور زبان سے آتا ہے، وہ شیطان کی طرف سے ہے۔[1]"

ہاتھ سے مراد سینہ پیٹنا اور گالوں کو زخمی کرنا تھا، اور زبان سے مراد وہ شور و غوغا تھا جو عورتیں ایک سماجی رسم کے طور پر کرتی تھیں۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور اس وقت ان کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی فیملی سے پہلے ہی فرمایا تھا کہ علیؓ ان کے لیے سب سے مناسب شوہر ہیں، لیکن کوئی باقاعدہ معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ دونوں نے ان کا رشتہ مانگا تھا، لیکن نبی ﷺ نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ آسمانی حکم کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔

بدر سے واپسی کے بعد کے ہفتوں میں نبی ﷺ کو یقین ہو گیا کہ وقت آ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے علیؓ کو حوصلہ دیا کہ وہ باضابطہ طور پر رشتہ مانگیں۔ علیؓ اپنی غربت کی وجہ سے ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔ انہیں اپنے والد سے کچھ وراثت نہیں ملی تھی کیونکہ نئے دین کے قانون کے مطابق ایک مؤمن کافر سے وراثت حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن انہوں نے ایک معمولی سا گھر مسجد کے قریب حاصل کر لیا تھا، اور نبی ﷺ کی خواہش میں کوئی شک نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے خود کو آمادہ کیا۔

رسمی معاہدے کے بعد، نبی ﷺ نے ولیمے پر اصرار کیا۔ ایک مینڈھا ذبح کیا گیا اور کچھ انصار نے اناج کا ہدیہ دیا۔ ابو سلمہؓ، جو نبی ﷺ اور علیؓ دونوں کے کزن تھے، نے تیاریوں میں مدد کی۔ ولیمہ سادگی سے منعقد ہوا، جیسا کہ ان کے معمولی وسائل کے مطابق تھا۔ ولیمے کے بعد، نبی ﷺ خود فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے نئے گھر لے کر گئے۔ آپ ﷺ نے اس رشتے کو برکت دی، ان کی خوشی کے لیے دعا کی، اور انہیں اپنی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا۔

[1] I.S. VIII, 24.

داماد اور دلہن کی مدد کرنے کا اشتیاق رکھنے والے نبی ﷺ کے دوست، خاص طور پر ابو جہل اور قبیلے کے دیگر دشمن افراد کے خلاف ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی حفاظت کے شکر گزار، ابو سلمہ، شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھے۔ ام سلمہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مل کر نو بیاہتا جوڑے کے گھر کو تیار کیا اور کھانے کا انتظام کیا۔ ندی کے کنارے سے نرم ریت لائی گئی اور اسے گھر کی مٹی کی زمین پر بچھایا گیا۔ دلہن کے بستر کے لیے ایک بھیڑ کی کھال تھی اور یمن سے لایا ہوا دھاری دار کپڑے کا ایک پرانی چادر اوڑھنے کے لیے تھی۔ تکیے کے طور پر، ایک چمڑے کے کشن میں کھجور کی چھال بھر دی گئی۔ پھر مہمانوں کے لیے کھجور اور انجیر کا اہتمام کیا گیا، جو کھانے کے علاوہ تھا، اور پانی کے مشکیزے کو خوشبو دار پانی سے بھر اگیا۔

مدینہ میں اس وقت یہ شادی کی تقریب بہترین شمار کی گئی۔ جب نبی ﷺ مہمانوں کے جانے کا اشارہ دے کر دلہا دلہن کو تنہا چھوڑنے کے لیے واپس چلے گئے، تو آپ ﷺ نے علیؓ سے کہا کہ وہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائیں جب تک کہ آپ ﷺ خود واپس نہ آئیں۔ کچھ دیر بعد، جب آخری مہمان روانہ ہو چکا تھا، تو نبی ﷺ واپس آئے۔ ام ایمن ابھی بھی گھر کو ترتیب دینے میں مدد کر رہی تھیں۔

نبی ﷺ کی زندگی میں کئی ایسے خاص رشتے تھے جو صرف ان اور متعلقہ شخص کے درمیان تھے۔ ان میں سے ایک ام ایمن کے ساتھ تھا۔ جب نبی ﷺ نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگی تو ام ایمن دروازے پر آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے بھائی کہاں ہیں؟" ام ایمن نے جواب دیا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول، آپ کے بھائی کون ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے علیؓ۔" ام ایمن نے کہا: "وہ آپ کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ آپ نے ابھی اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "وہی ہیں جو میں نے کہا۔"

پھر آپ ﷺ نے ام ایمن سے پانی لانے کو کہا۔ جب پانی لایا گیا تو آپ ﷺ نے ایک گھونٹ لیا اور کلی کر کے پانی برتن میں واپس ڈال دیا۔ پھر علیؓ کو بلایا گیا اور آپ ﷺ نے انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔ پانی کا کچھ حصہ لے کر آپ ﷺ نے ان کے کندھوں، سینے اور بازو پر چھڑکا۔ پھر آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا احترام اور محبت کے جذبات میں اپنے لباس سے الجھتی ہوئی آئیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بھی وہی کیا جو علیؓ کے ساتھ کیا تھا اور دونوں پر اور ان کی اولاد پر دعائیں دیں۔[1]

بدر کی واپسی کے بعد کے سال میں عمرؓ کے خاندان نے دو نقصان برداشت کیے۔ پہلا نقصان ان کے داماد خنیس کی موت تھی، جو ان کی بیٹی حفصہ کے شوہر تھے۔ خنیس حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے اور واپسی پر ان کی شادی ہوئی تھی۔ حفصہ اس وقت صرف اٹھارہ سال کی تھیں جب وہ بیوہ ہو گئیں۔ وہ خوبصورت اور ہنر مند تھیں، اور اپنے والد کی طرح پڑھنا اور لکھنا سیکھ چکی تھیں۔

رقیہ کی وفات کے بعد عثمانؓ بہت افسردہ تھے، لہذا عمرؓ نے حفصہ کا رشتہ انہیں پیش کیا۔ عثمانؓ نے کہا کہ وہ اس پر غور کریں گے، لیکن چند دنوں بعد انہوں نے آ کر کہا کہ وہ اس وقت دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتے۔ عمرؓ کو مایوسی ہوئی اور کچھ حد تک انکار سے دکھ بھی پہنچا۔ لیکن وہ اپنی بیٹی کے لیے ایک اچھا شوہر تلاش کرنے کے لیے پر عزم تھے، لہذا انہوں نے اپنے بہترین دوست ابو بکرؓ کے پاس جا کر ان سے رشتہ پیش کیا۔

ابو بکرؓ نے عمرؓ کو کوئی حتمی جواب نہیں دیا، جس سے عمرؓ کو عثمانؓ کے انکار سے زیادہ تکلیف ہوئی۔ تاہم، یہ زیادہ قابل فہم تھا کیونکہ ابو بکرؓ پہلے سے شادی شدہ تھے اور اپنی بیوی سے گہری وابستگی رکھتے تھے، جبکہ عثمانؓ اس وقت غیر شادی شدہ تھے۔

[1] I.S.VIII, I2-15·

شاید عثمانؓ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا، اور جب عمر اگلی بار نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے تو انہوں نے اپنا شکوہ ظاہر کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں اعثمانؓ سے بہتر داماد دکھاؤں گا اور اُسے تم سے بہتر سسر دکھاؤں گا۔" عمر خوشی سے مسکراتے ہوئے بولے: "تو ایسا ہی ہو!" جب تھوڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد وہ سمجھ گئے کہ دونوں صورتوں میں بہتر شخص خود نبی کریم ﷺ ہیں، جو خود حفصہ سے نکاح کریں گے اور دوسری بار اعثمانؓ کے سسر بنیں گے، ان کو رقیہ کی بہن اُم کلثوم سے نکاح کے ذریعے داماد بنائیں گے۔

اس کے بعد ابو بکر نے عمر کو اپنی خاموشی کی وجہ بتائی کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنے ارادے سے آگاہ کیا تھا کہ وہ حفصہ کا ہاتھ مانگنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور یہ راز ابھی ظاہر نہ کرنے کی تاکید کی تھی۔

پہلے اُم کلثوم اور عثمان کا نکاح ہوا؛ اور جب خنیس کی وفات کے بعد ضروری چار ماہ کی مدت گزر گئی اور مسجد کے قریب سودہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اپارٹمنٹس کے ساتھ ایک اور اپارٹمنٹ کا اضافہ ہوا، تو نبی کریم ﷺ کا اپنا نکاح منایا گیا، جو بدر کے معرکے کے تقریباً ایک سال بعد ہوا۔

حفصہ کی آمد سے گھرانے کی ہم آہنگی میں کوئی کمی نہ آئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی عمر کی قریب تر ایک ساتھی کی آمد سے خوش تھیں، اور جلد ہی دونوں نوجوان بیویوں کے درمیان ایک دیرپا دوستی قائم ہو گئی، جبکہ سودہ، جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے کچھ ماں کی سی حیثیت رکھتی تھیں، اپنی ماں جیسی شفقت کا ایک حصہ نو وارد کے لیے بھی بانٹنے لگیں، جو عمر میں ان سے تقریباً بیس سال چھوٹی تھیں۔

یہ نکاح کے وقت کے قریب ہی تھا کہ عمر کے بہنوئی، حفصہ کے ماموں، عثمان بن مظعون کا انتقال ہوا۔ عثمان اور ان کی اہلیہ خولہ ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے بہت قریب رہے تھے، اور عثمان اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ زاہد تھے۔

اسلام کی وحی سے پہلے بھی وہ زاہد تھے، اور مدینہ ہجرت کے بعد وہ دنیاوی خواہشات کو دبانے پر اتنے مائل ہو گئے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے خود کو زاہد بنانے اور باقی زندگی فقیر بن کر گزارنے کی اجازت مانگی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہیں مجھ میں ایک عمدہ نمونہ نہیں ملتا؟ اور میں عورتوں سے تعلق رکھتا ہوں، گوشت کھاتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں۔ وہ شخص میرے لوگوں میں سے نہیں جو دوسروں کو زاہد بنائے یا خود کو زاہد بنائے۔"

لیکن نبی کریم ﷺ کو لگا کہ عثمان نے انہیں پوری طرح نہیں سمجھا، اس لیے انہوں نے ایک اور موقع پر یہی سوال دہرایا: "کیا تمہیں مجھ میں نمونہ نہیں ملتا؟" عثمان نے پوری عقیدت سے ہاں میں جواب دیا، پھر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم ہر روز روزہ رکھتے ہو اور ہر رات عبادت میں جاگتے ہو۔" عثمان نے کہا: "ہاں، یہ تو میں کرتا ہوں"، کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بار بار روزے اور رات کی عبادت کے فضائل بیان کرتے سنا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ایسا نہ کرو، کیونکہ تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، اور تمہارے خاندان کا تم پر حق ہے۔ اس لیے نماز پڑھو، سو جاؤ، روزہ رکھو، اور افطار کرو۔[1]"

وحی الٰہی کے اصولی مذہب کے اظہار کے طور پر ہمیشہ زندگی کی بنیادی نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتی تھی:

"اس نے تمہیں سماعت، بصارت اور دل عطا کیے تا کہ تم شکر گزار بنو۔[2]"

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان کے پاس سکون پاؤ، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔ بے شک، اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں[3]۔

.[1] I.S. III/r, 289. [2] XVI, 68. [3] XXX,2I

کہو: کیا تم نے غور کیا، اگر اللہ تم پر قیامت کے دن تک رات کو ہمیشہ کے لیے مسلط کر دے، تو اللہ کے سوا کون ایسا خدا ہے جو تمہیں روشنی دے؟ کیا تم سنو گے نہیں؟ کہو: کیا تم نے غور کیا، اگر اللہ تم پر قیامت کے دن تک دن کو ہمیشہ کے لیے مسلط کر دے، تو اللہ کے سوا کون ایسا خدا ہے جو تمہیں ایسی رات دے جس میں تم سکون حاصل کر سکو؟ کیا تم دیکھو گے نہیں؟ اور اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور اس کے فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر گزار بنو[1]۔

انسانِ اوّل کے لیے قدرتی نعمتیں، جو اللہ کا شکر ادا کرنے سے پاکیزہ ہو جاتی ہیں، عبادت کے مختلف انداز ہیں؛ اور اپنی ذات کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے حواس کی لذتوں اور نماز کے متعلق ایک ہی تناظر میں فرمایا:

"مجھے خوشبو اور عورتوں کی محبت عطا کی گئی، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔[2]"

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے فوراً بعد، ان کی تدفین سے پہلے، نبی کریم ﷺ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خولہ کے گھر گئے، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں فرمایا:

"نبی کریم ﷺ نے عثمان کو ان کی وفات کے بعد بوسہ دیا، اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے آنسو عثمان رضی اللہ عنہ کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔"

ان کے جنازے پر ایک بوڑھی عورت نے مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"خوش ہو جاؤ، اے ابو السائب، بے شک جنت تمہاری ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے اس عورت کی طرف دیکھا اور کچھ سختی سے فرمایا:

"تمہیں یہ کہنے کا اختیار کس نے دیا؟"

اس نے احتجاج کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ، یہ ابو السائب ہیں!"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم، ہم ان کے بارے میں سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتے۔"

پھر یہ واضح کرنے کے لیے کہ آپ ﷺ کی پہلی بات عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں تھی بلکہ اس عورت کے لیے تھی جو اپنے دائرہ اختیار سے تجاوز کر رہی تھی، آپ ﷺ نے مزید فرمایا: "تمہارے لیے یہی کہنا کافی ہوتا: 'انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی۔[3]'"

عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا کہ وہ اپنے بہنوئی عثمان بن مظعون کے لیے اپنے بلند احترام میں کچھ ہل چکے تھے کیونکہ وہ شہید کی موت کے ساتھ نہیں مرے تھے۔ انہوں نے کہا:

"جب عثمان بن مظعون بغیر قتل کیے فوت ہو گئے تو وہ میری نظر میں بے حد گر گئے، اور میں نے کہا: دیکھو، یہ شخص جو ہم سب میں دنیاوی چیزوں سے پرہیز میں سب سے سخت تھا، اب وہ فوت ہو گیا اور شہید نہیں ہوا۔"

یہی تاثر ان کے ذہن میں رہا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں قدرتی موت فوت ہو گئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے خود کو ملامت کی کہ انہوں نے اقدار کا صحیح ادراک نہیں کیا، اور خود سے کہا: "افسوس تم پر، ہم میں سے بہترین لوگ مر جاتے ہیں!" - ان کا مطلب تھا "قدرتی موت مرنا"۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ ان کی نظر میں اس مقام پر واپس آ گئے جو وہ پہلے رکھتے تھے[4]۔

[1] XXVIII, 71-3. [2] I.S. 112., 1/2... نوٹ، صفحہ 141، اوپر ملاحظہ کریں

[3] I.S. IIIII, 2.89-90. [4] ibid.

XLVIII

The People of the Bench

اہل صفہ

مسجد کے ایک طویل بر آمدے کا ایک حصہ ان نئے آنے والوں کے لیے مختص کیا گیا تھا جن کے پاس نہ رہنے کی جگہ تھی اور نہ ہی روزی کے ذرائع۔ انہیں "اہل صفہ" کہا جاتا تھا، اس پتھر کی بنچ کی وجہ سے جو ان کے فائدے کے لیے وہاں رکھی گئی تھی۔ چونکہ مسجد نبی کریم ﷺ کی اپنی رہائش گاہ کے ساتھ جڑی ہوئی تھی، آپ ﷺ اور آپ کے گھر والے ان بے سہارا مہاجرین کے بڑھتے ہوئے گروہ کے لیے خاص طور پر ذمہ دار محسوس کرتے تھے جو ان کے بالکل دروازے پر رہتے تھے۔ ان کی حالت روزانہ دیکھی جاتی تھی، اور وہ اسلام کے پیغام اور نبی ﷺ اور ان کی جماعت کی خبروں سے متاثر ہو کر دور دور سے آتے تھے۔ بدر کی خبر نے بھی اس میں اپنا کردار ادا کیا۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسجد کے ساتھ جڑے ہوئے گھروں میں رہنے والے شاذ و نادر ہی کسی کھانے میں پیٹ بھر کر کھاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:
"ایک کا کھانا دو کے لیے کافی ہے، دو کا کھانا چار کے لیے کافی ہے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے کافی ہے[1]۔"

جس طرح آپ ﷺ خوشبوؤں اور عطروں کو پسند کرتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ بدبو، خاص طور پر سانس کی بو، کے حوالے سے انتہائی حساس تھے، چاہے وہ آپ میں ہو یا دوسروں میں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے آپ ﷺ مسواک اٹھاتے تھے، جو سبز کھجور کی لکڑی سے بنی ہوتی تھی۔ سفر کے دوران حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیشہ آپ کے لیے مسواک تیار رکھتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی مسواک کے استعمال میں پیروی کرتے تھے اور کھانے کے بعد منہ صاف کرنے کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

بھوک کے باوجود آپ ﷺ کی حساسیت بر قرار رہتی تھی، جو آپ ﷺ دوسروں سے ہمیشہ توقع نہیں کرتے تھے۔ کچھ کھانے ایسے تھے جو شریعت نے حلال قرار دیے اور جنہیں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو کھانے کی ترغیب دی، لیکن خود نہیں کھاتے تھے، جیسے بڑی چھپکلی (گُوھ) جو مکہ میں نہیں پائی جاتی تھیں لیکن مدینہ اور دیگر جگہوں پر عام تھیں۔ "کبھی کبھار وہ دوسروں کی خاطر کسی پکوان کو مسترد کر دیتے تھے، اپنی خاطر نہیں۔"

ایک مرتبہ انصار میں سے کسی نے ہدیہ کے طور پر ایک شوربہ پیش کیا۔ جب آپ ﷺ نے اسے کھانے کا ارادہ کیا تو آپ نے محسوس کیا کہ اس میں لہسن کی بو تیز ہے، چنانچہ آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آپ کے ساتھ موجود لوگ فوراً آپ کے رویے کی پیروی کرنے لگے۔

[1] M. XXXVI, 176.

"کیا بات ہے؟" انہوں نے ان سے کہا۔ "تم نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا،" انہوں نے کہا، "لہذا ہم نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔" "اللہ کے نام پر کھاؤ،" انہوں نے کہا۔ "میں اس شخص سے بات کرتا ہوں جس سے تم بات نہیں کرتے۔[1]" وہ جانتے تھے کہ وہ فرشتے کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ اس موقع پر کھانا تیار کیا گیا تھا اور اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پھر بھی، انہوں نے عمومی طور پر انہیں لہسن یا پیاز سے زیادہ ذائقہ دار کھانا کھانے سے روکا، خاص طور پر مسجد جانے سے پہلے[2]۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے پہلے وہ بچے کے لوگوں کی میزبان سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن نبی کی گھرانے کی روزمرہ زندگی کے باوجود، ان کی شادی کے بعد کی زندگی ان کی ایک ایسی کمی کی وجہ سے اور بھی زیادہ سخت ہو گئی تھی جس کا انہیں پہلے کبھی سامنا نہیں تھا۔ ان کے لیے کبھی بھی مدد کرنے والے ہاتھوں کی کمی نہیں تھی۔ ان کی بہن، ام کلثوم کے علاوہ، ام ایمن وہاں موجود تھیں، ہمیشہ جو کچھ کر سکتی تھیں کرنے کے لیے تیار۔ ام سلمہ نے اپنے دس سالہ بیٹے انس کو نبی کے لیے خادم کے طور پر دیا تھا، اور انس اپنے عمر سے کہیں زیادہ محنتی اور سوچ سمجھ کر کام کرتا تھا، جبکہ اس کی والدہ اور ابو طلحہ، اس کے دوسرے شوہر، ہمیشہ پس منظر میں موجود رہتے تھے، مدد کے لیے تیار۔ ابن مسعود نبی سے اس قدر قریب ہو گئے تھے کہ وہ تقریباً نبی کے گھرانے کے ہی ایک فرد بن چکے تھے؛ اور حال ہی میں، مکہ واپس آنے کے بعد، عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام ابو رافع کو نبی کے لیے تحفہ بھیجا تھا۔ نبی نے اسے آزاد کر دیا تھا، لیکن آزادی نے اس کی خدمت کرنے کی آمادگی میں کمی نہیں کی۔ وہاں خولہ بھی تھی، جو عثمان بن مظعون کی بیوہ تھی، جس نے ہمیشہ خود کو ان کی خدمت گزار سمجھا تھا۔ لیکن اب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ "ان کی شدید غربت کو دور کرنے کے لیے، 'علی نے پانی بھرنے اور اٹھانے والے کے طور پر کچھ پیسے کمائے، اور وہ مکئی پیسنے والی بن گئیں۔"۔ "میں نے اتنا پیسا کہ میرے ہاتھ چھالے پڑ گئے ہیں،" وہ ایک دن علی سے کہہ رہی تھیں۔ "میں نے اتنا پانی کھینچا کہ میرے سینے میں درد ہو رہا ہے،" علی نے کہا، "اور اللہ نے تمہارے والد کو کچھ قیدی دیے ہیں، تو تم جاؤ اور ان سے خادم مانگو۔" وہ بہت آسانی سے نبی کے پاس نہیں گئیں، جنہوں نے کہا: "تم یہاں کس وجہ سے آئی ہو، بیٹی؟" "میں تمہیں سلام پیش کرنے آئی تھی،" اس نے کہا، کیونکہ ان کی عظمت کے سبب وہ اپنے ارادے کے مطابق نہیں پوچھ سکیں۔ "تم نے کیا کیا؟" علی نے کہا جب وہ خالی ہاتھ واپس آئیں۔ "میں ان سے پوچھنے میں شرمندہ تھی،" اس نے کہا، تو دونوں ایک ساتھ گئے، لیکن نبی نے محسوس کیا کہ ان کی ضرورت دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کم تھی۔ "میں تمہیں نہیں دوں گا،" انہوں نے کہا، "اور کیا میں بچے کے لوگوں کو بھوک سے عذاب میں مبتلا ہونے دوں گا؟۔ میرے پاس ان کی دیکھ بھال کے لیے کافی نہیں ہے؛ لیکن میں ان پر جو کچھ خرچ کر سکتا ہوں، وہ قیدیوں کو بیچ کر دے دوں گا۔"

وہ کچھ مایوس ہو کر گھر واپس آ گئے، لیکن رات کو جب وہ بستر پر گئے، تو انہوں نے نبی کی آواز سنی کہ وہ داخل ہونے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے، دونوں کھڑے ہو گئے، لیکن نبی نے کہا: "تم دونوں جہاں ہو، وہیں رہو،" اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ "کیا میں تمہیں وہ نہ بتاؤں جو تم نے مجھ سے مانگا تھا اس سے بہتر ہو؟" انہوں نے کہا، اور جب انہوں نے ہاں کہا تو انہوں نے کہا: "وہ الفاظ جو جبرائیل نے مجھے سکھائے، تمہیں ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ کہنا چاہیے، دس بار الحمد اللہ کہنا چاہیے، اور دس بار اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ اور جب تم بستر پر جاؤ تو تم انہیں تینتیس بار کہنا چاہیے۔" علی نے بعد میں کہا: "میں نے کبھی بھی ان کو کہنا نہیں چھوڑا، جب سے اللہ کے رسول نے ہمیں یہ سکھایا۔[3]"

I.S. I/2, 110. [2] B. XCVI, 24. [3] I.S.VIII, 16. [1]

ان کا گھر مسجد سے زیادہ دور نہیں تھا، لیکن نبی چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی ان کے اور قریب ہو، اور شادی کے کچھ مہینے بعد، خزرج کے حارثہ، جو نبی کے دور کے رشتہ دار تھے، ان کے پاس آئے اور کہا: "اے اللہ کے رسول، میں نے سنا ہے کہ آپ چاہتے ہو کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب لاؤ، اور یہ میر اگھر نجار کے بیٹوں کے تمام گھروں میں سب سے قریب ہے، اور یہ آپ کا ہے۔ میں اور میری تمام چیزیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں، اور جو آپ میرے سے لے لو، وہ مجھے زیادہ عزیز ہے بجائے اس کے کہ آپ جو چھوڑو۔" نبی نے ان پر دعا کی اور ان کا تحفہ قبول کیا، اور اپنی بیٹی اور داماد کو اپنے ہمسائے میں بسا لیا۔ وہ حارثہ کی سخاوت پر بہت خوش ہوئے، اور مدینہ میں اور بھی بہت سی سخاوتوں پر خوشی محسوس کی، جو نہ صرف ان کے ساتھ بلکہ دوسروں کے ساتھ بھی کی گئی تھیں۔

تاہم ان میں سے ایک واقعہ تھا جو اس وقت کچھ مایوسی کا باعث بن گیا۔ نبی کو ابولبابہ از اوس کے بارے میں بہت بلند رائے تھی، اور بدر کے راستے میں انہوں نے انہیں روحاء سے واپس بھیجا تھا تا کہ وہ مدینہ میں ان کی غیر موجودگی میں اس کی نگرانی کریں۔ اسی سال بعد ایک یتیم، جو ابولبابہ کی سرپرستی میں تھا، نبی کے پاس آیا اور ایک خاص درخت کی ملکیت کا دعویٰ کیا، جو اس کا کہنا تھا کہ اس کے سرپرست نے غلط طریقے سے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے ابولبابہ کو بلایا، جنہوں نے کہا کہ درخت ان کا ہے، جیسا کہ حقیقت میں تھا۔ نبی نے مقدمہ سنا اور سرپرست کے حق میں فیصلہ دیا اور یتیم کے خلاف، جو اس درخت کے نقصان پر بہت غمگین تھا، جسے وہ ہمیشہ اپنا سمجھتا تھا۔ یہ دیکھ کر نبی نے اس درخت کو اپنے لیے تحفہ مانگا، تا کہ وہ اسے یتیم کو دے دیں، لیکن ابولبابہ نے انکار کیا۔ "اے ابولبابہ،" انہوں نے کہا، "پھر تم اسے یتیم کو دے دو، اور اس کے مانند تمہیں جنت میں ملے گا۔" لیکن ابولبابہ کا قانونی انصاف کے تئیں احساس اتنا زیادہ جاگ چکا تھا کہ وہ اس پر راضی نہ ہوئے اور دوبارہ انکار کر دیا، تو اس پر ایک اور انصاری، ثابت بن الدحداح، نبی سے کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول، اگر میں اس درخت کو خرید کر اس یتیم کو دے دوں، تو کیا اس کے بدلے مجھے جنت میں ویسا ہی درخت ملے گا؟" "بیشک،" نبی نے جواب دیا، تو وہ ابولبابہ کے پاس گئے اور ان سے اس ایک درخت کے بدلے کھجوروں کا ایک باغ پیش کیا۔ اس پیشکش کو قبول کیا گیا، اور ابن دحداحہ نے وہ درخت یتیم کو دے دیا[1]۔ نبی اس کے لیے بے حد خوش ہوئے، لیکن ابولبابہ کے حوالے سے غمگین ہو گئے۔

[1] W.505

XLIX

Desultory Warfare

چالاک جنگی کارروائی

بدر اور اس سے پہلے کی مہمات کا ایک اہم ضمنی نتیجہ یہ تھا کہ جُہَینَہ اور دیگر قریبی بحیرہ احمر (Red Sea) کے قبائل اب مدینہ کے ساتھ مُستحکم اتحاد میں تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شام جانے والی ساحلی شاہراہ مکہ کی قافلوں کے لیے عملاً بند ہو گئی تھی؛ اور یہ سوال اٹھا: کیا ممکن ہے کہ قریش کی طاقت کو مزید کم کیا جائے اور انہیں شمال کی طرف تمام راستوں سے روک دیا جائے، مشرق اور مغرب دونوں طرف؟ یہ چھپا ہوا خطرہ قریش کی نظر سے بالکل نہیں بچا تھا، اور انہوں نے پہلے ہی کچھ اقدامات کیے تھے تاکہ سلیم اور غطفان کے ساتھ اپنے اتحاد کو مضبوط کریں، جن کے علاقے سے گزر کر قافلے شمال مشرقی راستے پر جاتے تھے تاکہ وہ فارس خلیج کے سرے تک پہنچیں اور وہاں سے عراق جائیں۔ یہ قبائل مکہ اور مدینہ کے مشرق میں نجد کے وسیع میدان میں بستے تھے۔ مکہ سے آنے والے قافلے ساتویں پڑاؤ کو سلیمُ کے زیر قبضہ زرخیز علاقے کے وسط میں کرتے تھے؛ اور خاص طور پر اس قبیلے کو اب قریش کی طرف سے یہ ترغیب دی گئی تھی کہ وہ یثرب کی سرحدوں پر جہاں کہیں بھی کمزور نظر آئیں، ان پر حملہ کرنے کا کوئی موقع نہ چھوڑیں۔

اگلے چند مہینوں کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرقی علاقے کی سرحدوں پر تین متوقع حملوں کی اطلاع ملی، جن میں سے دو سلیمُ کے اور ایک غطفان کا تھا۔ ہر معاملے میں انہوں نے فوراًان کے علاقے میں مارچ کر کے ان حملوں کو ناکام بنایا، اور ہر بار ان کو نبی کی آمد کی خبر مل چکی تھی اور وہ اس سے پہلے ہی اپنے مقام سے غائب ہو گئے۔ لیکن ان مہمات میں سے ایک خاص طور پر کامیاب رہی۔ یہ غطفانی قبائل ثعلبہ اور محارب کے خلاف تھی، اور اس مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بدوؤں کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی پناہ گاہوں تک پہنچنے کا فیصلہ کیا، اس میں ان کی مدد ایک شخص نے کی، جو ثعلبہ کا تھا، اور اس نے اسلام قبول کیا اور راہنمائی کی پیشکش کی۔ میدان سے وہ محارب کے علاقے میں پہنچے، اور اچانک بارش کی زوردار بوندیں بعض لوگوں کو بھگو دیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے، اس سے پہلے کہ وہ پناہ لے سکیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں سے کچھ دور جا کر اپنے دو بھیگے ہوئے کپڑے ایک درخت پر لٹکا دیے تاکہ وہ خشک ہو جائیں، اور خود درخت کے نیچے لیٹ گئے اور جلد ہی نیند کا غلبہ ہو گیا۔ لیکن ان کی تمام حرکات اور خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکتوں کو کئی نظر نہ آنے والی آنکھوں نے دیکھا تھا؛ اور وہ جاگے تو ایک شخص کو اپنے اوپر کھڑا پایا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ وہ اور کوئی نہیں، بلکہ محارب کے سردار دُعثُر تھے، جو خود اس منصوبہ بند حملے کے لئے بڑی حد تک ذمہ دار تھے جس کے بارے میں نبی کو خبردار کیا گیا تھا۔ "اے محمد ﷺ،" اس نے کہا، "آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" "اللہ،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس پر جبرائیل سفید لباس میں ظاہر ہوئے۔

انہوں نے اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پکڑ لیا۔ جبرائیل ڈُعثر کی نظروں سے غائب ہو گئے، اور اس نے محسوس کیا کہ اس نے ایک فرشتہ دیکھا ہے۔ "تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ "کسی نے نہیں،" ڈُعثر نے کہا۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلوار واپس کر دی، جو اس شخص پر گہرا اثر ڈال گیا۔ پھر وہ دونوں مل کر لشکر گاہ گئے، اور ڈُعثر کو دین کی تعلیم دی گئی۔ اس کے بعد وہ اپنے لوگوں کے پاس واپس گیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔

جب تک کہ لشکر نجد سے واپس آیا، کعب ابن اشرف مکہ چھوڑ چکا تھا اور بنی نضیر کے قلعے میں واپس آ کر مدینہ کے باہر کے قریب رہنے لگا تھا۔ بدر کے بدلے کی ترغیب دینے والی اپنی شاعری کے علاوہ، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو ہجو کرنے والی دیگر نظمیں بھی لکھیں۔ عربوں میں ایک باصلاحیت شاعر ایک جماعت کی مانند ہوتا تھا، کیونکہ اس کی اشعار ہر زبان سے گونجتی تھیں۔ اگر اس کے اشعار اچھے ہوتے تو وہ خیر کا باعث بنتے، اور اگر برے ہوتے تو وہ برائی کا طاقتور وسیلہ بنتے، جسے ہر قیمت پر دبا دیا جانا چاہیے تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: "اے اللہ، مجھے ابن اشرف سے نجات دے، جو کچھ بھی تُو چاہے، کیونکہ وہ جو برائی ظاہر کرتا ہے اور وہ نظمیں جو وہ پڑھتا ہے۔" پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا جو وہاں موجود تھے: "میرے لیے ابن اشرف کے خلاف کون اٹھے گا، کیونکہ اس نے مجھے بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے؟" سب سے پہلے (Aws) اَوس کے محمد ابن مسلمہ، جو سعد ابن معاذ کے قبیلے سے تھے، نے رضاکارانہ طور پر پیشکش کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ سعد سے مشورہ کریں، اور پھر مزید چار افراد نے رضاکارانہ طور پر پیشکش کی۔ لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ دھوکہ اور جھوٹ کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، اور وہ جانتے تھے کہ جھوٹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناپسندیدہ تھا؛ لہذا انہوں نے ان سے آ کر اپنی نیت بتائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ وہ جو کچھ چاہیں کہہ سکتے ہیں، کیونکہ جنگ میں دھوکہ جائز ہے، کیونکہ یہ اس کی حکمت عملی کا حصہ ہے، اور کعب نے ان کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تھا۔

کعب کو جھوٹے بہانوں سے قلعے سے باہر نکال کر قتل کر دیا گیا۔ نضیر کے یہودی غصے اور دہشت کے عالم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور شکایت کی کہ ان کے ایک اہم شخص کو بغیر کسی وجہ کے بے وفائی سے مارا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر اسلام کے دشمن تھے، جیسے کعب تھا، اور انہوں نے یہ حقیقت قبول کر لی تھی۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ انہیں یہ دکھایا جائے کہ اگر دشمنانہ خیالات برداشت کیے جا سکتے ہیں، تو دشمنانہ عمل نہیں۔ "اگر وہ دوسرے لوگوں کی طرح رہتا جو اسی رائے پر قائم ہیں،" انہوں نے کہا، "تو وہ دھوکہ دہی سے قتل نہ ہوتا۔ لیکن اس نے ہمیں نقصان پہنچایا اور ہمارے خلاف شاعری کی؛ اور تم میں سے کوئی بھی ایسا کرے گا تو اسے تلوار کے حوالے کیا جائے گا۔"[1] پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ساتھ ایک خصوصی معاہدہ کرنے کی دعوت دی، اور انہوں نے ایسا کیا۔

[1] W. I92.

L

Preparations for Battle

جنگ کی تیاری

مکہ والوں نے بحیرہ احمر (Red Sea) کے قافلے کے راستے کے نقصان کو شدت سے محسوس کیا۔ اس واحد متبادل کا ایک نقصان یہ تھا کہ نجد کے میدان میں کنویں نسبتاً دور تھے۔ لیکن اب چونکہ گرمیوں کے مہینے ختم ہو رہے تھے، سفر آسانی سے کیا جا سکتا تھا اگر پانی لے جانے والے اونٹوں کی تعداد بڑھا دی جاتی؛ اور انہوں نے عراق کے لیے ایک امیر قافلہ بھیجنے کا فیصلہ کیا، جس میں زیادہ تر چاندی کی چھڑیاں اور چاندی کے برتن شامل تھے جن کی قیمت تقریباً ایک لاکھ درہم تھی۔ یہ قافلہ صفوان کی قیادت میں روانہ ہونے والا تھا۔ مدینہ کے کچھ یہودیوں کے پاس قافلے کے بارے میں خفیہ معلومات تھیں اور ایک صحابی نے ان کو اس پر بات کرتے ہوئے سن لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ زید میں قیادت کی صلاحیت ہے، اور انہوں نے اسے سو گھڑ سواروں کی قیادت میں قافلے کو قرادہ Qaradah کے قریب گھات لگانے کے لیے بھیجا، جو راستے کے اہم پانی پینے کے مقامات میں سے تھا۔ چھوٹے اور اس لیے زیادہ قابلِ انتظام دستے نے زید کو ایک مؤثر گھات کا تمام ضروریات کو پورا کرنے کا موقع دیا۔ ان کا اچانک، شدید اور غیر متوقع حملہ صفوان اور اس کے ساتھیوں کو بھگا دینے میں کامیاب ہو گیا، جبکہ زید اور اس کے لوگ مدینہ واپس جیت کے ساتھ پہنچے، اور وہ خود مکہ کے تمام مال بردار اونٹوں کے محافظ بن گئے جن پر چاندی اور دیگر سامان کا قیمتی مال تھا، اور چند قیدی بھی تھے۔

مکہ میں Qaradah کا سانحہ اور زیادہ شدت اختیار کر گیا اور اس سے وہ تیاریوں میں تیزی آئی جو بدر کے بعد سے مدینہ پر ایک ناقابلِ شکست حملے کے لیے کی جا رہی تھیں۔ رمضان المبارک آیا، اور اس روزے کے مہینے میں، تمام مومنوں کی خوشی کے لیے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان کے الفاظ کہے اور اس کا نام حسن رکھا، جس کا مطلب ہے "خوبصورت"۔ چاند پورا ہوا، اور اس کے بعد ایک دو دن میں بدر کی سالگرہ آئی؛ اور ماہ کے آخری دنوں میں ایک مہر بند خط نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، جسے ایک سوار لے کر مکہ سے مدینہ آیا تھا اور تین دن میں یہ سفر طے کیا تھا۔ یہ خط ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا، جس میں بتایا گیا تھا کہ تین ہزار افراد کا ایک لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہونے والا ہے۔ ان میں سے سات سو افراد زرہ پوش تھے، اور دو سو گھڑ سوار تھے۔ اونٹوں کی تعداد اتنی ہی تھی جتنے آدمی، اور اس کے علاوہ مال بردار اونٹ اور خواتین کے لیے ہودوں والے اونٹ بھی شامل تھے۔

جب تک خط پہنچا، قریش پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے۔ ابو سفیان، جو فوج کے سپہ سالار تھے، اپنے ساتھ ہند اور ایک دوسری بیوی کو بھی لے گئے۔ "صفوان بھی اپنے ساتھ دو بیویاں لایا جبکہ دیگر سرداروں نے صرف ایک بیوی کو ساتھ لیا۔ جبیر بن مطعم مکہ میں ہی رہے، لیکن انہوں نے اپنے غلام وحشی کو قافلے کے ساتھ بھیجا، جو اپنے ہم وطنوں کی طرح نیزہ بازی میں ماہر تھا۔ وحشی کو کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ وہ اپنے نشانے سے چوک جائے؛ اور جبیر نے اس سے کہا: "اگر تو حمزہ رضی اللہ عنہ، محمد ﷺ کے چچا، کو میرے بدلے قتل کر دے، تو تو آزاد ہو جائے گا۔ "ہند کو اس کا علم ہوا، اور جب بھی وہ کیمپ میں وحشی کے پاس سے گزرتی یا اسے گزرتے ہوئے دیکھتی، تو وہ اسے کہتی: 'جا، اے تاریکی کے باپ، اپنی پیاس بجھا اور پھر فخر کر!' اس نے پہلے ہی اسے واضح کر دیا تھا کہ نہ صرف اس کا مالک بلکہ خود اس کی بھی پیاس تھی جسے بجھانا ضروری تھا اور بجھانے والے کے لئے انعام بھی تھا۔"

مہاجرین اور انصار کے پاس دشمن کے پہنچنے سے پہلے ایک ہفتہ باقی تھا؛ لیکن اس دوران مدینہ کی دیواروں کے اندر ان تمام افراد اور ان کے جانوروں کے لیے جگہ بنانی تھی جو نخلستان کے باہر رہتے تھے۔ یہ کام کر لیا گیا اور نہ کوئی گھوڑا، اونٹ، گائے، بھیڑ یا بکری باہر چھوڑی گئی۔ اب یہ دیکھنا باقی تھا کہ مکہ والوں کا منصوبہ کیا ہے۔ اطلاع آئی کہ وہ ساحل کے قریب مغربی راستے سے آ رہے ہیں۔ پھر وہ اندرون ملک روانہ ہوئے اور مدینہ کے شمال میں واقع جبل احد کے نیچے ایک کھیتی کے میدان میں چھاؤنی ڈال کر رک گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوس بھیجے، جو اگلے دن صبح کو واپس آئے اور اطلاع دی کہ دشمن کی تعداد واقعی خط میں بیان کردہ تھی۔ قریش کے ساتھ سو افراد قبیلہ ثقف سے بھی تھے اور کنانہ اور دیگر اتحادیوں کے دستے بھی تھے۔ تین ہزار سے زیادہ اونٹ اور دو سو گھوڑے کھیتوں اور ابھی تک غیر کٹائی شدہ فصلوں کو کھا رہے تھے اور جلد ہی سبزہ کا ایک بھی پتا باقی نہیں رہ جائے گا۔ فوج میں فوری کارروائی کے لیے کوئی نشان نہیں تھا۔ پھر بھی، اس رات شہر کی سخت نگرانی کی گئی، اور اوس اور خزرج کے دونوں سعدین، یعنی ابن معاذ اور ابن عبادہ، نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے باہر پہرہ دینے پر اصرار کیا، اور ان کے ساتھ اسید اور ایک مضبوط گارڈ بھی تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک غیر مسلح تھے۔ لیکن انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک ناقابلِ تسخیر زرہ پہنے ہوئے ہیں اور ایک مینڈھے کی پیٹھ پر سوار ہیں۔ "اس کی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور اس نے اس میں ایک چوٹ (Dent) دیکھا؛ اور اس نے کچھ گائیں دیکھیں جنہیں وہ جانتا تھا کہ وہ اس کی ہیں، اور انہیں اس کی آنکھوں کے سامنے قربان کر دیا گیا۔ "اگلی صبح انہوں نے اپنے ساتھیوں کو جو کچھ دیکھا بتایا اور اس کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: "ناقابلِ تسخیر زرہ مدینہ ہے، اور میری تلوار میں جو چوٹ (Dent) ہے وہ میرے خلاف ایک ضرب ہو گی؛ قربانی کی جانے والی گائیں وہ ہیں جو میرے کچھ ساتھی ہوں گے جنہیں قتل کیا جائے گا؛ اور جو مینڈھا جس پر میں سوار تھا، وہ ان کے دستے کا قائد ہے جسے ہم قتل کریں گے، اگر اللہ چاہے۔[1]"

ان کا پہلا خیال شہر سے باہر نہ جانے کا تھا بلکہ اس کی دیواروں کے اندر محاصرہ کرنے کا تھا۔ پھر بھی، وہ چاہتے تھے کہ ان کی رائے کی تصدیق دوسرے لوگ بھی کریں، کیونکہ یہ کوئی پختہ یقین نہیں تھا، اس لیے انہوں نے اس بارے میں مشورہ کیا۔

[1] W. 209

یہ دیکھتے ہوئے کہ آیا انہیں دشمن کے خلاف باہر جانا چاہیے یا نہیں، سب سے پہلے ابن ابی نے بات کی: "ہمارا شہر،" انہوں نے کہا، "ایک ایسی بیوی کی طرح ہے جو کبھی ہمارے خلاف پامال نہیں ہوئی۔ کبھی ہم نے اس سے باہر نکل کر دشمن پر حملہ نہیں کیا، اور جو کوئی بھی اس میں داخل ہوا، وہی نقصان اٹھایا۔ اس لیے انہیں چھوڑ دو، اے اللہ کے رسول! ان کی حالت خراب ہو گی جب تک وہ یہاں رہیں گے، اور جب وہ واپس آئیں گے تو مایوس اور ناکام ہو کر واپس آئیں گے، ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔"

مہاجرین اور انصار کے بڑی تعداد میں بزرگ صحابہ ابن ابی کی رائے کے حق میں تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "مدینہ میں رہو، اور عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں رکھو۔" اس کے بعد یہ بات واضح ہوئی کہ زیادہ تر نوجوان مرد دشمن کے خلاف باہر جانے کے لیے بے تاب ہیں۔ "اے اللہ کے رسول!" ان میں سے ایک نے کہا، "ہمیں دشمن کے خلاف باہر لے جاؤ۔ انہیں یہ نہ سوچنے دو کہ ہم ان سے ڈرتے ہیں یا ہم ان کے لیے کمزور ہیں۔" یہ باتیں مجلس کے مختلف حصوں سے حمایت کی گئیں، اور دوسرے بھی یہی کہتے ہوئے آئے، اس اضافی دلیل کے ساتھ کہ اگر وہ خاموش رہیں گے اور اپنے تباہ شدہ کھیتوں کا بدلہ نہیں لیں گے، تو یہ قریش کو ان کے خلاف مزید جرات دے گا، نہ صرف قریش کو بلکہ نجد کے قبائل کو بھی۔

حمزہ رضی اللہ عنہ اور سعد ابن عبادہ اور دیگر تجربہ کار صحابہ اب اس رائے کی طرف مائل ہونے لگے۔ "بدری جنگ میں،" ایک نے کہا، "تمہارے پاس صرف تین سو آدمی تھے، اور اللہ نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔ اور اب ہم بہت ہیں اور ہمیں اس موقع کا انتظار تھا اور ہم اللہ سے اس کے لیے دعا کر رہے تھے، اور وہ اسے ہمارے دروازے تک لے آیا۔[1]" پھر مجلس میں سب سے بزرگ شخص کھڑا ہوا، جو اوس کے قبیلے کا ایک شخص تھا، جس کا نام خیثمہ تھا۔ اس نے پہلے دی گئی تمام دلائل کو دہرا کر دفاع میں رہنے کے خلاف بات کی۔ پھر اس نے ایک ذاتی بات کی۔ اس کا بیٹا سعد، جو بدری جنگ میں شہید ہوا تھا، ان میں سے تھا۔ "رات کو میں نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا،" اس نے کہا، "وہ بہت خوبصورت تھا، اور میں نے اسے جنت کے پھلوں اور نہروں میں اپنی تمام خواہشات پوری کرتے ہوئے دیکھا۔ اور اس نے کہا: 'ہمارے پاس آؤ اور جنت میں ہمارے ساتھ ہو۔ جو کچھ میرے رب نے مجھے وعدہ کیا تھا، وہ سب سچ نکلا۔' اور میں بوڑھا ہوں اور اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہوں، تو اے اللہ کے رسول، دعا کریں کہ وہ مجھے شہادت اور جنت میں سعد کی کمپنی عطا فرمائے۔[2]" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیثمہ کے لیے دعا کی، شکریہ کے ساتھ، اگرچہ الفاظ ریکارڈ نہیں ہیں۔

پھر انصار میں سے ایک اور شخص کھڑا ہوا، اس بار خزرج کا ایک شخص، مالک بن سنان۔ "اے اللہ کے رسول!" اس نے کہا، "ہمارے سامنے دو اچھے کام ہیں: یا تو اللہ ہمیں ان پر غلبہ دے گا، اور یہی ہم چاہتے ہیں؛ یا اللہ ہمیں شہادت دے گا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ کیا ہو گا، کیونکہ دونوں میں اچھائی ہے۔[3]" اب یہ واضح ہو گیا تھا، صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عام تائید سے، کہ اکثریت شہر کی دیواروں کے پیچھے رہنے کے حق میں نہیں تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

ظہر کے وقت وہ جمعہ کی نماز کے لیے اکٹھے ہوئے، اور ان کے خطبے کا موضوع جہاد اور اس میں جو محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہے، تھا؛ اور انہوں نے کہا کہ اگر وہ ثابت قدم رہیں گے تو فتح ان کی ہو گی۔ پھر انہوں نے انہیں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔

"نماز کے بعد دو مرد پیچھے رہ گئے تاکہ نبی سے بات کر سکیں، ہر ایک کے پاس ایک فوری فیصلہ کرنے کا معاملہ تھا۔"

[1] W.210-11. [2] W.212-13. [3] ibid

ایک ان میں سے حنظلہ تھا، جو خود ساختہ ابراہیمی ابو عامر کا بیٹا تھا، جو اس وقت، اپنے بیٹے کے علم کے بغیر، احد کے نیچے دشمن کے کیمپ میں موجود تھا۔ یہ حنظلہ کا نکاح کا دن تھا-ایک دن جو چند ہفتے پہلے طے کیا گیا تھا۔ اس کی منگنی اس کی چچازاد جمیلہ، ابن ابی کی بیٹی، سے ہوئی تھی، اور وہ نکاح ملتوی کرنے کے لیے راضی نہ تھا، لیکن جنگ میں حصہ لینے کا عزم رکھتا تھا۔ نبی ﷺ نے اسے فرمایا کہ وہ نکاح کرے اور رات مدینہ میں گزارے۔ فجر سے پہلے جنگ کا کوئی امکان نہ تھا، اور حنظلہ کے پاس کافی وقت ہو گا کہ اگلی صبح میدان جنگ میں ان سے آملے۔ وہ تحقیق کر کے معلوم کر سکتا تھا کہ لشکر کس راستے سے گزرا ہے۔

دوسرا شخص عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمر بن سلمہ تھا، جو خزرج کے قبیلے کا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے تقریباً تین سال پہلے ایک پجاری کی حیثیت سے حج پر جانے کا ارادہ کیا تھا، اور منی کے وادی میں اسلام قبول کیا تھا، جہاں اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ اور اب، دو یا تین راتیں پہلے، عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا تھا جو خیثمہ کے خواب سے ملتا جلتا تھا جو اس نے مجلس میں سنایا تھا۔ ایک شخص خواب میں اس کے پاس آیا اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک انصاری نام مبشّر پہچانا، جو کہ اس سے کہا: "چند دنوں میں تم ہمارے پاس آؤ گے۔" "تم کہاں ہو؟" عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ "جنت میں،" مبشّرؓ نے کہا۔ "ہم وہاں جو چاہیں کرتے ہیں۔" "کیا تم بدر میں شہید نہیں ہوئے تھے؟" عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ "ہاں،" مبشّرؓ نے کہا، "لیکن پھر مجھے زندہ کر دیا گیا۔" "اے جابر کے والد،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے جب یہ خواب سنا تو کہا، "یہ شہادت ہے۔[1]" عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے دل میں یہ جانا، مگر وہ اس کی تصدیق کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ پھر وہ اپنے گھر واپس گیا تا کہ جنگ کے لیے تیاری کرے اور اپنے بچوں سے رخصت لے۔ اس کی بیوی حال ہی میں وفات پا چکی تھی، اور اس کے ایک بیٹے جابر کے علاوہ سات بیٹیاں تھیں، جو اپنے بھائی سے بہت چھوٹی تھیں۔ جابر پہلے ہی مسجد سے واپس آ چکا تھا اور اپنی ہتھیاروں اور زرہ کے بارے میں مصروف تھا۔ چونکہ وہ بدر میں شریک نہیں تھا، اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس موقع پر نکلنے کے لیے اور بھی زیادہ بے تاب تھا۔ مگر اس کے والد کے خیال میں کچھ اور تھا۔ "میرے بیٹے،" اس نے کہا، "یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں" -اس کا مطلب اس کی بیٹیوں سے تھا- "یہ چھوٹے ہیں اور بے بس ہیں، اور مجھے ان کے لیے خوف ہے۔ لیکن میں اللہ کے رسول کے ساتھ نکلوں گا، اگر اللہ نے مجھے شہادت دے دی، تو میں انہیں تمہاری دیکھ بھال کے لیے چھوڑتا ہوں۔"

وہ سب دوبارہ عصر کی نماز کے لیے اکٹھے ہوئے، اور اس وقت اوپر کے مدینہ سے آنے والے لوگ مسجد میں موجود تھے۔ نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر اور عمر کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر گئے اور انہوں نے جنگ کے لیے ان کی تیاری کرنے میں مدد کی۔ مرد باہر لائن میں کھڑے ہوئے؛ اور سعد ابن معاذ اور اس کے قبیلے والوں نے ان سے کہا: "تم نے اللہ کے رسول کو اس کی مرضی کے خلاف باہر جانے پر مجبور کر دیا ہے، حالانکہ اس پر حکم آسمان سے آیا ہے۔ فیصلہ اس کے ہاتھ میں واپس کر دو اور اسے دوبارہ فیصلہ کرنے دو۔" جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے، تو انہوں نے اپنا عمامہ اپنے ہیلمٹ کے اوپر لپیٹ لیا تھا اور اپنی چھاتی پر زرہ پہن رکھی تھی، جس کے نیچے ایک میل کا کوٹ تھا جسے چمڑے کے تلوار کے بیلٹ کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی تلوار بھی کمر پر باندھ رکھی تھی اور اپنی ڈھال پیٹھ پر لٹکائی ہوئی تھی۔ اس وقت تک مردوں کی بڑی تعداد اس فیصلے پر پچھتا رہی تھی،

[1] W.266.

جب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر آئے تو صحابہ نے کہا: "اے اللہ کے رسول، ہمارے لیے یہ نہیں ہے کہ ہم آپ کی مخالفت کریں، جو آپ کو مناسب لگے وہ کیجیے۔" لیکن آپ نے ان سے کہا: "جب ایک نبی نے اپنا زرہ پہنی ہو، تو وہ اسے اس وقت تک نہیں اُتار سکتا جب تک کہ اللہ اُس کے اور اُس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ لہذا تم جو کچھ میں نے تمہیں کہا ہے، وہ کرو اور اللہ کے نام پر آگے بڑھو۔ تمہاری فتح ہے، اگر تم ثابت قدم رہو۔[1]" پھر آپ نے تین نیزے منگوائے اور ان پر تین جھنڈے لٹکائے۔ اوس کا جھنڈا آپ نے اسید کو دیا، خزرج کا جھنڈا احباب کو دیا، جس نے بدر میں کنوؤں کے بارے میں آپ کو مشورہ دیا تھا، اور مہاجرین کا جھنڈا مصعب کو دیا۔ پھر آپ نے نابینا عبد اللہ ابن ام مکتوم کو اپنی غیر موجودگی میں نماز کی امامت کے لیے مقرر کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنا گھوڑا "سکب[2]" پر سوار ہوئے اور اپنی کمان منگوائی، جسے آپ نے اپنے کندھے پر لٹکایا، اور ایک نیزہ ہاتھ میں لے لیا۔ کوئی اور شخص سوار نہیں تھا۔ دونوں سعد (ابن معاذ اور ابن عبادہ) آپ کے سامنے چل رہے تھے، اور دونوں طرف مرد تھے۔ کل ملا کر یہ تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔

[1] W. 2 I4.

[2] **بہتا پانی** کو یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس کی ہولے ہولے چلنے کی صلاحیت تھی۔.

LI

The March to Uhud

اُحد کی طرف مارچ

جب سورج غروب ہونے کو تھا، تو وہ شیخین پہنچے جو مدینہ اور اُحد کے درمیان کا آدھا راستہ تھا۔ بلال نے اذان دی اور نماز پڑھی، جس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کا جائزہ لیا۔ اس وقت انہیں آٹھ لڑکوں کی موجودگی کا احساس ہوا جو اپنی عمر کے باوجود جنگ میں حصہ لینے کی امید کر رہے تھے۔ ان میں زید کے بیٹے اسامہ اور عمر کے بیٹے عبد اللہ شامل تھے، دونوں کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کے چھ ساتھیوں کو فوراً واپس جانے کا حکم دیا۔ وہ احتجاج کرنے لگے، اور انصار میں سے ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ پندرہ سالہ رافع، جو حارثہ کی قبیلے کے آوس سے تھا، اپنے کچھ بڑوں سے بہتر تیر انداز ہے۔ اس لیے رافع کو رکنے کی اجازت دی گئی، اور پھر سمُرہ، جو نجد کے ایک قبیلے کا یتیم لڑکا تھا، جس کی والدہ رافع کے قبیلے کے ایک انصاری سے شادی کر چکی تھی، نے دعویٰ کیا کہ وہ رافع کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لڑکوں سے کہا کہ وہ اسے دکھائیں کہ وہ کیا کر سکتے ہیں، تو دونوں فوراً ایک دوسرے سے کشتی کرنے لگے؛ اور سمُرہ نے اپنے دعوے کو درست ثابت کیا، لہٰذا اُسے بھی رکنے کی اجازت دی گئی، جبکہ باقی لڑکوں کو واپس بھیج دیا گیا۔

مکہ والے یہ امید کر رہے تھے کہ مسلمان ان کے خلاف نکلیں گے تاکہ وہ اپنی زیادہ طاقت، خاص طور پر اپنی سوار فوج کو بہترین فائدے کے لیے استعمال کر سکیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے آگاہ تھے اور حالانکہ انہوں نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا، وہ اپنی تعداد کی کمی کا تدارک کرنے کے لیے ایسی جگہ پر مقام حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جو ان کی فوج کو فائدہ دے اور دشمن کو غیر متوقع طور پر بے چین کر دے۔ لیکن اس مقصد کے لیے انہیں ایک راہنما کی ضرورت تھی، لہٰذا انہوں نے کچھ معلومات حاصل کیں، اور چونکہ انہیں بنی حارثہ کے علاقے سے گزرنا تھا، اس لیے انہوں نے اس قبیلے کے ایک ایسے شخص کی خدمات قبول کر لیں جو زمین کے نقشے سے بخوبی واقف تھا۔

مدینہ میں اس رات حنظلہ اور جمیلہ نے اپنی شادی مکمل کی تھی؛ اور رات کے آخری حصے میں جمیلہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کا شوہر جنت کے دروازے کے باہر کھڑا ہے؛ اور دروازہ اس کے لیے کھلا اور وہ اس میں داخل ہو گیا، پھر دروازہ اس کے پیچھے بند ہو گیا۔ جب وہ جاگ کر اُٹھی تو اس نے اپنے آپ سے کہا: "یہ شہادت ہے۔" انہوں نے وضو کیا اور ساتھ میں صبح کی نماز پڑھی، اس کے بعد حنظلہ نے اُسے الوداع کہا۔ لیکن جمیلہ اس سے لپٹ گئی اور اُسے جانے نہ دیا، اور پھر وہ دوبارہ اس کے ساتھ لیٹ گیا۔ پھر حنظلہ نے اپنے آپ کو اس کی گلے لگنے سے چھڑایا، اور نہ تو دوبارہ وضو کیا اور نہ ہی آرام کیا، بلکہ اپنی زرہ پہنی، اپنے ہتھیار اٹھائے اور فوراً گھر سے نکل گیا[1]۔

[1] W.273.

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات دی تھیں کہ فوج کو صبح سے پہلے ہی شیخین سے روانہ کیا جائے۔ لیکن ابن ابی نے رات بھر اپنے کچھ قریبی پیروکاروں سے مشورہ کیا تھا، اور جب کیمپ اٹھانے کا وقت آیا تو وہ تین سو منافقوں اور شک کرنے والوں کے ساتھ مدینہ واپس لوٹ گئے، جو کہ ان کے بیٹے عبد اللہ کے لیے بہت شرمندگی کا باعث بنا، جو فوج کے ساتھ رہ گئے تھے۔ ابن ابی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بات تک نہیں کی، اور جب کچھ انصاریوں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: "اس نے میری بات نہ مانی، اور بے وقوف لڑکوں اور عقل سے عاری لوگوں کی بات مانی۔ مجھے نہیں لگتا کہ ہمیں اس غیر موزوں جگہ پر اپنی جانیں گنوانی چاہئیں۔" ایک اور عبد اللہ، جو جابر کے والد تھے، ان کے پیچھے گئے اور کہا: "اللہ کی قسم، اپنے لوگوں اور اپنے نبی کو دشمن کے سامنے چھوڑ کر نہ جاؤ۔" لیکن انہوں نے صرف یہ جواب دیا: "اگر ہمیں پتہ ہوتا کہ تم لڑائی کرو گے تو ہم تمہیں نہیں چھوڑتے، لیکن ہمیں نہیں لگتا کہ کوئی لڑائی ہوگی۔" انہوں نے کہا: "اللہ کے دشمنو، اللہ اپنے نبی کی مدد کرے گا، تمہاری مدد سے وہ بے نیاز ہے۔"

اب فوج سات سو تک محدود ہو چکی تھی، اور وہ دشمن کی طرف تھوڑا آگے بڑھے پھر، رات کی تاریکی میں، وہ اپنی دائیں طرف مڑ کر ایک آتش فشاں علاقے سے گزرے، یہاں تک کہ وہ اُحد کی وادی کے جنوب مشرقی حصے میں پہنچ گئے۔ پھر دوبارہ مڑ کر وہ شمال مغرب کی طرف اُحد کی وادی میں بڑھے، یہاں تک کہ صبح کی ہلکی روشنی میں انہوں نے مکہ کے لشکر کو اپنے سامنے، تھوڑا بائیں اور تھوڑا نیچے دیکھا۔ وہ اس وقت تک چلتے رہے جب تک کہ وہ دشمن اور اُحد کے درمیان آ گئے۔

اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوزیشن حاصل کر لی تھی، جو کہ زمین کے ڈھلوان کی مدد سے ان کے حق میں تھی، تو انہوں نے فوج کو روک دیا اور اپنے گھوڑے سے اُتر گئے۔ بلال نے صبح کی اذان دی، اور وہ اپنے پہاڑ کی طرف پیٹھ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ یہ ان کی لڑائی کی ترتیب بھی تھی، کیونکہ اب دشمن ان کے اور مکہ کے درمیان تھا۔ نماز پڑھانے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب کیا، اور فرمایا: "یقیناً آج تم ایک ایسی جگہ پر ہو جو انعام اور خزانے سے بھری ہوئی ہے، جو شخص اپنے مقصد میں ثابت قدم رہے گا اور صبر، یقین، محنت اور کوشش کے ساتھ اس میں مصروف رہے گا۔[1]" جب انہوں نے اپنی بات مکمل کی، تو حنظلہ آگے بڑھا اور ان سے ملنے آیا، کیونکہ وہ ابھی مدینہ سے پہنچا تھا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اب اپنے بہترین تیر انداز منتخب کیے: ان میں زید، سعد ابن زہرہ اور سعید ابن عثمان بن مظعون شامل تھے، اور ان میں سے پچاس کو اپنی فوج کے بائیں طرف ایک بلند جگہ پر پوزیشن لینے کا حکم دیا۔ ان پر عبد اللہ بن جبیر کو نگران مقرر کیا اور انہیں حکم دیا: "اپنی تیر اندازی سے ان کی سوار فوج کو ہم سے دور رکھنا۔ انہیں ہمارے پیچھے نہ آنے دو۔ چاہے جنگ ہمارے حق میں ہو یا دشمن کے حق میں، اس جگہ پر کھڑے رہنا! اگر تم ہمیں دشمن کا مال غنیمت تقسیم کرتے دیکھو تو اس میں حصہ نہ لینا؛ اور اگر تم ہمیں قتل ہوتے دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔[2]"

پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ زرہ پہنی، ایک تلوار لی اور اسے بلند کرتے ہوئے کہا: "یہ تلوار کون لے گا، اور اس کا حق کون ادا کرے گا؟" فوراً عمر نے اسے لینے کے لیے بڑھا، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رخ موڑ لیا اور دوبارہ یہی سوال کیا: "یہ تلوار کون لے گا، اور اس کا حق کون ادا کرے گا؟" زبیر نے کہا کہ وہ اسے لے گا، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سے رخ موڑ لیا، اور یہ سوال تیسری بار دہرایا۔ "اس کا حق کیا ہے، یا رسول اللہ؟" ابو دجانہ، جو خزرج سے تھے، نے سوال کیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا حق یہ ہے کہ تم اسے اللہ کی راہ میں اس طرح استعمال کرو کہ دشمن کو شکست دو۔"

[1] W.221. [2] I.I. 560.

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو بلند کرتے ہوئے کہا: "یہ تلوار دشمن کو اس طرح مارو جب تک اس کی دھار مڑ نہ جائے۔" ابو دجانہ نے فوراً کہا: "میں اسے اس کے حق کے ساتھ لوں گا،" اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار ان کے حوالے کی۔ وہ ایک بہادر شخص تھے جو جنگ میں فخر محسوس کرتے تھے۔ ان کی سرخ پگڑی بہت معروف تھی، اور خزرج میں اسے "پگڑیِ موت" کہا جاتا تھا۔ جب انہوں نے یہ پگڑی پہنی، جیسا کہ اب انہوں نے کیا، اور اسے اپنے ہیلمیٹ کے گرد لپیٹ لیا، تو لوگوں کو فوراً پتہ چل گیا کہ وہ دشمن پر بڑی تباہی مچانے کے ارادے سے آئے ہیں۔ اور کسی کو شک نہیں تھا کہ ان کا عزم یہی تھا کیونکہ تلوار ہاتھ میں لیے وہ صفوں کے درمیان آ جا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ چلنے کا انداز اللہ کو ناپسند ہے، سوائے ایسے وقت اور مقام کے جیسے یہ ہے۔[1]"

[1] I.I. 561.

LII

The Battle of Uhud

جنگِ اُحد

اب سورج بلند ہو چکا تھا اور قریش کی صف بندی ہو چکی تھی، ہر جانب سو گھڑ سوار تھے۔ دائیں جانب کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے اور بائیں جانب عکرمہ بن ابو جہل۔ درمیان سے ابو سفیان نے پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس کے سامنے قریش کا جھنڈا طلحہ بن عبد الدار اٹھائے ہوئے تھے، اور طلحہ کے دو بھائی اور چار بیٹے قریب موجود تھے، ہر ایک تیار کہ ضرورت پڑنے پر جھنڈا تھام لے۔ طلحہ اور ان کے بھائی اس دن اپنے قبیلے کے لیے عزت کمانے کے لیے پرعزم تھے۔ بدر میں ان کے دو جھنڈا بردار شرمناک طور پر قیدی بن گئے تھے، اور ابو سفیان نے احد کے راستے میں انہیں یہ یاد دلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

مہاجرین کا جھنڈا اٹھائے ہوئے مصعب نے وہاں سے اپنے قبیلے کے لوگوں کو پہچان لیا، جہاں وہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔

جونہی دونوں لشکر ایک دوسرے کی آواز کی حد میں آئے، ابو سفیان نے اپنی پیش قدمی روک دی اور جھنڈے سے کچھ آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے کہا:

"اوس اور خزرج کے لوگو، اب میدان چھوڑ دو اور مجھے میرے کزن کے ساتھ رہنے دو۔ پھر ہم تم سے دور ہو جائیں گے، کیونکہ ہمیں تم سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

لیکن انصار نے اس کا جواب گرجدار گالیوں سے دیا۔

پھر قریش کے لشکر سے ایک اور شخص آگے آیا، اور حنظلہ نے دکھ کے ساتھ اپنے والد کو پہچان لیا، جو اب اپنی موجودگی کا اعلان کر رہے تھے:

"اوس کے لوگو، میں ابو عامر ہوں!"

وہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ اس کا اثر ورسوخ، جو کبھی اتنا زیادہ تھا، بالکل ختم ہو چکا ہے۔ اس نے قریش سے وعدہ کیا تھا کہ جیسے ہی وہ اپنی شناخت ظاہر کرے گا، اس کے قبیلے کے کئی افراد اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

اس کے برعکس، اسے نہ صرف گالیوں کا سامنا کرنا پڑا بلکہ پتھروں کی بارش نے اسے ہکا بکا کر واپس بھگا دیا۔

پھر قریش کو دوبارہ پیش قدمی کا حکم دیا گیا، اور اگلی صفوں سے کچھ دور خواتین، جن کی قیادت ہند کر رہی تھیں، بھی آگے بڑھیں۔ وہ اپنے دف اور ڈھول پیٹ رہی تھیں اور یہ گیت گا رہی تھیں:

آگے بڑھو، اے عبد الدار کے بیٹو؛\
آگے بڑھو، اے جو پچھلی صفوں کی حفاظت کرتے ہو؛\
ہر تیز تلوار سے وار کرو، وار کرو۔

پھر جب خواتین نے محسوس کیا کہ وہ دشمن کے قریب پہنچ چکی ہیں تو وہ اپنے ڈھول کی تھاپ پر رک گئیں، اور مردان سے آگے بڑھ گئے۔ اس وقت ہند نے ایک گیت شروع کیا، جو پرانی جنگوں میں ایک اور ہند نے گایا تھا۔

"آگے بڑھو اور ہم تمہیں گلے لگاتے ہیں،
اور نرم قالین تمہارے لیے بچھا دیتے ہیں،
لیکن اگر تم پیچھے ہٹو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے،
تمہیں چھوڑ کر ہم تم سے محبت نہیں کریں گے۔"

جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب پہنچیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر اندازوں نے خالد رضی اللہ عنہ کی سواریوں کی طرف تیر اندازی کی، اور گھوڑوں کی آوازوں نے خواتین کی آوازوں اور ڈھولوں کی آوازوں کو ڈوبو دیا۔ قریش کے مرکز سے طلحہ بن عبد الدار آگے بڑھے اور کسی کو ان کے ساتھ اکیلے مقابلے کے لیے آواز دی۔ حضرت علیؓ ان کے مقابلے میں نکلے اور آخر کار ایک ایسا وار کیا جس سے طلحہ کا ہلمٹ کٹ گیا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً یہ سمجھ میں آ گیا کہ یہ وہ "سکواڈرن کا سردار" ہے، وہ بکرا جس کا تذکرہ پیغمبر نے اپنے خواب میں کیا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور ان کی تکبیر فوج میں گونج اٹھی۔ لیکن یہ بکرا صرف ایک قربانی نہیں تھا، کیونکہ طلحہ کا بھائی آگے بڑھا اور اس نے پرچم اٹھایا، جسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہؓ نے کاٹ ڈالا۔ پھر سعد بن زہرہ نے طلحہ کے دوسرے بھائی کو تیر مارا اور اس کے چار بیٹے ایک کے بعد ایک حضرت علیؓ، زبیرؓ اور عاصم بن ثابتؓ نے شہید کیے۔ ان میں سے دو کو زخمی حالت میں ان کی والدہ سلافہ کے پاس لے جایا گیا، جو اب پیچھے کی صف میں تھیں۔ جب ان کو بتایا گیا کہ یہ زخم کس نے دیے ہیں تو انہوں نے عہد کیا کہ وہ ایک دن عاصم کے سر سے شراب پیئیں گی۔

پچھلے دن مسلمان خواتین کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، لیکن خزرج کی ایک عورت نسیبہ نے محسوس کیا کہ اس کا مقام بھی فوج کے ساتھ ہے۔ اس کے شوہر غزیہ اور دو بیٹے وہاں تھے، مگر یہ اس کا اصل مقصد نہیں تھا۔ دوسری خواتین کے بھی شوہر اور بیٹے فوج میں تھے، لیکن وہ گھروں میں رہنے کو ترجیح دیتی تھیں۔ نسیبہ ان دو خواتین میں شامل تھی جو مدینہ کے ستر مردوں کے ساتھ دوسری عقبہ پر بیعت کے لیے آئی تھیں، اور اس لیے وہ اس موقع پر پیچھے نہیں رہ سکتی تھی۔ سو اس نے صبح سویرے اٹھ کر پانی کی کھال بھری اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ کم از کم زخمیوں کی مدد کر سکے اور پیاسوں کو پانی پلا سکے۔ اس کے ساتھ وہ ایک تلوار، کمان اور تیر بھی لے آئی تھی۔ فوج کے راستے کی تحقیق کرنے کے بعد وہ بغیر کسی دشواری کے میدان جنگ میں پہنچی، جہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریبی صحابہ، ابو بکرؓ، عمرؓ اور دوسرے صحابہ کے ساتھ ایک بلند جگہ پر کھڑے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ نے بھی یہی ارادہ کیا اور نسیبہ کے کچھ دیر بعد اپنے پانی کی کھال کے ساتھ وہاں پہنچی۔ پیچھے کی صف میں دو لوگ مزید شامل ہوئے جو قبیلہ مزینہ کے تھے۔ وہ اسلام کے حالیہ مسلمان تھے اور چونکہ انہیں قریش کے حملے کا علم نہیں تھا، وہ صبح سویرے مدینہ آئے تھے اور وہاں شہر کی حالت دیکھ کر فوراً اُحد کی طرف روانہ ہو گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور پھر اپنی تلواریں نکال کر میدان جنگ میں شریک ہو گئے۔

ابو دُجانہ اپنے سرخ پگڑی کے وعدے کے مطابق اپنے عمل پر قائم تھے۔ زبیرؓ نے بعد میں اعتراف کیا: "میرے دل میں یہ بات بُری لگی جب میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے تلوار مانگی اور انہوں نے وہ مجھے نہ دے کر ابو دُجانہ کو دے دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: میں صفیہؓ کا بیٹا ہوں، اور میں قریش سے ہوں؛ پھر میں پیغمبر کے پاس گیا اور اس سے وہ تلوار دوبارہ مانگی۔"

زبیرؓ کے دل میں یہ بات بُری لگی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار ابو دُجانہؓ کو دی تھی، اور اس پر وہ خود کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے دل میں کہا: "اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر جانتے ہیں۔" ابو دُجانہؓ میدان میں ہر مرد کو ایسے قتل کر رہے تھے جیسے وہ فصل کاٹنے والے کسان ہوں اور ان کی تلوار درانتی کی مانند چل رہی تھی۔ یہ دیکھ کر زبیرؓ نے اپنی ناراضگی کو ماند کیا اور ان کی فیصلے کی عزت دی۔

ہند، جو ایک بڑی اور طاقتور خاتون تھی، میدان میں مردوں کو جنگ کے لیے اُکساتی ہوئی نظر آئی۔ ابو دُجانہؓ نے اُسے مرد سمجھا اور تلوار بلند کر کے اس کی طرف بڑھا، مگر جیسے ہی ہند نے چیخ ماری، ابو دُجانہؓ نے فوراً اپنی تلوار کو دوسری طرف گھمایا اور اس کے ساتھ کھڑے مردوں کی طرف توجہ دی۔ ہند نے فوراً میدان سے پیچھے کی طرف رخ کیا جہاں خواتین اور مائیں تھے، اور جہاں غلاموں کو کیمپ کے محافظ کے طور پر رکھا گیا تھا۔ اسی دوران، وحشی، ایک حبشی غلام، میدان میں پیش قدمی کر رہا تھا۔ وہ میدان جنگ میں موجود دیگر لوگوں سے مختلف تھا، کیونکہ اس کا مقصد صرف ایک شخص تھا اور اس کا خون ٹھنڈا تھا۔ حمزہ رضی اللہ عنہؓ اپنی منفرد جسمانی طاقت، جنگ کے انداز اور اس کے پرندے کے پر کے ساتھ فوراً پہچانے گئے۔ وحشی نے انہیں دور سے دیکھا اور اپنی جگہ سے محفوظ رہتے ہوئے ایسا مقام اختیار کیا جہاں وہ حملہ کر سکے۔

حمزہ رضی اللہ عنہؓ اور 'عبد الدار کے آخری پرچم بردار کے درمیان جنگ ہو رہی تھی، اور جیسے ہی حمزہ رضی اللہ عنہؓ نے اپنا تلوار اٹھایا، اس نے اپنی زرہ میں ایک درز چھوڑ دیا۔ وحشی نے فوراً اس موقع کو پہچان کر اپنی نیزہ پھینکا اور حمزہ رضی اللہ عنہؓ کو صحیح نشانے پر مارا۔ حمزہ رضی اللہ عنہؓ اپنے دشمن کو ہلاک کرنے کے بعد چند قدم آگے بڑھے، پھر وہ زمین پر گر پڑے اور جان کی بازی ہار گئے۔ وحشی نے ان کی لاش کو اس وقت تک نہ چھوا جب تک وہ بالکل بے حرکت نہ ہو گئی، پھر اس نے نیزہ نکال کر واپس کیمپ کی طرف دوڑنا شروع کیا۔

حمزہ رضی اللہ عنہؓ کی شہادت نے قریش کی فوج پر زیادہ اثر نہیں ڈالا، اور جلد ہی ایک اور حبشی غلام، جو سات شہید پرچم برداروں میں سے تھا، پرچم اٹھانے آیا، لیکن وہ بھی فوراً ہلاک ہو گیا، اور کچھ وقت کے لیے پرچم زمین پر پڑا رہا۔ اس کے باوجود، ابو دُجانہؓ، زبیرؓ اور دیگر مہاجرین و انصار نے اس دن ایسے لڑائی کی جیسے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی نعرے "امیت، امیت" کے مجسمے ہوں، جو کہ "مارو، مارو" کا مطلب تھا۔ اس روز ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی بھی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ حضرت علیؓ کی سفید پگڑی، ابو دُجانہؓ کی سرخ پگڑی، زبیرؓ کی پیلی پگڑی اور حباب کی سبز پگڑی جیسے جھنڈے بن کر جنگ میں آگے بڑھ رہی تھیں، اور یہ تمام نشانیاں فوج کے پیچھے والے صفوں کو قوت فراہم کر رہی تھیں۔

ابو سفیان کسی طرح حنظلہؓ کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گئے۔ حنظلہؓ جو میدان کے مرکز کے قریب بہادری سے لڑ رہے تھے، ابو سفیان کو قتل کرنے والے تھے کہ ایک شخص، جو لیث کا تھا، اچانک طرف سے آ کر حنظلہؓ کو نیزہ مارا اور ایک اور حملے سے انہیں قتل کر دیا۔

میدان کی جنگ اب آہستہ آہستہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتی جا رہی تھی کیونکہ قریش کی فوج پسپائی اختیار کرتے ہوئے اپنے کیمپ کی طرف پیچھے ہٹ رہی تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اب تفصیل سے یہ نہیں دیکھ پا رہے تھے کہ میدان میں کیا ہو رہا ہے، مگر انہیں یہ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ان کے پیچھے والے لوگ اس وقت جنگ جیت رہے ہیں۔ اسی دوران، ان کی نظر اچانک آسمان کی طرف اُٹھ گئی جیسے کوئی پرندوں کے پرواز کو دیکھ رہا ہو۔ کچھ دیر بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "تمہارے ساتھی" - وہ حنظلہؓ کا ذکر کر رہے تھے - "فرشتے ان کو نہلا رہے ہیں۔"[1]

[1] I.I. 568.

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمیلہ سے گویا وضاحت طلب کرتے ہوئے فرمایا: "میں نے فرشتوں کو دیکھا جو حنظلہ کو آسمان وزمین کے درمیان پانی سے دھورہے تھے، جو بادلوں سے چاندی[1] کے برتنوں میں آرہا تھا۔" پھر جمیلہ نے اپنی خواب کے بارے میں بتایا اور کہا کہ حنظلہ نے جنگ کے خوف سے وضو نہ کیا تھا جو وہ عموماً کیا کرتے تھے۔

مسلمانوں کی فوج نے حملہ جاری رکھا یہاں تک کہ دشمن کی صفیں پوری طرح ٹوٹ گئیں۔ اب ان کے کیمپ تک پہنچنے کا راستہ کھل گیا، اور کئی لوگ لوٹ مار کرنے کے لیے آگے بڑھنے لگے۔ اسی دوران پچاس منتخب تیر انداز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ فاصلے پر موجود تھے۔ ان کے درمیان اور پیغمبر کے درمیان ایک ڈھلوان تھی، اور وہ اپنے ساتھیوں کو دشمن کے مالِ غنیمت کو دیکھ کر اپنی جگہ چھوڑنے کے لیے بے تاب ہو گئے۔

ان کے کمانڈر، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جُبیر نے انہیں بار بار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی یاد دلائی کہ وہ اپنے مقام سے ہرگز نہ ہٹیں۔ تاہم، ان میں سے زیادہ تر نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہمیشہ کے لیے وہاں نہیں رکنے کو کہا تھا، اور اب تو جنگ ختم ہو چکی ہے اور دشمن شکست کھا چکا ہے۔ تقریباً چالیس تیر انداز ڈھلوان کی طرف دوڑ گئے اور کیمپ کی طرف جانے لگے، اور عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹے لیکن وفادار گروہ کو پیچھے چھوڑا۔

اب تک مکہ کی سواریوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ دونوں فوجیں اس قدر قریب تھیں کہ سواروں کا حملہ اپنے ہی آدمیوں کے لیے خطرناک ہوتا۔ خالد بن ولید نے اس موقع پر یہ سمجھا کہ وقت آگیا ہے اور وہ اپنے سواروں کو تیز رفتار سے تیر اندازوں کی پوزیشن پر لے آیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھی بے فائدہ طور پر ان کے سامنے تیر پھینکتے رہے، پھر انہوں نے اپنے تیر پھینک کر تلوار اور نیزہ سے لڑنا شروع کر دیا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا اور خالد نے اپنی فوج کو دشمن کے عقب میں داخل کر دیا۔ عقبہ بن ابوجہل نے بھی اسی راستے پر عمل کیا اور مکہ کی سواریوں نے مسلمانوں کی پچھلی صفوں میں تباہی مچادی۔

اب مسلمانوں کو نیا خطرہ درپیش تھا، اور کئی مشرکین جو پہلے ہمت ہار چکے تھے، دوبارہ جنگ میں شامل ہو گئے۔ جنگ کا پلہ یکدم پلٹ گیا اور مکہ کے جنگی نعرے "اُعْلُ! ہبل!" ایک بار پھر میدان جنگ میں گونجنے لگے۔ بہت سے مسلمان جو سواریوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گئے تھے، اب ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ پہاڑ کی طرف دوڑ گئے جہاں انہیں پناہ مل سکتی تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس بلایا، مگر وہ اس کی آواز نہ سن سکے اور ان کے دلوں میں صرف فرار کا خیال تھا۔

اکثریت نے جنگ جاری رکھی، مگر ابتدا کی طاقت اب ختم ہو چکی تھی، اور دشمن کے زیادہ تعداد کی وجہ سے مسلمانوں کو پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ جنگ کا رخ اب اُحد کی طرف موڑ گیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے دشمن کی طرف تیر کی بارش شروع کر دی۔ اس گروہ میں دیگر مسلمان بھی شامل ہو گئے جن کا پہلا خیال پیغمبر کی حفاظت تھا جب کہ دن کی حالت ان کے خلاف جارہی تھی۔ اس گروہ میں سب سے پہلے شامل ہونے والوں میں مزینہ کے دو مرد، وہب اور حارث تھے۔

[1] W.274.

اب ایک گھڑسوار بائیں طرف سے آیا۔ "یہ دستہ کون لے گا؟" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "میں ہوں، اللہ کے رسول!" واہب نے فوراً جواب دیا اور اس نے اتنی تیزی اور مہارت سے ان پر تیر اندازی کی کہ جیسے وہ ایک گروہ کے تیر انداز ہوں اور دشمن پیچھے ہٹ گئے۔ "یہ اسکواڈرن کون لے گا؟" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا جیسے دوسرا گھڑسوار دستہ ان کی طرف بڑھا۔ "میں ہوں، اللہ کے رسول!" واہب نے کہا اور اس نے پھر ایسا لڑا جیسے وہ صرف ایک شخص نہ ہو بلکہ کئی افراد ہوں، اور دشمن پھر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر تیسرا دستہ صفوں میں سے نکلا۔ "یہ کون برداشت کرے گا؟" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "میں!" واہب نے کہا۔ "پھر اٹھو، خوش ہو جاؤ، جنت تمہاری ہے!" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اور واہب خوشی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی تلوار نکالتے ہوئے کہا: "اللہ کی قسم، میں نہ تو کوئی قید پاؤں گا اور نہ کسی سے قید مانگوں گا۔" پھر وہ ان کے درمیان گھس گیا اور ان کے بیچ سے لڑتا ہوا نکل آیا، جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھی اس کی بہادری اور دلیری کو دیکھ کر تیر اندازی روک کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "یا اللہ، اس پر رحم کر!" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب واہب واپس اپنے گروہ میں آیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ دشمن نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ شہید ہو گیا۔ اس کے جسم میں بیس نیزے لگے ہوئے تھے، اور ان میں سے ہر ایک ایک جان لیوا ضرب کے طور پر کافی تھا، اور اس کے جسم پر تلواروں کے لگے ہوئے زخم بھی تھے۔ اس کی جنگ میں حصہ لینے کا منظر کبھی بھی کسی نے نہیں بھلایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے: "تمام موتوں میں وہ موت جو واہب نے پائی، میں وہی موت اختیار کرنا چاہتا تھا۔"[1] اور حضرت سعد بن زہرہ رضی اللہ عنہ نے دس سال بعد کہا کہ وہ آج بھی اپنے کانوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنتے ہیں جو واہب کو جنت کی بشارت دے رہے تھے۔

جنگ کی اصل لڑائی آہستہ آہستہ قریب آتی گئی، کیونکہ مسلمانوں کو دھکیلتے ہوئے پیچھے کی طرف اُٹھایا جا رہا تھا۔ دونوں طرف کے جنگجوؤں کی جنگی آوازوں کے درمیان لڑنے والوں کے انفرادی نعرے بھی سنے جا رہے تھے - ایک دوسرے کو ایک ہی وقت میں لڑنے کا چیلنج دیا جا رہا تھا یا تیر اندازی یا ضربوں کے ذریعے دعوے کیے جا رہے تھے۔ "یہ لو: اور میں فلاں کا بیٹا ہوں۔" ابو دُجانہ نے خود کو خرشہ کا بیٹا بتایا، جو اس کے دادا تھے۔ اکثر اوقات دعوے کرنے والے کی شناخت غیر یقینی رہتی تھی۔ ایک انصاری، یعنی مددگاروں میں سے، کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا: "یہ لو: اور میں انصاری لڑکا ہوں۔" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اس دن کم از کم ایک موقع پر کہا:

میں ابن العواتک ہوں"،! جس کا مطلب ہے "میں عطیکہ کے بیٹوں میں سے ہوں"، جو انکے نام کے بہت سے آباؤاجداد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"[3]

لیکن اب ایک ایسا چیلنج آیا جس کی شناخت بہت واضح تھی، جب ایک گھڑسوار صفوں سے نکلا اور کہا: "میرے مقابلے کے لیے کون آئے گا؟ میں عتیق کا بیٹا ہوں۔" یہ عبدالکعبہ تھا، ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بڑا بیٹا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اکلوتا بھائی، وہ واحد فرد جو ان کے خاندان سے اسلام نہیں لایا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی کمان پھینک دی اور اپنی تلوار نکال کر حملہ کرنے کے لیے جانے والے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زیادہ تیز تھے۔- "اپنی تلوار واپس رکھو،" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اور اپنے مقام پر واپس جاؤ، اور اور ہمیں اپنی اچھائی کی بھلائی دو۔"[4]

ایک اور گھڑسواروں کا دستہ مسلمانوں کے پیچھے سے گزر کر آگے آیا اور عبدالکعبہ کے سامنے آ گیا، جو اب پیچھے ہٹ گیا۔ "تم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو ہمارے لیے بیچے گا؟"[5] پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اور پانچ مددگاروں نے اپنی تلواریں نکال کر دشمن پر چھلانگ لگا دی اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک وہ شہید نہ ہو گئے

[1] W.275. [2] W.280. [3] 1.5.III, 32-4, _ دس سے زیادہ، بشمول ہاشم کی ماں اور لوئی کی ماں۔ نام 'عاتکہ' طاہرہ کے معنی میں مشابہ ہے، "پاک".

[4] W.257. [5] 1.1. 572.

ان پانچ مددگاروں میں سے پانچ کو شہید کیا گیا، سوائے ایک کے، جو شدید زخمی تھا۔ لیکن مدد فوراً پہنچ گئی کیونکہ علی، زبیر، طلحہ، ابو دُجانہ اور دیگر جو جنگ میں پیش پیش تھے، دشمن کی صفوں میں سے واپس لڑتے ہوئے آئے۔ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچے، مگر اس سے پہلے کہ وہ پہنچتے، دشمن کا ایک تیز پتھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ میں لگا، جس سے ان کے نچلے ہونٹ میں چوٹ آئی اور ایک دانت ٹوٹ گیا۔ خون ان کے چہرے سے بہنے لگا، لیکن وہ جتنا ہو سکا خون روکنے کی کوشش کرتے ہوئے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے ساتھیوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ وہ زیادہ زخمی نہیں ہیں، اور وہ دوبارہ لڑائی میں حصہ لینے کے لیے واپس چلے گئے، سوائے طلحہ کے، جو خون کے زیادہ بہاؤ سے کمزور ہو گئے تھے اور بے ہوش ہو گئے۔ "اپنے کزن کی خبر لو،" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، لیکن طلحہ فوراً ہوش میں آ گئے، جب کہ سعد بن زہرہ اور حارث بن سمعہ خزرجی ان کی جگہ میدان میں نکلے، اور نئے آنے والوں کے ساتھ وہ دشمن پر اس قدر شدید حملہ کر رہے تھے کہ اس وقت کے لیے دشمن کی صفیں پیچھے ہٹ گئیں، جہاں پانچ مددگار انہوں نے اپنی جانیں بیچ دی تھیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور ان پر درود بھیجا، اور جو ابھی تک زندہ تھا، وہ بڑی مشکل سے زمین پر رینگتے ہوئے ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو آدمیوں کو بھیجا تاکہ وہ اسے اٹھا کر لے آئیں، اور مرنے والے کی سرہانے کے لیے اپنا پاؤں باہر نکال دیا، جسے وہ اس وقت تک بے حرکت رکھے رہے جب تک کہ وہ شخص ان کے پاؤں پر سر رکھ کر انتقال نہ کر گیا۔ "یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے،"[1] پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ اور بعد میں سالوں بعد وہ اس وقت اور اس مقام کو اتنی بابرکت جگہ کے طور پر یاد کریں گے کہ ایک موقع پر انہوں نے کہا: "کاش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ کے قدموں میں اکیلا چھوڑ دیا گیا ہوتا!"[2]

دشمن آہستہ آہستہ وہ زمین واپس حاصل کرنے لگا جو انہوں نے کھو دی تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد موجود چھوٹے گروپ کے پاس جلد ہی تیر ختم ہو جائیں گے، اور بہرحال ایسا لگ رہا تھا کہ تیر اندازی کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ اگر دشمن نے مزید حملہ کیا تو ہر تلوار کو کھولنا پڑے گا تاکہ ایک آخری جسمانی لڑائی ہو، جس میں ہر مسلمان کے مقابلے میں اوسطاً چار کافر ہوں گے۔ پھر اچانک ایک گھڑ سوار ایک طرف سے آیا اور سیدھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا۔ "محمد ﷺ کہاں ہیں؟" اس نے پکارا۔ "اگر وہ زندہ رہا تو میں نہیں رہوں گا!" یہ ابن قمیعہ تھا، جو قریش کے ایک دور دراز قبیلے سے تھا، اور جو پہلے ہی مسلمانوں کے درمیان بہت ساری خونریزی کر چکا تھا۔ اس نے ایک تیز نظر سے گروہ کو دیکھتے ہوئے اپنے شکار کو پہچانا اور اپنے گھوڑے کو تیز کرتے ہوئے اپنی تلوار ایسی ضرب کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھائی کہ وہ یقین کرتا تھا کہ کوئی بھی ہلمٹ اس کو نہیں روک سکے گا۔ لیکن طلحہ، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کھڑے تھے، تلوار کی سمت میں خود کو پھینک دیا اور کسی طرح اس ضرب کو تھوڑا سا روک لیا، جس کے بدلے میں ان کے ہاتھ کی انگلیاں باقی زندگی کے لیے ناکارہ ہو گئیں۔ تلوار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہلمٹ کے تاج کو بہت قریب سے چھیڑتے ہوئے ان کے کنپٹی کو چھوتی ہوئی ان کے رخسار میں دو ہلمٹ کے حلقے گھسا دیے، اور آخرکار اس کی قوت کم ہونے پر ان کے دوہری زرہ والے کندھے پر جا کر لگی۔ اس کی طاقت سے سر پر لگنے والی چوٹ نے انہیں لمحہ بھر کے لیے سن کر گرنے پر مجبور کر دیا، اور ان کے حملہ آور نے اتنی تیزی سے واپس جا کر حملہ کیا جیسے وہ آیا تھا۔ لیکن دوسرے حملہ آور قریب آ گئے اور شمّاس[3] مخزوم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر ایسے لڑے جیسے وہ کسی خاص طاقت سے بھرپور ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "زندہ ڈھال" کے طور پر وصف کیا۔

.

[1]B. LII, 22. [2] W.256. [3] صفحہ 82 ملاحظہ فرمائیں

"یہاں تک کہ وہ کٹ کر گر پڑے، اور ایک اور شخص ان کی جگہ آیا، جس کی پشت پناہی نسیبہ کر رہی تھیں، جنہوں نے اب اپنی تلوار نکال لی تھی۔ ایک آواز سنی گئی — ممکنہ طور پر ابن قمیعہ کی اپنی آواز — "محمد ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے!" یہ نعرہ میدان میں گونج اٹھا، اور "اعزّیٰ" اور "ہبل" کے قصیدے بھی اس کے ساتھ ملنے لگے۔ اُحد کی چٹانیں گونج اُٹھیں اور جو مسلمان فرار ہو چکے تھے، وہ پچھتاوے اور غم میں ڈوب گئے، جب کہ جن لوگوں نے میدان میں لڑائی جاری رکھی تھی، ان کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ جتنا ہو سکا، لڑائی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ لیکن اس میں بہت سی استثناءات بھی تھیں، اور ان میں سے ایک انس بن نضر تھے، جن کے نام پر ان کے بھتیجے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم، انس بن مالک کا نام رکھا گیا تھا۔ انس بن نضر کی بہن، جو انس کی ماں تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن چکی تھیں کہ ان کا بیٹا جو بدر میں ایک تیر سے شہید ہو گیا تھا، وہ جنت کے اعلیٰ درجے "فردوس" میں ہے۔ انس اپنے دو ساتھیوں کے پاس پہنچے، جو زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور نہ لڑائی جاری رکھ سکتے تھے اور نہ ہی پہاڑ کی طرف پناہ لے سکتے تھے۔ انس نے کہا: "تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔" انس نے کہا: "پھر اس کے بعد زندگی کا کیا فائدہ؟ اٹھو اور شہید ہو جاؤ جیسے وہ شہید ہوئے![1]" اور وہ لڑائی کے سب سے شدید حصے کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں انہوں نے سعد بن معاذ کو پایا، جنہوں نے بعد میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ انس نے ان سے کہا تھا: "جنت! میں اس کی خوشبو اُحد کے دوسری طرف سے آتی ہوئی محسوس کر رہا ہوں۔" سعد نے کہا: "اے اللہ کے رسول! میں اس طرح نہیں لڑ سکا جیسے اس نے لڑا۔" بعد میں انس کو شہید پایا گیا، ان کے جسم پر اسّی)80(سے زیادہ زخم تھے اور اتنی بری طرح مسخ ہو چکے تھے کہ انہیں پہچانا نہیں جا سکا، سوائے ان کی بہن کے، جو ان کے ہاتھوں سے پہچان گئیں[2]۔

جہاں تک ان مسلمانوں کا تعلق ہے جو اب پہاڑ کی بلند جگہوں پر پناہ لینے کی کوشش کر رہے تھے، ان کے لیے پیچھے ہٹنا آسان ہو گیا کیونکہ بیشتر دشمنوں کو یہ لگنے لگا تھا کہ جنگ اب ختم ہو چکی ہے اور انہوں نے اپنی کوششیں کم کر دیں۔ ابھی تک شہداء کی تعداد کا حساب نہیں کیا گیا تھا، لیکن یہ واضح تھا کہ بدر میں شہید ہونے والوں کا بدلہ لے لیا گیا تھا؛ اور اب، جس شخص کو تمام فساد کا اصل سبب سمجھا جا رہا تھا، اس کی ہلاکت سے، وہ نئے دین کا خاتمہ کرنے اور پرانی روایت کو دوبارہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ "Ya lal-'Uzzah" "یا العزّیٰ یا الہبل!" "ya la-Hubal!" کا نعرہ دوبارہ بلند ہونے لگا۔

قریش کے درمیان جنگ کے دوران کوششوں میں اچانک کمی دیکھنے کو ملی، خاص طور پر ان لوگوں میں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد بیس کے قریب محافظوں میں سے تھے۔ قریش کے لیے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کبھی قید نہیں کیا جا سکتا اور جو موت تک لڑیں گے اور دوسروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اس لیے ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ اب چونکہ ان کا اصل مقصد حاصل ہو چکا تھا، وہ زندہ رہیں اور زندہ رہنے دیں، اور اپنی فتح کا جشن منائیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً ہوش میں آ گئے، اور جب دشمن پیچھے ہٹ گئے، تو وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کو پیچھے آنے کا اشارہ دیتے ہوئے انہیں ایک وادی کی طرف لے گئے جو انہیں دشمن کی حرکات پر نظر رکھنے کے لیے محفوظ پناہ گاہ فراہم کرتی تھی۔ لیکن وہ اب اپنے رخسار میں شدید درد محسوس کر رہے تھے: ہلمٹ کے دھاتی چھلے ان کے جسم میں گہرائی سے دھنس چکے تھے، اس لیے وہ ایک لمحے کے لیے رکے اور ابو عبیدہ نے ان میں سے ایک اور دوسرا دھاتی چھلا اپنے دانتوں سے نکالا۔ چوٹ دوبارہ سے خون بہا رہی تھی اور مالک بن خزرج نے اپنے منہ سے خون چوستے ہوئے ان کی مدد کی۔

[1] W.280.   [2] B.LVI, 12.

مالک بن خزرج نے اس خون کو منہ میں چوسا اور نگل لیا۔ وہ وہی شخص تھا جس نے مدینہ میں کہا تھا: "ہمارے سامنے دو اچھے کام ہیں"؛ اور شمّس کے علاوہ، جو بظاہر مردہ نظر آ رہا تھا، وہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ شدید زخمی تھا جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص میرے خون میں ملے ہوئے خون کو دیکھنا چاہے، وہ مالک بن سنان کو دیکھے۔" ابو عبیدہ بھی شامل تھے کیونکہ ان کے اس کوشش میں اپنے دو دانت نکل آئے تھے اور ان کا منہ خون سے بھرا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "جس کا خون میرے خون سے مل گیا، اس پر آگ نہیں پہنچ سکتی۔[1]"

جب یہ چھوٹا گروہ وادی میں آگے بڑھ رہا تھا، انہیں ان لوگوں نے دیکھا جو پہلے ہی اُحد کی بلند جگہوں پر پناہ لے چکے تھے، اور وہ ان سے ملنے کے لیے نیچے آئے۔ کعب بن مالک ان میں سے آگے تھے اور انہیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ ایک شخص، جس کی قد اور چلنے کی روش بالکل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح تھی، البتہ اس کی رفتار سست تھی۔ پھر جیسے ہی وہ قریب آیا، کعب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی جاذبیت اور چمک دیکھی، جو ہلمٹ کے سوراخوں سے دکھائی دے رہی تھی، اور اس نے پیچھے کھڑے مسلمانوں سے کہا: "اے مسلمانو، خوش ہو جاؤ! یہ اللہ کے رسول ہیں!" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو خاموش کرنے کا اشارہ کیا، اور اس نے پھر یہ خوشخبری بلند آواز سے نہیں دی، مگر یہ خبر دھیرے دھیرے ہر زبان پر پھیل گئی اور لوگ جلدی جلدی آکر تسلی کرنے لگے کہ یہ حقیقت ہے۔ اتنی خوشی تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شکست اچانک فتح میں بدل گئی ہے۔

مگر کعب کی خوشی کی آواز کو قریش کا ایک تنہا سوار، جو ابھی وہ جگہ چھوڑ کر آ رہا تھا، نے سنا۔ یہ اُبیّ تھا، امیہ کا بھائی، جس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے گھوڑے "عود" کی پیٹھ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مار ڈالے گا۔ جب اس نے سنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، تو وہ یقیناً اس کے جسم کو دیکھنے آیا تھا کہ شاید اب بھی اس میں جان ہو۔ اور جب اسے کعب کی آواز سنائی دی، تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے پیچھے آیا۔ وہ ان سے کہا: "اے محمد ﷺ، اگر تم بچ گئے تو میں بھی نہیں بچوں گا!" کچھ صحابہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے، اور دوسرے اُبیّ پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں رکنے کا حکم دیا۔ اور جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تھے، انہوں نے بعد میں کہا کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے اس طرح آزاد ہوتے دیکھا جیسے وہ ان کے لیے کچھ بھی نہیں تھے، جیسے اونٹ کی پیٹھ پر مکھیوں کی طرح۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث بن السمّاح سے نیزہ لیا اور اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ سب حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے کیونکہ کوئی بھی آگے بڑھنے کی جرات نہیں کر رہا تھا۔ جیسے کہ ایک شخص نے کہا: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مقصد کی طرف قدم بڑھایا، تو اس کی سنجیدگی میں کوئی بھی سنجیدگی ان کے برابر نہیں آ سکتی۔[2]" اُبیّ تلوار لے کر آیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی وار کرتا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نیزہ اس کی گردن میں مارا۔ "وہ بیل کی طرح دھاڑا اور اپنی تلوار سے لڑھک گیا اور گھوڑے سے گرنے کے قریب تھا، لیکن پھر اپنے توازن کو واپس حاصل کر کے مکہ کی طرف دوڑ گیا اور وہاں پہنچ کر کہا: "محمد ﷺ نے مجھے مار ڈالا ہے۔" لوگوں نے اس کے زخم کو دیکھا اور اسے معمولی سمجھا، لیکن وہ یقین کر چکا تھا کہ یہ زخم مہلک ہے، اور یہ جلد ہی ثابت بھی ہو گیا۔ "اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے مار ڈالے گا، اور اللہ کی قسم، اگر وہ مجھ پر تھوکتا تو وہ مجھے مار ڈال دیتا۔" کیا ﷺ دراصل شہید نہیں ہوئے؟

[1] W.247. [2] W.25I.

لیکن اُبی واضح طور پر بے خود تھا، اور ویسے بھی ایک خود پہنے ہوئے آدمی کو دوسرے سے الگ پہچاننا آسان نہیں تھا۔

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ وادی کی بلند جگہ تک پہنچے، تو علی نے پتھروں میں سے ایک گڑھے میں سے پانی بھرنے کے لیے اپنا ڈھال استعمال کیا۔ انہوں نے یہ پانی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھایا، لیکن اس کی سڑاند سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدبو آئی اور وہ اس پانی کو پینے میں ناکام رہے، حالانکہ وہ شدید پیاسے تھے، تاہم انہوں نے اپنے چہرے سے خون دھونے کے لیے اس میں سے کچھ پانی استعمال کیا۔ پھر چونکہ وہ ابھی تک میدان سے زیادہ محفوظ نہیں تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند زمین کی طرف جانے کا حکم دیا، اور ایک چٹان کی سطح پر چڑھنے کی کوشش کی، جہاں سے مزید بلندی حاصل کی جا سکتی تھی۔ مگر وہ اس کوشش کے لیے بہت کمزور تھے، تو طلحہ نے اپنی شدید زخموں کے باوجود نیچے چٹان پر بیٹھ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور انہیں مطلوبہ بلندی تک پہنچادیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن ان کے بارے میں فرمایا: "جو شخص زمین پر چلتے ہوئے شہید کو دیکھنا چاہے، وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھے۔[1]"

جب تک وہ ایک عارضی کیمپ کے لیے جگہ تلاش کر پائے، سورج اپنی بلند ترین پوزیشن پر پہنچ چکا تھا اور انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی امامت کی، اور اس دوران وہ بیٹھے رہے، اور ہر کسی نے ان کے پیچھے اسی طرح نماز ادا کی۔ پھر وہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ گہری اور آرام دہ نیند سو گئے، جبکہ کچھ پہرہ دینے والے افراد میدان پر نظر رکھنے کے لیے ایک بلند مقام سے نگاہ رکھتے رہے۔

[1]I.H.571

LIII

Revenge

بدلہ

قریش اپنے مرنے والوں اور زخمیوں کے بارے میں مشغول تھے۔

نقصان زیادہ نہیں ہوا تھا: تین ہزار میں سے صرف بائیس قتل ہوئے۔ پھر انہوں نے دشمن کے نقصانات کا جائزہ لیا اور تقریباً پینسٹھ لاشیں گنیں، جن میں سے بہت سے وہ نہیں جانتے تھے۔ صرف تین مہاجرین شہید ہوئے: ہاشم کے حمزہ رضی اللہ عنہ، عبد الدار کے مصعب، اور عبد اللہ بن جحش۔ میدان کے مرکز سے کچھ فاصلے پر پڑی چند لاشیں، جن میں زخمی بھی شامل تھے، ان کی نظر سے اوجھل رہیں۔ ان میں شمّس بھی تھے، جو ابھی زندہ تھے لیکن حرکت کرنے کے قابل نہیں تھے۔

انہوں نے محمد ﷺ کی لاش کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ اسی دوران، وحشی حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس واپس آیا، اس کا پیٹ چاک کیا، جگر نکالا اور ہند کے پاس لے گیا۔ "تیرے باپ کے قاتل کو قتل کرنے کے بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟" اس نے کہا۔ ہند نے جواب دیا: "مال غنیمت میں میرا پورا حصہ۔" اس نے کہا: "یہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر ہے،" اور وہ اسے لے کر اس پر سے ایک ٹکڑا کاٹ کر چبانے لگی۔ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے ایک حصہ نگل لیا اور باقی تھوک دیا۔

پھر اس نے کہا، "مجھے دکھاؤ کہ وہ کہاں ہے،" اور جب وہ لاش تک پہنچے تو اس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی ناک، کان، اور جسم کے دیگر حصے کاٹ دیے۔ پھر اس نے اپنے ہار، جھمکے، اور پازیب اتار کر وحشی کو دیے اور اپنی ساتھ والی عورتوں سے کہا کہ وہ دیگر مقتولین کی لاشوں کو بھی مسخ کریں۔ ان سب نے مسلمانوں کی لاشوں سے کاٹے ہوئے اعضا سے "انتقام کے زیورات" بنائے۔ ہند ایک چٹان پر چڑھ کر فتح کا گیت گانے لگی۔

قریش کے ایک دو آدمیوں نے بھی اپنی انتقامی پیاس بجھانے کے لیے مردوں کی لاشوں کو مسخ کیا، لیکن ان کے بدو اتحادیوں کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ ابوسفیان حمزہ رضی اللہ عنہ کے منہ کے کنارے کو نیزے کی نوک سے چبھوتے ہوئے کہہ رہے تھے: "اے باغی، یہ چکھ۔" اسی دوران، کنانہ کے ایک قبیلے کے سردار حلیس وہاں سے گزرے۔ انہوں نے بلند آواز میں کہا تاکہ ابوسفیان سن سکیں: "اے کنانہ کے بیٹو، کیا یہی قریش کا سردار ہے جو اپنے مردہ چچازاد بھائی کی لاش کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے؟" ابوسفیان نے کہا: "تیرا برا ہو، اس کا ذکر نہ کرنا۔ یہ محض ایک لغزش تھی، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔[1]"

اسی دوران ابوعامر اپنے بیٹے حنظلہ کی لاش پر پہنچے اور افسوس کرتے ہوئے کہنے لگے: "کیا میں نے تمہیں اس آدمی "-یعنی نبی ﷺ-" کے خلاف خبردار نہیں کیا تھا؟ لیکن تم اپنے باپ کے فرمانبردار بیٹے تھے، اپنی زندگی میں باوقار اور اپنے موت میں اپنے بہترین ساتھیوں کے ساتھ دفن ہو۔ اگر اللہ اس مقتول کو "-انہوں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا-" یا محمد ﷺ کے کسی بھی ساتھی کو اچھائی دے، تو وہ تمہیں بھی اچھائی دے۔ پھر انہوں نے ہند اور دیگر عورتوں کی طرف سخت نظروں سے دیکھا اور بلند آواز میں کہا:

"اے قریش! حنظلہ کی لاش کو مسخ نہ کیا جائے، چاہے وہ میرا اور تمہارا دشمن ہی کیوں نہ تھا![2]"

اور قریش نے ان کی اس خواہش کا احترام کیا۔"

[1] I.I. 582. [2] W.274.

اب یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ اُبیّ نے غلط نہیں سمجھا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ میدان سے اوپر بلند پہاڑی علاقے میں کہیں موجود تھے۔ لیکن جنگ ختم ہو چکی تھی: پہاڑ پر حملہ کرنے کا سوال نہیں تھا، اور غلاموں کو پہلے ہی کیمپ منتقل کرنے کے لیے کہہ دیا گیا تھا۔ تو جب انہوں نے اپنے مردوں کو دفن کیا اور دشمن کے مردوں سے انتقام لے لیا، تو انہوں نے ان کے زرہ اور جو کچھ بھی انہوں نے ان سے چھینا تھا، اونٹوں پر لادا اور روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ لیکن روانہ ہونے سے پہلے ابو سفیان اپنے چست گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کے قدموں تک پہنچے، جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی جماعت رکھی ہوئی تھی، اور بلند آواز میں پکارا: "جنگ بدلے کا دن ہے، اور یہ دن بدلے کا دن ہے۔ اے ہبل! اپنے دین کو غالب کر!" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کے لیے بھیجا، اور فرمایا: "اللہ سب سے بلند ہے، عظمت میں سب سے اعلیٰ ہے۔ ہم برابر نہیں ہیں: ہمارے مارے ہوئے جنت میں ہیں، تمہارے مارے ہوئے دوزخ میں ہیں۔" تو عمر رضی اللہ عنہ پہاڑ کی چٹان کے کنارے گئے جہاں ابو سفیان کھڑے تھے اور وہی جواب دیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ ابو سفیان نے عمر رضی اللہ عنہ کی آواز پہچان لی اور کہا: "میں تجھ سے اللہ کی قسم پوچھتا ہوں، کیا ہم نے محمد ﷺ کو مار ڈالا؟" عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "نہیں، اللہ کی قسم، لیکن وہ اس وقت وہ تمہاری باتیں سن رہا ہے۔" ابو سفیان نے کہا: "میں تمہاری بات کو ابن قمیعہ کی بات سے زیادہ سچ سمجھتا ہوں۔" پھر وہ مڑ کر واپس جانے لگے، لیکن دوبارہ مڑ کر کہا: "تمہارے کچھ مردوں کی لاشیں مسخ کی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم، مجھے اس میں کوئی خوشی نہیں ہے، نہ ہی مجھے غصہ ہے۔ میں نے اس کو نہ روکا، نہ ہی میں نے حکم دیا تھا۔" پھر کہا: "اگلے سال بدر میں ہماری ملاقات ہو گی!" یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک اور صحابی کو چٹان کے کنارے بھیجا تا کہ وہ اپنا جواب پکار کر دے: "یہ ہمارا آپس میں طے شدہ وعدہ ہے۔[1]" ابو سفیان اپنی فوج کی طرف روانہ ہو گیا جو میدان کے دوسرے طرف ان کا انتظار کر رہی تھی، اور وہ جنوبی سمت کی طرف روانہ ہوا۔ یہ اتنا دور تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ان کے ترتیب کو واضح طور پر نہیں دیکھ سکتے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن زہری کو میدان میں اتار کر ان کے پیچھے بھیجا تا کہ وہ دیکھیں وہ کیا کر رہے ہیں۔ "اگر وہ اپنے گھوڑے لے کر اونٹوں پر سوار ہیں، تو وہ مکہ جا رہے ہیں؛ لیکن اگر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہیں اور اپنے اونٹوں کو پیچھے لے کر چل رہے ہیں، تو وہ مدینہ جا رہے ہیں؛ اور جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ مدینہ کی طرف جا رہے ہیں، تو میں انہیں پکڑ کر ان سے لڑوں گا۔" سعد میدان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سَکْب کے ساتھ والے گڑھے کی طرف گئے جہاں وہ ہمیشہ سے موجود تھے، اور مکہ والوں کے پیچھے جا کر ان کا حال معلوم کیا۔ پھر وہ خوشخبری کے ساتھ واپس آئے کہ ان کے گھڑ سوار اپنے اونٹوں پر سوار تھے اور گھوڑے ان کے ساتھ چل رہے تھے "جیسا کہ ان میں سے ایک نے بعد کے سالوں میں کہا، یعنی 'عَمْرٌ'[2]، جس نے خالد کے ساتھ فیصلہ کن کیولری حملے میں حصہ لیا تھا: "ہم نے سنا تھا کہ ابن ابی مدینہ واپس آ گئے ہیں فوج کے ایک تہائی کے ساتھ، اور اوس اور خزرج کے کچھ مرد شہر میں رہے تھے۔ اور ہم یقین نہیں کر سکتے تھے کہ جو لوگ پیچھے ہٹے ہیں واپس حملے کے لئے نہ آ جائیں؛ اور ہم میں سے بہت سے زخمی تھے، اور تقریباً ہماری تمام گھوڑے تیر سے چھلنی ہو چکے تھے، لہذا ہم اپنے راستے پر چلتے رہے۔[3]"

[1]I.I.583 [2] [3] W.299 صفحہ دیکھیں.81.

.

LIV

The Burial of the Martyrs

شہداء کی تدفین

"حضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو میدان میں اُتار کر تدفین کے لئے ان کی رہنمائی کی۔ حارث بن سمعہ کو حنظلہ کی لاش تلاش کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا، لیکن جب اس نے حنظلہ کی لاش دیکھی تو وہ اتنے حیران و پریشان ہوئے کہ فوراً واپس نہ آئے اور علی کو ان کے پیچھے بھیجا گیا۔ علی نے حارث کو مسخ شدہ جسم کے قریب کھڑے ہوئے دیکھا، اور دونوں واپس آئے۔ جب حضرت محمد ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا: "آج تک مجھے اس سے زیادہ غصہ کبھی نہیں آیا، اور جب اللہ مجھے قریش پر فتح دے گا تو میں ان کے تیس مردوں کی لاشیں مسخ کروں گا!" لیکن تھوڑی دیر بعد وحی نازل ہوئی: "اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنا تم نے خود برداشت کیا ہو، اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔" پھر حضرت محمد ﷺ نے اپنی دھمکی کو پورا نہ کیا، بلکہ ہر جنگ کے بعد مسخ کرنے کی واضح طور پر ممانعت کر دی۔ علاوہ ازیں، لڑائی کے دوران انہوں نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ضرب لگائے تو چہرے کو نہ مارے... کیونکہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔"

عبداللہ بن جحش حنظلہ کے قریب ہی شہید ہو گئے تھے اور ان کی لاش بھی مسخ کی گئی تھی۔ لیکن جب حضرت ﷺ نے ان کے بدن کی طرف رخ کیا تو ایک بالکل مختلف منظر ان کی آنکھوں کے سامنے آیا۔ ان کے دو رشتہ داروں کی لاشوں کے قریب ایک لاش تھی جو حنظلہ کی تھی، جسے کسی بھی قریش نے چھوا نہیں تھا، اور وہ بالکل ویسا ہی پڑا تھا جیسے فرشتوں نے اسے دفن کیا تھا، اس کے بال بھی پانی سے بھیگے ہوئے تھے۔ کوئی بھی اس کے قریب سے گزرتا تو شکر گزار ہوتا، کیونکہ اس کی خوبصورتی اور سکون نے شہداء کے اہل خانہ کو جنت کی حقیقت کا پیغام دیا تھا۔

دور ہی میں خیثمہ اور ابن دحدہ کی لاشیں بھی تھیں۔ خیثمہ کے شہید بیٹے نے اپنے والد کو خواب میں دکھا کر انہیں جنت میں ان کے ساتھ شامل ہونے کے لئے کہا تھا، اور ثابت بن دحدہ وہ تھے جنہوں نے یتیم کے لئے کھجور کا درخت ہدیہ کیا تھا۔ جب حضرت محمد ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو دیکھا تو فرمایا: "کھجور کے درخت جن کے نیچے بوجھل خوشے جھکے ہوئے ہوں، کتنے ہی ایسے درخت ثابت بن دحدہ[4] کے لئے جنت میں ہیں!"

جب اوس کے قبیلے نے اپنے شہداء کو تلاش کیا،

[1] I.I. 584. [2] XVI, 126. [3] A.H. I, 251; M. XL V,32. [4] W·505·

"تو ان کی حیرانی کی بات یہ تھی کہ ان کے درمیان ایک ایسا شخص تھا جس کا نام عسیریم تھا، جسے صرف کل ہی انہوں نے مسلمان نہ ہونے پر ڈانٹا تھا۔ جب بھی وہ اس سے اسلام کے بارے میں بات کرتے، وہ کہتا: "اگر مجھے یہ بات سچ معلوم ہوتی، جو تم کہتے ہو، تو میں ہچکچاہٹ نہ کرتا۔" پھر وہ میدان جنگ میں تھا، شدید زخمی مگر ابھی تک مرا نہیں تھا۔ "تم یہاں کیسے پہنچے؟" انہوں نے کہا۔ "کیا یہ تمہارے لوگوں کی فکر تھی، یا اسلام کے لیے تھا؟" "یہ اسلام کے لیے تھا،" اس نے کہا۔ "اچانک مجھے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان آگیا اور میں نے اسلام قبول کیا۔ پھر میں نے اپنی تلوار اٹھائی اور آج صبح کے وقت اللہ کے رسول کے ساتھ ہونے کے لیے نکل آیا؛ اور میں لڑتا رہا یہاں تک کہ مجھے وہ ضرب لگی جس نے مجھے یہاں گرا دیا۔" وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا اور وہ اس کے ساتھ رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، جنہوں نے انہیں یقین دلایا کہ وہ جنت کے لوگوں میں سے ہے، اور بعد میں عسیریم کو وہ شخص مانا گیا جو جنت میں داخل ہوا بغیر اس کے کہ اس نے پانچ وقت کی نمازیں پڑھی ہوں۔

میدان میں مردوں کے درمیان ایک اجنبی کو پایا گیا، یا کم از کم پہلی نظر میں ایسا ہی لگا، یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے اسے مکھیریق کے طور پر پہچانا، جو کہ یہودی قبیلے ثعلبہ کا ایک عالم تھا۔ اس صبح کے ابتدائی حصے میں، جیسا کہ بعد میں بتایا گیا، اس نے اپنے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا عہد پورا کرنے اور مشرکوں کے خلاف لڑنے کے لیے بلایا، اور جب انہوں نے اس بات پر احتجاج کیا کہ یہ ہفتہ ہے، تو اس نے کہا: "تم سچے طور پر ہفتہ نہیں رکھتے۔" پھر اس نے انہیں گواہی دینے کی درخواست کی کہ محمد ﷺ اس کا واحد وارث ہے۔ "اگر میں آج شہید ہو جاؤں،" اس نے کہا، "تو میرا مال محمد ﷺ کے لیے ہے، تاکہ اللہ جس طرح چاہے اسے استعمال کرے۔" پھر تلوار اور دیگر ہتھیار اٹھا کر وہ اُحد کی طرف روانہ ہو گیا، جہاں اس نے لڑائی کی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ اس کے بعد مدینہ میں جو صدقات تقسیم کیے گئے ان کا ایک بڑا حصہ مکھیریق کے مال و دولت سے آیا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "یہودیوں میں سب سے بہترین" کہا تھا۔

جیسے ہی یہ واضح ہوا کہ مکہ والے واپس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور مدینہ کو وسیع تر راستہ دے رہے ہیں، خواتین شہر سے نکل کر زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے اور یہ جانچنے کے لیے نکل پڑیں کہ جو افواہیں دوپہر سے آ رہی تھیں وہ کتنی سچ تھیں یا جھوٹ۔ پہلی خواتین میں سے ایک صفیہ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفیہ کو آتے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو گئے اور زبیر سے کہا: "میری مدد کر، اور حنظلہ کی قبر فوراً کھودو۔ تم ان سے ملنے جاؤ اور انہیں واپس لے آؤ، تاکہ وہ اپنے بھائی کو دیکھ نہ لیں جو ہوا ہے۔" تو زبیر ان کے پاس گئے اور کہا: "ماں، اللہ کے رسول آپ کو واپس جانے کا حکم دیتے ہیں۔" مگر صفیہ پہلے ہی میدان کے کنارے پر یہ خبر سن چکی تھیں۔ "میں کیوں واپس جاؤں؟" انہوں نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی کو مسخ کر دیا گیا ہے، لیکن یہ اللہ کے لیے تھا، اور جو کچھ اللہ کے لیے ہے ہم اسے مکمل طور پر قبول کرتے ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں صبر کروں گی اور اگر اللہ چاہے گا تو پرسکون رہوں گی۔" زبیر واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور آپ نے انہیں کہا کہ وہ اسے اپنی مرضی پر چھوڑ دیں۔ تو صفیہ آئی اور اپنے بھائی کو دیکھ کر اس پر دعا کی اور آیت رجوع تلاوت کی: "ہم اللہ کے لیے ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں؛ اور وہ سب اس آیت کو یاد کر کے سکون حاصل کرتے ہیں، جس کا نزول بدر کے بعد ہوا تھا: "اے ایمان والو، اللہ سے مدد طلب کرو ثابت قدمی اور نماز کے ذریعے۔

بے شک اللہ کا حکم ہے اور بے شک اسی کی طرف ہم لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے رحمت اور برکات ہیں؛ اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔[1]

اس کے بعد صفیہ اپنی بہن امیمہ کے بیٹے عبد اللہ بن جحش کی لاش پر کھڑی ہو کر دعا کرنے لگیں، اور جلد ہی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ دونوں خواتین اپنے مردوں پر رونے لگیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ رونا ایک سکون محسوس ہوا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہانے پھر اپنے والد کے زخموں پر مرہم لگایا۔ ان کی کزن حمنہ، عبد اللہ کی بہن، بھی قریب آتی دکھائی دیں، اور انہیں اپنے شوہر مصعب کی شہادت، ساتھ ہی اپنے بھائی اور چچا کی موت کی خبر دینا ان کے غم کو اور بڑھا رہا تھا۔ جب جنگ ابھی جاری تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب کو، جیسا کہ ان کو خیال آیا، ابھی بھی پرچم کے ساتھ میدان میں دیکھا اور ان سے پکارا۔ مگر اس شخص نے جواب دیا: "میں مصعب نہیں ہوں"، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے اور مصعب شہید ہو چکا ہے یا زخمی ہو گیا ہے۔ وہ اب اس کے جسم کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھتے ہیں: "مومنوں میں سے ایسے مرد ہیں جو اپنے عہد کو اللہ کے ساتھ سچا سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ نے اپنی قسم کو موت کے ذریعے پورا کیا، اور کچھ اس کا انتظار کر رہے ہیں، اور وہ نہ جھکنے والے ہیں اور نہ بدلے والے ہیں۔[2]"

انہوں نے حکم دیا کہ تمام شہیدوں کو لا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے قریب دفن کیا جائے اور قبریں کھودی جائیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں لپیٹا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جنازہ کی نماز پڑھی، اس کے بعد ہر شہید پر انفرادی نماز جنازہ پڑھی، مجموعی طور پر سترہ نمازیں۔ جیسے ہی قبر تیار ہوئی، دو یا تین افراد کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے عبد اللہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفن کا خود اہتمام کیا۔ "عمر بن جموح اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمر کو تلاش کرو،" انہوں نے کہا۔ "دنیا میں یہ دونوں الگ نہ تھے، تو ان کو ایک ہی قبر میں دفن کر دو۔" لیکن ہند، عمر کی بیوی اور عبد اللہ کی بہن، جو کہ جابر کا باپ تھا جنہوں نے ان دونوں کے جسموں کو اکٹھا کر کے قبر میں دفن کیا، ساتھ ہی اپنے بیٹے خلاد کی لاش بھی لے آئی تھیں۔ انہوں نے ان لاشوں کو مدینہ لے جانے کی کوشش کی تھی، مگر جب ان کی اونٹنی میدان کے کنارے پہنچی تو اس نے آگے جانے سے انکار کر دیا- جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کا حکم تھا- اور انہیں ان لاشوں کو دوبارہ میدان جنگ میں لانا پڑا۔ اس طرح تینوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے جب تک کہ وہ دفن نہ ہو گئے۔ "اے ہند!" انہوں نے کہا، "یہ سب جنت میں ایک ساتھ ہیں: عمر، تمہارا بیٹا خلاد اور تمہارا بھائی عبد اللہ۔" "اے اللہ کے رسول!" ہند نے کہا، "اللہ سے دعا کرو کہ مجھے بھی ان کے ساتھ رکھے۔"

زیادہ تر شہداء کی طرح، موزیناہ کا وہ شخص جو اتنی بہادری سے لڑا تھا، اپنے لوگوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا، کیونکہ اس کے بھتیجے نے بھی شہادت پائی تھی۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر کہا: "اللہ تم سے راضی ہو، جیسے کہ میں تم سے راضی ہوں۔[3]" انہوں نے اس کے جسم کو سبز دھاری والی چادر میں لپیٹا تھا، اور جب وہ قبر میں دفن ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا چہرہ اور پاؤں ڈھانپنے کے لیے چادر کو اوپر کیا۔ پھر انہوں نے حکم دیا کہ میدان سے کچھ سداب، ایک قسم کی گھاس لے کر ان کے پاؤں پر ڈال دیے جائیں۔ یہ انہوں نے کئی دیگر شہداء کے ساتھ بھی کیا تا کہ ان کے چہرے اور پاؤں دفن ہونے سے پہلے ڈھکے رہیں۔

جب آخری قبر بھی بھر گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گھوڑا منگوا کر اس پر سوار ہوئے، اور وہ اسی راستے پر روانہ ہوئے جس پر وہ صبح کے وقت آئے تھے۔ میں پہنچے، جب وہ لاوا کے راستے کے آغاز تک پہنچے،

[1] II, 153-7 [2] XXXIII, 23. [3] W.277.

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ کی حمد و شکر ادا کرنے کے لیے صف باندھنے کو کہا، اور مردوں نے دو صفوں میں مکہ کی طرف رخ کر کے کھڑا کیا، جبکہ خواتین ان کے پیچھے تھیں، کل چودہ خواتین۔۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تسبیح کی اور دعا کی، فرمایا: "اے اللہ، میں تجھ سے تیری برکات، تیرے رحم، تیرے فضل اور تیری عفو کی درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ، میں تجھ سے وہ دائمی خوشی مانگتا ہوں جو کبھی ماند نہ ہو اور نہ ختم ہو۔ اے اللہ، میں تجھ سے خوف کے دن کی سلامتی اور تنگدستی کے دن کی کشادگی مانگتا ہوں۔[1]"

[1] W.3I5.

LV

After Uhud

اُحد کے بعد

جب سورج غروب ہو رہا تھا اور وہ شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے مسجد پہنچ کر فوراً مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے اور اتنی گہری نیند میں چلے گئے کہ انہیں بلال رضی اللہ عنہ کی عشاء کی اذان نہیں سنائی دی، لیکن جب وہ جاگے تو اپنے گھر میں اکیلے ہی نماز پڑھی۔ انصار کے دو سردار سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما اور اوس و خزرج کے دوسرے رہنما مسجد کے دروازے پر رات گزار رہے تھے اور باری باری پہرہ دیتے تھے کیونکہ ابھی تک یہ امکان تھا کہ قریش واپس آسکتے ہیں۔ اگلے دن صبح نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کریں کہ دشمن کا پیچھا کرنا ضروری ہے۔ "لیکن کوئی بھی ہمارے ساتھ نہ نکلے گا"، آپ نے فرمایا، "سوائے ان کے جو کل کے جنگ میں شریک تھے۔"

جب سردار اپنے قبائل میں واپس گئے تو انہوں نے دیکھا کہ بیشتر لوگ اپنے زخموں کا علاج کر رہے تھے یا ان کی عورتیں ان کا علاج کر رہی تھیں، کیونکہ احد کے جنگ میں بہت کم لوگ سلامت نکلے تھے اور زیادہ تر شدید زخمی تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو سن کر وہ اپنے زخموں کا علاج کر کے دوبارہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے، سوائے مالک اور شمّس کے۔ مالک، جو اب انتہائی کمزوری کا شکار تھے، اپنے خاندان کی دیکھ بھال میں تھے۔ شمّس، جن کے اہل خانہ مدینہ میں نہیں تھے، بے ہوش حالت میں میدان جنگ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں لائے گئے تھے۔ لیکن اُم سلمہ نے اپنے ہم قبیلے کی دیکھ بھال کا حق دعویٰ کیا، تو وہ ان کے سپرد کر دیے گئے۔ چونکہ ان کی موت قریب لگ رہی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت دی کہ انہیں مدینہ میں دفن نہ کیا جائے بلکہ احد کے شہداء کے ساتھ دفن کیا جائے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود سب سے پہلے تیار ہونے والوں میں سے تھے، حالانکہ اب وہ بمشکل اپنا دایاں کندھا حرکت دے پا رہے تھے، جو ان کے سر پر آنے والے وار کی شدت کو برداشت کر چکا تھا۔ جب طلحہ رضی اللہ عنہ وقت معلوم کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑے پر مسجد کے دروازے پر کھڑا پایا، ان کی کھڑکیاں نیچی تھیں اور ان کی آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ اگرچہ وہ معذور تھے، طلحہ رضی اللہ عنہ فوراً اپنے گھر دوڑ کر تیار ہو گئے۔ بنی سلمہ میں جو لوگ روانہ ہوئے ان میں چالیس زخمی مرد شامل تھے، جن میں سے کچھ کے جسم پر دس سے زیادہ گھاؤ، نیزے یا تیر کے زخم تھے؛ اور جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صف میں کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کی حالت دیکھی تو آپ ان کی روحوں کی طاقت پر خوش ہوئے اور دعا کی: "اے اللہ، بنی سلمہ پر رحم فرما!" تمام قبائل میں سے ایک ہی شخص ایسا تھا جو احد کی جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا، اور وہ تھا جابر رضی اللہ عنہ۔ اس صبح جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار سنی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: "اے اللہ کے رسول، میں جنگ میں شریک ہونے کے لیے بے تاب تھا، لیکن میرے والد نے مجھے اپنے سات چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑا تھا۔

اور اسی طرح یہ ہوا کہ شہادت کے لیے اللہ نے انہیں مجھ پر ترجیح دی، حالانکہ میں اس کے لیے امید رکھتا تھا۔ تو اے اللہ کے رسول، اب مجھے آپ کے ساتھ جانے دیجیے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کو باقی لوگوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

مدینہ سے تقریباً آٹھ میل دور پہلا پڑاؤ کیا گیا۔ اس وقت دشمن روحاء کے مقام پر خیمہ زن تھا، جو زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ایک وسیع علاقے میں پھیل جائیں اور جہاں کہیں لکڑیاں ملیں انہیں اکٹھا کریں، ہر شخص اپنی الگ الگ ڈھیری بنائے۔ سورج غروب ہونے تک پانچ سو سے زیادہ لکڑیوں کے ڈھیر تیار کر لیے گئے۔ جب رات ہو گئی تو ہر شخص نے اپنی لکڑیوں کو آگ لگا دی۔ شعلے دور دور تک نظر آ رہے تھے، گویا ایک بڑی فوج وہاں خیمہ زن ہو۔

یہ منظر ابوسفیان کے لیے اس وقت تصدیق پا گیا جب خزاعہ کے ایک شخص نے، جو ابھی مشرک تھا لیکن مسلمانوں کا خیر خواہ تھا، جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوئے انہیں بتایا کہ مدینہ کی پوری آبادی ان کا تعاقب کر رہی ہے، ان سب کو بھی شامل کر کے جو احد کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور ان کے تمام اتحادیوں کو بھی۔ اس نے کہا: "خدا کی قسم، تم حرکت بھی نہ کر سکو گے کہ تم ان کی گھڑ سوار فوج کے ماتھے کے بال دیکھو گے۔" قریش میں سے کچھ لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے واپس جانا چاہتے تھے، لیکن اب سب نے متفقہ طور پر مکہ کی طرف جلدی روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

پھر بھی، ابوسفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک آخری پیغام بھیجا۔ کچھ سوار جو مدینہ سامان لینے جا رہے تھے، ان کے ذریعے کہا: "ﷺ کو میرا یہ پیغام دے دو کہ ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ ہم ان کے باقی ماندہ ساتھیوں کو زمین کے چہرے سے مٹا دیں گے۔ یہ پیغام پہنچا دینا اور جب تم واپس عکاظ پہنچو گے، تو میں تمہارے اونٹ پر انگور خشک لاد دوں گا۔" جب یہ پیغام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا تو آپ نے حالیہ وحی کے الفاظ میں جواب دیا: "اللہ ہمیں کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے۔[1]"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے پیر، منگل اور بدھ اپنے کیمپ میں گزارے اور ہر رات مشعلیں روشن کیں۔ یہ دن آرام کے تھے، اور ان کے لیے کافی رزق موجود تھا۔ پچھلی گرمیوں میں پھلوں کی بہترین فصل ہوئی تھی، اور سعد بن عبادہ نے تیس اونٹ کھجوروں سے لدوا دیے تھے، اور دوسروں کو قربان کرنے کے لئے لایا گیا تھا جمعرات کو وہ مدینہ واپس لوٹ آئے۔

شمّس رضی اللہ عنہ روانگی کے فوراً بعد وفات پا گئے اور انہیں احد میں دفن کیا گیا۔ مالک بھی ان کی غیر موجودگی میں فوت ہو گئے تھے، لیکن ان کے خاندان نے انہیں مدینہ میں دفن کر دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اب حکم دیا کہ ان کی میت احد لے جا کر دفن کی جائے۔

احد کی جنگ کے بعد، عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن ابی کا بیٹا رات کے کچھ حصے میں اپنے زخم کو داغ رہا تھا، جبکہ اس کا باپ دشمن پر حملہ کرنے کی حماقت پر تنقید کر رہا تھا۔ "خدا کی قسم، یہ سب میں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا،" وہ کہتا رہا۔ اس کے بیٹے نے جواب دیا: "جو کچھ اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کے لیے کیا، وہی بہتر تھا۔" لیکن ابن ابی بحث کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ اصرار کرتا رہا: "اگر وہ لوگ ہمارے ساتھ ہوتے، تو قتل نہ ہوتے۔"

نہ ہی ابن ابی خاموش رہا، اور نہ یہود نے اپنی بات کہنے سے گریز کیا۔ بلکہ اب وہ پہلے سے زیادہ یقین کے ساتھ کہہ رہے تھے: "محمد ﷺ تو محض بادشاہت کا طلبگار ہے۔ کسی نبی کو ایسی شکست نہیں ملی۔ وہ خود بھی زخمی ہوا، اور اس کے ساتھی بھی۔"

[1] III,173·

یہود اور منافقین کی طرف سے کہی گئی بہت سی باتیں 'عمر کو مشعلوں کی مہم سے واپسی پر دوبارہ سنائی گئیں۔ تو وہ سیدھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ان لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی جو اس واقعے کے ذمہ دار تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا: "اللہ اپنے دین کو غالب کرے گا اور اپنے نبی کو قوت بخشے گا۔" پھر آپ نے فرمایا: "اے خطاب کے بیٹے، قریش کو ہم سے وہ دن دوبارہ نہیں ملے گا، اور ہم رکن کو سلام کریں گے۔[1]" اس سے آپ کا مطلب تھا کہ وہ مکہ میں داخل ہوں گے اور حجرِ اسود کو بوسہ دیں گے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ کو ہاتھ بندھنے پڑے، لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی بالکل بے نقصان نہیں بچا۔ وہ جمعہ کی نماز میں مسجد میں ایک معزز جگہ پر بیٹھا کرتا تھا، اور مدینہ میں اس کی حیثیت کے سبب کسی نے اسے اس سے محروم کرنے کا نہیں سوچا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تو وہ اٹھتا اور کہتا: "اے لوگو، یہ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ ان کے ذریعے تم پر مہربانی کرے اور تمہیں قوت بخشے! ان کی مدد کرو، ان کی عزت کرو، ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔" پھر وہ بیٹھ جاتا۔

لیکن احد کے بعد، جب وہ حسبِ معمول بات کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو انصار میں سے کچھ نے اسے دونوں طرف سے پکڑ کر کہا: "بیٹھ جا، اے اللہ کے دشمن! تو اس قابل نہیں کہ بات کرے، کیونکہ تُونے جو کیا وہ کیا۔" اس پر وہ جماعت کو چھوڑ کر مسجد سے باہر نکل گیا۔ مسجد کے دروازے پر انصار میں سے ایک نے اسے کہا: "واپس جا اور اللہ کے رسول سے اپنے لیے معافی مانگنے کو کہہ۔" لیکن اس نے کہا: "خدا کی قسم، میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے معافی مانگیں۔"

احد کے دنوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کے متعلق کئی وحی موصول ہوئیں۔ ان وحیوں سے ظاہر ہوا کہ دو قبیلوں کے ایک قابلِ ذکر حصے نے جنگ کے آغاز سے قبل فوج چھوڑنے کا سنجیدگی سے سوچا تھا، لیکن اللہ نے ان کو قوت بخشی اور ثابت قدمی عطا کی۔ ان میں سے ایک خزرج کے بنی سلمہ تھے، جن کا انداز دشمن کے پیچھے جاتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آیا تھا۔ جب انہوں نے اور اوس کے بنی حارثہ نے وحی سنی[2]، تو انہوں نے تسلیم کیا کہ یہ ان کے متعلق ہے، لیکن وہ اپنی لمحاتی کمزوری پر نادم نہ تھے کیونکہ اس سے انہیں اللہ کی طرف سے وہ قوت ملی جو ان کی اپنی قوت سے بہتر تھی۔

دوسری آیات ان لوگوں کے لیے نازل ہوئیں جو اچانک گھڑسوار حملے کے دوران پہاڑ کی طرف بھاگ گئے تھے، خاص طور پر ان کے لیے جنہوں نے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کے لیے باہر جانے پر زور دیا تھا تاکہ وہ شہادت حاصل کر سکیں۔ "کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، اس سے پہلے کہ اللہ یہ جان لے کہ تم میں کون واقعی کوشش کرتا ہے اور کون ثابت قدم ہے؟ تم موت کی خواہش کرتے تھے، یہاں تک کہ تم نے اسے سامنے دیکھ لیا![3]"

تاہم، وحی نے واضح کیا کہ جنہوں نے احکامات کی خلاف ورزی کی، انہوں نے میدان جنگ میں اپنی غلطیوں کا کفارہ دیا اور انہیں معاف کر دیا گیا۔ ان کے کفارے کا ایک حصہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی افواہ سن کر انہیں بہت غم ہوا[4]۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا کہ عرب میں موجودہ نظام ختم ہو جائے گا اور اسلام غالب آئے گا: "تم سے پہلے کئی طریقے گزر چکے ہیں۔ زمین میں سفر کرو اور دیکھو کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔"

[1] W.3 17. [2] III, 122. [3] III 142-3 [4]III,152-5

"یہ انسانوں کے لئے ایک واضح دلیل ہے، اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت۔ نہ ہمت ہارو، نہ غمگین ہو، کیونکہ اگر تم سچے مومن ہو تو تم ہی غالب آؤ گے۔[1]"

"اور ایک اور پیشین گوئی بھی تھی، جو مختلف نوعیت کی تھی: محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف ایک رسول ہیں، اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنے پاؤں پیچھے موڑ لو گے؟ جو شخص پاؤں پیچھے موڑ لے گا، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا؛ اور اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا۔[2]"

[1] III, I37-9.   [2] III, I44.

LVI

Victims of Revenge

انتقام کا نشانہ بننے والے

دو ماہ سے زائد عرصے تک امن و سکون بر قرار رہا۔ پھر خبر ملی کہ بنی اسد بن خزیمہ قبیلہ نخلہ کے خلاف چھاپہ مارنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ حالانکہ جحش خاندان اور مکہ میں پہلے سے آباد چند اسدی افراد مسلمان ہو چکے تھے، لیکن نجد کے اس طاقتور قبیلے کی اکثریت قریش کی قریبی حلیف تھی، اور قریش نے اب انہیں احد کی جنگ کے اثرات سے فائدہ اٹھانے کے لیے اکسایا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ ان پر اور تمام عرب پر ظاہر کیا جائے کہ مسلمان احد سے کمزور ہونے کے بجائے مضبوط ہوئے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو پچاس مسلح اور گھڑ سوار افراد کو ابو سلمہ کی قیادت میں ان کے علاقے میں بھیجا۔ ان کو ہدایت دی گئی کہ وہ قبیلے کے کیمپ کو اچانک گھیرنے کی پوری کوشش کریں۔

مسلمانوں نے یہ کام کامیابی سے کیا، اور مختصر جھڑپ کے بعد، جس میں دونوں طرف سے بہت کم خون بہا، بدو منتشر ہو کر بھاگ گئے۔ مسلمان گیارہ دن بعد مدینہ واپس آئے، ایک بڑی تعداد میں اونٹوں اور تین چرواہوں کے ساتھ۔ اس مہم کا مقصد پورا ہو چکا تھا، یعنی اسلام کی طاقت کو بر قرار رکھنا۔

تقریباً اسی وقت یہ خبر بھی آئی کہ جنوب سے ایک اور ممکنہ چھاپے کا خطرہ ہے۔ لیکن نبی نے اندازہ لگایا کہ اسلام کے خلاف دشمنی ایک نہایت بدکار آدمی میں مرکوز تھی، جو کہ ہذیل کی لحیانی شاخ کا سردار تھا۔ اگر اس سے چھٹکارا پا لیا جائے تو اس علاقے سے خطرہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ نے خزرج کے ایک آدمی، عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن انیس کو اس کے قتل کی ہدایت دی۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ، مجھے اس شخص کا حلیہ بتا دیں تا کہ میں اسے پہچان سکوں۔" آپ نے فرمایا: "جب تم اسے دیکھو گے تو شیطان کی یاد آئے گی۔ یہ تمہارے لیے یقینی علامت ہو گی کہ وہی آدمی ہے، کیونکہ تم اسے دیکھ کر کانپ جاؤ گے۔"

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو پہچانا اور اسے قتل کر کے اپنی جان بچا کر واپس آ گئے۔ اس واقعے کے بعد مدینہ پر حملے کا منصوبہ ترک کر دیا گیا، لیکن غالباً اسی سردار کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے اگلے مہینے ہذیل کے چند آدمیوں نے چھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا، جو قریبی دو چھوٹے قبیلوں کو دینی تعلیم دینے جا رہے تھے۔ یہ واقعہ رجیع کے مقام پر پیش آیا، جو مکہ کے قریب ایک پانی کی جگہ تھی۔

اس جھڑپ میں تین مسلمان لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، اور تین کو قید کر لیا گیا۔ ان میں سے ایک کو فرار کی کوشش میں قتل کر دیا گیا۔ شہداء میں اوس قبیلے کے عاصم بھی شامل تھے، جنہوں نے احد میں قریش کے دو علمبرداروں کو قتل کیا تھا۔ ان علمبرداروں کی والدہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ عاصم کی کھوپڑی سے شراب پیئیں گی، اور ہذیل کے آدمی ان کا سر بیچنے کے لیے کوشاں تھے۔

عاصم کی لاش کو قریش کے ہاتھوں سے بچانے کے لیے اللہ نے شہد کی مکھیوں کا ایک جھنڈ بھیجا، جو شام تک اس کی حفاظت کرتا رہا۔ رات کے وقت ایک سیلاب آیا اور لاش بہالے گیا، یوں عاصم کے سر سے شراب پینے کی ان کی ماں کی قسم کبھی پوری نہ ہو سکی۔

جہاں تک دو قیدیوں، خبیب بن عدی (قبیلہ اوس) اور زید بن دثنہ (قبیلہ خزرج) کا تعلق ہے، انہیں قریش کے ہاتھوں بیچ دیا گیا، جو ابھی تک بدر میں اپنے مارے جانے والے افراد کا بدلہ لینے کا موقع تلاش کر رہے تھے۔ خبیب کو بنی نوفل کے ایک حلیف نے خریدا اور ایک شخص کے حوالے کیا تاکہ وہ اپنے والد کے انتقام میں خبیب کو قتل کرے۔ اسی طرح صفوان نے زید کو اپنے والد کے بدلے میں قتل کرنے کے لیے خریدا۔

ان دونوں کو مکہ میں قید رکھا گیا یہاں تک کہ مقدس مہینے گزر گئے۔ صفر کے مہینے کا چاند دیکھنے کے بعد انہیں حرم کی حدود سے باہر تنعیم لے جایا گیا۔ وہاں پہلی مرتبہ قید کے بعد دونوں ایک دوسرے سے ملے، گلے ملے اور صبر کی تلقین کی۔ بعد ازاں بنی نوفل اور دیگر افراد خبیب کو لے گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ اسے ایک ستون سے باندھنے والے ہیں، تو خبیب نے پہلے نماز ادا کرنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور کہا جاتا ہے کہ موت کے وقت نماز پڑھنے کی روایت انہی سے شروع ہوئی۔

پھر انہوں نے خبیب کو ستون سے باندھ کر کہا: "اسلام سے پھر جاؤ، ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔" خبیب نے جواب دیا: "اگر تمام دنیا میرے لیے ہو جائے تب بھی میں اسلام سے نہیں پھروں گا۔" انہوں نے پوچھا: "کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ ﷺ تمہاری جگہ ہوں اور تم اپنے گھر میں سکون سے بیٹھے رہو؟" خبیب نے جواب دیا: "میں یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ محمد ﷺ کو ایک کانٹے کا بھی نقصان پہنچے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔"

پھر انہوں نے کہا: "اسلام چھوڑ دو خبیب، ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔" خبیب نے کہا: "اللہ کے لیے میرا قتل ہونا معمولی بات ہے اگر میں اس کی راہ میں ہوں۔" اس کے بعد انہوں نے کہا: "جہاں تک تم میرا رخ قبلہ سے پھیر رہے ہو، اللہ فرماتا ہے: تم جہاں بھی اپنا رخ موڑو، وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔[1]"

پھر خبیب نے دعا کی: "اے اللہ، یہاں کوئی نہیں جو تیرے رسول کو میرا اسلام پہنچا سکے، لہٰذا تو خود میرا اسلام ان تک پہنچا دے۔"

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک آپ ﷺ پر وحی کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "خبیب پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو!" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جبرائیل ہیں، جو خبیب کی طرف سے سلام پہنچا رہے ہیں۔[2]"

قریش نے بدر میں مارے جانے والے اپنے چالیس مقتولوں کے بیٹوں کو نیزے دیے اور کہا: "یہ وہ شخص ہے جس نے تمہارے باپوں کو قتل کیا۔" انہوں نے خبیب کو نیزوں سے مارا، مگر وہ فوراً نہ مرے۔ پھر ایک آدمی نے لڑکوں میں سے ایک کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور خبیب کو مہلک زخم دیا۔ اس کے باوجود وہ ایک گھنٹے تک زندہ رہے اور مسلسل کلمہ شہادت دہراتے رہے۔

ان کے ساتھی قیدی زید کو بھی قتل کر دیا گیا۔ انہوں نے بھی موت سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی اور انہی سوالات کے وہی جوابات دیے۔ اس موقع پر اخنس بن شریق، جو قبیلہ زہرہ کا حلیف تھا، نے کہا: "کسی باپ کو اپنے بیٹے سے اتنی محبت نہیں ہوتی جتنی محمد ﷺ کے ساتھیوں کو محمد ﷺ سے ہے۔"

[1] II, 115. [2] W.360

جب حضرت عبیدہ نے بدر کے معرکے کے آغاز میں عتبہ کے ساتھ انفرادی مقابلے کے بعد شہادت پائی، تو ان کی بیوہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ، جو ان سے بہت کم عمر تھیں، بیوہ ہو گئیں۔ زینب رضی اللہ عنہا کا تعلق بنو عامر کے بدو قبیلے سے تھا، اور وہ اپنی سخاوت کی وجہ سے پہلے ہی اسلام کے آنے سے قبل "ام المساکین" کے نام سے مشہور تھیں۔

شادی کے ایک سال بعد بھی جب وہ تنہا تھیں، تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی، اور انہوں نے خوشی سے قبول کیا۔ مسجد کے ساتھ ملحقہ آپ ﷺ کے گھر میں ان کے لیے چوتھا حجرہ بنایا گیا۔ اسی نئی نسبت کے سلسلے میں قبیلہ عامر کے بزرگ سردار، ابوبراء، نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کے لیے آئے۔ اسلام کی دعوت دی گئی، تو انہوں نے کوئی انکار نہ کیا، لیکن فوری طور پر اسلام قبول نہ کیا۔ انہوں نے درخواست کی کہ کچھ مسلمان ان کے قبیلے کو دین کی تعلیم دینے کے لیے بھیجے جائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انہیں خطرہ ہے کہ دوسرے قبائل حملہ کریں گے، کیونکہ بنو عامر قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھا، اور ان کا علاقہ بنو سلیم اور غطفان جیسے قریبی قبائل کے درمیان تھا، جو مدینہ کے لیے مسلسل خطرہ تھے۔ لیکن ابوبراء نے وعدہ کیا کہ ان کی حفاظت کی جائے گی۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے 40 صحابہ کرام کا انتخاب کیا جو دینداری اور علم میں نمایاں تھے، اور ان کی قیادت خزرج کے منذر بن عمرو کے سپرد کی۔

تاہم مدینہ میں یہ معلوم نہیں تھا کہ ابوبراء کی سرداری قبیلے کے اندر متنازعہ تھی۔ ان کے بھتیجے، جو خود سردار بننے کی خواہش رکھتے تھے، نے ان صحابہ کرام میں سے ایک کو قتل کر دیا جو نبی اکرم ﷺ کا خط لے کر آگے بھیجا گیا تھا، اور قبیلے کو باقی مسلمانوں کو قتل کرنے پر اکسایا۔ جب قبیلہ ابوبراء کے وعدے کی حمایت میں کھڑا ہوا، تو ان کے بھتیجے نے بنو سلیم کے دو قبیلوں کو بھڑکایا، جو حال ہی میں مدینہ کے ساتھ جنگ میں ملوث تھے۔

بنو سلیم کے گھڑ سواروں نے مسلمانوں کے وفد پر بئر معونہ کے قریب حملہ کیا اور تمام افراد کو شہید کر دیا، سوائے دو افراد کے جو اونٹوں کو چرانے کے لیے باہر گئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت حارث بن صمہ تھے، جو احد میں شجاعت کے جوہر دکھا چکے تھے، اور دوسرے حضرت عمرو بن امیہ ضمری تھے۔

جب یہ دونوں واپس لوٹے، تو انہوں نے دیکھا کہ گدھ بڑی تعداد میں کیمپ کے اوپر منڈلا رہے ہیں، جیسے میدان جنگ کے بعد۔ کیمپ پہنچ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو خون میں لت پت پڑا ہوا پایا، اور حملہ آوروں کو قریب کھڑے ایک دوسرے سے بات کرتے دیکھا۔ عمرو نے مدینہ لوٹ کر خبر دینے کا کہا، لیکن حارث نے کہا: "میں اس میدان میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا جہاں منذر شہید ہو چکے ہیں۔" انہوں نے دشمن پر حملہ کر دیا اور دو افراد کو قتل کیا، لیکن پھر انہیں اور عمرو کو قید کر لیا گیا۔

حیرت انگیز طور پر دشمن نے ان دونوں کو قتل کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا، حتیٰ کہ حارث کو بھی، جنہوں نے ان کے دو افراد کو ابھی قتل کیا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے۔ حارث نے کہا کہ انہیں منذر کی لاش تک لے جایا جائے، ہتھیار دیے جائیں اور چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ ان سب سے لڑ سکیں۔ ان کی خواہش پوری کی گئی، اور انہوں نے مزید دو افراد کو قتل کیا، یہاں تک کہ وہ خود شہید ہو گئے۔ عمرو کو آزاد کر دیا گیا، اور ان سے کہا گیا کہ اپنے شہید ساتھیوں کے نام بتائیں۔

"وہ ان کے ساتھ ہر ایک کے پاس گئے، اور انہیں ان کا نام اور نسب بتایا۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا ان میں سے کوئی لاپتہ ہے۔ 'ابو بکر کا ایک آزاد کردہ غلام،' اس نے کہا، 'عامر بن فہیرہ نامی، مجھے نہیں ملا۔ حملہ آوروں نے ان سے پوچھا: "وہ تمہارے گروہ میں کس مقام پر تھے؟"
عمرو نے جواب دیا: "وہ ہم میں سب سے بہتر افراد میں سے ایک تھے، اور ہمارے نبی کے اولین صحابہ میں سے تھے۔"

پھر ایک حملہ آور نے کہا: "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟"
انہوں نے جبار نامی ایک شخص کو بلایا، جو خود عامر بن فہیرہ کو قتل کر چکا تھا۔ جبار نے بتایا کہ اس نے عامر کو پیچھے سے برچھی مار کر ان کے کندھوں کے درمیان وار کیا، جس کا سرا ان کے سینے سے باہر نکل آیا۔ عامر نے آخری سانس لیتے ہوئے کہا: "خدا کی قسم، میں کامیاب ہو گیا۔"

یہ الفاظ جبار کو حیران کر گئے، کیونکہ اسے لگتا تھا کہ کامیابی کا حق اس کا ہے۔ جب اس نے برچھی باہر نکالی، تو مزید حیرانی ہوئی جب عامر کا جسم غیب سے آنے والے ہاتھوں نے اٹھایا اور آسمان میں بلند کر دیا، یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

جب جبار کو بتایا گیا کہ عامر کی "کامیابی" جنت کے حصول کا ذکر تھا، تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اس واقعے کی خبر سنی تو فرمایا کہ فرشتے عامر کو "علیین[1]" لے گئے، جو بلند ترین جنتوں میں سے ایک ہے[2]۔

بنو سلیم کے افراد اپنے قبیلے میں واپس گئے اور بار بار یہ واقعہ سنایا گیا۔ یہ ان کے اسلام قبول کرنے کی ابتدا تھی۔

جہاں تک عمرو کا تعلق ہے، وہ مدینہ واپس جاتے ہوئے راستے میں بنو عامر کے دو افراد کو قتل کر بیٹھے، یہ سمجھ کر کہ وہ اپنے شہید ساتھیوں کا بدلہ لے رہے ہیں۔ لیکن یہ دونوں افراد بے گناہ تھے، اور ابو براء کے حامی تھے، جو ایمان لانے والوں کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات پر زور دیا کہ ان مقتولین کے ورثاء کو خون بہا ادا کیا جائے۔

[1] W.349. [2] K. LXXXIII, 18-1 9.

LVII

Bani Nadir

بنو نضیر

یہودی قبیلہ بنو نضیر کا عرصے سے بنو عامر کے ساتھ حلیفانہ تعلق تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ان سے خون بہا کی ادائیگی میں مدد طلب کی جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ، ابو بکر، عمر اور دیگر صحابہ کے ساتھ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سامنے اپنا مدعا رکھا۔ انہوں نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنے کی دعوت دی۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ دعوت قبول کی، اور ان میں سے کچھ یہودی بظاہر مہمان نوازی کی تیاری کے بہانے پیچھے ہٹ گئے، جن میں ان کے سردار حیی بھی شامل تھے۔ تاہم، اسی دوران جبرائیل امین نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ کو یہ اطلاع دی کہ یہودی آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں اور فوراً مدینہ واپس جانے کا حکم دیا۔

آپ ﷺ خاموشی سے مجلس سے اٹھ کر روانہ ہو گئے، اور صحابہ نے یہ سمجھا کہ آپ جلد واپس آ جائیں گے۔ لیکن جب کافی وقت گزر گیا اور آپ ﷺ واپس نہ آئے تو ابو بکر نے دیگر صحابہ سے کہا کہ ہمیں بھی وہاں سے چلنا چاہیے۔ چنانچہ وہ یہودیوں سے اجازت لے کر نبی اکرم ﷺ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں واقعہ کی تفصیل بتائی اور پھر محمد بن مسلمہ کو بنو نضیر کے پاس بھیجا تاکہ ان تک آپ کا پیغام پہنچائیں۔

محمد بن مسلمہ تیزی سے بنو نضیر کی بستیوں میں گئے، جہاں ان کے سردار باہر آ گئے۔ انہوں نے کہا: "اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور فرماتے ہیں: تم نے مجھے قتل کرنے کی سازش کر کے ہمارے معاہدے کو توڑ دیا ہے۔" پھر انہوں نے سازش کی تفصیلات بتائیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں بتایا تھا، اور ان کے لیے حتمی پیغام دیا:

> "نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: میں تمہیں دس دن دیتا ہوں کہ تم میری سرزمین چھوڑ دو۔ جو کوئی اس مدت کے بعد یہاں پایا گیا، اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔"

> یہ سن کر یہودیوں نے کہا: "اے ابن مسلمہ، ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ قبیلہ اوس کا کوئی شخص ہمیں ایسا پیغام دے گا۔"

> محمد بن مسلمہ نے جواب دیا: "دل بدل گئے ہیں۔"

یہودیوں میں سے زیادہ تر نے تیاری شروع کر دی کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں، لیکن عبداللہ بن ابی نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ قیام کریں اور ان کی مدد کا وعدہ کیا۔ حیی نے بھی بڑی مشکل سے انہیں راضی کر لیا کہ وہ ڈٹے رہیں، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ان کے بدو حلیف اور بنو قریظہ کے یہودی ان کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ حیی نے فوری طور پر مدد کے لیے اپیلیں بھیجیں اور نبی اکرم ﷺ کو پیغام بھیجا:

> "ہم اپنے گھر اور مال و اسباب نہیں چھوڑیں گے، جو تم کر سکتے ہو کر لو۔"

> نبی اکرم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: "اللہ اکبر،" اور صحابہ نے بھی یہ الفاظ دہرائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہودیوں نے اعلان جنگ کر دیا ہے۔"

فوراً آپ ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا اور عَلَم علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر بنو نضیر کی بستیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو شہر کے جنوب میں تھوڑی دوری پر تھیں

مدینہ کے باہر یہودی قبیلہ بنو نضیر کی بستیوں پر نبی اکرم ﷺ نے چڑھائی کی۔ پہلی نماز عصر ایک کھلے میدان میں ادا کی گئی جو یہودیوں نے دفاعی دیواروں کے باہر خالی کر دیا تھا۔ نماز کے بعد، آپ ﷺ افواج کو قلعہ بند بستیوں کی جانب لے گئے۔

قلعے کے بلند حصوں پر تیر انداز اور پتھر پھینکنے والے اپنی پوزیشن پر تھے، اور اگر دیواروں پر حملہ ہوتا تو پتھروں کے بڑے ذخیرے بھی ان کے استعمال میں تھے۔ دونوں طرف سے تیر اندازی اور پتھر بازی کا سلسلہ شام تک جاری رہا۔

یہودی اس سرعت سے کیے گئے حملے پر حیران تھے، مگر انہیں امید تھی کہ اگلے دن بنو قریظہ یا عبد اللہ بن ابی کی مدد آئے گی، اور دو یا تین دن میں بنو غطفان کے حلیف بھی پہنچ جائیں گے۔ دوسری طرف، مسلمان فوج میں مدینہ سے مسلسل مددگار شامل ہو رہے تھے، جو مختلف وجوہات کی بنا پر ابتدائی لشکر میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔

رات کی نماز تک یہ لشکر اتنا بڑھ چکا تھا کہ یہودیوں کی بستی کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے رات کی نماز پڑھائی اور پھر دس صحابہ کے ساتھ مدینہ واپس چلے گئے، جبکہ علی رضی اللہ عنہ کو کیمپ کی نگرانی سونپ دی۔ رات بھر مسلمان اللہ کی تکبیر بلند کرتے رہے، اور فجر کی نماز تک ذکر جاری رہا۔ نبی اکرم ﷺ صبح کے دوران دوبارہ لشکر میں شامل ہو گئے۔

کئی دن گزرنے کے بعد بنو نضیر کو مدد ملنے کی امید ختم ہونے لگی۔ بنو قریظہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے معاہدے کو توڑنے سے انکار کر دیا، بنو غطفان خاموش رہے، اور عبد اللہ بن ابی بھی کچھ نہ کر سکا۔

جب محاصرہ طویل ہوا تو قبیلے میں اندرونی تنازعات شدت اختیار کر گئے۔ پہلے ہی ان کے درمیان اختلافات تھے، اور اب مدد نہ ملنے کی وجہ سے حالات ناقابل برداشت ہو گئے۔ دس دن سے زیادہ گزر جانے کے بعد، نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ قلعوں کے قریب موجود کھجور کے چند درخت کاٹ دیے جائیں۔ یہ عمل، جو خدا کے اذن سے کیا گیا[1]، دشمن کے حوصلے توڑنے میں مؤثر ثابت ہوا۔

یہودی اپنے کھجور کے باغات پر فخر کرتے تھے، جو ان کی معیشت کا بڑا ذریعہ تھے۔ اگر وہ اس وقت اپنی زمین چھوڑتے تو بھی امید کرتے کہ مستقبل میں واپس آ سکیں گے۔ لیکن اگر کھجور کے درخت کاٹ دیے جاتے، تو ان کے لیے زمین کا دوبارہ حاصل کرنا بے فائدہ ہوتا۔

یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ کو پیغام بھیجا کہ وہ زمین چھوڑنے کو تیار ہیں، لیکن نبی اکرم ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ وہ صرف وہی چیزیں لے جا سکتے ہیں جو اونٹوں پر لادی جا سکیں، لیکن ہتھیار نہیں۔

ابتدا میں حیی نے انکار کیا، لیکن قبیلے کے دیگر افراد نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اس شرط کو قبول کریں۔ یہودیوں نے اپنی تیاری شروع کر دی اور اپنے گھروں کے دروازے اور دیگر سامان اونٹوں پر لاد لیا۔ جب وہ روانہ ہوئے، تو شام کے راستے شمال کی طرف روانہ ہونے والا ایسی شان و شوکت کا قافلہ انسانی یادداشت میں پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔

.K.LIX, 5 [1]

مدینہ کے بازار سے گزرتے ہوئے، بنی نضیر کے اونٹ ایک قطار میں چل رہے تھے، اور ہر اونٹ جب گزرتا، تو اس کی زینت اور بوجھ کی دولت سے لوگ حیران ہو جاتے تھے۔ ہوڈوں کے شاندار پردے کھینچے گئے تھے تاکہ ان عورتوں کو دکھایا جا سکے جو ریشم، بروکیڈ یا مخمل کے کپڑوں میں ملبوس تھیں، سبز یا سرخ رنگوں میں، اور ان میں سے بیشتر قیمتی سونے کے زیورات سے لدی ہوئی تھیں، جو یاقوت، زمرد اور دیگر قیمتی پتھروں سے مزین تھے۔ بنی نضیر کو مالدار سمجھا جاتا تھا، لیکن اب تک ان کی دولت کا صرف ایک چھوٹا حصہ ہی دوسروں نے دیکھا تھا۔ وہ ٹمبلر اور بانسری کے موسیقی کے ساتھ اپنی راہ پر روانہ ہوئے اور فخر سے یہ اعلان کیا کہ اگر انہوں نے اپنے کھجور کے درخت چھوڑ دیے ہیں تو ان کے پاس دوسری جگہوں پر اتنے ہی اچھے درخت ہیں اور وہ اب ان کی طرف جا رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ خیبر کی زمین پر بس گئے، جبکہ کچھ نے شمال کی طرف سفر کیا اور یروشلم یا جنوبی شام میں سکونت اختیار کی۔

وحی کے مطابق، بنی نضیر کی زمین اور ان کے پیچھے چھوڑے گئے تمام مال و دولت کا مالک پیغمبر ﷺ تھے، اور یہ مال فقراء اور ضرورت مندوں کو، خاص طور پر ان پناہ گزین مہاجرین کو دیا جانا تھا جو اپنے گھروں سے نکالے گئے تھے۔[1] صرف دو انصار کو حصہ دیا گیا، اور وہ بھی ان کی غربت کی وجہ سے۔ لیکن پیغمبر ﷺ نے مہاجرین کو زیادہ حصہ دے کر انہیں خود مختار بنا دیا، اور اس طرح انصار پر سے بھاری بوجھ کم کر دیا۔

[1]LIX,8.

LVIII

Peace and War

امن اور جنگ

وہ مہینے جو اس کے بعد آئے، عیسوی 626 کے نئے سال کے قریب، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک اور بیٹے کو جنم دیا۔ نبی ﷺ کو نام "الحسن" اتنا پسند آیا کہ آپ نے چھوٹے بھائی کا نام "الحسین" رکھا، جس کا مطلب ہے "چھوٹا حسن"، یعنی "چھوٹا خوبصورت"۔ تقریباً اسی وقت ان کی نئی بیوی زینب رضی اللہ عنہا، جو "یتیموں کی ماں" کہلاتی تھیں، بیمار ہو گئیں اور ان کا انتقال ہو گیا، شادی کے آٹھ ماہ سے بھی کم عرصے بعد۔ نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں بقیع میں دفن کیا، جو کہ ان کی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے قریب تھی۔ اگلے مہینے نبی ﷺ کے چچازاد ابو سلمہ اُحد کی جنگ کے ایک زخم کی وجہ سے وفات پا گئے، جو جلدی بھر گیا تھا لیکن دوبارہ کھل گیا۔۔ نبی ﷺ ان کے پاس تھے جب وہ آخری وقت میں سانس لے رہے تھے اور انہوں نے ان کے لیے دعا کی؛ اور نبی ﷺ ہی وہ شخص تھے جنہوں نے ان کی آنکھیں بند کیں۔

ابو سلمہ اور ان کی بیوی ایک دوسرے کے لیے بہت وفادار تھے، اور انہوں نے ایک دوسرے سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ایک کا انتقال ہو جائے تو دوسرا دوبارہ شادی نہیں کرے گا، مگر ابو سلمہ نے اپنی بیوی کو کہا تھا کہ اگر وہ پہلے فوت ہو جائے تو وہ دوبارہ شادی کرے، اور انہوں نے دعا کی: "اللہ میری بیوی ام سلمہ کے لیے میرے بعد ایسا شخص دے جو مجھ سے بہتر ہو، جو اسے کوئی غم یا تکلیف نہ دے۔" ان کی موت کے چار ماہ بعد، نبی ﷺ نے ام سلمہ کے ہاتھ کی درخواست کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں ڈر تھا کہ وہ ان کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ "میں ایک ایسی عورت ہوں جس کا بہترین وقت گزر چکا ہے، اور میں یتیم بچوں کی ماں ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے اندر حسد کی انتہائی فطرت ہے، اور آپ، اللہ کے رسول، پہلے ہی کئی بیویوں کے مالک ہیں۔" نبی ﷺ نے جواب دیا: "عمر میں، میں تم سے بڑا ہوں؛ تمہارے حسد کے بارے میں، میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ اسے تم سے دور کر دے؛ اور تمہارے یتیم بچوں کے بارے میں، اللہ اور اس کا رسول ان کی دیکھ بھال کرے گا۔" اور اس طرح وہ شادی کے بندھن میں بندھ گئے، اور نبی ﷺ نے انہیں زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہائش دی۔

ام سلمہ نے جو اپنی عمر کے بارے میں کہا تھا کہ وہ بڑی ہو چکی ہیں، دراصل وہ ابھی بھی جوان تھیں، اور ان کی عمر بیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ صرف اٹھارہ سال کی تھیں جب انہوں نے ابو سلمہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ جہاں تک ان کے حسد کا تعلق ہے، ان کو یہ خوف تھا کہ یہ شادی ان کے لیے آزمائش بنے گی، اور وہ اس خوف میں اکیلی نہیں تھیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو بغیر کسی مشکل کے قبول کیا تھا، اور زینب رضی اللہ عنہا کو بھی؛ لیکن اس نئی بیوی کے ساتھ معاملہ مختلف تھا، کچھ نہ کچھ وجہ یہ بھی تھی کہ وہ خود بڑی ہو چکی تھیں، اور ان کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اکثر ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مل چکی تھی، اور یہ دونوں ہی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی تیاریوں میں شریک تھیں۔ لیکن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کبھی بھی ام سلمہ کو ممکنہ حریف کے طور پر نہیں دیکھا تھا۔ اب جب کہ مدینہ میں سب لوگ نبی ﷺ کی نئی شادی اور ان کی دلہن کی خوبصورتی کی باتیں کر رہے تھے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پریشان اور فکر مند ہو گئی تھیں۔ "میں بہت غمگین تھی،" وہ کہتی ہیں، "کیونکہ وہ جو کچھ مجھے ان کی خوبصورتی کے بارے میں بتا رہے تھے، اس سے میں بہت زیادہ اداس تھی، اس لیے میں نے خود کو اس کے لیے خوش گوار بنانے کی کوشش کی۔"

"میں نے اسے قریب سے دیکھا اور دیکھا کہ وہ ان کی کہی گئی باتوں سے کئی گنا زیادہ خوبصورت تھی۔ میں نے حفصہ کو اس بارے میں بتایا اور اس نے کہا: 'نہیں، یہ صرف تمہارا حسد ہے؛ وہ ایسی نہیں ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔' پھر اس نے بھی ام سلمہ کے ساتھ خوشگوار برتاؤ کیا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے فیصلہ کر سکے، اور اس نے کہا: 'میں نے اسے دیکھا، لیکن وہ تمہاری کہی ہوئی طرح نہیں ہے، نہ ہی اس کے قریب، مگر وہ واقعی خوبصورت ہے۔' پھر میں اسے دوبارہ دیکھنے گئی، اور خدا کی قسم، وہ حفصہ کی کہی بات جیسی تھی۔ پھر بھی میں حسد کرتی تھی۔[1]"

دوسری بدری لڑائی کا وقت قریب آرہا تھا، جو ابوسفیان کے احد کے بعد کے چیلنج کے مطابق تھی، جسے نبی ﷺ نے قبول کیا تھا۔ لیکن یہ قحط کا سال تھا، اور ابوسفیان نے دیکھا کہ راستے میں ان کے اونٹوں اور گھوڑوں کے لیے کچھ بھی سبزہ نہیں ہوگا۔ انہیں اس مہم کے لیے سارا چارہ مکہ سے لے کر آنا ہوگا، اور ان کے ذخیرے پہلے ہی کم ہو چکے تھے۔ لیکن وہ اس بے عزتی سے بچنا چاہتے تھے کہ جو وعدہ انہوں نے خود کیا تھا، وہ اسے توڑیں۔ یہ ضروری تھا کہ محمد ﷺ وہ وعدہ توڑیں، لیکن یثرب سے خبریں آئیں کہ وہ پہلے ہی روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ کیا انہیں اپنے ارادے کو بدلنے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا؟ ابوسفیان نے سہیل اور چند دوسرے قریش کے رہنماؤں کے ساتھ مشورہ کیا، اور ایک منصوبہ تیار کیا۔ اس وقت مکہ میں سہیل کا دوست نُعیم بن مسعود، بنو اشجاع کا ایک سرکردہ آدمی، موجود تھا۔ انہوں نے سوچا کہ وہ قابل اعتماد ہے، اور چونکہ وہ قریش کا نہیں تھا، اس لیے وہ ایک غیر جانبدار اور غیر متعصب مشاہدہ کنندہ کے طور پر کام کر سکتا تھا۔ انہیں اس نے بیس اونٹ دینے کی پیشکش کی، اگر وہ مسلمانوں کو بدر جانے کے اپنے ارادے سے باز رکھ سکتا تھا۔ نُعیم نے اتفاق کیا اور فوراً (Oasis) یثرب کے لیے روانہ ہو گیا، جہاں اس نے ابوسفیان کی جانب سے بدر جانے کی تیاریوں کے بارے میں ایک خطرناک تصویر پیش کی۔ اس نے ہجرت کرنے والوں، انصار، یہودیوں اور منافقوں کے مختلف حصوں سے بات کی، اور اپنی تشویش کا اختتام اس پر کیا: "لہٰذا یہاں رہو اور ان کے خلاف نہ جاؤ۔ خدا کی قسم، مجھے نہیں لگتا کہ تم میں سے کوئی بھی اپنی جان بچا سکے گا۔"

یہودیوں اور منافقوں نے مکہ کی جنگی تیاریوں کی خبریں سن کر خوشی کا اظہار کیا، اور انہوں نے یہ خبریں شہر بھر میں پھیلانے میں مدد کی۔ نُعیم نے مسلمانوں پر بھی اثر ڈالا، جن میں سے بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ بدر جانے کا ارادہ واقعی بہت غیر دانشمندی کا ہوگا۔ اس رویے کی خبریں نبی ﷺ تک پہنچ گئیں، اور انہوں نے یہ خوف محسوس کیا کہ شاید کوئی بھی ان کے ساتھ بدر نہیں جائے گا۔ لیکن ابو بکر اور عمر نے انہیں سختی سے یہ مشورہ دیا کہ وہ ہرگز اپنا وعدہ توڑنے نہ دیں۔ "اللہ اپنی دین کی مدد کرے گا،" انہوں نے کہا، "اور اپنے رسول کو قوت دے گا۔" "میں ضرور جاؤں گا،" نبی ﷺ نے کہا، "چاہے مجھے اکیلا ہی جانا پڑے۔"

یہ چند الفاظ نُعیم کے لیے اس کی اونٹوں کی قیمت بن گئے، اور اس کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں جب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کامیاب ہو چکا ہے۔ لیکن اپنے آپ میں، وہ اس بات سے متاثر ہوا کہ اس کی مہم مکمل طور پر ناکام ہو چکی تھی: مدینہ میں کوئی ایسی طاقت کام کر رہی تھی جو اس کے اثر ورسوخ اور تجربے سے بالاتر تھی، اور اسلام کے بیج اس کے دل میں بوئے گئے۔ نبی ﷺ نے اپنی اصل منصوبہ بندی کے مطابق پندرہ سو افراد پر مشتمل ایک لشکر روانہ کیا، جن میں سے دس سوار تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ تجارتی سامان ساتھ لے کر گئے تھے، تاکہ بدر کے میلے میں تجارت کر سکیں۔

[1] I.S.VIII, 66.

اسی دوران ابو سفیان نے قریش سے کہا: "چلیں ہم ایک یا دو راتیں راستے پر گزاریں، پھر واپس لوٹ آئیں۔ اگر محمد ﷺ نہیں نکلتے تو وہ سنیں گے کہ ہم روانہ ہوئے تھے اور پھر واپس آ گئے کیونکہ وہ ہمارے ساتھ مقابلہ کرنے نہیں آئے۔ یہ ان کے خلاف اور ہمارے حق میں شمار ہو گا۔" لیکن ایسا ہوا کہ نبی ﷺ اور ان کے ساتھی بدر کے میلے پر آٹھ دن گزارے، اور جو لوگ وہاں پہنچے تھے انہوں نے یہ خبر دور دور تک پہنچا دی کہ قریش نے اپنا وعدہ توڑ دیا تھا، لیکن محمد ﷺ اور ان کے پیروکاروں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور قریش کے خلاف لڑنے آ گئے جیسا کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ جب مکہ میں ان کے دشمن کی بڑی اخلاقی فتح اور اپنی اخلاقی شکست کی خبر پہنچی تو صفوان اور دوسرے لوگوں نے ابو سفیان کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا کہ اس نے بدر کی دوسری لڑائی کی تجویز کیوں دی۔ لیکن اس شرمندگی کے باوجود انہوں نے اپنے منصوبے کو مزید شدت سے تیار کیا تاکہ نئے دین کے بانی اور ان کے پیروکاروں سے مستقل اور آخری انتقام لے سکیں۔

بدر سے واپسی کے بعد نبی ﷺ کو مدینہ میں ایک مہینے کی سکونت حاصل ہوئی، اور پھر پانچویں اسلامی سال کے آغاز میں، جون 626 میں، خبر آئی کہ غطفان کے کچھ قبیلے دوبارہ یثرب (Oasis) پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ فوراً 400 افراد کے ساتھ نجد کے میدان کی طرف روانہ ہوئے، لیکن دشمن اس بار بھی ان کے قریب پہنچنے پر غائب ہو گیا۔ یہ وہ مہم تھی جس میں جب وہ دشمن کے قریب پہنچے، نبی ﷺ کو وحی آئی کہ وہ "نماز خوف" کے بارے میں کیسے ادا کریں، یعنی جب فوج خطرے میں ہو تو نماز کے مخصوص افعال میں تبدیلی کیسے کی جائے، اور کچھ لوگ نگرانی کرتے ہوئے نماز پڑھیں[1]۔

اس فوج کے ساتھ جانے والے انصار میں سے ایک جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ بعد میں انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا جو ان کے قافلے کے ایک پڑاؤ میں پیش آیا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب ایک صحابی ایک ننھا پرندہ لے کر آئے جو انہوں نے پکڑا تھا، اور اس کے والدین میں سے ایک پرندہ آیا اور اپنے بچے کو لینے والے کے ہاتھوں پر گر گیا جس نے اس کے بچے لے لیے تھے۔ میں نے لوگوں کے چہروں پر حیرت دیکھی، اور نبی ﷺ نے کہا: 'کیا تم اس پرندے پر حیران ہو؟ تم نے اس کے بچے کو پکڑ لیا، اور وہ اپنے بچے کے لئے رحم سے اپنے آپ کو تمہارے ہاتھ میں پھینک دیتا ہے۔ لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارا رب تم پر اس پرندے کے اپنے بچے پر رحم کرنے سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"[2] اور انہوں نے کہا کہ وہ شخص بچہ واپس اسی جگہ رکھ دے جہاں سے اس نے پکڑا تھا۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا: "اللہ کے پاس سو رحمتیں ہیں، اور ان میں سے ایک رحمت وہ جنوں، انسانوں، مویشی اور درندوں میں تقسیم کر دی گئی ہے۔ اسی کے ذریعے وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور رحمت سے پیش آتے ہیں، اور اسی کے ذریعے جنگلی جانور اپنی اولاد کی طرف نرم دلی سے مائل ہوتے ہیں۔ اور نوے نو رحمتیں اللہ نے اپنے لیے محفوظ رکھی ہیں، تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرے۔[3]"

جابر نے یہ بھی ذکر کیا کہ مدینہ واپس جاتے ہوئے زیادہ تر فوج آگے بڑھ گئی، جبکہ نبی ﷺ اور چند ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔ لیکن جابر کی اونٹنی بوڑھی اور کمزور تھی، اور وہ مرکزی فوج کے ساتھ نہیں چل پا رہی تھی، تو نبی ﷺ ان کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ وہ اتنے پیچھے کیوں ہیں۔ "اے اللہ کے رسول ﷺ،" انہوں نے کہا، "میری یہ اونٹنی مزید نہیں چل سکتی۔" نبی ﷺ نے فرمایا: "اسے بٹھا دو،" اور خود اپنی اونٹنی کو بھی بٹھا دیا۔ پھر فرمایا: "یہ چھڑی مجھے دو،" جو میں نے دے دی۔

[1] IV. 101-2. [2] W,487. [3] M. XLIX, 4

نبی ﷺ نے چھڑی لے کر جابر کی اونٹنی کو ایک یا دو دفعہ ہلکا سا مارا، پھر فرمایا: "سوار ہو جاؤ"، اور ہم چل پڑے۔ "قسم ہے اس ذات کی جس نے سچائی کے ساتھ رسول بھیجا، میری اونٹنی ان کی اونٹنی سے تیز دوڑ رہی تھی۔"

"راستے میں میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بات کی اور انہوں نے مجھ سے پوچھا: 'کیا تم مجھے اپنی یہ اونٹنی بیچنا چاہتے ہو؟' میں نے کہا: 'میں اسے آپ کو دے دوں گا۔' نبی ﷺ نے فرمایا: 'نہیں، بلکہ مجھے یہ بیچ دو۔' جابر نے نبی ﷺ کی آواز کے لہجے سے سمجھا کہ وہ چاہ رہے ہیں کہ وہ قیمت پر بات کریں۔ جابر نے کہا: 'میں نے نبی ﷺ سے قیمت بتانے کو کہا اور انہوں نے کہا: "میں اسے ایک درہم میں لے لوں گا۔" میں نے کہا: 'نہیں، اس سے کم قیمت مت دو، یہ بہت کم ہو گا۔' پھر نبی ﷺ نے کہا: 'دو درہم میں لے لوں گا۔' میں نے کہا: 'نہیں'، اور پھر نبی ﷺ قیمت بڑھاتے گئے یہاں تک کہ وہ چالیس درہم تک پہنچے، یعنی ایک اونس سونا، جس پر میں نے رضامندی ظاہر کی۔ پھر نبی ﷺ نے پوچھا: 'کیا تم شادی شدہ ہو جابر؟' جب میں نے کہا کہ ہاں، تو نبی ﷺ نے پوچھا: 'کیا تم نے کسی بیوہ سے شادی کی ہے یا کنواری لڑکی سے؟' میں نے کہا: 'میں نے ایک بیوہ سے شادی کی ہے۔' نبی ﷺ نے فرمایا: 'کیوں کیوں نہ تم ایک لڑکی سے شادی کرتے تا کہ تم دونوں آپس میں کھیل سکو؟' میں نے کہا: 'اے اللہ کے رسول ﷺ، میرے والد احد کے دن شہید ہو گئے تھے اور میرے سات بیٹیاں تھیں، تو میں نے ایک ایسی خاتون سے شادی کی جو میری بیٹیوں کی دیکھ بھال کرے اور ان کے بال سنوارے۔' نبی ﷺ نے کہا کہ تم نے اچھا انتخاب کیا۔ پھر نبی ﷺ نے کہا کہ جب ہم سرار (Sirar) پہنچیں گے، جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، تو وہ اونٹوں کی قربانی کریں گے اور دن وہاں گزاریں گے، اور تمہاری بیوی ہماری واپسی کی خبر سن کر اپنے گدے جھاڑ لے گی۔ میں نے کہا: 'ہمارے پاس کوئی گدے نہیں ہیں۔' نبی ﷺ نے فرمایا: 'وہ آئیں گے۔' 'تو جب تم واپس آؤ گے، جو کرنا ہے وہ کرنا۔"

"واپسی کے بعد، میں نے اپنی اونٹنی لے کر نبی ﷺ کے دروازے کے باہر بٹھا دی۔ نبی ﷺ باہر آئے اور مجھے کہا کہ اونٹنی چھوڑ کر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو، جو میں نے پڑھی۔ پھر انہوں نے بلال کو کہا کہ مجھے سونا تول کر دیں، اور مجھے ایک اونس سونا دیا، جس سے تھوڑا زیادہ دیا۔ میں نے وہ سونا لے کر جانے کا ارادہ کیا، لیکن نبی ﷺ نے مجھے واپس بلایا۔ فرمایا: 'اپنی اونٹنی لے جاؤ، یہ تمہاری ہے[1]، اور وہ قیمت بھی رکھو جو تمہیں دی گئی تھی۔'"

یہ وہ مہینے تھے جب مختلف مہموں کے درمیان، سلمان فارسی نبی ﷺ کے پاس مشورہ اور مدد کے لئے آئے۔ ان کے آقا، بنی قریظہ کا ایک یہودی، انہیں مدینہ کے جنوب میں اتنا کام کراتا تھا کہ وہ مسلم کمیونٹی کے ساتھ قریبی تعلق قائم نہیں کر پائے تھے۔ انہیں بدر یا احد میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا تھا، اور نہ ہی نبی ﷺ کی قیادت میں ہونے والی چھوٹی چھوٹی مہمات میں شریک ہو سکے تھے۔ کیا کوئی طریقہ تھا جس سے وہ اس صورتحال سے بچ سکتے؟ انہوں نے اپنے آقا سے پوچھا کہ انہیں آزاد کرنے کے لیے کیا قیمت ہو گی، لیکن قیمت ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی۔ انہیں چالیس اونس سونا اور تین سو کھجور کے درخت لگانے کی ضرورت تھی۔ نبی ﷺ نے انہیں اپنے آقا سے یہ معاہدہ لکھنے کو کہا کہ وہ سونا ادا کریں گے اور درخت لگائیں گے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنے صحابہ سے کہا کہ سلمان کی مدد کریں، اور انہوں نے ہر ایک نے درخت کے پودے دیے، ایک نے تیس، دوسرے نے بیس، اور اسی طرح آخر کار تین سو درختوں کا انتظام ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "سلمان، جاؤ اور ان درختوں کے لیے کھدائی کرو، اور جب تم کام مکمل کر لو تو مجھے بتاؤ، اور میں ہی ان میں درخت لگاؤں گا۔" صحابہ نے سلمان کی مدد کی اور نبی ﷺ نے خود ان تین سو پودوں میں سے ہر ایک کو لگایا، اور سب کے سب زمین میں جڑ گئے اور بڑھنے لگے۔

[1] I.I. 664.

قیمت کے باقی حصے کے بارے میں، ایک سونے کا ٹکڑا جو ایک انڈے کے سائز کے برابر تھا، حضرت محمد ﷺ کو ایک کان سے دیا گیا تھا، اور آپ ﷺ نے اسے سلمان کو دے کر کہا کہ اس کے ذریعے اپنے آپ کو آزاد کر لو۔ سلمان نے کہا، "یہ میری قیمت کی ادائیگی کے لیے کتنا کام آئے گا؟" کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ قیمت بہت کم لگائی گئی ہے۔ پھر حضرت محمد ﷺ نے وہ سونا سلمان سے لے کر اپنے منہ میں رکھا اور اپنی زبان کے ذریعے اسے گھمایا۔ پھر آپ ﷺ نے وہ سونا سلمان کو واپس دیتے ہوئے کہا، "اسے لے جاؤ، اور اسی سے پوری قیمت ادا کر دو۔" سلمان نے اس میں سے چالیس اونس سونا وزن کر کے ان کو دے دیا، اور اس طرح وہ آزاد ہو گئے[1]۔

مدینہ میں ایک اور مہینے کی امن کی مدت تھی، پھر حضرت محمد ﷺ نے ہزار صحابہ کے ساتھ تقریباً پانچ سو میل شمال کی طرف دومت الجندل کے علاقے کی جانب تیز رفتاری سے سفر کیا۔ یہ علاقہ شام کے سرحدی علاقے میں واقع ایک وادی تھی جو قبیلہ بنی کلب کے لٹیروں سے بھر چکی تھی۔ انہوں نے بار بار مدینہ جانے والے تیل، آٹے اور دیگر سامان کو لوٹ لیا تھا۔ یہ بھی کہا جا رہا تھا کہ انہوں نے قریش کے ساتھ کسی قسم کے معاہدے کیے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شمال سے آ کر اسلام پر حملہ کرنے کے دن کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ اس دن کو ذہن میں رکھتے ہوئے چلے، اور اگرچہ اس مہم کا فوری نتیجہ صرف لٹیروں کا منتشر ہونا اور ان کے مویشی کا قبضہ کرنا تھا جو وادی کے جنوبی چراگاہوں پر چر رہے تھے، اس کے باوجود اس نے شمالی قبائل پر یہ تاثر چھوڑا کہ عرب میں ایک نئی اور تیزی سے بڑھتی ہوئی طاقت کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہ دن گزر چکے تھے جب یثرب میں اندرونی اختلافات تھے جو اسے بیرونی حملوں کے لیے کمزور بناتے تھے۔ اب وہ اختلافات ایک مضبوط اور یکجا قوت سے بدل گئے تھے جو تیز رفتاری سے کہیں بھی حملہ کر سکتی تھی، اور اسے اس سے زیادہ خوفناک بنا دیا تھا کہ وہ یہ جانتا تھا کہ حملہ دفاع کا بہترین ذریعہ ہے۔

یہ ظاہری تاثر تھا؛ مگر جو لوگ قریب سے دیکھ سکتے تھے وہ جانتے تھے کہ طاقت اس سے بھی زیادہ تھی جتنا کہ نظر آتا تھا، کیونکہ یہ ایک ایسی وحدت پر مبنی تھی جو خود ایک معجزہ تھی۔ وحی نے نبی ﷺ سے کہا تھا: "اگر تم زمین میں جو کچھ ہے، خرچ کر دیتے، تو بھی تم ان کے دلوں کو یکجا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو یکجا کر دیا ہے۔[2]" نبی ﷺ کی موجودگی بھی اس اتحاد کو حقیقت میں بدلنے کے اہم ترین ذرائع میں سے ایک تھی۔ اللہ کی حکمت سے، اس موجودگی کی کشش اتنی طاقتور بنا دی گئی تھی کہ کوئی بھی آدمی جو نیک نیتی رکھتا ہو، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ "تم میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لاتا جب تک کہ میں اس کے لیے اس کے بیٹے، اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔[3]" یہ نبی ﷺ کی بات نہ صرف ایک مطالبہ تھی بلکہ ایک ایسے محبت کی تصدیق تھی جو پہلے ہی دلوں میں موجود تھی- ایسی محبت جو اکثر ان الفاظ میں ظاہر ہوتی تھی: "میرے والد اور میری والدہ آپ پر قربان ہوں۔"

امن کا وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آرام کا وقت نہیں تھا۔ آپ نے یہ مثالی اصول پیش کیا کہ ہر چوبیس گھنٹوں کے دورانیے کا ایک تہائی عبادت کے لیے، ایک تہائی کام کے لیے، اور ایک تہائی خاندان کے لیے ہونا چاہیے۔ اس آخری تہائی میں نیند اور کھانے کے اوقات بھی شامل تھے۔ عبادت کے حوالے سے، اس کا زیادہ تر حصہ رات کے وقت ادا کیا جاتا تھا۔ شام اور فجر کی نمازوں کے علاوہ، وہ اسی ترتیب پر نفل نمازیں بھی ادا کرتے تھے۔

[1]1.1. 141-[2]. VIII, 63. [3] M.1,16.

قرآن کی آیات کے طویل تلاوت کی ہدایت دی گئی تھی، اور نبی ﷺ نے توبہ اور تعریف کے مختلف اذکار کو تجویز کیا تھا۔ رات کے طویل عبادت کو پہلی وحیوں کے ذریعے ایک معمول کے طور پر قائم کیا گیا تھا، لیکن وہ جماعت جس نے یہ وحی وصول کی تھی، ایک روحانی منتخب جماعت تھی۔ مدینہ میں بھی شروع میں ایک منتخب جماعت ایمان والوں کی تھی، لیکن حالیہ برسوں میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے کے باعث یہ منتخب جماعت ایک اقلیت بن گئی تھی۔ اس گروہ کا ذکر اس آیت میں کیا گیا تھا تاکہ طویل عبادت کی ذمہ داری کا احساس کم ہو جائے: "یقیناً تمہارا رب جانتا ہے کہ تم رات کا دو تہائی حصہ یا کبھی آدھا حصہ یا ایک تہائی حصہ عبادت میں گزارتے ہو، تم اور تمہارے ساتھ کا گروہ۔ اللہ رات اور دن کا حساب رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم اس کی پوری مقدار کو پورا نہیں کر سکتے، اس لیے اس نے تم پر آسانی کر دی ہے۔ پھر تم میں سے جتنا قرآن آسان ہو سکے، پڑھو۔[1]"

صحابہ میں منتخب افراد نے رات کے وقت عبادت کا سلسلہ جاری رکھا، اور نبی ﷺ نے رات کے آخری تہائی حصے کو خاص طور پر بابرکت قرار دیا تھا: "ہر رات جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی ہوتا ہے، ہمارا رب - برکت والا اور بلند ہو! - آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: 'کیا کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے، تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کیا کوئی ہے جو مجھ سے مانگے، تاکہ میں اسے دوں؟ کیا کوئی ہے جو مجھ سے معافی طلب کرے، تاکہ میں اسے معاف کر دوں؟[2]'" اسی دوران ایک اور آیت نازل ہوئی، جس میں مومنوں کی تعریف کی گئی: "وہ اپنے بستر سے جدا ہو کر اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارنے والے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے، وہ اس میں سے دیتے ہیں۔ اور کوئی جان نہیں سکتا کہ ان کے لیے کس پوشیدہ خوشی کا انعام ہے، جو وہ کرتے تھے۔[3]"

دن کے چوبیس گھنٹوں کے دوران عبادت، کام اور خاندان کے حقوق کی مساوی تقسیم صرف ایک تخمینہ ہو سکتی تھی۔ خاندان کے حوالے سے، نبی ﷺ کا اپنا کوئی کمرہ نہیں تھا، اور ہر شام وہ اس بیوی کے مکان پر منتقل ہو جاتے جن کی باری ہوتی تھی کہ وہ انہیں اگلے چوبیس گھنٹوں کے لیے گھر فراہم کرے۔ دن کے دوران انہیں اپنی بیٹیوں اور پھوپھی صفیہ سے ملاقات ہوتی تھی، یا وہ ان سے ملنے جاتے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا ﷺ اکثر اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو نبی ﷺ کے پاس لاتی تھیں۔ حسن اب تقریباً ڈیڑھ سال کا ہو چکا تھا، اور حسین جو آٹھ ماہ کا تھا، وہ چلنا شروع ہو چکا تھا۔ نبی ﷺ اپنی پوتی امامہ سے بھی بہت محبت کرتے تھے، جو اکثر اپنی والدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ایک دوبار آپ ﷺ نے اسے اپنے کندھے پر مسجد میں لے کر جاتے ہوئے قرآن کی تلاوت کی، اسے رکوع اور سجدے کے دوران نیچے رکھا اور پھر جب آپ ﷺ سیدھے کھڑے ہوئے تو اسے اپنے کندھے پر واپس رکھ لیا[4]۔

ایک اور عزیز شخصیت پندرہ سالہ اسامہ بن زید تھے، جو نبی ﷺ کے لیے اپنے والدین اور اپنی ذات کی وجہ سے بہت عزیز تھے۔ وہ نبی ﷺ کے گھرانے کے نواسے تھے اور اکثر آپ ﷺ کے گھر میں یا اس کے دروازے کے قریب ملتے تھے۔

اکثر دوپہروں میں نبی ﷺ ابو بکر سے ملاقات کرتے جیسے مکہ مکرمہ میں کرتے تھے۔ خاندان اور کام کے مطالبات میں ایک حد تک ہم آہنگی تھی، کیونکہ وہ اکثر ابو بکر سے ریاستی معاملات پر بات کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ وہ زید اور اپنے دونوں دامادوں علی اور عثمان سے بھی کرتے تھے۔ لیکن کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی پر غالب آنے کے خطرے میں تھا، کیونکہ مدینہ بھر میں کوئی آواز آپ کی آواز کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، چاہے وہ کسی مسئلے کو حل کرنا ہو، کسی سوال کا جواب دینا ہو، یا کسی تنازعے کو ختم کرنا ہو۔

1 LXXIII, 20. 2 B. XIX, 12. 3 XXXII, 16–17. 4 I.S. VIII, 26.

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان اختلافات اکثر ہوتے رہتے تھے، اور ان میں سے بہت سے مسائل کی وجہ غلط جوش و جذبہ ہوتا تھا، جیسے کہ ایک دفعہ، ایک انصاری نے صرف اس وجہ سے ایک یہودی کو مارا تھا کہ اس نے ایک قسم کھائی تھی۔ "کیا تم قسم کھاؤ گے، 'اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر چنا' جبکہ نبی ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں؟" یہودی نے نبی ﷺ کے پاس شکایت کی، جن کا چہرہ غصے سے بھرا ہوا تھا جب انہوں نے حملہ آور کو ڈانٹا۔ قرآن میں خود اللہ نے فرمایا: "اے موسیٰ! میں نے تجھے تمام انسانوں پر اپنے پیغامات اور اپنے ساتھ بات کرنے کی وجہ سے چن لیا۔[1] " قرآن میں یہ بھی آیا ہے: "یقیناً اللہ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہانوں پر چن لیا۔[2] " لیکن نبی ﷺ نے آدمی کے ذہن میں جو تھا، اسے سمجھتے ہوئے فرمایا: "یہ نہ کہو کہ میں موسیٰ سے بہتر ہوں۔[3] " اسی طرح انہوں نے ایک اور مثال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں یونس سے بہتر ہوں۔[4] " وحی پہلے ہی انہیں یہ الفاظ دے چکی تھی، جو اسلامی عقیدہ کا حصہ تھے: "ہم اس کے کسی پیغمبر میں تمیز نہیں کرتے۔[5] "

ان تمام امور کے علاوہ جو جماعت کی فلاح و بہبود سے متعلق تھے، اس کے اندرونی ہم آہنگی اور اس کے عرب کے باقی حصوں اور اس سے باہر کے تعلقات کے حوالے سے، کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جب ایک یا ایک سے زیادہ مومنوں کو کسی ذاتی مسئلے، چاہے وہ مادی ہو جیسے سلمان کے حالیہ معاملے میں، یا روحانی، جیسے ایک دفعہ ابو بکر نے ایک شخص حنظلہ کو نبی ﷺ کے پاس لایا تھا، جو بنی تمیم کا تھا اور مدینہ میں آباد ہوا تھا۔ حنظلہ نے پہلے ابو بکر سے اپنی پریشانی بیان کی تھی، لیکن ابو بکر نے محسوس کیا کہ اس معاملے کا حل اعلیٰ ترین اتھارٹی سے آنا چاہیے۔ اس شخص کا چہرہ غم سے بھرا ہوا تھا، اور جب نبی ﷺ نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا: "حنظلہ منافق ہے، اے اللہ کے رسول!" نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے، اور اس نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول، ہم آپ کے ساتھ ہوتے ہیں، اور آپ ہمیں دوزخ اور جنت کے بارے میں بتاتے ہو، یہاں تک کہ یہ ہمارے سامنے جیسے ہیں۔ پھر ہم آپ کے ساتھ سے باہر نکلتے ہیں، اور ہمارے دل ہماری بیویوں، بچوں اور مال و دولت میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔" نبی ﷺ کا جواب واضح تھا کہ اصل مقصد یہ ہے کہ ہم روحانی حقیقتوں کا شعور اپنی روزمرہ کی زندگی میں بدلاؤ کیے بغیر برقرار رکھیں: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میری موجودگی میں ہمیشہ ویسے ہی رہو، یا جیسے تم اللہ کے ذکر کے وقت رہتے ہو، تو فرشتے تمہیں تمہارے بستر پر یا تمہاری راہ چلتے ہوئے تمہارے ہاتھ پکڑنے آتے۔ لیکن اے حنظلہ، یہ کبھی یہ، کبھی وہ، کبھی یہ، کبھی وہ ہوتا ہے۔[6] "

نبی ﷺ کے وقت پر اس قسم کے تقاضے بچا نہیں جا سکتے تھے؛ لیکن اب ایک اور ضرورت تھی کہ انہیں مختلف طریقوں سے تحفظ دیا جائے، اور یہ تحفظ ایک غیر متوقع واقعے سے آیا، جس نے ان کی منفرد اور خصوصی حیثیت کو اجاگر کیا۔ ایک دن نبی ﷺ نے زید سے کچھ بات کرنے کے لیے ان کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ زینب رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھولا اور نبی ﷺ کو بتایا کہ زید باہر ہیں،

[1] VII, 144. [2] III, 33. [3] B. LXV, سورۃالأعراف VII.

[4] B. LXV, سورۃ صُفّات XXXVII. [5] [6] صفحہ 102 ملاحظہ کریں. M. XLIX, 2.

ایک نظر ان دونوں کزنز کے درمیان گزری، جس نے ہر ایک کو ایک گہری اور پائیدار محبت کے رشتہ کا شعور دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو گیا کہ زینب رضی اللہ عنہا انہیں پسند کرتی ہیں اور وہ بھی انہیں پسند کرتے ہیں اور یہ کہ وہ جانتی ہیں کہ وہ انہیں پسند کرتے ہیں۔ مگر اس کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ اپنے جذبات کی شدت پر حیران ہو کر، انہوں نے ان کی دعوت کو رد کر دیا، اور جب وہ جانے کے لئے مڑے تو انہوں نے یہ کہا: "اللہ کی شان ہو جو لا محدود ہے! اس کی شان ہو جو انسانوں کے دلوں کو گردش میں لاتا ہے!" جب زید واپس آئے تو زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دورے اور ان کی زبان سے سنی ہوئی تسبیح کے بارے میں بتایا۔ زید فوراً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: "مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ میرے گھر آئے تھے۔ آپ اندر کیوں نہیں آئے، آپ جو میرے والد اور والدہ سے زیادہ میرے لیے ہو؟ کیا یہ کہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کو پسند آ گئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اصرار کے ساتھ کہا: "اپنی بیوی کو رکھو اور اللہ سے ڈرو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر کہا تھا: "سب سے زیادہ نفرت کرنے والی چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔[1]" اور جب زید اگلے دن وہی تجویز لے کر آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر زور دیا کہ وہ اپنی بیوی کو رکھیں۔ لیکن زید اور زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان شادی خوشگوار نہیں رہی تھی، اور زید نے اسے مزید برداشت کرنا مشکل سمجھا، تو زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ باہمی رضامندی سے اس نے طلاق دے دی۔ تاہم، اس سے زینب رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بننے کے لیے اہل نہیں ہوئیں، کیونکہ اگرچہ قرآن نے صرف یہ بتایا تھا کہ بیٹے کی بیویوں سے شادی کرنا حرام ہے، مگر یہ ایک مضبوط سماجی اصول تھا کہ نسبی اور غیر نسبی بیٹوں کے درمیان کوئی فرق نہ کیا جائے۔ نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اہل تھے کیونکہ آپ کے پاس پہلے ہی چار بیویاں تھیں، جو اسلامی قانون کے مطابق زیادہ سے زیادہ تعداد ہے۔

چند ماہ گزرے اور پھر ایک دن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی سے بات کر رہے تھے تو وحی کی طاقت نے انہیں مغلوب کر لیا؛ اور جب وہ ہوش میں آئے تو ان کے پہلے الفاظ تھے: "کون جائے گا زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اور اسے خوشخبری سنائے گا کہ اللہ نے اسے میرے لیے نکاح میں دیا ہے، وہ بھی آسمان سے؟" سلمہ جو کہ صفیہ کی خادمہ تھیں اور طویل عرصے سے خود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کا حصہ سمجھتی تھیں، فوراً زینب رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں۔ جب انہیں یہ خوشخبری سنائی گئی تو زینب رضی اللہ عنہا نے اللہ کی عظمت کا اظہار کیا اور مکہ کی طرف سجدے میں گر گئیں۔ پھر انہوں نے اپنی پازیبیں اور چاندی کی چوڑیاں اُتار کر سلمہ کو دے دیں۔

زینب رضی اللہ عنہا اب جوان نہیں تھیں، کیونکہ وہ تقریباً چالیس سال کی عمر کو پہنچ چکی تھیں، مگر ان کی غیر معمولی خوبصورتی بر قرار تھی۔ وہ ایک بہت عبادت گزار خاتون تھیں جو بہت زیادہ روزے رکھتی اور طویل راتوں کی عبادت کرتی تھیں اور غریبوں کو سخاوت سے دیتی تھیں۔ چمڑے کا کام کرنے میں ماہر تھیں، اور جوتے اور دیگر اشیاء بنا کر جو کچھ کماتی تھیں، وہ سب صدقے کی نیت سے ہوتا تھا۔ ان کی شادی کا کوئی رسمی اعلان نہیں کیا گیا، کیونکہ نکاح کے بارے میں نازل شدہ آیات میں اسے پہلے ہی ایک عہد کے طور پر بیان کیا گیا تھا: "ہم نے اسے تم سے نکاح کر دیا ہے۔[2]" باقی یہ تھا کہ دلہن کو دلہے کے پاس لایا جائے، اور یہ کام فوراً کر دیا گیا۔

آیات میں یہ بھی کہا گیا کہ آئندہ کے لیے گود لئے گئے بیٹوں کا نام ان کے پیدائشی والد کے نام پر رکھا جائے؛ اور اس دن سے زید کو زید بن حارثہ کے نام سے جانا جانے لگا، بجائے اس کے کہ انہیں زید بن محمد ﷺ کہا جاتا، جیسا کہ ان کی گود لینے کے تقریباً پینتیس سال بعد تک ہوتا رہا تھا۔ لیکن اس تبدیلی سے نہ تو ان کی گود لینے کی حیثیت ختم ہوئی، اور نہ ہی اس نے محبت اور رشتہ پر کوئی اثر ڈالا

[1] A.D. XIII, 3.   [2] XXXIII,40

گود لینے والے اور گود لیے گئے کے درمیان قربت، جو اب اپنی ساٹھ اور پچاس سال کی عمر کے قریب تھے، صرف یہ یاد دہانی تھی کہ ان کے درمیان کوئی خون کا رشتہ نہیں تھا؛ اور اسی تناظر میں وحی جاری رہی: "محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے والد نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام پیغمبروں کے اختتام ہیں۔[1] "

اسی دوران دیگر وحی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں کے درمیان عظیم فرق کو اجاگر کیا۔ انہیں کبھی بھی آپس میں ایک دوسرے کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نام سے مخاطب کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اللہ نے انہیں اپنے نئے نکاح کے تحت چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی تھی، یہ صرف ان کے لیے تھی، اور باقی امت کے لیے نہیں۔ مزید یہ کہ ان کی بیویوں کو "مؤمنوں کی مائیں" کالقب دیا گیا تھا، اور ان کا درجہ ایسا تھا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے بعد وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کرتی، تو یہ اللہ کی نظر میں بہت بڑا جرم ہوتا۔ اگر مومنوں کو ان میں سے کسی سے کوئی درخواست کرنی ہوتی – کیونکہ ان کی سفارش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر کی جاتی تھی – تو انہیں پردے کے پیچھے سے ایسا کرنا ہوتا تھا۔

انہیں یہ بھی ہدایت دی گئی: "اے ایمان والوں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کھانے کے لیے بلا وقت داخل نہ ہو، سوائے اس کے کہ تمہیں اجازت دی جائے۔ لیکن اگر تمہیں دعوت دی جائے تو داخل ہو، اور جب تم کھا چکے تو پھر پھیل جاؤ۔ گفتگو کی امید میں نہ رکو۔ بے شک یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دے گا، اور وہ تمہیں بتانے سے رکیں گے، لیکن اللہ حق سے نہیں رک سکتا۔[2]"

یہ ہدایات اس لیے ضروری تھیں کیونکہ ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت محبت تھی، اور وہ جتنی بار اور جتنا طویل وقت ان کی موجودگی میں گزار سکتے تھے، گزارنا چاہتے تھے۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے، وہ ہمیشہ ان سے الگ ہونے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور اگر وہ رک جاتے تو انہیں الزام نہیں دیا جا سکتا تھا، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے بات کرتے تو وہ اس کی طرف اتنی مکمل توجہ دیتے کہ وہ شخص اپنے آپ کو اتنا مخصوص مراعات یافتہ سمجھتا کہ وہ ایسی آزادیوں کا تصور بھی کر سکتا تھا جو دوسرے لوگ نہ لیتے۔ اور جب وہ کسی شخص کا ہاتھ پکڑتے تو وہ کبھی بھی پہلے اپنی گرفت نہیں چھوڑتے تھے۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ، وحی نے اس وقت ایک نیا عنصر عبادت میں شامل کیا، جس سے ان کی قوم کو ان کی محبت کا اظہار کرنے اور ان کی روحانی روشنی سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی، بغیر اس کے کہ وہ اپنی موجودگی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بوجھ ڈالیں: "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور انہیں سلام پیش کرو۔[3]" اور کچھ ہی عرصے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: "ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور کہا: 'جو بھی تم پر ایک بار درود بھیجے گا، اللہ اس پر دس گنا درود بھیجے گا۔[4]"

[1] XXXIII, 37. 2 XXXIII, 53. [3] XXXIII, 56. [4] D.XX, 58.

LIX

The Trench

خندق

بنو قریظہ کے جلاوطن یہودی جو خیبر میں آباد ہو گئے تھے، اپنے کھوئے ہوئے علاقے کو واپس حاصل کرنے کے لیے پر عزم تھے۔ ان کی امیدیں قریش کی تیاریاں تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری حملے کے لیے کی جا رہی تھیں؛ اور اسلام کے پانچویں سال کے آخر میں ـــ جو عیسوی سنہ 627 کے نئے سال کے قریب تھا ـــ ان تیاریوں کو خیبر کے حیی اور دوسرے یہودی رہنماؤں کے مکہ کے خفیہ دورے نے عروج تک پہنچا دیا۔

"ہم تمہارے ساتھ ہیں،" انہوں نے ابو سفیان سے کہا، "تاکہ ہم محمد ﷺ کو ختم کر دیں۔" "ہمیں سب سے زیادہ عزیز وہ لوگ ہیں," ابو سفیان نے جواب دیا، "جو ہماری مدد کرتے ہیں محمد ﷺ کے خلاف۔" پھر وہ اور صفوان اور قریش کے دوسرے سردار یہودیوں کو کعبہ کے اندر لے گئے، اور سب نے ایک پختہ قسم کھائی کہ وہ ایک دوسرے کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ ان کا مقصد پورا نہ ہو جائے۔

پھر قریش کو خیال آیا کہ اس موقع پر وہ یہودیوں سے ان کے اختلافات کے بارے میں رائے لیں۔ "یہودیوں کے لوگ," ابو سفیان نے کہا، "تم پہلے کتاب کے لوگ ہو اور تمہیں علم ہے۔ ہمیں بتاؤ کہ ہم محمد ﷺ کے بارے میں کس طرح کھڑے ہیں، کیا ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا؟"

انہوں نے جواب دیا: "تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے، اور تم سچائی کے قریب ہو۔"

اس ہم آہنگ بنیاد پر دونوں اتحادیوں نے اپنے منصوبے تیار کیے۔ یہودیوں نے نَجد کے میدان میں تمام بدویوں کو جو مدینہ سے بدلے کی خواہش رکھتے تھے، اُٹھانے کا عہد کیا؛ اور جہاں انتقام کی خواہش کافی نہ ہوتی، وہاں معاملہ رشوت سے طے کیا جاتا۔ بنی اسد نے خوشی سے ان کی مدد کرنے کی رضامندی ظاہر کی؛ اور بنی غطفان نے یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ اس اتحاد میں شامل ہوں گے تو انہیں خیبر کی کھجور کی فصل کا آدھا حصہ ملے گا، اور ان کا اس پر رضامند ہونا، فوج میں تقریباً دو ہزار افراد کا اضافہ کر گیا، جو غطفانی قبائل فزرہ، مرہ اور اشجاع سے تھے۔ یہودیوں نے بنی سلم کے سات سو افراد کا ایک دستہ بھی حاصل کیا، جو یقیناً زیادہ ہوتا اگر مَعُونہ کے کنویں پر ہونے والے قتل عام کے بعد اس قبیلے کے اندر اسلام کے حق میں بڑھتا ہوا گروہ نہ ہوتا۔ جنوب میں واقع بنی عامر، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عہد پر پورے طور پر قائم رہے، انہوں نے اس اتحاد میں شرکت نہیں کی۔

قریش خود اور ان کے قریب ترین اتحادی چار ہزار افراد پر مشتمل تھے۔ ان کے ساتھ جنوب سے ایک یا دو مزید دستے تھے جو مکہ سے مغربی ساحلی راستے پر مدینہ کی طرف روانہ ہونے والے تھے، وہی راستہ جس پر وہ احد کے وقت گئے تھے۔ دوسرا لشکر، جو اس اتحاد میں خاصی کمزور تھا، مدینہ کے مشرق سے یعنی نَجد کے میدان سے مدینہ کی طرف بڑھنا تھا۔ دونوں فوجوں کا مجموعی اندازہ تقریباً دس ہزار افراد کا تھا۔

یہ کل قریش کی اُحد کی فوج کے تین گنا زیادہ طاقتور تھا۔ وہاں مسلمانوں کو تین ہزار فوج کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی۔ اب وہ دس ہزار کے خلاف کیا کر سکتے تھے؟ اس کے علاوہ، اس بار قریش کے پاس صرف دو سو نہیں بلکہ تین سو سوار تھے اور وہ غطفان سے بھی ایسی ہی طاقت کی ایک اور فوج پر انحصار کر سکتے تھے۔

وہ مکہ سے اپنے منصوبے کے مطابق روانہ ہوئے؛ اور تقریباً اسی وقت، ممکنہ طور پر عباس رضی اللہ عنہ کی اطلاع سے، بنی خزاعہ کے کچھ سوار تیزی سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آنے والے حملے سے خبردار کر سکیں اور اس کی قوت کی تفصیلات دے سکیں۔ وہ چار دن میں نبی تک پہنچے، اس طرح ان کے پاس تیاری کے لیے صرف ایک ہفتہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً پورے نخلستان یثرب کو متنبہ کیا اور اپنے پیروکاروں کو حوصلہ دیا، ان سے کہا کہ اگر وہ صبر کریں، اللہ سے ڈریں اور حکم مانیں تو انہیں فتح ملے گی۔ پھر، جیسا کہ انہوں نے اُحد میں کیا تھا، انہوں نے ان سے مشورہ کرنے کو کہا جس میں کئی آراء پیش کی گئیں کہ سب سے بہتر حکمت عملی کیا ہوگی؛ لیکن آخر کار سلمان کھڑے ہوئے اور کہا: "اے اللہ کے رسول، ایران میں جب ہم گھوڑوں کے حملے سے ڈرتے تھے تو ہم اپنے ارد گرد خندق کھود لیتے تھے، تو ہمیں بھی ابھی خندق کھودنی چاہیے۔" سب نے اس منصوبے کو جوش و خروش سے قبول کیا، خاص طور پر کیونکہ وہ اُحد کی حکمت عملی کو دہرانا نہیں چاہتے تھے۔

وقت کم تھا اور تمام کوششوں کو انتہائی محنت کے ساتھ کرنا ضروری تھا تاکہ دفاع میں کوئی خطرناک خلا نہ چھوڑا جائے۔ لیکن خندق کو مسلسل نہیں کھودنا تھا؛ شہر کے کنارے پر کئی جگہوں پر قلعہ نما گھر پہلے سے ہی مناسب تحفظ فراہم کرتے تھے؛ اور شمال مغرب میں کچھ چٹانوں کے بڑے بڑے ذخیرے تھے جو خود ہی ناقابل تسخیر تھے اور صرف انہیں آپس میں جوڑنے کی ضرورت تھی۔ ان میں سے سب سے قریب جو چٹان تھی، اسے "جبل سَلع" کہا جاتا تھا، جسے خندق میں شامل کیا جانا تھا کیونکہ اس کے سامنے کا علاقہ کیمپ کے لیے بہترین جگہ تھی۔ خندق خود کیمپ کو شمال میں ایک وسیع دائرے میں ایک چٹانی بلند مقام سے لے کر شہر کی مشرقی دیوار تک محدود کرتا تھا۔ یہ خندق کا سب سے طویل اور سب سے اہم حصہ تھا۔

اس حکمت عملی کا موجد ہونے کے ساتھ ساتھ سلمان کو یہ بھی معلوم تھا کہ خندق کتنی چوڑی اور کتنی گہری ہونی چاہیے؛ اور چونکہ انہوں نے بنی قریظہ کے ساتھ کام کیا تھا، انہیں یہ معلوم تھا کہ ان کے پاس تمام ضروری سامان موجود ہے۔ اور وہ اس مشترکہ خطرے کے پیش نظر اسے قرض دینے سے انکار نہیں کر سکتے تھے؛ کیونکہ اگرچہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں تھی، ان میں سے زیادہ تر کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ معاہدہ سیاسی فائدے کا معاملہ تھا، جسے ضائع نہیں کیا جانا چاہیے۔ لہٰذا، کدال، کدالیاں اور کھدائی کے لئے بیلچے ان سے قرض پر لیے گئے۔ انہوں نے کھدائی کی مٹی لے جانے کے لیے کھجور کی مضبوط بنائی گئی ٹوکریاں بھی فراہم کیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جماعت کے ہر حصے کو خندق کے ایک حصے کی ذمہ داری سونپی اور خود بھی ان کے ساتھ کام کیا۔ وہ ہر دن صبح نماز کے فوراً بعد باہر نکلتے، اور شام کو سورج غروب ہونے کے وقت واپس آجاتے۔ ایک صبح جب وہ انہیں باہر لے جا رہے تھے، تو انہوں نے مسجد بنانے کے دوران ان کے کام کی یاد دہانی کرتے ہوئے ایک دعا پڑھی:

"اے اللہ، یہاں کی کوئی بھی بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے۔

مدد گاروں اور مہاجرین کو معاف فرمادے!"

یہ فوراً سب نے اپنالیا؛ اور کبھی کبھار وہ یوں دہراتے:

"اے اللہ، زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔

مددگاروں اور مہاجرین پر رحم فرما!"

وہ مسلسل ایک دوسرے کو یاد دلاتے رہتے کہ وقت بہت کم ہے۔ دشمن جلد ہی ان پر آجائے گا، اور اگر کسی آدمی نے تھکاوٹ کے آثار دکھائے تو فوراً اس کا مذاق بنایا جاتا۔ دوسری طرف سلمان کی بہت عزت کی جاتی تھی، کیونکہ وہ نہ صرف بہت طاقتور اور جسمانی طور پر تندرست تھے بلکہ کئی سالوں تک وہ بنی قریظہ کے ساتھ کھدائی اور سامان اٹھانے کا کام کرتے رہے تھے۔

"وہ دس آدمیوں کا کام کرتا ہے،" وہ کہتے، اور ایک دوستانہ مقابلہ شروع ہو گیا۔ "سلمان ہمارے ہیں،" مہاجرین نے دعویٰ کیا، کیونکہ انہوں نے ہدایت کی تلاش میں بہت سے گھروں کو چھوڑا تھا۔ "وہ ہمارا ہے،" انصار نے جواب دیا؛ "ہمیں اس پر زیادہ حق ہے۔" لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "سلمان ہم میں سے ہیں، اہل بیت میں سے ہیں۔[1]"

کھدائی کی گئی چٹانوں اور پتھروں کو جو ممکنہ طور پر تلواروں کی طرح استعمال کیے جاسکتے تھے، وہ خندق کے مدینہ کے طرف والے حصے میں ڈھیر کر دیے گئے؛ اور جو مٹی وہ لے کر آتے، وہ سر پر ٹوکریوں میں ڈال کر لے جاتے، اور جب وہ انہیں پھینک دیتے تو دوبارہ ان میں پتھر بھر کر خندق میں واپس لے آتے۔ بہترین پتھر جبل صَلْع کے نیچے ملے تھے۔ مرد سب کے سب پیٹھ سے اوپر ننگے تھے، اور جو لوگ ٹوکریاں نہ لے سکتے تھے، وہ اپنے کپڑے جو انہوں نے اتارے تھے، باندھ کر ان کی مدد سے مٹی اور پتھر منتقل کرتے تھے۔

پہلے دن جب وہ خیمے کے باہر کام کرنے نکلے، تو بہت سے لڑکے بھی ان کے ساتھ کام میں حصہ لینے کے لیے آئے۔ سب سے کم عمر والوں کو فوراً واپس بھیج دیا گیا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر لڑکوں کو کام کرنے کی اجازت دی اور اس شرط پر کہ جب دشمن آئے گا تو انہیں فوراً خیمے سے نکلنا ہوگا۔ جو لڑکے اُحد میں واپس بھیجے گئے تھے، جیسے کہ اسامہ، عمر کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست، وہ اب پندرہ سال کے ہو چکے تھے، اور انہیں مردوں کے ساتھ نہ صرف کام کرنے بلکہ جنگ میں بھی حصہ لینے کی اجازت دی گئی۔ ان میں سے ایک، براء بن حارثہ قبیلہ اوس کا، بعد میں بتایا کرتا تھا کہ خندق کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا حسین منظر تھا، جب وہ سرخ چادر میں ملبوس تھے، ان کی چھاتی پر مٹی جمی ہوئی تھی اور ان کے سیاہ بال اتنے لمبے تھے کہ کندھوں تک پہنچ رہے تھے۔ "میں نے ان سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا،" وہ کہتے تھے۔

وہ اکیلے اس خوبصورتی کا ادراک نہیں رکھتے تھے، بلکہ پورے منظر کی خوبصورتی سے سبھی آگاہ تھے۔ خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جب وہ ادھر ادھر دیکھتے، تو انہیں ان لوگوں کی سادگی اور فطرت سے قربت پر خوشی محسوس ہوتی تھی - انسان کے اولین ورثے کے قریب پر - اور انہوں نے ایک گیت شروع کیا جس میں سب نے مل کر گانا شروع کر دیا:

"یہ خوبصورتی، یہ خوبصورتی خیبرَ کی نہیں ہے۔

یہ زیادہ معصوم ہے، اے اللہ، اور زیادہ پاکیزہ ہے۔[2]"

اب وہ کبھی مہاجرین کے ساتھ کام کرتے، کبھی انصار کے ساتھ، کبھی کاٹنے کے ساتھ، کبھی بیلچے سے اور کبھی سامان اٹھانے والے کے طور پر کام کرتے۔ لیکن جہاں بھی وہ ہوتے، یہ سمجھا جاتا کہ انہیں کسی بھی غیر معمولی مشکل سے آگاہ کیا جائے۔

1 2 حضرت محمدؐ کا خاندان. W. 446.

یہ وہ لمحے تھے جب کچھ خوشی کے پل بھی آئے۔ بنی دمرہ کے ایک مخلص شخص، جو مسجد میں بیٹھنے والوں میں سے تھا، بڑی عبادت گزار شخصیت رکھتے تھے لیکن ظاہری طور پر وہ زیادہ خوش شکل نہ تھے، اور ان کے والدین نے ان کا نام "جُعَیل" رکھا تھا، جس کا دوسرا معنی "چھوٹا بیٹل" تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حال ہی میں ان کا نام بدل کر "عمرو" رکھا تھا، جو کہ زندگی، روحانی فلاح اور دین کا معنی رکھتا ہے۔

جب دمرہ کے فرد کو خندق میں کھدائی کرتے ہوئے دیکھا گیا تو ایک مہاجر نے ایک شعر کہا:

"اس کا نام بدل دیا، جُعَیل سے عمرو،

اس دن غریب کو مدد دی۔"

اسے عمرو کے پاس دہرایا گیا، اور جو لوگ یہ سن رہے تھے وہ بھی اسے دہرانے لگے اور ایک گانا بنا دیا، جس میں ہنسی بھی آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گانے میں صرف "عمرو" اور "مدد" کے الفاظ پر زور دیا، جنہیں انہوں نے ہر بار بڑی تاکید کے ساتھ پڑھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اور گانے کی طرف رہنمائی کی:

"اے رب، تیرے سوا ہمیں کبھی ہدایت نہ ملتی، نہ ہم صدقہ دیتے، نہ تیری نماز پڑھتے۔

تو پھر ہمارے اوپر سکون نازل کر، ہمارے قدم مضبوط کر دے ملاقات کے لیے۔

یہ دشمن ہمیں دبا رہے ہیں، ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن ہم نے انکار کر دیا۔[1]"

پہلی مدد کی پکار جابر کی طرف سے آئی، جو ایک پتھر تک پہنچ چکے تھے جسے ان کے اوزار نہیں ہلا پاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور اس میں تھوکا، پھر دعا کی اور وہ پانی پتھر پر چھڑک دیا۔ اس کے بعد وہ پتھر ریت کی مانند نکالنے کے قابل ہو گئے[2]۔

ایک اور دن مہاجرین کو مدد کی ضرورت پیش آئی۔ کئی ناکام کوششوں کے بعد، جب عمر نے پتھر کو تقسیم یا کھینچنے کی کوشش کی، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، جنہوں نے ان سے کدال (Pick axe) لے کر پتھر پر ایک مار دی جس سے ایک چمک کی مانند روشنی شہر اور جنوب کی طرف چمک اٹھی۔ پھر انہوں نے ایک اور مار دی اور اس بار روشنی اُحد اور اس کے پار شمال کی طرف چمک گئی۔ تیسری مار سے پتھر کے ٹکڑے ہو گئے، اور اس بار روشنی مشرق کی طرف چمکی۔ سلمان نے تینوں چمکیں دیکھیں اور جانا کہ ان کا کوئی نہ کوئی مطلب ہو گا، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفصیل پوچھی، جنہوں نے کہا: "کیا تم نے انہیں دیکھا، سلمان؟ پہلی روشنی سے میں نے یمن کے قلعے دیکھے؛ دوسری روشنی سے میں نے شام کے قلعے دیکھے؛ اور تیسری روشنی سے میں نے مدائن میں کسری کے سفید محل کو دیکھا[3]۔ پہلی روشنی کے ذریعے اللہ نے یمن میرے لیے کھولا؛ دوسری روشنی کے ذریعے شام اور مغرب میرے لیے کھولا؛ اور تیسری روشنی کے ذریعے مشرق کھول دیا۔[4]"

خندق کی کھدائی کرنے والوں میں سے زیادہ تر کو معمول کے مطابق کافی کھانا نہیں ملتا تھا، اور سخت محنت نے بھوک کے درد کو مزید بڑھا دیا تھا۔ خاص طور پر جابر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ دبلے پن کو اس دن محسوس کیا جب انہیں خندق میں مدد کی ضرورت پڑی تھی۔ اس شام انہوں نے اپنی بیوی سے کہا، "کیا تم میرے لیے کھانا نہیں بنا سکتی؟" اس نے جواب دیا، "ہمارے پاس صرف یہ بکری ہے اور تھوڑا سا جو ہے۔" تو جابر نے بکری کو قربان کیا، اور اگلے دن اس کا گوشت بھون کر جو کو پیس کر روٹی تیار کی۔

[1] W. 448-9; I.S.II/i, 51 [2] I.I. 671.

[3] خسرو، شاہ فارس. [4] W.450.

جابر نے بَارلے کی روٹی اور گوشت کا سالن پکایا۔ پھر جب کام جاری رکھنے کے لیے اندھیرا ہو گیا، جابر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے جب وہ خندق سے باہر آ رہے تھے اور انہیں بکری کے گوشت اور بَارلے کی روٹی کے کھانے کے لیے مدعو کیا۔ جابر نے کہا: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا اور اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں ڈال دیں۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اکیلے آئیں، لیکن انہوں نے ایک منادی کو حکم دیا کہ 'اللہ کے رسول کے ساتھ جابر کے گھر جاؤ، اس کی دعوت کا جواب دو۔'" جابر نے اس موقع پر وہ آیت پڑھی جو مومنوں کو آفات کے وقت پڑھنی چاہیے: "ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"، اور پھر وہ اپنی بیوی کو پہلے آگاہ کرنے کے لیے آگے بڑھ گئے۔ اس کی بیوی نے پوچھا، "کیا تم نے انہیں مدعو کیا یا انہوں نے؟" جابر نے کہا، "نہیں، انہوں نے مدعو کیا ہے۔" اس کی بیوی نے کہا، "پھر انہیں آنے دو، کیونکہ وہ ہی سب سے بہتر جانتے ہیں۔" کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا، انہوں نے اس پر برکت پڑھی اور اللہ کا نام لیا اور کھانا شروع کیا۔ ان کے ساتھ دس لوگ بیٹھے تھے، اور جب سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا تو وہ اٹھے اور اپنے گھروں کو چلے گئے، اور دس مزید لوگوں کے لیے جگہ بن گئی، اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا اور خندق کی تمام کھدائی کرنے والوں نے اپنی بھوک مٹائی، اور پھر بھی کچھ گوشت اور کچھ روٹی باقی رہی[1]۔

ایک اور دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کو کیمپ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس کے ہاتھ میں کچھ تھا، اور انہوں نے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کی بھتیجی تھی۔ اس نے کہا: "جب میں نے اللہ کے رسول سے کہا کہ میں اپنے والد اور چچا کے لیے کھجوریں لے کر جا رہی ہوں، تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں مجھے دے دو۔ پھر میں نے وہ کھجوریں ان کے ہاتھوں میں ڈال دیں، لیکن وہ ان کے ہاتھوں میں پورا نہ بھر اسکیں۔ پھر آپ نے ایک کپڑا منگوایا، جسے ان کے سامنے بچھا دیا، اور آپ نے کھجوریں اس پر اس طرح پھینک دیں کہ وہ اس کے اوپر بکھر گئیں۔ پھر آپ نے اپنے ساتھ موجود لوگوں سے کہا کہ کھدائی کرنے والوں کو کھانے کے لیے بلاؤ، اور جب وہ آئے تو انہوں نے کھانا شروع کیا، اور کھجوریں اتنی بڑھ گئیں کہ وہ کپڑے کے کناروں سے باہر بہنے لگیں جب تک کہ لوگ ان سے دور نہ ہو گئے۔[2]"

[1] I.I. 672; W. 452. [2] I.I. 672.

LX

The Siege

محاصرہ

خندق بمشکل ہی مکمل ہوئی تھی–اس کی تکمیل میں کل چھ دن لگے–جب یہ خبر پہنچی کہ قریش کی فوج وادی عقیق سے نیچے بڑھ رہی ہے اور اب شہر کے جنوب مغرب میں ہے، جبکہ غطفان اور نجد کے دوسرے قبائل احد کے مشرق سے حرکت کر رہے ہیں۔ نخلستان کے تمام دور افتادہ مکانات پہلے ہی خالی کرائے جا چکے تھے اور ان کے رہائشیوں کو دفاعی مقامات کے اندر ٹھکانے فراہم کر دیے گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اب حکم دیا کہ ہر عورت اور بچے کو قلعوں کے بالائی کمروں میں جگہ دے دی جائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ تقریباً تین ہزار ساتھیوں کے ساتھ منتخب مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ آپ ﷺ کا سرخ چمڑے کا خیمہ جبل سلع کے دامن میں نصب کیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا باری باری آپ ﷺ کے ساتھ وہاں موجود رہیں۔

مکی فوج اور ان کے اتحادیوں نے احد کے قریب الگ الگ کیمپ لگا لیے۔ قریش کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ نخلستان کی فصلیں پہلے ہی کاٹ لی گئی تھیں۔ ان کے اونٹوں کو وادی عقیق کی ببول کی جھاڑیوں پر گزارہ کرنا پڑے گا۔ اس دوران غطفان کے اونٹ احد کے قریب میدان کے جھاڑی دار حصوں میں اگنے والے دو اقسام کے جھاڑیوں پر گزارہ کر رہے تھے۔ لیکن دونوں فوجوں کے گھوڑوں کے لیے سوائے لائے ہوئے چارے کے کچھ نہ تھا۔ اس لیے دشمن کا جلد سے جلد خاتمہ کرنا ناگزیر تھا، اور اسی ارادے سے دونوں فوجیں شہر کی جانب بڑھنے لگیں۔

ابو سفیان سپہ سالار تھا، لیکن باری باری ہر قائد کو اپنی قیادت کا دن دیا جاتا تاکہ وہ اصل لڑائی کی قیادت کرے۔ خالد اور عکرمہ دوبارہ مکی گھڑ سواروں کے کمانڈر تھے، اور عمرو بھی خالد کے دستے میں شامل تھا۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچے، دشمن کا کیمپ شہر کے باہر دیکھ کر ان کا حوصلہ بلند ہوا۔ انہیں ڈر تھا کہ وہ انہیں قلعے کے اندر محصور پائیں گے، لیکن کھلے میدان میں وہ اپنے تعداد کی کثرت سے انہیں زیر کر سکتے تھے۔ لیکن جب وہ مزید قریب پہنچے تو حیران رہ گئے کہ ایک وسیع خندق ان کے اور دشمن کے تیر اندازوں کے درمیان حائل تھی، جو خندق کے پار قطار میں کھڑے تھے۔ ان کے گھوڑے مشکل سے خندق تک پہنچ سکتے تھے، اور پھر اسے عبور کرنے کی بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا۔

ابھی ایک تیروں کے بوچھاڑ نے انہیں بتا دیا کہ وہ پہلے ہی دشمن کی زد میں ہیں، اس لیے وہ محفوظ فاصلے پر پیچھے ہٹ گئے۔ دن کے باقی حصے میں مشورے کیے گئے اور آخر کار انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کی بہترین امید اس میں ہے کہ دشمن کو مجبور کیا جائے کہ وہ شہر کے شمال سے بڑی تعداد میں اپنی افواج ہٹا لے تاکہ اسے کہیں اور دفاع پر لگایا جا سکے۔ اگر خندق کو کافی حد تک غیر محفوظ کر دیا جائے، تو اسے عبور کرنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ ان کے خیالات بنی قریظہ کی طرف مڑ گئے۔

بنی قریظہ کے قلعے مدینہ کے جنوب مشرقی راستے کو روکتے تھے۔ معاہدے کے مطابق، بنی نضیر کا حُیَی خیبر سے فوج میں شامل ہونے کے لیے آیا تھا، اور اس نے ابوسفیان کو اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ اپنے یہودی ساتھیوں کے سفیر کے طور پر کام کرے گا۔ اس نے یقین دلایا کہ وہ آسانی سے انہیں محمد ﷺ کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو توڑنے پر قائل کر سکتا ہے؛ اور جب ان کی مدد حاصل ہو جائے گی تو شہر پر بیک وقت دو اطراف سے حملہ کیا جا سکتا ہے۔ ابوسفیان نے خوشی سے اس کی پیشکش قبول کی اور اسے جلدی کرنے کو کہا۔

بنی قریظہ حُیَی سے خوفزدہ تھے؛ وہ اسے نحوست اور بدقسمتی لانے والا سمجھتے تھے، ایک ایسا شخص جو اپنی ہی قوم پر تباہی لے آیا تھا اور اگر اس کی بات مانی گئی تو ان کے لیے بھی وہی کرے گا۔ وہ اس سے اس لیے بھی زیادہ ڈرتے تھے کیونکہ اس کے اندر زبردست روحانی قوت تھی جس کا مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ اگر وہ کچھ چاہتا تھا، تو وہ ہر مخالفت کو مٹا دیتا تھا اور تب تک آرام نہیں کرتا تھا، نہ دوسروں کو کرنے دیتا تھا، جب تک کہ وہ اپنی خواہش حاصل نہ کر لے۔

اب وہ قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے قلعے گیا — یہی وہ شخص تھا جس نے نبی ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا — اور دروازہ کھٹکھٹایا، اپنا تعارف کرایا۔ کعب نے پہلے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حُیَی نے کہا: "تجھے ہلاکت ہو، کعب، مجھے اندر آنے دے۔" کعب نے جواب دیا: "تجھے ہلاکت ہو، حُیَی، میں نے محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے، اور میں اسے نہیں توڑوں گا۔" حُیَی نے کہا: "مجھے اندر آنے دو اور بات کرنے دو۔" کعب نے انکار کر دیا، لیکن آخرکار حُیَی نے اسے یہ کہہ کر غصہ دلایا کہ وہ اسے اس لیے اندر نہیں آنے دے رہا کیونکہ وہ اس کے ساتھ کھانے کو شریک کرنا نہیں چاہتا۔ یہ بات سن کر کعب کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے دروازہ کھول دیا۔

حُیَی نے کہا: "تجھے ہلاکت ہو، کعب۔ میں تیرے لیے دائمی عظمت اور سمندر کی لہروں جیسی قوت لے کر آیا ہوں۔ میں قریش، کنانہ اور غطفان کو ان کے سرداروں اور رہنماؤں کے ساتھ، پورے دس ہزار افراد کے ساتھ لایا ہوں، اور ان کے ہزار گھوڑے بھی ہیں۔ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کو ختم نہ کر دیں، وہ آرام نہیں کریں گے۔ اس بار محمد ﷺ بچ نہیں سکیں گے۔"

کعب نے کہا: "خدا کی قسم، تو نے میرے لیے ہمیشہ کے لیے شرمندگی لائی ہے — پانی کے بغیر بادل، صرف گرج اور چمک، اور کچھ نہیں۔ تجھے ہلاکت ہو، حُیَی، مجھے چھوڑ دے اور جیسا میں ہوں ویسا رہنے دے۔" حُیَی نے دیکھا کہ وہ کمزور ہو رہا ہے، تو اپنی شیریں گفتاری سے نئے دین کو مٹا دینے کے فوائد پر روشنی ڈالی۔

آخرکار، اس نے سب سے مقدس قسم کھائی: "اگر قریش اور غطفان اپنی زمینوں کو لوٹ گئے اور محمد ﷺ کو نہیں مار سکے، تو میں تیرے ساتھ تیرے قلعے میں داخل ہو جاؤں گا، اور میرا انجام تیرے ساتھ ہو گا۔"

یہ سن کر کعب قائل ہو گیا کہ اسلام کے لیے، بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، اور اس نے اپنے لوگوں اور نبی ﷺ کے درمیان کیے گئے معاہدے کو توڑنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ حُیَی نے دستاویز کو دیکھنے کی درخواست کی، اور جب اسے پڑھا تو اسے دو ٹکڑے کر دیا۔

کعب اب اپنے قبیلے کے لوگوں کو بتانے گیا کہ ان کے درمیان کیا بات ہوئی۔ انہوں نے کہا: "اس میں کیا فائدہ ہے کہ اگر تو قتل ہو جائے، تو حُیَی بھی تیرے ساتھ مارا جائے؟" پہلے انہیں کافی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بنی قریظہ کے درمیان ابن الہیبان نامی ایک یہودی شام سے آ کر رہ رہا تھا، جو آنے والے نبی ﷺ سے ملنے کی امید رکھتا تھا اور ان کی نشانیوں کو بیان کرتا تھا۔ بہت سے لوگ سمجھتے تھے کہ محمد ﷺ ہی وہ ہستی ہیں۔ لیکن ان میں سے چند ہی نبی ﷺ میں دلچسپی لیتے تھے، کیونکہ وہ یہودی نہیں تھے، اور ان میں سے بہت ہی کم لوگ اس حقیقت کو سمجھنے کی طاقت رکھتے تھے کہ نبی ﷺ کی مخالفت کتنی سنگین ہو سکتی ہے۔

کسی نبی کی مخالفت، چاہے وہ یہودی ہو یا غیر یہودی، کے بارے میں بنی قریظہ میں مختلف آراء پائی جاتی تھیں۔ اکثریت سیاسی معاہدے کو توڑنے سے گریزاں تھی؛ لیکن جب کچھ منافقین نے ایسی خبریں لائیں جو حُیی کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں، اور جب ان کے اپنے کچھ افراد نے چپکے سے جا کر خود حالات کا جائزہ لیا، تو عمومی رائے قریش اور ان کے اتحادیوں کے حق میں جھکنے لگی۔

مدینہ کی طرف سے خندق کے پار دیکھنا ایک نہایت خوفناک منظر تھا، جہاں میدان انسانوں اور گھوڑوں سے بھرا ہوا تھا، جتنا دور تک آنکھ دیکھ سکتی تھی۔

ادھر خالد اور عکرمہ خندق کا معائنہ کر رہے تھے، گو کہ فاصلے سے، تا کہ یہ دیکھ سکیں کہ کہاں سے اسے عبور کرنا سب سے آسان ہو سکتا ہے۔ "یہ چالاکی!" وہ جھنجلا کر بولے، "عرب کبھی ایسے حربے استعمال نہیں کرتے۔ یقینی طور پر اس کے ساتھ کوئی فارسی آدمی ہو گا۔" ان کی مایوسی ہوئی جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کام انتہائی عمدگی سے مکمل کیا گیا تھا، سوائے ایک مختصر حصے کے جو باقی سے تھوڑا کم چوڑا تھا، اور وہ بھی سخت پہرے میں تھا۔

چند کوششیں خندق کو عبور کرنے کی مکمل ناکامی ثابت ہوئیں۔ ان کے گھوڑوں نے کبھی اس طرح کی خندق نہیں دیکھی تھی اور وہ اس سے سخت نفرت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ یہ رویہ بدل سکتا تھا، لیکن فی الحال جنگ صرف تیر اندازی تک محدود تھی۔

بنی قریظہ کے معاہدہ توڑنے کی بات پوشیدہ نہ رہی۔ کئی منافقین یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ وہ کس طرف کے حامی ہیں، اور وہ دونوں جانب کے راز ایک دوسرے کو بتانے کے لیے تیار تھے۔ حضرت عمرؓ وہ پہلے صحابی تھے جنہوں نے سنا کہ یہودی اب ممکنہ دشمن بن چکے ہیں۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے، جو اپنے خیمے میں حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بیٹھے تھے، اور کہا: "یارسول اللہ، مجھے بتایا گیا ہے کہ بنی قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور وہ ہم سے جنگ کے لیے تیار ہیں۔" نبی کریم ﷺ کو یہ سن کر واضح طور پر تشویش ہوئی؛ اور آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو معاملے کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔

پھر، تا کہ انصار یہ محسوس نہ کریں کہ انہیں نظر انداز کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے اوس اور خزرج کے دو سعدوں کو اسید کے ساتھ بلایا اور انہیں یہ خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جا کر دیکھو کہ آیا یہ سچ ہے۔ اگر یہ جھوٹ ہو، تو صاف صاف بتا دینا۔ لیکن اگر یہ سچ ہو، تو مجھے کسی لطیف طریقے سے بتاؤ تا کہ میں سمجھ سکوں۔" وہ قریظہ کے قلعوں تک پہنچے، جہاں انہیں معلوم ہوا کہ انہوں نے واقعی معاہدہ توڑ دیا ہے۔

انہوں نے انہیں خدا کا واسطہ دے کر دوبارہ معاہدے پر لوٹ آنے کے لیے کہا، لیکن انہوں نے جواب دیا: "محمد ﷺ کون ہیں؟ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔" بنی قینقاع اور بنی نضیر کے انجام کا حوالہ دینا بھی بے سود رہا۔ کعب اور دوسرے اب قریش کی فتح پر اتنے پُراعتماد تھے کہ وہ ان کی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ جب انہیں محسوس ہوا کہ ان کی بات ضائع ہو رہی ہے، تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے۔

انہوں نے کہا: "عدال اور قارہ۔" یہ وہ دو قبیلے تھے جنہوں نے خبیبؓ اور ان کے ساتھیوں کو ہذیل کے آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سنا اور اللہ کی تکبیر بلند کی: "اللہ اکبر! مسلمانوں خوش ہو جاؤ۔"

اب یہ ضروری تھا کہ خندق پر موجود افواج کی تعداد کو کم کیا جائے اور شہر کے اندر ایک چوکی قائم رکھی جائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک سو افراد کو واپس بھیج دیا۔ پھر انہیں یہ اطلاع ملی کہ حُیی قریش اور غطفان کو رات کے وقت ایک ایک ہزار افراد بھیجنے کے لیے اکسا رہا ہے تا کہ وہ بنی قریظہ کے قلعوں سے نکل کر شہر کے مرکز پر حملہ کریں، مسلمانوں کے قلعوں میں داخل ہوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اٹھا لے جائیں۔ مختلف وجوہات کی بنا پر اس کے لیے مقررہ رات مؤخر کر دی گئی۔

یہ منصوبہ کبھی حقیقت نہ بن سکا، لیکن جیسے ہی نبی کریم ﷺ کو اس کا علم ہوا، آپ ﷺ نے زید کو تین سو سواروں کے دستے کے ساتھ شہر میں گشت کے لیے بھیجا، جو رات بھر اللہ کی بڑائی بیان کرتے رہے، یہاں تک کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے پورا شہر ایک عظیم لشکر سے بھرا ہوا ہو۔

خندق کے قریب گھوڑوں کی ضرورت نہیں تھی، لیکن ان سپاہیوں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی، کیونکہ خندق کو دن رات پہرے کی ضرورت تھی۔ ہر شخص کو اب زیادہ دیر تک پہرہ دینا پڑتا۔ دن گزرتے گئے اور دباؤ بہت بڑھ گیا، جبکہ خالد، عکرمہ اور ان کے ساتھی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوششوں میں لگے رہے۔ لیکن وہ صرف ایک بار خندق پار کرنے میں کامیاب ہوئے، جب عکرمہ نے اچانک دیکھا کہ خندق کا سب سے تنگ حصہ اُس وقت کمزور پہرے میں تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو چھلانگ لگانے پر مجبور کیا اور تین مزید ساتھی اس کے پیچھے آئے۔ لیکن جب چوتھا شخص خندق پار کرنے والا تھا، علیؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس حصے کو دوبارہ قابض کر لیا اور اسے ناقابل عبور بنا دیا، اس طرح دشمن کے گھڑ سواروں کا پیچھے ہٹنا بھی ناممکن بنا دیا۔

ان میں سے ایک، عمرو، نے تنہا مقابلے کا چیلنج دیا۔ جب علیؓ نے خود کو پیش کیا تو عمرو نے انکار کرتے ہوئے کہا: "مجھے تم جیسے نوجوان کو قتل کرنا پسند نہیں۔ تمہارے والد میرے دوست تھے، اس لیے واپس جاؤ، تم ابھی ناتجربہ کار ہو۔" لیکن علیؓ نے اصرار کیا، چنانچہ عمرو گھوڑے سے اتر گیا اور دونوں لڑائی کے لیے آگے بڑھے۔ دھول کا بادل ان پر چھا گیا، پھر علیؓ کی تکبیر کی آواز بلند ہوئی، اور سب جان گئے کہ عمرو مر چکا ہے یا قریب المرگ ہے۔

اسی دوران عکرمہ اور اس کے ساتھیوں نے موقع کا فائدہ اٹھا کر خندق کے دوسری طرف واپس جانے کی کوشش کی، لیکن مخزوم کے نوفل خندق عبور نہ کر سکے، اور ان کا گھوڑا ان کے ساتھ خندق میں گر گیا۔ مسلمانوں نے ان پر پتھراؤ شروع کیا، لیکن انہوں نے پکارا: "اے عربو، موت اس سے بہتر ہے۔" چنانچہ مسلمان نیچے گئے اور انہیں قتل کر دیا۔

خندق پار کرنے کی یہ کوشش ناکام رہی، لیکن اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ ممکن ہے۔ اگلے دن طلوع آفتاب سے پہلے مختلف جگہوں پر حملے کیے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی اور فتح کا وعدہ کیا، اور وہ ثابت قدم رہے، حالانکہ طویل چوکیوں کی وجہ سے وہ پہلے ہی تھکے ہوئے تھے۔ خیمہ گاہ کا مقام دانشمندی سے منتخب کیا گیا تھا، کیونکہ جبلِ سلع کی طرف ڈھلوان زمین کی وجہ سے خندق کا قریبی کنارہ دور والے کنارے سے زیادہ بلند تھا۔

دشمن بار بار خندق پار کرنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا، اور لڑائی صرف تیر اندازی تک محدود رہی۔ کسی کو قتل نہیں کیا گیا، لیکن سعد بن معاذؓ کے بازو میں ایک تیر لگا جس نے رگ کو کاٹ دیا، اور قریش اور غطفان کے کئی گھوڑے زخمی ہو گئے۔

ظہر کی نماز کا وقت آیا، لیکن کسی شخص کے لیے پہرہ چھوڑنا ممکن نہ تھا۔ جب وقت نکلنے لگا تو نبی کریم ﷺ کے قریب موجود لوگوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ، ہم نے نماز نہیں پڑھی۔" یہ ایک واضح حقیقت تھی لیکن اسلام کے آغاز سے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا، اس لیے یہ بات بہت پریشان کن تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "خدا کی قسم، میں نے بھی نماز نہیں پڑھی۔" عصر کی نماز کا وقت آیا اور غروب آفتاب کے ساتھ گزر گیا، لیکن دشمن کے حملے جاری رہے۔

یہاں تک کہ جب مغرب کا آخری نور بھی غائب ہو گیا تو دشمن اپنے دونوں کیمپوں میں واپس چلا گیا۔ جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئے، نبی کریم ﷺ خندق سے واپس لوٹ آئے اور اسیدؓ کو ایک دستے کے ساتھ پہرے پر چھوڑا۔

محمد ﷺ نے باقی نمازیوں کی قیادت کی، جو اب چار نمازیں واجب ہو چکی تھیں۔ خالد اُس رات دوبارہ ایک دستے کے ساتھ نمودار ہوا، اس امید میں کہ خندق خالی ہو گی، لیکن اسید اور ان کے تیر اندازوں نے اُنہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

وحی نے ان دنوں کی آزمائش کا ذکر کیا کہ یہ وہ وقت تھا جب آنکھیں سکون سے دیکھنے کے قابل نہ تھیں، اور دل حلق تک جا پہنچے تھے، اور تم خدا کے بارے میں عجیب خیالات سوچنے لگے تھے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں مؤمنین کا امتحان لیا گیا، اور ان کی روحیں شدید ہل کر رہ گئیں۔[1]

ہر ذہن میں یہ سوال اٹھنے لگا کہ مزید کتنے دن اس صورتحال کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ کھانے کی قلت شروع ہو چکی تھی اور راتیں شدید سرد تھیں۔ کمزور ایمان والے بھوک، سردی، اور نیند کی کمی سے گھبرا کر منافقین کے ساتھ شامل ہونے کے قریب تھے۔ منافقین یہ بات پھیلا رہے تھے کہ ایک خندق کے سہارے ایسے دشمن کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں، اور یہ کہ انہیں شہر کی دیواروں کے پیچھے چلے جانا چاہیے۔ لیکن سچے مؤمنین کا ایمان آزمائش کے وقت مضبوط ہو گیا، اور وحی میں ان کی تعریف کی گئی کہ انہوں نے سب سے زیادہ مشکل وقت میں، جب قبیلے ان کے خلاف متحد ہو گئے تھے، کہا: "یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی بات سچ ثابت ہوئی۔"

وحی نے مزید فرمایا: "اور اس نے ان کے ایمان اور اطاعت کو بڑھا دیا۔"[2]

انہوں نے یہ بات ایک آیت کے حوالے سے کہی تھی جو دو یا تین سال پہلے نازل ہوئی تھی: "کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، جبکہ ابھی تک وہ حالات تم پر نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے؟ ان پر آزمائشیں اور مصیبتیں آئیں، اور وہ ہلا دیے گئے، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اٹھے: 'اللہ کی مدد کب آئے گی؟' سنو! اللہ کی مدد قریب ہے۔"[3]

نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ آپ کے لوگوں میں بہت سے ایسے تھے جن کی برداشت کی قوت ختم ہونے کے قریب تھی۔ لیکن آپ یہ بھی جانتے تھے کہ جیسے جیسے وقت گزر تا جا رہا تھا، دشمن بھی سختی کی گرفت میں آ رہا تھا۔ اس لیے آپ نے رات کے وقت غطفان کے دو سرداروں کو پیغام بھیجا، انہیں پیشکش کی کہ اگر وہ میدان چھوڑ دیں تو مدینہ کی کھجوروں کی فصل کا ایک تہائی حصہ انہیں دے دیا جائے گا۔ انہوں نے جواب دیا: "ہمیں مدینہ کی آدھی کھجوریں دو۔" لیکن آپ نے اپنی پیشکش کو ایک تہائی تک محدود رکھا، جس پر وہ راضی ہو گئے۔

آپ نے عثمانؓ کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ مؤمنین اور غطفان کے قبیلوں کے درمیان ایک معاہدہ تیار کریں۔ پھر آپ نے دو سعدوں (سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ) کو اپنے خیمے میں بلایا۔ سعد بن معاذؓ زخمی بازو کے ساتھ آئے۔ آپ نے انہیں اپنی منصوبہ بندی سے آگاہ کیا۔ انہوں نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول، کیا یہ کوئی ایسا کام ہے جو آپ ہم سے کروانا چاہتے ہیں، یا یہ اللہ کا حکم ہے جس پر عمل ضروری ہے؟ یا یہ آپ ہمارے لیے کر رہے ہیں؟"

آپ ﷺ نے جواب دیا: "یہ میں تمہارے لیے کر رہا ہوں، اور اللہ کی قسم، میں ایسا نہ کرتا اگر یہ نہ دیکھتا کہ عرب ایک ہی کمان سے تم پر تیر برسا رہے ہیں اور ہر طرف سے تم پر حملہ کر رہے ہیں۔ میں تم پر ان کے حملے کی شدت کو کم کرنا چاہتا ہوں۔" زخمی سعدؓ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول، ہم اور یہ لوگ ایک وقت میں خدا کے ساتھ دوسرے دیوتاؤں پر ایمان رکھتے تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، نہ حقیقی طور پر خدا کی عبادت کرتے تھے اور نہ اسے جانتے تھے۔"

[1] XXXIII, IO-II. [2] XXXIII, 22. [3] II, 2 14.

ان کے پاس ہماری کھجوروں میں سے ایک کھجور کھانے کی امید بھی نہیں تھی، سوائے مہمان بن کر یا سودا کر کے۔ اور اب جبکہ اللہ نے ہمیں اسلام کی نعمت دی اور ہمیں ہدایت عطا کی اور ہمیں آپ ﷺ کے ذریعے اور اسلام کے ذریعے طاقت بخشی، تو کیا ہم انہیں اپنا مال دیں؟ خدا کی قسم، ہم انہیں سوائے تلوار کے اور کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے۔"

"جیسا تم چاہو، ویسا ہی ہو،" نبی ﷺ نے فرمایا۔ سعد نے قلم اور کاغذ عثمانؓ سے لیا اور جو کچھ لکھا گیا تھا، اسے کاٹ دیا، یہ کہتے ہوئے: "انہیں اپنا بدترین کرنے دو!"[1]

یہ مذاکرات جو اب ناکام ہو گئے تھے، فزارہ اور مرہ کے دو قبیلوں کے سرداروں کے ساتھ تھے۔ قریش کا تیسرا غطفانی حلیف اشجع قبیلہ تھا، جس سے نعیم تعلق رکھتے تھے، وہی شخص جسے ابوسفیان اور سہیل نے مسلمانوں کو دھمکانے کے لیے رشوت دی تھی کہ وہ دوسرا بدر کے مقام پر قریش سے مقابلہ کرنے کا وعدہ توڑ دیں۔ مدینہ میں قیام کے دوران ان پر گہرا اثر ہوا تھا، اور اسی لیے وہ مخلوط جذبات کے ساتھ قریش کی حمایت میں اپنے قبیلے کے ساتھ نکلے۔ نئے دین کے لوگوں کی مزاحمت نے ان کی قریبی تعریف اور حمایت کو مزید بڑھا دیا، خاص طور پر جب وہ ایسی فوج کا سامنا کر رہے تھے جو تعداد میں ان سے تین گنا زیادہ تھی۔

پھر وہ لمحہ آیا جب، جیسا کہ انہوں نے خود کہا، "اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔" اور اسی رات – یہ تقریباً اسی وقت تھا جب غطفان کے ساتھ علیحدہ صلح کے منصوبے کو ترک کر دیا گیا تھا – وہ شہر میں داخل ہوئے اور کیمپ میں پہنچے، جہاں انہوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی درخواست کی۔

نبی ﷺ نے فرمایا: "تمہیں یہاں کس چیز نے لایا، نعیم؟"

انہوں نے جواب دیا: "میں آپ کے کلام پر ایمان لانے اور گواہی دینے آیا ہوں کہ آپ حق لے کر آئے ہیں۔ تو جو آپ چاہیں حکم دیں، اے اللہ کے رسول، میں اسے پورا کروں گا۔ میرے قبیلے اور دوسروں کو میرے اسلام کا علم نہیں ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی طاقت کے مطابق انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دو۔" نعیم نے جھوٹ بولنے کی اجازت مانگی، تو نبی ﷺ نے فرمایا: "جو چاہو کہو تاکہ انہیں ہم سے دور کر دو، کیونکہ جنگ دھوکہ دہی ہے۔"[2]

نعیم واپس گئے اور بنو قریظہ کے پاس پہنچے، جنہوں نے انہیں ایک پرانے دوست کی طرح خوش آمدید کہا اور کھانے پینے کی پیشکش کی۔ نعیم نے کہا: "میں اس لیے نہیں آیا ہوں بلکہ آپ کی حفاظت کے لیے اپنی فکریں ظاہر کرنے اور آپ کو مشورہ دینے آیا ہوں۔"

پھر انہوں نے انہیں یہ سمجھایا کہ اگر قریش اور غطفان اپنے دشمن کو فیصلہ کن شکست دینے میں ناکام رہتے ہیں تو وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں گے اور یہودی محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ اس لیے انہیں قریش کے لیے ایک بھی وار کرنے سے انکار کرنا چاہیے، جب تک کہ انہیں ضمانت کے طور پر نمایاں افراد یرغمال کے طور پر نہ دیے جائیں کہ وہ اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک کہ دشمن کو مکمل طور پر شکست نہ دے دی جائے۔

بنو قریظہ نے ان کے مشورے کو جوش و خروش سے قبول کیا، جو ان خدشات سے پہلے ہی پریشان تھے جن کا ذکر نعیم نے کیا تھا۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ نعیم کے دیے ہوئے مشورے پر عمل کریں گے اور قریش یا ان کے اپنے لوگوں کو یہ نہیں بتائیں گے کہ یہ مشورہ نعیم نے دیا ہے۔

پھر وہ اپنے سابقہ دوست ابوسفیان کے پاس گئے اور انہیں اور قریش کے دوسرے سرداروں کو بتایا کہ ان کے پاس ایک نہایت اہم خبر ہے، بشرطیکہ وہ قسم کھائیں کہ کسی کو نہیں بتائیں گے کہ وہ ان کے اطلاع دہندہ ہیں۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں نے حلف اٹھالیا، تو نعیم نے کہا: "یہودی محمد ﷺ کے ساتھ اپنے سلوک پر پچھتا رہے ہیں، اور انہوں نے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا ہے: 'ہم اپنے کیے پر نادم ہیں،" اور کیا یہ تمہیں مطمئن کرے گا اگر ہم؟"

[1] I.I. 676. [2] I.I. 681; W. 480-1

کچھ نمایاں قریشی اور غطفانی افراد کو یر غمال کے طور پر لے کر آپ کے حوالے کریں تاکہ آپ ان کے سر قلم کر سکیں؟ پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر باقیوں کے خلاف لڑیں گے۔ محمد ﷺ نے ان کی بات مان لی ہے؛ لہٰذا اگر یہودی آپ سے اپنے تحفظ کے لیے کچھ آدمی یر غمال کے طور پر مانگیں، تو ان میں سے ایک بھی نہ دینا۔"

پھر نعیم اپنی قوم اور غطفان کے دوسرے قبیلوں کے پاس گئے اور وہی بات کہی جو انہوں نے قریش سے کہی تھی۔

مشورے کے بعد، حملہ آور دونوں لشکروں کے سرداروں نے فی الحال حیی کو کچھ نہ بتانے اور نعیم کی بات کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے عکرمہ کو بنو قریظہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا: "کل لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ تاکہ ہم محمد ﷺ سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پا لیں۔"

انہوں نے جواب دیا: "کل سبت (ہفتہ) کا دن ہے؛ اور ہم کسی صورت تمہارے ساتھ محمد ﷺ کے خلاف نہیں لڑیں گے جب تک تم ہمیں یر غمال کے طور پر کچھ آدمی نہ دو، جو ہمارے لیے ضمانت ہوں، یہاں تک کہ ہم اس کا خاتمہ کر دیں۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ اگر جنگ تمہارے خلاف ہو گئی تو تم اپنے ملک لوٹ جاؤ گے اور ہمیں اس آدمی کے ساتھ اکیلا چھوڑ دو گے، اور ہم اس کا اکیلے سامنا نہیں کر سکتے۔"

یہ پیغام جب قریش اور غطفان کو ملا تو انہوں نے کہا: "خدا کی قسم، نعیم نے جو کہا تھا وہ سچ ہے۔" اور انہوں نے دوبارہ بنو قریظہ کو پیغام بھیجا کہ وہ انہیں ایک بھی آدمی نہیں دیں گے، لیکن اس کے باوجود لڑائی کے لیے تیار رہنے کا کہا۔ اس پر بنو قریظہ نے جواب دیا کہ وہ تب تک ایک وار بھی نہیں کریں گے جب تک انہیں یر غمال نہ دیے جائیں۔

ابو سفیان حیی کے پاس گیا اور کہا: "کہاں ہے وہ مدد جس کا تم نے اپنی قوم کی طرف سے وعدہ کیا تھا؟ انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اور اب وہ ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

حیی نے کہا: "تورات کی قسم، نہیں! آج سبت کا دن ہے، اور ہم سبت کو نہیں توڑ سکتے۔ لیکن اتوار کو وہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے خلاف آگ کی طرح لڑیں گے۔" یہ صرف تب ہوا جب ابو سفیان نے انہیں یر غمال کے مطالبے کے بارے میں بتایا۔ حیی واضح طور پر پریشان ہو گیا، اور ابو سفیان نے ان کی بے چینی کو دھوکہ دہی کی علامت سمجھا۔ ابو سفیان نے کہا: "لات کی قسم، یہ تمہاری اور تمہاری قوم کی غداری کے سوا کچھ نہیں ہے، اور میں تمہیں بھی تمہاری قوم کی غداری میں شریک سمجھتا ہوں۔"

انہوں نے احتجاج کیا: "نہیں، موسیٰ پر کوہِ سینا کے دن نازل ہونے والی تورات کی قسم، میں غدار نہیں ہوں۔" لیکن ابو سفیان قائل نہ ہوا، اور اپنی جان کے خوف سے حیی کیمپ چھوڑ کر بنو قریظہ کے قلعوں کی طرف چلا گیا۔

جہاں تک قریش اور نجد کے قبائل کے تعلقات کا تعلق تھا، نعیم کو زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تقریباً دو ہفتے گزر چکے تھے اور کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔ دونوں لشکروں کے رسد ختم ہونے کے قریب تھیں، جبکہ ان کے زیادہ سے زیادہ گھوڑے ہر دن بھوک یا تیر کے زخموں سے یا دونوں سے مر رہے تھے۔ کچھ اونٹ بھی مر چکے تھے۔

قریش اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ غطفان اور دوسرے بدو بہترین صورت میں بھی غیر پختہ حلیف تھے۔ وہ اس مہم میں زیادہ تر مال غنیمت کی امید میں شامل ہوئے تھے، نہ کہ نئے دین سے دشمنی کی وجہ سے۔ لیکن وہ امیدیں جنہوں نے انہیں یثرب کے نخلستان تک لالچ دی تھی، مکمل طور پر بے سود ثابت ہوئیں۔ الزام تراشیاں زبانوں پر تھیں، اور دو حملہ آور لشکروں کے درمیان باہمی بے اعتمادی پھیل گئی۔ مہم عملی طور پر ناکام ہو چکی تھی؛ اور اب آسمان نے اس ناکامی پر آخری مہر لگا دی۔[1] تین دن تک، نمازِ دعا کے بعد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: "اے اللہ، کتاب کے نازل کرنے والے، حساب کے لیے تیز پکارنے والے، اتحادیوں کو بھگا دے، انہیں بھگا دے اور انہیں لرزہ بر اندام کر دے!"

[1] I.S. II/I, 53; w. 487.

جب سب کچھ ختم ہو گیا، تو یہ آیت نازل ہوئی:

"اے ایمان والو! اللہ کے اُس فضل کو یاد کرو جب لشکر تم پر چڑھ آئے اور ہم نے اُن کے خلاف ایک ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہ سکے۔[1]"

(سورۃ الاحزاب:9)

چند دنوں سے موسم غیر معمولی طور پر سرد اور گیلا تھا۔ اب مشرق سے تیز ہوا چلنے لگی اور موسلا دھار بارش نے ہر شخص کو پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ رات کا اندھیرا چھا گیا، اور میدان پر ایک زبردست طوفان برپا ہو گیا۔ ہوا طوفانی شدت اختیار کر گئی، اور جو کام ہوا نے نہ کیا، وہ نادیدہ ہاتھوں نے مکمل کر دیا۔

حملہ آوروں کے دونوں لشکروں میں نہ ایک بھی خیمہ کھڑا رہا اور نہ ایک بھی آگ جلتی رہی۔ لوگ سردی سے کانپتے ہوئے زمین پر دبکے ہوئے، گرمی کے لیے ایک دوسرے سے جڑ گئے۔

مسلمانوں کا کیمپ ہوا سے کچھ حد تک محفوظ تھا اور ان کے خیمے محفوظ رہے۔ لیکن ہوا کی شدت نے اور محاصرے کی مسلسل پریشانی نے مسلمانوں کو ایسی کمزوری میں مبتلا کر دیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ نبی ﷺ نے رات دیر تک دعا کی۔ پھر آپ ان آدمیوں کے پاس گئے جو آپ کے خیمے کے قریب تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"تم میں سے کون ہے جو اٹھے اور دشمن کی خبریں لے کر آئے، پھر واپس آئے؟ اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ جنت میں میرا ساتھی ہو۔"

لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم اتنے خوفزدہ، سردی اور بھوک سے نڈھال تھے کہ کوئی بھی نہ اٹھا۔"

جب واضح ہو گیا کہ کوئی نہیں جائے گا، تو نبی ﷺ نے حذیفہ کو بلایا۔ حذیفہ کہتے ہیں:

"جب میں نے اپنا نام آپ کی زبان مبارک سے سنا، تو میں نہ اٹھنے کی جرأت نہ کر سکا۔"

آپ نے فرمایا: "جاؤ، اور ان کے درمیان جا کر دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں، لیکن اور کچھ نہ کرنا جب تک کہ تم واپس نہ آ جاؤ۔"

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں گیا اور ان کے درمیان داخل ہو گیا، جبکہ ہوا اور اللہ کے لشکر اپنا کام کر رہے تھے۔"

انہوں نے بیان کیا کہ وہ قریش کے لشکر میں جا پہنچے اور ان کے سردار کے قریب جا پہنچے۔ پوری رات وہ سردی سے بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔

صبح قریب تھی اور ہوا کچھ کم ہوئی تو ابوسفیان نے بلند آواز میں کہا:

"اے قریش کے لوگو، ہمارے گھوڑے اور اونٹ مر رہے ہیں؛ بنو قریظہ نے ہمیں دھوکہ دیا ہے، اور ہم پر یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں؛ اور اب ہم نے ہوا سے وہ کچھ برداشت کیا ہے جو تمہاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ لہٰذا یہاں سے چلے جاؤ، کیونکہ میں جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ کے پاس گئے اور اس پر سوار ہونے لگے، اتنی جلدی میں تھے کہ اونٹ کی رسی کھولنا بھی بھول گئے، جسے انہوں نے اس وقت کھولا جب اونٹ تین ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ لیکن عکرمہ نے کہا:

"تم قوم کے سردار اور رہنما ہو۔ کیا تم ہمیں اتنی جلدی چھوڑ کر جا رہے ہو اور لوگوں کو پیچھے چھوڑ رہے ہو؟"

اس پر ابوسفیان کو شرم آئی اور انہوں نے اپنے اونٹ کو دوبارہ بٹھایا اور اتر گئے۔

لشکر نے خیمہ اکھاڑا اور روانہ ہو گیا۔ ابوسفیان اس وقت تک رکا رہا جب تک کہ زیادہ تر لشکر روانہ نہ ہو گیا۔ پھر وہ خود روانہ ہوا، خالد بن ولید اور عمرو بن عاص سے طے کیا کہ وہ دو سو سواروں کے ساتھ پیچھے کی حفاظت کریں گے۔ انتظار کے دوران خالد نے کہا:

"اب ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ محمد ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا۔"

لیکن ابوسفیان نے ان کی بات کاٹ دی اور کہا: "تمہیں سب سے زیادہ حق ہے کہ ایسا نہ کہو۔"

خالد نے کہا: "کیوں؟" ابوسفیان نے کہا:: "کیونکہ محمد نے تمہارے والد کی عزت کو کم کیا، اور تمہارے قبیلے کے سردار، ابوجہل کو قتل کیا

[1] XXXIII,9.

جب حضرت حذیفہ نے روانہ ہونے کا حکم سنا تو وہ غطفان کے لشکر کی طرف گئے، مگر وہاں ان کو کچھ نہ ملا کیونکہ ہوا نے ان کا عزم بھی توڑ دیا تھا اور وہ پہلے ہی نجد کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ واپس نبی ﷺ کے پاس گئے، جو نماز میں مشغول تھے اور سردی سے بچنے کے لیے اپنی بیوی کے کسی کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ حضرت حذیفہ نے کہا:

"جب آپ ﷺ نے مجھے دیکھا، تو آپ نے مجھے اپنے قدموں کے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میرے اوپر چادر ڈال دی۔ پھر آپ نے میرے ساتھ قیام، رکوع اور سجدہ کیا۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیر لیا، تو میں نے آپ کو ساری خبر دی۔"[1]

بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی؛ اور جب انہوں نے نماز پڑھی تو دن کی ہلکی روشنی نے کھائی کے پار میدان کی مکمل خالی جگہ کو ظاہر کیا۔ نبی ﷺ نے اعلان کیا کہ ہر شخص کو اپنے گھر واپس جانے کی اجازت ہے، تو بیشتر لوگ فوراً شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

پھر نبی ﷺ کو خدشہ ہوا کہ دشمن کے اتحادیوں نے کچھ جاسوس چھوڑے ہوں گے یا بنو قریظہ انتظار کر رہے ہوں گے اور وہ دشمن کو واپس لانے کی کوشش کریں گے، یہ کہہ کر کہ اب کھائی کی حفاظت نہیں کی جا رہی۔ لہذا آپ نے حضرت جابر اور حضرت عمر کے بیٹے حضرت عبد اللہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا تاکہ وہ واپس آنے والوں کو روک سکیں۔ دونوں ان کے پیچھے گئے اور جتنا ہو سکا آوازیں دے کر ان کو واپس بلایا لیکن کوئی بھی اس کے پاس باہر نہیں آیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بنو حارثہ کے پیچھے گئے اور ان کے گھروں کے باہر کچھ دیر تک آواز دی، مگر کسی نے باہر آ کر جواب نہ دیا۔

جب وہ اور حضرت عبد اللہ واپس نبی ﷺ کے پاس آئے اور ناکامی کی خبر دی، تو آپ ﷺ ہنس پڑے اور پھر ان صحابہ کے ساتھ خود شہر کی طرف روانہ ہوئے جو آپ کا ساتھ دینے کے لیے انتظار کر رہے تھے۔

[1] I.I 683-4, W.488-90

LXI

Bani Qurayza

بنو قریظہ

انہیں آرام کرنے کے لیے صرف چند گھنٹے ملے۔ جب دوپہر کی نماز پڑھ لی گئی تو جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے۔ وہ شاندار لباس میں ملبوس تھے، ان کی پگڑی سونے اور چاندی کے کڑھائی سے سجی ہوئی تھی، اور ایک کمخواب مخمل کا کپڑا اس خچر کی زین پر ڈال دیا گیا جس پر وہ سوار تھے۔ جبرائیل نے فرمایا:

"کیا تم نے اپنے ہتھیار رکھ دیے ہیں، اللہ کے رسول؟" "فرشتوں نے اپنے ہتھیار نہیں رکھے، اور میں ابھی دشمن کا پیچھا کرتے ہوئے واپس آیا ہوں۔ بے شک اللہ اپنی عظمت اور جلال میں تمہیں حکم دیتا ہے، اے محمد ﷺ، کہ تم بنو قریظہ کے خلاف روانہ ہو جاؤ، میں ابھی ان کے پاس جا رہا ہوں تا کہ ان کی روحوں میں لرزہ پیدا کر سکوں۔"[1]

نبی ﷺ نے حکم دیا کہ عصر کی نماز تب تک نہ پڑھی جائے جب تک کہ وہ بنو قریظہ کے علاقے نہ پہنچ جائیں۔ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا گیا، اور سورج غروب ہونے سے پہلے تمام قلعوں کو اس ہی لشکر نے محاصرے میں لے لیا جو پہلے کھائی کے مقام پر قریش اور ان کے اتحادیوں کا مقابلہ کر چکا تھا، یہ لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔

بنو قریظہ کو بیس پچیس راتوں تک محصور رکھا گیا، اور پھر انہوں نے نبی ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ انہیں ابولبابہ سے مشورہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ جیسے بنو نضیر کے ساتھ تھا، وہ بھی اوس کے اتحادی تھے، اور ابولبابہ ان کے قبیلے کے ساتھ ان کے اہم رابطوں میں سے ایک تھے۔ نبی ﷺ نے انہیں جانے کی اجازت دی، اور جب وہ ان کے پاس پہنچے تو خواتین اور بچوں نے ان کا احاطہ کر لیا، جس سے ان کی سختی کچھ نرم پڑ گئی۔ جب مردوں نے ان سے پوچھا کہ آیا انہیں محمد ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے، تو ابولبابہ نے "ہاں" کہا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا، جیسے کہ وہ انہیں یہ بتانا چاہ رہے ہوں کہ اس کے خیال میں تسلیم ہونے کا مطلب قتل ہے۔ یہ اشارہ ان کے جواب سے برعکس تھا، اور اس نے محاصرہ کو مزید طول دے دیا۔ جیسے ہی انہوں نے یہ اشارہ کیا، ان کے دل میں پہلے سے موجود گناہ کے احساس کے ساتھ مزید گناہ کا بوجھ محسوس ہوا، جس کی وجہ وہ پالم درخت تھا جسے نبی ﷺ کے حکم پر اپنے یتیم وارث کو دینے سے انکار کیا تھا۔[2]

"میرے قدم وہیں رک گئے تھے،" انہوں نے کہا، "اس سے پہلے کہ مجھے یہ احساس ہو تا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ غداری کی ہے۔" ان کا چہرہ بدل گیا اور انہوں نے یہ آیت پڑھی: "بیشک ہم اللہ کے ہیں، اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" حضرت کعب نے پوچھا۔

"میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ غداری کی ہے،" ابولبابہ نے جواب دیا، اور جب وہ اوپر کے کمرے سے نیچے اترے اس نے اپنا ہاتھ اپنی داڑھی پر رکھا، اور وہ اس کے آنسوؤں سے گیلی تھی اور وہ آبدیدہ ہو گئے تھے۔ وہ خود کو اس طریقے سے باہر نہیں لے جا سکے جس طرح وہ اندر آئے تھے اور اپنے اوس کے ہم وطنوں اور دوسروں کا سامنا کرنے سے گریز کیا، جو جیسا کہ وہ جانتے تھے، ان کی خبر سننے اور انہیں نبی ﷺ کے پاس لے جانے کے لیے بے تاب تھے۔

[1] I. 684. [2] صفحہ 169 دیکھیں.

وہ ایک دروازے سے قلعے کے پیچھے نکلے اور بہت جلد شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ سیدھا مسجد پہنچے اور ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا، کہتے ہوئے: "میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ اللہ مجھے اس بات پر معاف نہ کر دے جو میں نے کی ہے۔"

نبی ﷺ اس کے واپس آنے کا انتظار کر رہے تھے، اور جب آخر کار آپ کو پتہ چلا کہ کیا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: 'اگر وہ میرے پاس آتا تو میں خدا سے دعا کرتا کہ اسے معاف کر دے؛ لیکن چونکہ اس نے جو کیا، وہ کیا ہے، میں اسے آزاد نہیں کر سکتا جب تک کہ خدا اس پر مہربان نہ ہو جائے۔[1]

وہ ستون سے تقریباً دس یا پندرہ دن تک بندھے رہے۔ ہر نماز کے وقت یا جب بھی ضروری ہوتا، ان کی بیٹی آ کر ان کی پٹیاں کھول دیتی، پھر جب وہ نماز پڑھ لیتے تو وہ انہیں دوبارہ باندھنے کو کہہ دیتے۔ تاہم، ان کی تکلیف میں کمی اس لیے آئی کیونکہ انہوں نے محاصرے کے دوران ایک خواب دیکھا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک غلیظ کیچڑ میں دھنستے جا رہے ہیں جس سے وہ نکل نہیں پا رہے تھے، اور اس کی بدبو سے وہ تقریباً مر ہی گئے تھے۔ پھر انہوں نے ایک صاف ستھری نہر دیکھی جس میں جا کر انہوں نے اپنے آپ کو دھو لیا اور ان کے آس پاس کی ہوا خوشبودار ہو گئی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو وہ ابو بکر کے پاس گئے اور ان سے اس کا مطلب پوچھا۔ ابو بکر نے کہا کہ ان کا جسم ان کی روح کی نمائندگی کرتا ہے اور وہ ایسی حالت میں داخل ہوں گے جو انہیں سخت پریشان کرے گی، اور پھر انہیں اس سے راحت ملے گی؛ اور ستون کے پاس گزارے ہوئے دنوں میں وہ اس راحت کی امید پر زندگی گزار رہے تھے۔

جہاں تک بنو قریظہ کا تعلق تھا، کعب نے انہیں تجویز دی کہ چونکہ ان میں سے بہت سے محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں، تو انہیں اسلام قبول کر کے اپنی جان اور مال کو بچانا چاہیے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ موت زیادہ بہتر ہے، اور وہ صرف تورات اور موسیٰ کے قانون کو اپنانا چاہتے ہیں۔ تو کعب نے اور بھی تجویزیں پیش کیں، لیکن یہ سب بھی ناقابل قبول تھیں۔ اب بنو قریظہ کے تین نوجوان، جو بنو حدل یعنی قریظہ کے بھائی حدل کی نسل سے تھے – محاصرے کے دوران اپنے رشتہ داروں کے قلعوں میں موجود تھے، اور انہوں نے کعب کی پہلی تجویز کو دوبارہ دہراتے ہوئے کہا کہ وہ اس متوقع نبی کے بارے میں جانتے ہیں جو خون بہانے اور ان لوگوں کی عورتوں اور بچوں کو قید کرنے کے لیے بھیجا جائے گا۔ وہی الفاظ جو ایک پرانا شامی یہودی ابن الحیبان نے کہا تھا، "اس کا وقت تمہارے قریب ہے۔ یہودیو، تم سب سے پہلے اس کے پاس پہنچو، کیونکہ وہ ان لوگوں کا خون بہانے اور ان کے عورتوں اور بچوں کو قید کرنے کے لیے بھیجا جائے گا۔ اس سے تمہیں نہ رکنا چاہیے۔"[2] لیکن جو جواب انہیں ملا وہ یہ تھا، "ہم تورات کو نہیں چھوڑیں گے"، تو تینوں نوجوان اس رات قلعے سے نیچے اترے اور مسلم محافظوں کو اپنی اسلام قبول کرنے کا ارادہ بتایا، پھر انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ بیعت کی۔ بنو قریظہ میں سے صرف دو نے ان کی پیروی کی۔ ان میں سے ایک، عمرو بن سودا، شروع سے ہی نبی ﷺ سے معاہدہ توڑنے کو رد کر چکے تھے اور اس سے باضابطہ طور پر الگ ہو گئے تھے۔ اب انہوں نے تجویز دی کہ اگر وہ اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تو وہ نبی ﷺ کو جزیہ یا ٹیکس دینے کی پیشکش کر سکتے ہیں – "لیکن اللہ کی قسم، مجھے نہیں معلوم کہ کیا وہ اسے قبول کریں گے"۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ یہ بہتر ہے کہ وہ مارے جائیں، لیکن عربوں کو جزیہ دینے پر راضی نہ ہوں۔ تو عمرو بن سودا خود قلعے سے نکلے اور مسلمان ہو کر محافظوں کے بیچ سے گزر کر مدینہ کی مسجد میں رات گزارنے کے لیے پہنچے۔ لیکن وہ پھر کبھی نظر نہیں آئے، اور آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔

[1] W.5 07. [2] I.I. 136

وہ کہاں گئے یا کہاں مرے، اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: "یہ وہ شخص ہے جسے اللہ نے اس کی وفاداری کے سبب بچایا۔" دوسرا شخص، رِفاعہ بن سَمَاوَل، محافظوں سے بچ کر حضرت سلمہ بنت قیس کے پاس پناہ گزین ہو گیا، جو نبی ﷺ کی والدہ کی بہن، آمنہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن تھیں اور انہوں نے بنو نجار کے خزرجی سے شادی کی تھی۔ رِفاعہ نے اسلام اسی کے گھر میں قبول کیا۔

اگلے دن، ابو لبابہ کی تنبیہ کے باوجود، بنو قریظہ نے اپنے قلعوں کے دروازے کھولے اور نبی ﷺ کی حکمرانی کے تحت اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ مردوں کو ہاتھوں میں بندھی رسیوں کے ساتھ باہر نکالا گیا اور ان کے لیے کیمپ کے ایک طرف جگہ مخصوص کی گئی۔ دوسری طرف عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کیا گیا، اور ان کی نگرانی عبد اللہ بن سلام کے سپرد کی گئی، جو بنو قینقاع کے سابقہ چیف ربی تھے۔ ہر قلعے سے اسلحہ، زرہ، کپڑے اور گھریلو سامان اکٹھا کیا گیا اور سب کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ مئے اور خمیر شدہ کھجور کے رس کے برتن کھولے گئے اور ان کا مواد پھینک دیا گیا۔

آوس قبیلے نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ وہ اپنے سابقہ اتحادیوں کے ساتھ وہی نرمی برتیں جو انہوں نے بنو قینقاع کے ساتھ کی تھی جو خزرج کے اتحادی تھے۔ نبی ﷺ نے ان سے کہا: "کیا تمہیں یہ پسند آئے گا، آوس کے لوگ، اگر تم میں سے کوئی ان پر فیصلہ کرے؟" اور انہوں نے رضامندی ظاہر کی۔ چناں چہ نبی ﷺ نے مدینہ سے ان کے سردار سعد بن معاذ کو بلایا، جن کا زخم ابھی تک نہیں بھرا تھا اور جو مسجد میں خیمے میں علاج کرا رہے تھے۔ نبی ﷺ نے انہیں وہاں اس لیے رکھا تھا تاکہ وہ انہیں زیادہ بار ملاقات کر سکیں، اور رفیدہ، جو بنو اسلم کی خاتون تھی، ان کے زخم کا علاج کر رہی تھی۔ ان کے قبیلے کے لوگ ان کے پاس گئے، اور انہیں گدھے پر سوار کر کے کیمپ میں لے آئے۔ "اپنے اتحادیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا،" وہ راستے میں سعد سے کہتے، "کیونکہ اللہ کے رسول نے تمہیں ان پر فیصلہ کرنے کے لیے مقرر کیا ہے تاکہ تم ان کے ساتھ نرمی برتو۔" لیکن سعد ایک انصاف پسند شخص تھے؛ جیسے 'عمر بن خطاب، وہ بھی بدر کے قیدیوں کو معاف کرنے کے حق میں نہیں تھے، اور ان کی رائے وحی سے بھی درست ثابت ہوئی۔ بہت سے قریش کے افراد جو بدر میں فدیہ دے کر آزاد ہوئے تھے، وہ احد اور خندق کی لڑائیوں میں مسلمانوں کے خلاف آئے تھے؛ اور اس آخری جنگ میں دشمن کی طاقت بڑی حد تک بنو نضیر کے جلاوطن یہودیوں کی دشمنانہ سرگرمیوں کی وجہ سے تھی۔ اگر ان لوگوں کو جلاوطن کرنے کے بجائے قتل کر دیا جاتا، تو حملہ آوروں کی تعداد نصف ہو جاتی، اور بنو قریظہ یقیناً اپنے معاہدے پر قائم رہتے۔

سعد نے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان کی فریب کاری کو سامنے رکھتے ہوئے، فیصلہ کیا کہ نرمی برتنا مناسب نہیں ہو گا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے سخت فیصلہ دیا تو آوس کے زیادہ تر لوگ ان پر الزام لگائیں گے، لیکن سعد نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی، کیونکہ وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ وہ موت کے قریب ہیں۔ انہوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کے احتجاج کو رد کرتے ہوئے فرمایا: "اب سعد کے لیے وقت آ چکا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں کسی کی مذمت کی پرواہ نہ کرے۔"

سعد ایک قد آور شخص تھے، جن کا جمال اور وقار بھی نمایاں تھا، اور جب وہ کیمپ میں پہنچے تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اپنے آقا کی عزت میں کھڑے ہو جاؤ،" اور سب لوگ ان کے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: "ابو عمرو، اللہ کے رسول نے تمہیں تمہارے اتحادیوں کے معاملے کا فیصلہ کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔"

سعد بن معاذ نے کہا: "کیا تم اللہ کی قسم کھا کر میرے فیصلے کو ان پر نافذ کرنے کا عہد کرتے ہو؟" انہوں نے کہا: "جی ہاں، ہم کرتے ہیں۔" پھر سعد نے سوال کیا: "اور کیا یہ فیصلہ اس پر بھی لازم ہے جو یہاں موجود ہے؟" وہ اشارہ کر رہے تھے نبی ﷺ کی طرف، لیکن عزت کی وجہ سے نبی ﷺ کا ذکر نہیں کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جی ہاں، یہ لازم ہے۔" پھر سعد نے فیصلہ سنایا: "مردوں کو قتل کیا جائے گا، ان کا مال تقسیم کیا جائے گا، اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے گا۔"[1] نبی ﷺ نے کہا: "تم نے سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ کے حکم سے فیصلہ کیا ہے۔"

عورتوں اور بچوں کو مدینہ منتقل کیا گیا جہاں انہیں پناہ دی گئی، اور مردوں کو کیمپ میں رات گزارنے کے لیے چھوڑ دیا گیا، جہاں وہ تورات پڑھتے اور ایک دوسرے کو ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتے رہے۔ صبح کے وقت، نبی ﷺ نے بازار میں کھدائی کرنے کا حکم دیا، جو گہری اور تنگ کھائیاں تھیں۔ مردوں کو چھوٹے گروپوں میں بلایا گیا، اور ہر گروپ کو اس کھائی کے ساتھ بٹھایا گیا جو ان کی قبر بنی تھی۔ پھر علی بن ابی طالب، زبیر بن العوام اور دوسرے نوجوان صحابہ نے ایک ایک کر کے ان کے سر قلم کیے۔

جب حُیّی بن اخطب کو بازار میں لایا گیا تو اس نے نبی ﷺ کی طرف رخ کیا، جو اپنے بعض بزرگ صحابہ کے ساتھ الگ بیٹھے تھے، اور کہا: "میں اپنے آپ کو تمہارے مقابلے پر لانے پر نہیں ملامت کرتا، لیکن جو اللہ کو چھوڑ دیتا ہے، وہ خود چھوڑ دیا جاتا ہے۔" پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "اللہ کا حکم غلط نہیں ہو سکتا—یہ اللہ کا لکھا ہوا حکم اور فیصلہ ہے جو اس نے بنی اسرائیل کے خلاف اپنی کتاب میں رکھا ہے۔" پھر وہ کھائی کے کنارے بیٹھا اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

آخری افراد کو موم بتیوں کی روشنی میں قتل کیا گیا۔ اس کے بعد ایک بوڑھے شخص، زبیر بن بیعُی، کو لے جایا گیا، جس کا معاملہ ابھی تک طے نہیں ہوا تھا، اور اسے عورتوں کے پناہ گاہ میں رکھا گیا۔ اگلے دن جب انہیں اپنے مردوں کی موت کی خبر ملی تو شہر میں ان کی آہ و فریاد کی آوازیں سنائی دیں۔ لیکن بوڑھے زبیر نے انہیں خاموش کر دیا اور کہا: "چپ ہو جاؤ! کیا تم بنی اسرائیل کی پہلی عورتیں ہو جو اس دنیا میں قید کی گئیں؟ اگر تمہارے مردوں میں کچھ اچھائی ہوتی تو وہ تمہیں اس حال سے بچا لیتے۔ لیکن تم یہودیوں کے دین پر قائم رہو، کیونکہ اسی میں ہمیں مرنا ہے اور اسی میں ہمیں آئندہ جینا ہے۔"

زبیر ہمیشہ اسلام کا دشمن رہا تھا اور اس نے نبی ﷺ کے خلاف مخالفت بڑھانے میں بہت کوشش کی تھی۔ لیکن یثرب کے داخلی جنگوں کے دوران اس نے خزرج کے ایک شخص، ثابت بن قیس کی زندگی بچائی تھی، جو اس کا احسان چکانے کے لیے نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس سے درخواست کی کہ زبیر کو زندگی دی جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ تمہارا ہے۔" لیکن جب زبیر کو اس کی معافی کی خبر ملی تو اس نے ثابت سے کہا: "ایک بوڑھا شخص، بیوی اور بچوں کے بغیر، زندگی کا کیا کرے گا؟" چناں چہ ثابت دوبارہ نبی ﷺ کے پاس گیا، اور نبی ﷺ نے زبیر کے لیے اس کی بیوی اور بچوں کو دے دیا۔ لیکن زبیر نے کہا: "حجاز میں ایک گھرانہ جس کے پاس کوئی دولت نہ ہو، وہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟" اس پر ثابت دوبارہ نبی ﷺ کے پاس گیا، اور نبی ﷺ نے زبیر کے تمام مال و دولت اس کے اسلحہ اور زرہ کے علاوہ سب کچھ دے دیا۔ تاہم، زبیر کے دل میں زندگی کی تلخی اور اس کے فریب کے خیالات نے اسے کہیں نہ کہیں افسردہ کر دیا تھا۔

1 "سعد کا فیصلہ بلاشبہ ان کی غداری کے خلاف ہی تھا؛ لیکن حقیقت میں یہ یہودی قانون کے عین مطابق تھا جب کہ ایک محاصرہ شدہ شہر کا معاملہ ہو، چاہے اس نے غداری نہ بھی کی ہو: جب تمہارا خداوند تمہارے ہاتھوں میں اسے دے دے تو تم وہاں کے ہر مرد کو تلوار کے کنارے پر مار دو؛ لیکن عورتوں، بچوں، مویشیوں اور شہر میں موجود ہر چیز کو، یہاں تک کہ تمام مال و متاع، کو تم اپنے لئے لے لو۔"

.20: 12..

اب زبیر پر اپنے تمام قبیلے کے افراد کی موت کا غم غالب آیا اور اس نے کہا: "اللہ کی قسم، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں، ثابت، جس احسان کا میں تجھ پر حق دار ہوں، کہ تو مجھے میرے لوگوں کے ساتھ شامل کر لے، کیونکہ اب جب کہ وہ چلے گئے ہیں، زندگی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔" ابتدا میں ثابت نے انکار کیا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ زبیر سنجیدہ ہے، تو اس نے اسے تختۂ دار تک لے جایا اور زبیر کو سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ اس کی بیوی اور بچوں کو آزاد کر دیا گیا اور ان کا مال ثابت کی سرپرستی میں واپس کر دیا گیا۔

جہاں تک باقی عورتوں اور بچوں کا تعلق ہے، انہیں مال و دولت کے ساتھ تقسیم کر دیا گیا، اور وہ مردوں میں تقسیم کر دیے گئے جنہوں نے محاصرہ میں حصہ لیا تھا۔ ان میں سے کئی قیدیوں کو بنی نضیر نے خیبر میں فدیہ دے کر آزاد کیا۔ نبی ﷺ نے اپنے حصے کے طور پر ریحانہ بنت زید، ایک نضیری خاتون، کو منتخب کیا تھی، جس کی شادی ایک قریظی مرد سے ہوئی تھی۔ وہ بہت خوبصورت عورت تھی اور وہ نبی ﷺ کی باندی رہی، یہاں تک کہ پانچ سال بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ شروع میں نبی ﷺ نے اسے اپنی خالہ سلمہ کے حوالے کر دیا تھا، جن کے گھر رفاعہ پہلے ہی پناہ گزیں تھے۔ ریحانہ نے اسلام قبول کرنے میں پہلا آغاز نہیں کیا تھا، لیکن رفاعہ اور اس کے بنی حدل کے قریبی لوگوں نے اسے نئے دین کے بارے میں بتایا اور زیادہ دیر نہ گزری کہ تین نوجوان مسلمان ہونے والوں میں سے ایک، جس کا نام ثعلبہ تھا، نبی ﷺ کے پاس آیا اور بتایا کہ ریحانہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، جس پر نبی ﷺ بہت خوش ہوئے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ حاملہ نہیں ہے، تو نبی ﷺ اس کے پاس گئے اور اسے آزادی دینے اور اپنی بیوی بنانے کی پیشکش کی۔ لیکن اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول، مجھے اپنے اختیار میں چھوڑ دو؛ یہ میرے لیے اور آپ کے لیے زیادہ آسان ہو گا۔"

LXII

After the Siege

محاصرے کے بعد

جب سعد نے بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ سنایا، وہ واپس مسجد میں اپنی بیماری کے بستر پر آ گئے۔ انہوں نے پہلے ہی دعا کی تھی کہ اگر اللہ کے پاس اس کے لیے دشمنوں کے خلاف مزید لڑائی ہو تو وہ اسے زندگی دے، اور اگر نہیں، تو وہ اسے موت دے دے۔ اب ان کی حالت تیزی سے بگڑنے لگی۔ ایک رات محاصرے کے کچھ ہی عرصے بعد، نبی اکرم ﷺ نے انہیں اس حالت میں پایا جیسے وہ بے ہوش ہوں۔۔ آپ ﷺ ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور ان کا سر آہستہ سے اٹھایا اور اپنی سینے پر رکھ لیا، پھر آپ نے دعا کی: "اے میرے رب! بے شک سعد نے تیرے پیغمبر کے راستے پر ایمان کے ساتھ کوشش کی، اس نے جو کچھ بھی کرنا تھا، وہ کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ تو پھر اس کی روح کو اپنے پاس اس طرح قبول کر لے جیسے تو اپنے بندوں کی روحیں قبول کرتا ہے۔" سعد نے نبی ﷺ کی آواز سنی اور اپنی آنکھیں کھولیں، اور کہا: "سلام ہو تجھ پر، اے اللہ کے رسول، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔" ایک یا دو گھنٹے بعد، جب نبی ﷺ اپنے گھر واپس آ گئے، جبرائیل آئے اور انہیں بتایا کہ سعد کا انتقال ہو چکا ہے۔

جب سعد کی تدفین کے لیے اس کا جنازہ قبرستان لے جایا گیا، تو جنازہ اُٹھانے والوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ ان کا بوجھ کتنا ہلکا تھا، کیونکہ سعد بہت وزنی آدمی تھے۔ جب انہوں نے یہ بات نبی ﷺ سے کہی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے فرشتوں کو اسے اُٹھاتے ہوئے دیکھا تھا۔" پھر جنازہ قبر کے کنارے رکھا گیا اور نبی ﷺ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، جس میں مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھی۔ پھر جب ان کی لاش کو قبر میں اُتارا گیا، نبی ﷺ کا چہرہ اچانک پیلا پڑ گیا اور آپ نے تین بار "سبحان اللہ" کہا، "اللہ کی پاکیزگی ہو!" یہ اللہ کی مکمل بلند و بالا حیثیت کی تصدیق تھی، جو کبھی کبھار اس طرح کہا جاتا ہے جب کسی حد کو پار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تمام موجود لوگوں نے یہ کلمات دہرائے اور قبرستان اللہ کی پاکیزگی سے گونج اُٹھا۔ پھر کچھ لمحوں بعد، آپ ﷺ نے "اللہ اکبر" یعنی "اللہ سب سے بڑا ہے" کہا، اور قبرستان میں دوبارہ یہ الفاظ گونج اُٹھے جب موجود لوگوں نے یہ کلمات دہرائے۔ بعد میں، جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کا رنگ کیوں بدل گیا تھا، تو آپ ﷺ نے کہا: "تمہارے ساتھی کے لیے قبر تنگ ہو گئی تھی، اور وہ ایک ایسا دباؤ محسوس کر رہا تھا، جو اگر کوئی شخص بچ سکتا، تو سعد بچ سکتے تھے۔ پھر اللہ نے اسے سکون کا راحت دے دی۔"[1]

یہ وہ وقت تھا جب نبی ﷺ اُم سلمہ کے کمرے میں تھے، اور آپ نے انہیں بتایا: "ابولبابہ معاف کر دیے گئے ہیں۔" اُم سلمہ نے کہا: "کیا میں انہیں خوشخبری نہ دوں؟" نبی ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو، تو دے سکتی ہو۔" پھر وہ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوئیں، جو مسجد میں کھلتا تھا، اور وہ اس ستون کے قریب تھیں جس سے ابو لبابہ خود کو باندھتے تھے۔

[1] W·5 29

ابو لبابہ خود کو آزاد کرنے کے لیے آواز دیتے ہوئے باہر آئے اور کہا: "اے ابو لبابہ، خوش ہو جاؤ، کیونکہ اللہ نے تم پر رحم کر لیا ہے۔" مسجد میں موجود لوگ اس پر دوڑ پڑے تاکہ اسے آزاد کریں، مگر ابو لبابہ نے انہیں روکا اور کہا: "نہیں، جب تک اللہ کے رسول ﷺ خود اپنے ہاتھوں سے مجھے آزاد نہ کریں۔" پھر نبی ﷺ نماز کے لیے جا رہے تھے اور ابو لبابہ کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس کے بندھن کھول دیے۔

نماز کے بعد، ابو لبابہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ وہ اپنی خطا کی تلافی کے لیے کچھ صدقہ دینا چاہتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ان سے ان کی دولت کا ایک تہائی حصہ قبول کیا، کیونکہ وہ وحی جو ان کی آزادی کا سبب بنی تھی، اس میں کہا گیا تھا: "ان کی دولت سے صدقہ لے کر ان کو پاک کر لو"[1]، یہ صرف ابو لبابہ کے لیے نہیں، بلکہ ان دوسرے اچھے لوگوں کے لیے بھی تھا جو اپنی خطا کو تسلیم کرتے تھے۔

محاصرے کے تقریباً پانچ ماہ بعد، نبی ﷺ کو خبر ملی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے آ رہا ہے اور زید کو اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ایک سو ستر سواروں کے ساتھ بھیجا گیا۔ انہوں نے پورا مال غنیمت لے لیا، جس میں صفوان کا بہت سا چاندی بھی شامل تھا، اور زیادہ تر لوگ قید کر لیے گئے۔ ان چند میں سے جو بچ کر نکلے تھے، ابو العاص، نبی ﷺ کے داماد، تھے۔ جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے، جہاں سے وہ مکہ جانے والے تھے، وہ اپنی بیوی اور بیٹی اُمامہ سے ملنے کی آرزو سے بھر گئے۔ رات کے وقت، انہوں نے مدینہ میں داخل ہونے کا خطرہ مول لیا اور کسی طرح زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، زینب رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھولا اور انہیں اندر آنے دیا۔ ابھی دن نہیں ہوا تھا، اور جب بلال نے اذان دی تو زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں گھر میں چھوڑا اور خود معمول کے مطابق مسجد کی طرف روانہ ہو گئیں تاکہ وہ اپنے بہنوں اور سوتیلی ماؤں کے ساتھ عورتوں کی صف میں، مردوں کی صف کے پیچھے، نماز کے لیے جا سکیں۔

نبی ﷺ نے ابتدائی تکبیر کہی جسے مردوں نے آپ ﷺ کے پیچھے دہرا دیا، اور پھر ایک لمحے کی خاموشی میں زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی پوری طاقت سے آواز دی: "اے لوگو، میں ابو العاص بن ربیع کو پناہ دیتی ہوں۔" پھر وہ نماز میں شامل ہو گئیں اور تکبیر کہہ کر نماز ادا کی۔

جب نبی ﷺ نے سلام کے الفاظ کہے اور پھر اپنی طرف رخ کیا، تو آپ نے کہا: "کیا تم نے وہ سنا جو میں نے سنا؟" اور مسجد میں ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے اس بات کا علم نہیں تھا جب تک میں نے وہ نہیں سنا جو میں نے سنا۔ سب سے کمزور مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے، اور یہ پناہ تمام مسلمانوں پر لازمی ہو گی۔" پھر نبی ﷺ اپنی بیٹی کے پاس گئے اور کہا: "اسے عزت کے ساتھ قبول کرو، لیکن اسے شوہر کی حیثیت سے اپنے پاس نہ آنے دو، کیونکہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو۔" زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کو بتایا کہ ابو العاص ان مالوں کے نقصان پر پریشان ہیں، جو انہوں نے شام میں مختلف قریش کے لوگوں کے لیے تجارت کی تھی، کیونکہ وہ مکہ کے سب سے قابل اعتماد لوگوں میں سے ایک تھے۔ اس پر نبی ﷺ نے ان لوگوں سے پیغام بھیجا جنہوں نے ابو العاص کا مال غنیمت بنایا تھا: "یہ شخص ہمارے خاندان سے ہے جیسا کہ تم جانتے ہو، اور تم نے اس کا مال لیا ہے۔ اگر تم اسے واپس کر دو تو یہ میرے لیے خوشی کی بات ہو گی، لیکن اگر تم نہیں دو گے، تو یہ مال غنیمت ہے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے، اور اس صورت میں تمہارا حق اس پر زیادہ ہے۔" انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ مال واپس کر دیں گے۔

[1] IX, 103.

انہوں نے ابو العاص کا تمام مال واپس کر دیا، یہاں تک کہ پرانی پانی کی مشکیں، چھوٹے چمڑے کے بوتلیں اور لکڑی کے ٹکڑے بھی واپس کر دیے۔ اس کا کوئی بھی مال واپس کیے بغیر نہیں چھوڑا گیا۔ چونکہ یہ علامات ظاہر ہو رہی تھیں کہ ابو العاص اسلام قبول کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے، تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: "تم اسلام کیوں نہیں قبول کرتے اور یہ مال اپنے لیے لے لیتے، کیونکہ یہ مال بت پرستوں کا ہے؟" لیکن ابو العاص نے جواب دیا: "یہ میرے اسلام کا برا آغاز ہو گا کہ میں اپنی امانت میں خیانت کروں۔" انہوں نے یہ مال مکہ واپس جا کر ان کے مالکوں کو دے دیا۔ پھر وہ مدینہ واپس آئے اور اسلام قبول کیا، اور بیعت کی۔ اس کے بعد زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ دوبارہ جڑ گئیں، اور نبی ﷺ کے خاندان میں اور پورے مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

LXIII

The Hypocrites

منافقین

مشرقی قافلہ راہ پر زید کی کامیاب گھات نے قریش کی توجہ ایک بار پھر مغربی راستے کی طرف مبذول کر دی، جو ان کا پسندیدہ راستہ تھا۔ اب انہوں نے اپنے بحیرہ احمر کے ساحلی اتحادیوں، بنی مُسطلِق (جو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی) کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا۔ انہیں امید تھی کہ حملہ آور دوسرے ساحلی قبائل کی حمایت حاصل کر لیں گے اور اس طرح قریش کے لیے راستہ دوبارہ کھول دیا جائے گا۔ لیکن خزاعہ کے دوسرے قبائل نبی ﷺ کے بارے میں قریش سے زیادہ موافق تھے، جیسا کہ قریش نے اندازہ نہیں لگایا تھا، اور یہ منصوبہ نبی ﷺ تک بروقت پہنچ گیا۔ اس طرح اسے یہ موقع ملا کہ وہ اپنی طاقت کو مغربی راستے پر بھی ثابت کرے، جو کہ مکہ سے چند مراحل ہی دور تھا۔

آٹھ دنوں کے اندر، بنو مُسطلِق کی تیاری سے بہت پہلے، نبی ﷺ ان کی سرزمین کے ایک پانی کے مقام پر خیمہ زن تھے۔ وہاں سے انہوں نے حملہ کیا اور ایک چالاکی سے بنو مُسطلِق کو گھیر لیا، جنہوں نے بہت کم مزاحمت کے ساتھ خود کو تسلیم کر لیا۔ صرف ایک مسلمان شہید ہوا، اور دشمن کے صرف دس افراد مارے گئے۔ تقریباً دو سو خاندان قید کر لیے گئے، اور مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکرے اور بھیڑیں شامل تھیں۔

فوج نے وہاں چند مزید دن گزارے، لیکن ایک ناخوشگوار واقعہ کی وجہ سے ان کا قیام مختصر ہو گیا۔ ایک کنویں پر غفار اور جحینۃ قبیلوں کے درمیان ایک تنازعہ کھڑا ہو گیا کہ کس کی بالٹی کس کی ہے، اور وہ لڑ پڑے۔ غفاری، جسے عمرؓ نے اپنی گھوڑا قیادت کے لیے رکھا تھا، نے مدد کے لیے پکارا "یا قریش"، جبکہ جحینی نے اپنی روایتی اتحادی خزرج کو پکارا، اور مهاجرین و انصار کے جوشیلے افراد فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ تلواریں نکالی گئیں اور خون خرابہ ہونے کے قریب تھا، اگر کچھ قریب کے صحابہ نہ پہنچتے اور دونوں طرف مداخلت نہ کرتے۔ یہ معاملہ عام طور پر ختم ہو جاتا۔ لیکن ایسا ہوا کہ اس مہم میں زیادہ تر منافقین بھی شامل تھے؛ یہ ایک شناسا اور پانی سے بھرپور علاقے میں تھا، اور ابتدا میں ایک آسان فتح اور مال غنیمت کی امید تھی۔ وہ اس منظر کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور اب بھی یثرب سے نکلنے والی مہمات کو صرف خزرج اور اوس کے حملے سمجھتے تھے، جن میں مدد کے طور پر دوسروں کو شامل کیا گیا تھا۔ اس لیے یہ کیمپ صرف قبیلہ قیلہ کا تھا: یہاں مکہ کے پناہ گزین محض برداشت کے طور پر موجود تھے۔ اس ذہنیت کے ساتھ ابن ابی اپنے کچھ قریبی ساتھیوں کے ساتھ الگ بیٹھا تھا جب ان کے کانوں میں جھگڑے کی آواز پہنچی، اور ان میں سے ایک ان کے پاس جا کر اس کے بارے میں معلومات دینے آیا۔ اس نے واپس آ کر یہ رپورٹ دی...

یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب ابن ابی نے اپنی ناراضگی اور منافقانہ خیالات کا کھل کر اظہار کیا۔ اُس نے مسلمانوں اور مہاجرین کے خلاف سخت الفاظ کہے، جنہیں ایک نوجوان، زید بن ارقم، نے سنا اور فوراً نبی اکرم ﷺ کو اطلاع دی۔ ابن ابی نے نہ صرف مدینہ میں مہاجرین کی موجودگی پر اعتراض کیا بلکہ کہا کہ جب وہ مدینہ واپس جائیں گے تو قوی لوگ کمزوروں کو نکال دیں گے۔

حضرت عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ابن ابی کو قتل کرنے کا حکم دیا جائے، لیکن نبی ﷺ نے فرمایا:
""اے عمر، اگر میں ایسا کروں تو لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے معاملے کو حکمت سے نمٹانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے فوری طور پر لشکر کو دوپہر کے وقت، جو عام طور پر حرکت کا وقت نہیں تھا، روانگی کا حکم دیا۔ یہ قدم اس لیے اٹھایا تاکہ لوگوں کے ذہنوں کو دوسرے کاموں میں مشغول کیا جائے اور تنازعہ سے بچا جا سکے۔

سفر کے دوران، نبی اکرم ﷺ نے سعد بن عبادہؓ سے گفتگو کی، جو خزرج کے مسلمانوں میں ابن ابی کی جگہ ایک اہم رہنما کے طور پر ابھر رہے تھے۔ سعد نے نبی اکرم ﷺ کو یقین دلایا کہ اگر آپ چاہیں تو ابن ابی کو مدینہ سے نکال سکتے ہیں کیونکہ آپ اعلیٰ اور قوی ہیں جبکہ ابن ابی کمزور اور کمتر ہے۔

اس واقعے کے بعد، نبی اکرم ﷺ پر سورۃ المنافقون نازل ہوئی، جس میں ابن ابی جیسے منافقوں کے الفاظ کا ذکر کیا گیا، حالانکہ نام نہیں لیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے زید کو بلا کر ان کی بات کی تصدیق کی اور فرمایا:
""بیٹے، تمہارے کان نے سچ سنا، اور اللہ نے تمہاری بات کی تصدیق کی۔

ابن ابی کا بیٹا، عبد اللہ، جو ایک مخلص مسلمان تھا، اس معاملے پر بہت پریشان ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے معاملے کو حکمت اور شفقت کے ساتھ نمٹایا، جس سے اس تنازعے کا خاتمہ ہوا۔

عبد اللہ بن ابی کا بیٹا یہ جانتا تھا کہ اس کے والد نے وہ الفاظ کہے تھے، اور اسے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ عمرؓ چاہتے تھے کہ نبی ﷺ اپنے والد کو موت کی سزا دیں، اور وہ خوفزدہ تھا کہ یہ حکم کسی بھی لمحے جاری کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: "یا رسول اللہ، مجھے بتایا گیا ہے کہ آپؐ عبد اللہ بن ابی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر آپ کو ایسا کرنا ضروری ہو تو مجھے حکم دے دیں، اور میں ان کا سر آپ تک لے آؤں گا۔ خزرج خوب جانتا ہے کہ ان میں کوئی بھی اپنے والد کے لیے مجھ سے زیادہ عزت و احترام نہیں رکھتا، اور مجھے خوف ہے کہ اگر آپ نے کسی اور کو یہ حکم دیا تو میری روح مجھے اجازت نہیں دے گی کہ میں اپنے والد کے قاتل کو لوگوں کے درمیان چلتا ہوا دیکھوں، اور میں اسے قتل کر ڈالوں گا، اور اس طرح میں ایک کافر کی خاطر ایک مسلمان کو قتل کر کے جہنم میں داخل ہو جاؤں گا۔" لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: "..لیکن آیئے اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے اس کی رفاقت کا بہترین استعمال کریں۔[1]

[1] 1.1. 726- 8.

LXIV

The Necklace

ہار

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ نبی ﷺ کے ساتھ اس مہم پر گئی تھیں؛ اور چند دن بعد جب لشکر ایک دن غروب کے وقت رکا تھا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گردن میں پہنا ہوا ایک اونکس کا ہار کھل کر زمین پر گر گیا، جسے کسی نے نہیں دیکھا۔ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہار کا پتہ چلا تو بہت دیر ہو چکی تھی اور وہ اسے تلاش کرنے سے قاصر تھی کیونکہ رات کا اندھیرا ہو چکا تھا۔ وہ اس ہار کو چھوڑنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہی تھی کیونکہ یہ ان کی شادی کے دن ان کی والدہ نے ان کی گردن میں ڈالا تھا اور یہ ان کی سب سے قیمتی چیزوں میں سے تھا۔ وہ جگہ پانی سے بے بہرہ تھی اور نبی ﷺ نے مختصر آرام کے لیے وہاں رکنے کا ارادہ کیا تھا، مگر اب آپ نے حکم دیا کہ وہاں صبح تک قیام کیا جائے۔ اس منصوبے میں تبدیلی کی وجہ پورے لشکر میں پھیل گئی اور بہت سی شکایات ہوئیں کہ ایک پورا لشکر ایک ہار کے لیے ایسی مشکل جگہ پر روک دیا گیا تھا۔ کچھ صحابہ ابو بکرؓ کے پاس گئے اور انہوں نے اپنی بیٹی کی لاپرواہی پر بہت غصہ کا اظہار کیا۔ وہاں کوئی بھی پانی کا ذخیرہ نہیں تھا، اور مردوں نے جو پانی اپنے ساتھ لیا تھا وہ ختم ہو چکا تھا، کیونکہ وہ اس کیمپ میں پانی بھرنے کا ارادہ رکھتے تھے جہاں انہوں نے قیام کرنا تھا۔ فجر کی نماز بھی ادا نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ وضو کے لیے پانی نہیں تھا۔ لیکن رات کے آخری پہر میں اللہ کی طرف سے ایک آیت نازل ہوئی جو امت کے عملی زندگی کے لیے بے شمار اہمیت کی حامل تھی: "اگر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو، اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کو صاف کر لو۔"[1] اس آیت کے نازل ہونے سے تمام غصہ اور بے چینی ختم ہو گئی، اور اسید نے کہا: "یہ پہلی برکت نہیں ہے جو تم اہلِ ابو بکر ہمارے لیے لائے ہو۔"

جب دن آیا، تو ہار ابھی تک کہیں نہیں ملا تھا؛ مگر جب اس کے ملنے کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں اور وہ بغیر اس کے روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ جس پر وہ سوار تھیں، رات بھر اسی جگہ بیٹھا رہا، اُٹھا اور نیچے زمین پر وہ ہار پڑا تھا۔

اگلے کیمپوں میں سے ایک, ایک خوشگوار وادی میں تھا، جہاں لمبے لمبے ہموار ریت کے حصے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے دونوں خیمے حسب معمول دوسروں سے کچھ فاصلے پر نصب کیے گئے تھے، اور اس دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی کہ وہ ان کے ساتھ ہوں۔ انہوں نے بعد میں بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے تجویز دی کہ وہ دوڑ لگائیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: "میں نے اپنی چادر کو اپنے گرد مضبوطی سے باندھ لیا، اور نبی اکرم ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر ہم نے دوڑ لگائی، اور اس بار نبی اکرم ﷺ جیت گئے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اس دوڑ کے بدلے ہے جو تم نے پہلے جیتی تھی۔" وہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو مکہ میں ہجرت سے پہلے پیش آیا تھا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مزید کہا...

[1] IV,43.

وہ میرے والد کے گھر آئے تھے اور میرے ہاتھ میں کچھ تھا، انہوں نے کہا 'مجھے یہ دے دو،' اور میں نے انکار کیا اور ان سے دوڑ کر بھاگ گئی، اور وہ میرے پیچھے دوڑنے لگے، مگر میں ان سے زیادہ تیز تھی۔"[1]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا قفل غیر محفوظ تھا، اور جب وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے آخری پڑاؤ پر رکیں، تو یہ دوبارہ ان کی گردن سے گر گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب چلنے کا حکم دیا جا چکا تھا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قدرتی ضرورت کے لیے کیمپ سے باہر گئی تھیں۔ جب وہ واپس آئیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ نے اپنے اپنے ہودوں میں بیٹھ کر پردے بند کیے اور اپنے چہرے چھپائے۔ تب ہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہار کی کمی کا احساس ہوا؛ اور پردے سے باہر نکل کر وہ اسے تلاش کرنے واپس گئیں۔ اسی دوران مردوں نے اونٹوں کو تیار کیا اور ہودوں کو اونٹوں پر باندھ دیا۔ انہیں اس بات کی عادت تھی کہ دونوں ہودوں کا وزن کافی مختلف ہوتا ہے—ایک تیس سال کی عورت کا وزن اور ایک چودہ سال کی لڑکی کا وزن جو اپنی عمر کے لحاظ سے نسبتاً ہلکی تھی—اور وہ اس بار یہ نہیں سمجھ پائے کہ ہودہ اس بار معمول سے بھی ہلکا تھا، لہٰذا انہوں نے بغیر کسی شک کے اونٹوں کو لے کر مارچ کے لیے روانہ کر دیا۔

"میں نے اپنا ہار تلاش کیا،" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، "اور کیمپ واپس آئی، مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ تو میں نے سوچا کہ وہ مجھے تلاش کر کے واپس آئیں گے، اور جہاں میرا ہودہ تھا وہاں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔ میں بیٹھی تھی کہ میری آنکھوں پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ میں وہاں لیٹی تھی جب صفوان بن معطل میرے پاس سے گزرے۔[2] وہ کسی وجہ سے لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے اور کیمپ میں نہیں سوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ میرے پاس آئے اور کھڑے ہو گئے۔ وہ مجھے اس سے پہلے بھی دیکھ چکے تھے جب پردہ نہیں تھا، اور جب انہوں نے مجھے پہچانا تو کہا: 'ہم اللہ کے لیے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ اللہ کے رسول کی بیوی ہے۔'"

صفوان کا یہ قول عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جگا دیا، اور اس نے اپنا پردہ اپنے چہرے پر ڈھانپ لیا۔ صفوان نے اسے اپنے اونٹ پر سوار کرایا اور خود چلتے ہوئے اسے اگلے پڑاؤ تک پہنچایا۔[3]

جب لشکر وہاں پہنچا، تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہودہ اونٹ سے اُتار کر زمین پر رکھا گیا تھا؛ اور جب وہ باہر نہیں آئی تو لوگوں نے سمجھا کہ وہ سو رہی ہیں۔ بہت حیرانی ہوئی جب، پڑاؤ کے آخر میں، جب مرد آرام کر چکے تھے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو صفوان کے ساتھ کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ وہ آغاز تھا جس سے ایک بے جا سکینڈل نے مدینہ کو ہلا کر رکھ دیا، اور منافقوں کی زبانیں اس میں تیزی سے لگ گئیں، لیکن اس وقت نبی ﷺ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور بیشتر صحابہ اس آنے والے مسئلے سے بے خبر تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم معمول کے مطابق ہوئی، اور ایک قیدی جویریہ بنت حارث تھی، جو شکست خوردہ قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی۔ وہ ایک انصاری کے حصے میں آئی، جس نے اس کے فدیے کے لیے ایک بلند قیمت مقرر کی، اور وہ نبی ﷺ کے پاس آئی تاکہ آپ اس کے لیے سفارش کریں۔ اس دن نبی ﷺ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھولا۔ بعد میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے کہا: "وہ بڑی خوبصورت اور دلکش عورت تھی۔ کوئی بھی اس پر نظر ڈالتا، وہ اس کا دل مائل کر لیتی، اور جب میں نے اسے اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھا، تو مجھے کچھ شک ہوا تھا، کیونکہ..."

ایک نوجوان جو قبیلہ بنی سلم سے تھا اور مدینہ آ کر بس گیا تھا، اس لیے اسے مہاجرین میں شمار کیا جاتا تھا۔

[1] W.4 27. [2] بنی سلیم کے ایک نوجوان جو مدینہ میں قیام پذیر ہوئے اور اس طرح ان کو مہاجرین میں شمار کیا گیا۔

[3] I.I. 732; B. L1I, 15; W. 426-8.

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "مجھے معلوم تھا کہ نبی ﷺ اس میں وہی کچھ دیکھیں گے جو میں نے دیکھا تھا۔" جب جویریہ نبی ﷺ کے پاس آئی، تو اس نے کہا: "اللہ کے رسول، میں جویریہ ہوں، حارث کی بیٹی، جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ آپ خوب جانتے ہو کہ مجھ پر کیا پریشانی آئی ہے، اور میں اپنے فدیے کے بارے میں آپ سے مدد لینے آئی ہوں۔" نبی ﷺ نے جواب دیا: "کیا تم اس سے بہتر چیز چاہو گی؟" "کیا چیز بہتر ہے؟" اس نے پوچھا، اور نبی ﷺ نے جواب دیا: "کہ میں تمہارا فدیہ دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔"[1]

جویریہ نے خوشی سے نبی ﷺ کی پیشکش قبول کی، مگر ان کا نکاح ابھی تک نہیں ہوا تھا کہ اس کا والد کچھ اونٹوں کے ساتھ اس کے فدیے کے لیے آیا۔ یہ وہ تعداد نہیں تھی جو وہ ابتدا میں پیش کرنے والا تھا، کیونکہ وادی عقیق میں، وہاں پہنچنے سے پہلے، اس نے اپنے اونٹوں کو آخری بار دیکھا اور ان میں سے دو اونٹوں کو اتنا پسند کیا کہ وہ انہیں باقیوں سے الگ کر کے وادی کے ایک گزر گاہ میں چھپ کر لے آیا، اور انہیں چھوڑنے کا دل نہ کر سکا۔ باقی اونٹ لے کر وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: "اے محمد ﷺ، تم نے میری بیٹی کو قید کیا ہے اور یہ اس کا فدیہ ہے۔" نبی ﷺ نے پوچھا: "لیکن وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم نے عقیق میں چھپائے تھے؟" اور پھر انہوں نے بالکل صحیح طریقے سے اس گزر گاہ کی تفصیل بیان کی جہاں وہ اونٹ بندھے ہوئے تھے۔

اس پر حارث نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور تم، محمد ﷺ، اللہ کے رسول ہو؛" اور اس کے دو بیٹے بھی اسلام لے آئے۔ حارث نے دو اونٹوں کو طلب کیا اور باقی اونٹوں کے ساتھ وہ بھی نبی ﷺ کو دے دیے، جنہوں نے اس کی بیٹی کو اس کے حوالے کر دیا۔ پھر وہ خود بھی اسلام لے آئی، اور نبی ﷺ نے اس کے والد سے اس کا نکاح کرنے کی درخواست کی، جسے اس نے قبول کر لیا؛[2] اور اس کے لیے ایک کمرہ تعمیر کیا گیا۔

جب یہ بات معلوم ہوئی کہ بنو مُسطلق اب نبی ﷺ کے رشتہ دار بن گئے ہیں، تو مہاجرین اور انصار نے اپنے قیدیوں کو آزاد کر دیا جو ابھی تک فدیہ نہیں دے سکے تھے۔ تقریباً سو خاندان آزاد کر دیے گئے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جویریہ کے بارے میں کہا: "مجھے نہیں معلوم کہ کوئی عورت اپنے لوگوں کے لیے اس سے بڑی برکت تھی جو جویریہ تھی۔"[3]

[1] 1.1. 729. [2] I.H·729. [3] I.I. ibid.

LXV

The Lie

جھوٹ

مدینہ واپس آنے کے بعد، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں۔ اس وقت تک وہ بہت سی منافقوں کی طرف سے خود اور صفوان پر لگائے گئے الزامات شہر میں پھیل چکے تھے۔ چند لوگوں نے ان الزامات کو سنجیدگی سے لیا، جن میں ان کا کزن مصطح بھی شامل تھا، جو بنو مطلق قبیلے سے تھا۔ لیکن چاہے لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہوں یا نہ، یہ بات سب کو معلوم ہو چکی تھی، سوائے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے۔ تاہم، وہ نبی ﷺ کی طرف سے ایک خاص بے تعلقی محسوس کر رہی تھیں اور انہیں اس محبت بھری توجہ کی کمی محسوس ہو رہی تھی جو نبی ﷺ نے ان کی دیگر بیماریوں میں دکھائی تھی۔ نبی ﷺ ان کے کمرے میں آکر صرف یہ پوچھتے تھے: "تم سب کیسے ہو؟" اور یوں ان کا نام لے کر ان کا حال نہیں پوچھتے تھے۔

گہرے غم میں غرق، مگر شکایت کرنے کی بجائے زیادہ فخر رکھنے والی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے والدین کے گھر جا کر اپنی والدہ سے علاج کروا سکیں۔ "جیسا چاہو،" نبی ﷺ نے جواب دیا۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے الفاظ میں بیان کرتی ہیں: "میں اپنے والدین کے گھر گئی اور بغیر کسی علم کے جو کچھ کہا جا رہا تھا، بیس دن بعد میری بیماری ٹھیک ہو گئی۔ ایک شام میں مصطح کی والدہ کے ساتھ باہر جا رہی تھی—ان کی والدہ میرے والدہ کی بہن تھیں—اور وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے اپنی چادر سے ٹھوکر کھا کر گریں اور کہا: 'مِصْتَحْ گر پڑے!' میں نے کہا: 'اللہ کی قسم، یہ کیا بات ہے کہ ایک ایسا شخص جو بدر کی جنگ میں شریک تھا، اس کے بارے میں ایسی بات کی جائے؟'' اے ابو بکر کی بیٹی، کیا تمہیں یہ خبر نہیں پہنچی؟' انہوں نے کہا۔ 'کون سی خبر؟' میں نے پوچھا۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ لوگ جو الزام لگا رہے تھے اور وہ کس طرح اس بات کو دہرا رہے تھے۔ 'کیا یہ سچ ہے؟' میں نے پوچھا۔ 'اللہ کی قسم، یہ سچ ہے!' انہوں نے جواب دیا، اور میں گھر واپس آئی، روتے ہوئے، اور اتنا روتی رہی کہ مجھے لگا کہ میرا جگر پھٹ جائے گا۔ 'اللہ تجھے معاف کرے!' میں نے اپنی والدہ سے کہا، 'لوگ اپنی باتیں کرتے ہیں، اور تم مجھے ایک لفظ بھی نہیں بتاتیں!'' بیٹی،' انہوں نے کہا، 'اس بات کو اتنا دل پر نہ لو، کیونکہ اکثر ایسی خوبصورت عورت جو اپنے شوہر سے محبت کرتی ہو، اس کی دوسری بیویاں اس کے بارے میں باتیں کرتی ہیں اور لوگ وہ باتیں دہراتے ہیں۔' اس لیے میں ساری رات جاگتی رہی، اور میری آنکھوں سے آنسو رکنے کا نام نہ لیتے تھے۔"[1]

حقیقت میں، جو بھی ایک دوسرے کے بارے میں حسد کر رہے تھے، نبی ﷺ کی بیویاں سب پاکدامن عورتیں تھیں، اور ان میں سے کسی نے بھی اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ نہیں لیا۔ بلکہ، انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دفاع کیا اور ان کے بارے میں اچھا کہا۔ ان لوگوں میں سے جنہوں نے الزام لگایا، نبی ﷺ کے گھرانے کے قریب ترین افراد میں ان کی کزن حمنا تھیں، جو زینب رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، اور یہ بہتان اس نے پھیلایا تھا تاکہ زینب رضی اللہ عنہا کے مفادات کو آگے بڑھا سکے، کیونکہ یہ عمومی طور پر سمجھا جاتا تھا کہ کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی سب سے محبوب زوجہ ہوتیں۔

.B.LII, 15[1]

کیونکہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ اگر عائشہ نہ ہوتیں تو زینب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی ہوتیں؛ اور زینب رضی اللہ عنہا کو اپنی بہن کی غلط فہمی پر مبنی غیر مناسب جوش و خروش کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی مزید اس بہتان میں حصہ ڈالنے والے افراد میں مصطح کے علاوہ شاعر حسان بن ثابت بھی شامل تھے، اور اس کے پس پردہ عبد اللہ ابن ابی اور دوسرے منافقین تھے جنہوں نے اس سازش کا آغاز کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے منتظر تھے، لیکن جب کچھ نازل نہ ہوا تو آپ نے نہ صرف اپنی بیویوں بلکہ دیگر قریبی افراد سے بھی مشورہ کیا۔ اسامہ، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم عمر تھے، نے ان کے حق میں پُرجوش انداز میں بات کی۔ انہوں نے کہا: "یہ سب جھوٹ ہے، ہم ان کے بارے میں صرف بھلائی جانتے ہیں۔"

ان کی والدہ ام ایمن نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں زور دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "اللہ نے آپ کو کسی بات کا پابند نہیں کیا، اور ان کے علاوہ بھی کئی عورتیں ہیں۔ لیکن ان کی خادمہ سے سوال کریں، وہ آپ کو حقیقت بتادے گی۔"

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا: "اے بریرہ، کیا تم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کبھی ایسی کوئی بات دیکھی ہے جو تمہیں شک میں ڈالے؟" بریرہ نے جواب دیا: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، میں ان کے بارے میں صرف بھلائی جانتی ہوں، اور اگر کچھ غلط ہوتا تو اللہ اپنے رسول کو ضرور آگاہ کرتا۔ ان میں بس یہ بات ہے کہ وہ کم عمر ہیں، اور جب میں آٹا گوندھ رہی ہوتی ہوں اور ان سے کہتی ہوں کہ اس کی نگرانی کریں، تو وہ سو جاتی ہیں اور ان کا پالتو بھیڑ کا بچہ آکر آٹے کو کھالیتا ہے۔ میں نے انہیں اس پر کئی بار ڈانٹا ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اگلی بار مسجد میں تشریف لے گئے تو منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"اے لوگو، ان لوگوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جو میرے اہلِ خانہ کے متعلق مجھے تکلیف پہنچا رہے ہیں اور ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جو حق نہیں ہیں؟ اللہ کی قسم، میں اپنے اہلِ خانہ کے بارے میں صرف بھلائی جانتا ہوں، اور جس شخص کا ذکر کیا جارہا ہے، اس کے بارے میں بھی صرف بھلائی جانتا ہوں۔ وہ کبھی میرے گھر میں داخل نہیں ہوتا، مگر جب میں وہاں موجود ہوتا ہوں۔" یہ سن کر اسید کھڑے ہوئے اور کہا: "اے اللہ کے رسول! اگر وہ اوس کے ہیں تو ہم ان سے نمٹ لیں گے، اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج کے ہیں تو ہمیں حکم دیں، ہم ان کے سر قلم کریں گے۔"

اس پر سعد بن عبادہ، جو خزرج سے تھے، کھڑے ہوئے اور کہا: "اللہ کی قسم، تم جھوٹ بولتے ہو! نہ تم انہیں قتل کروگے اور نہ کر سکتے ہو۔ اگر وہ تمہاری قوم کے ہوتے تو تم یہ بات نہ کہتے۔" اسید نے جواب دیا: "اللہ کی قسم، تم خود جھوٹے ہو! ہم انہیں ضرور قتل کریں گے، اور تم ایک منافق ہو جو منافقوں کی حمایت کر رہے ہو۔"

اس وقت دونوں قبائل میں جھگڑے کا خطرہ پیدا ہو گیا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کر کے انہیں خاموش کیا، منبر سے اترے اور انہیں پرامن طور پر رخصت کیا۔

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے ان کا دفاع کیا ہے، تو وہ یقیناً بہت سکون پاتیں۔ لیکن اس وقت انہیں کچھ معلوم نہ تھا۔ وہ صرف یہ جانتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے ان کے بارے میں سوال کر رہے ہیں، جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچ رہی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ امید نہیں تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دل کے راز خود دیکھ لیں گے، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ غیب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "میں صرف وہی جانتا ہوں جو اللہ مجھے بتاتا ہے۔" لیکن یہ مسئلہ انتہائی سنجیدہ تھا، اور ضروری تھا کہ ایسا واضح ثبوت پیش کیا جائے جو پوری امت کو مطمئن کر سکے۔

اس مقصد کے لیے حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود ان تمام افراد میں سب سے کم مددگار ثابت ہوئی تھیں جو اس معاملے میں شامل تھے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ ان کی خاموشی کو توڑا جائے۔ ایسا نہیں تھا کہ جو کچھ وہ کہتیں وہ بحران کو حل کرنے کے لیے کافی ہوتا۔ لیکن قرآن نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کے نزول کے دوران پوچھے جانے والے سوالات کا جواب دیا جائے گا۔ موجودہ معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے کئی افراد سے ایک ہی سوال بار بار دہرایا تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ آسمان سے وعدہ کیا گیا جواب ملنے کے لیے یہ ضروری ہو کہ وہ سوال سب سے زیادہ قریب رہنے والے فرد سے پہلے ہی پوچھا جا چکا ہو

جس وقت 'عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' اپنے والدین کے ساتھ تھیں، اور وہ دو راتوں اور ایک دن کے لیے روتی رہی تھیں، ان کے ساتھ ایک انصاری عورت آئی، جس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر رونا شروع کر دیا۔ اسی دوران نبی ﷺ داخل ہوئے اور ان کے پاس بیٹھ گئے، حالانکہ وہ اس وقت سے ان کے ساتھ نہیں بیٹھے تھے جب سے لوگوں نے ان کے بارے میں جھوٹ پھیلایا تھا۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا اور اللہ کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔

پھر نبی ﷺ نے کلمہ شہادت ادا کرتے ہوئے کہا: "اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، مجھے تمہارے بارے میں یہ بات پہنچائی گئی ہے، اور اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تمہاری بے گناہی کو ظاہر کرے گا؛ اور اگر تم نے کوئی غلطی کی ہے تو اللہ سے معافی مانگ لو اور توبہ کر لو، کیونکہ اگر بندہ اپنے گناہ کو تسلیم کرے اور توبہ کرے تو اللہ اسے معاف کر دیتا ہے۔"

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس پر رونا بند کر دیا اور اپنے والد سے کہا: "اللہ کے رسول کے سوال کا جواب دو۔" ان کے والد نے کہا: "مجھے نہیں معلوم کہ کیا جواب دوں۔" ان کی والدہ نے بھی یہی کہا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "میں جانتی ہوں کہ تم نے وہ سنا جو لوگ کہہ رہے ہیں اور یہ تمہارے دلوں میں بیٹھ چکا ہے اور تم نے یقین کر لیا ہے؛ اور اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں —اور اللہ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں— تو تم مجھے نہیں مان لو گے، اور اگر میں اس گناہ کا اقرار کر لوں جس سے اللہ مجھے بری جانتا ہے، تو تم مجھے یقین کر لو گے۔"

اس کے بعد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یعقوب کا ذکر کیا، لیکن وہ اس کا نام نہ یاد کر سکیں اور کہا: "لیکن میں وہی کہوں گی جو یوسف کے والد نے کہا تھا: 'خوبصورت صبر میرا حصہ ہے، اور اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے ان کے جھوٹ پر جو وہ کہتے ہیں۔[2]" پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی چارپائی پر لیٹ گئیں اور اللہ سے امید کی کہ وہ ان کی بے گناہی کو ظاہر کرے گا۔

نبی ﷺ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور تمام لوگ وہاں موجود تھے، جب اچانک نبی ﷺ پر وحی کا نزول ہوا۔ انہیں وہی کیفیت ہوئی جو وحی آنے پر ہوتی تھی اور ان سے پسینہ ٹوٹ کر گرا، حالانکہ سرد دن تھا۔ جب وحی کا دباؤ کم ہوا تو نبی ﷺ خوشی کے ساتھ کہا: "اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، اللہ کا شکر ہے، اس نے تمہاری بے گناہی کا اعلان کر دیا ہے۔" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے کہا: "اٹھو اور اللہ کے رسول کے پاس جاؤ،" لیکن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: "اللہ کی قسم، میں نہیں اٹھوں گی اور نہ میں کسی اور کی تعریف کروں گی، میں صرف اللہ کی تعریف کروں گی۔"[3]

اللہ کی طرف سے جو الفاظ نازل ہوئے، وہ تھے:"

"یقیناً وہ لوگ جو جھوٹ لے کر آئے، تم میں سے ایک جماعت ہیں... جب تم نے اپنی زبانوں سے اسے کہا، اور اپنے منہ سے وہ بات کہی جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا، تم نے اسے معمولی سمجھا، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔ تم نے کیوں نہ کہا جب تم نے اسے سنا:

[1] V, 101, [2] XII, I8 [3] B. 1.11 i.s

اس کے بارے میں بات کرنا ہمارے لیے مناسب نہیں۔ تو پاک ہے! یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو کبھی اس جیسے واقعے کو دوبارہ نہ دہراؤ.

نئی وحی میں زنا کے مسئلے پر روشنی ڈالی گئی اور سزا مقرر کرتے ہوئے یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں انہیں کوڑے مارے جائیں۔ یہ سزا مُسطح، حسّان اور حمنہ پر نافذ کی گئی، کیونکہ انہوں نے واضح طور پر یہ بہتان پھیلایا اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ لیکن منافقین، جو زیادہ چالاکی اور پوشیدگی سے کام لے رہے تھے، انہوں نے کھل کر اعتراف نہیں کیا، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے ان کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دینا مناسب سمجھا۔

حضرت ابو بکرؓ اپنے رشتہ دار مُسطح کو اس کی غربت کے باعث مالی امداد دیا کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! میں اب کبھی مُسطح کو کچھ نہیں دوں گا اور نہ ہی اس پر کوئی احسان کروں گا، اس کے بعد جو اس نے عائشہؓ کے خلاف کہا اور جو مصیبت اس نے ہم پر لائی۔"

اس وقت وحی نازل ہوئی:

"تم میں سے جو بزرگی اور دولت رکھتے ہیں وہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں، محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے۔ انہیں معاف کرنا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: "یقیناً میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے۔" پھر انہوں نے مُسطح کو وہی مالی امداد دینا شروع کر دی جو وہ پہلے دیا کرتے تھے اور کہا: "میں قسم کھاتا ہوں کہ اب کبھی یہ مدد واپس نہیں لوں گا۔"

نبی اکرم ﷺ نے بھی کچھ عرصے بعد حسّان کے ساتھ سخاوت کا مظاہرہ کیا، اور اپنی چچازاد بہن حمنہ، جو حضرت مصعبؓ کی بیوہ تھیں، کی شادی حضرت طلحہؓ سے کر دی، جن سے ان کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

..[1] XXIV, I I, 15-1 7. [2] XXIV, 22

LXVI

The Dilemma of Quraysh

قریش کا مخمصہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں رمضان کا روزہ رکھا اور اس کے بعد کے مہینے میں بھی وہیں مقیم رہے۔ اس مہینے کے آخر میں ایک رات آپ نے خواب دیکھا کہ آپ کا سر منڈا ہوا ہے اور آپ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں، اور کعبہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگلے دن آپ نے اپنے صحابہ کو اس خواب کے بارے میں بتایا اور انہیں ساتھ لے کر عمرہ کرنے کی دعوت دی، جس پر انہوں نے جلدی سے تیاری شروع کی تا کہ جتنا جلد ہو سکے روانہ ہو سکیں۔ انہوں نے مل کر ستر اونٹ خریدے تا کہ انہیں مقدس علاقے میں قربانی کے طور پر ذبح کیا جائے، اور اس کا گوشت مکہ کے غریبوں میں تقسیم کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ساتھ اپنی ایک بیوی کو لے کر جائیں گے، اور جب قرعہ ڈالا گیا تو اس میں ام سلمہ (Umm Salama) کا انتخاب ہوا۔ ساتھ ہی دوسری جانب خزرج کے دو خواتین جو دوسرے عقبہ کے موقع پر موجود تھیں، نصیبہ اور ام منال بھی شامل ہوئیں۔

ہر آدمی اپنے ساتھ ایک تلوار لے گیا اور شکار کے لئے جو کچھ بھی ضرورت ہو سکتی تھی، لیکن روانہ ہونے سے پہلے حضرت عمر اور سعد بن عبادہ نے تجویز پیش کی کہ ہمیں مکمل طور پر ہتھیاروں سے لیس ہو کر جانا چاہیے، کیونکہ قریش شاید اس موقع کو استعمال کر کے حملہ کر سکتے ہیں، حالانکہ یہ مقدس مہینہ تھا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: "میں ہتھیار نہیں اٹھاؤں گا؛ میں تو صرف حج کے لئے نکلا ہوں۔" پہلے پڑاؤ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے اونٹوں کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا اور خود ایک اونٹ کی قربانی کی تیاری کی، اسے مکہ کی طرف رخ کر کے اس کے دائیں پٹھے پر نشان لگایا اور اس کی گردن میں ہار ڈالے، اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ باقی اونٹ بھی اسی طرح سے مقدس کیے جائیں۔ پھر آپ نے خزاعہ کے قبیلے کے ایک شخص کو قریش کے ردعمل کے بارے میں خبر لانے کے لئے روانہ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کوئی ٹوپی یا پگڑی نہیں پہنے ہوئے تھے اور پہلے ہی قدیم روایتی حج کا لباس زیب تن کر چکے تھے، جو دو غیر سلی ہوئی چادروں پر مشتمل تھا: ایک کمر کے گرد باندھی گئی تھی تا کہ جسم کے نچلے حصے کو ڈھانپے، اور دوسری کندھوں پر اوڑھی ہوئی تھی۔۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر حج کے لئے اپنے آپ کو متعین کیا اور "لبیک اللہم لبیک" یعنی "میں تیرا خادم ہوں، اے اللہ" کی صدا لگانا شروع کر دی۔ باقی زیادہ تر لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کی، لیکن کچھ لوگ اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ سفر میں کچھ آگے بڑھنے تک انتظار کریں، کیونکہ حالتِ احرام میں شکار کرنے پر کچھ پابندیاں عائد تھیں۔

جب قریش کو مدینہ سے روانہ ہونے والے حجاج کی خبر ملی، تو وہ اسی طرح پریشان ہو گئے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کی تھی، اور فوراً ایک اجلاس بلایا۔ کبھی بھی ان کے لئے اتنا سنگین مخمصہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ، جو کہ حرم کے نگہبان تھے، ایک ہزار سے زائد عرب حجاج کو خانہ کعبہ تک پہنچنے سے روک دیتے، تو یہ ان کے اپنے عظمت کے اصولوں کی سنگین خلاف ورزی ہوتی۔ دوسری طرف، اگر وہ اپنے دشمنوں کو امن اور سکون کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتے، تو یہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے لئے ایک بہت بڑا اخلاقی کامیابی ہوتی۔ اس کی خبر پورے عرب میں پھیل جاتی اور ہر زبان پر یہی بات ہوتی؛ اور یہ ان کے حالیہ ناکام حملے پر شکست کا تاج لگا دیتی۔ شاید سب سے بدترین بات یہ تھی کہ ان حجاج کی عبادات اور قدیم رسوم کی ادائیگی نئی دین کو مزید پرکشش بنا دیتی اور اس کے دعوے کو حضرت ابراہیم کے مذہب کے طور پر مضبوط کر دیتی۔ تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے، ان کے آنے کی اجازت دینا بالکل ناممکن تھا۔ "اللہ کی قسم، یہ کبھی نہیں ہو گا، جب تک ہمارے درمیان ایک آنکھ بھی باقی ہے جو زندہ ہے۔" انہوں نے کہا۔

جب حجاج 'اصفان' پہنچے، تو جو جاسوس پہلے بھیجا گیا تھا وہ واپس آیا اور خبر دی کہ قریش نے خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ ان کے راستے کو روکے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رہنما کی درخواست کی جو انہیں کسی اور راستے سے لے جائے، اور قبیلہ اسلم کا ایک شخص انہیں ساحل کے قریب لے گیا اور پھر ایک پیچیدہ اور مشکل راستے سے انہیں حدیبیہ کے مقام تک پہنچایا، جو مکہ کے قریب ایک کھلا میدان تھا اور حرم کی حدود کے کنارے واقع تھا۔ ان کے اس راستے نے انہیں خالد سے دور رکھا، لیکن ایک موقع پر جب خالد کو اپنی پوزیشن تبدیل کرنے کا وقت نہیں تھا، انہوں نے اتنی زیادہ دھول اڑائی کہ خالد کو احساس ہو گیا اور وہ اپنے سواروں کے ساتھ مکہ واپس دوڑ گیا تاکہ قریش کو ان کی آمد کی اطلاع دے سکے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پسندیدہ اونٹنی قسوہ کو حج کے لئے منتخب کیا تھا، اور جب وہ حدیبیہ کے راستے پر پہنچے، تو وہ رک گئی اور گھٹنے ٹیک دیے۔ پہاڑوں میں گونج اُٹھی جب کئی صحابہ نے "حل! حل!" پکارا، جو اونٹ کو اُٹھانے کے لئے کہا جاتا ہے، لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ "قسوہ ضدی ہے،" صحابہ نے کہا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوبی جانا کہ یہ ایک علامت ہے کہ وہ حدیبیہ سے آگے نہ جائیں، کم از کم ابھی کے لئے نہیں۔ "وہ ضدی نہیں ہے،" آپ نے فرمایا، "یہ اس کی فطرت نہیں ہے؛ لیکن جس نے ہاتھی کو روکا، وہی اسے روک رہا ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے بارے میں کہا: "آج وہ مجھ سے کوئی ایسی درخواست نہ کریں جس میں خدا کے حقوق کی تعظیم ہو، مگر میں انہیں وہ عطا کر دوں گا۔[1]" پھر آپ نے قسوہ سے بات کی، اور وہ فوراً کھڑی ہو گئی اور آپ کو حدیبیہ کے کنارے تک لے آئی، اور باقی حجاج آپ کے پیچھے چل پڑے۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کیمپ کرنے کا کہا، لیکن پانی نہ ہونے کے برابر تھا، صرف ایک یا دو گڑھوں میں پانی کی بچی کھچی مقدار تھی، اور لوگ پیاس کی شکایت کر رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلم کے نجیہ کو بلایا، جو قربانی کے اونٹوں کا انچارج تھا، اور اس سے کہا کہ وہ سب سے بڑے گڑھے سے جتنا پانی ہو سکے، ایک بالٹی میں لے کر آئے، جس پر اس نے عمل کیا۔ وضو کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ دھویا اور پانی واپس بالٹی میں تھوک دیا۔ پھر آپ نے اپنے کمان سے ایک تیر نکالا اور کہا: "اس پانی کو لے کر جاؤ اور اسے گڑھے کے پانی میں ڈال دو؛ پھر اسے اس تیر سے ہلاؤ۔" نجیہ نے جیسا حکم دیا گیا تھا ویسا ہی کیا۔

[1] I.I. 741; W. 587

جب پانی، جو صاف اور تازہ تھا، تیر کے چھونے سے اتنی تیزی سے اور اتنی کثرت سے ابھرا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً اس میں ڈوب گئے تھے، لیکن وہ فوراً باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ حجاج کے گروہ نے گڑھے کے کنارے کے ارد گرد جمع ہو کر اپنی پیاس بجھائی، جیسے کہ جانوروں نے بھی پانی پیا۔

ان حجاج میں سے ایک یا دو منافق بھی شامل تھے، جن میں ابن ابی بھی تھا؛ اور جب وہ اپنی پیاس بجھاتے ہوئے بیٹھا تھا، تو اس کے ہم قبیلہ شخص نے اس سے کہا: "خدا کی قسم، اے ابو حباب، کیا اب تمہیں اپنے مقام کا پتا نہیں چلا؟ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟" ابن ابی نے جواب دیا: "میں نے اس سے پہلے بھی اس طرح کا منظر دیکھا ہے،" جس پر دوسرے شخص نے اس کو اتنی دھمکی دی کہ ابن ابی اپنے بیٹے کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تا کہ وہ مسائل سے بچ سکے اور بتا سکے کہ وہ غلط سمجھا گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: "تم نے آج کے دن جو کچھ دیکھا ہے، ویسا تم نے پہلے کہاں دیکھا تھا؟" ابن ابی نے کہا: "میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کہا: "تو پھر کیوں تم نے وہ بات کہی جو تم نے کہی؟" ابن ابی نے کہا: "میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔" پھر ابن ابی کے بیٹے نے کہا: "اللہ کے رسول، اس کے لیے معافی مانگو،" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے معافی مانگ لی۔[1]

اپنی پیاس بجھانے کے بعد، حجاج نے جلد ہی اپنی بھوک بھی مٹائی، اس کے لیے دو بدوی سرداروں کی طرف سے اونٹوں اور بھیڑوں کا تحفہ ملا، جن کی قوم بنی خزاعہ، جو کہ ایک وقت میں حرم کی محافظ تھی، اس میں قبیلہ اسلم، قبیلہ کعب اور قبیلہ مُسطلِق شامل تھے۔ یہ سب اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ ان میں سے جو ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، ان کے لیے اس اتحاد میں ایک سیاسی فائدہ تھا، جو ان کے اپنے عظیم دشمن بنی بکر کے ساتھ قریش کے طویل اتحاد کے مقابلے میں ضروری تھا۔ یہ صورت حال جلد ہی انتہائی اہم واقعات کو جنم دینے والی تھی۔ فی الحال، خزاعہ اور بکر کے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہو رہی تھی، اور خزاعہ کو قریش کی طرف سے برداشت کیا جا رہا تھا، لیکن ساتھ ہی ان پر شک بھی کیا جا رہا تھا۔ ان کے ایک اہم رہنما بدیل بن ورقہ مکہ میں تھے، جب یہ خبر آئی کہ حجاج حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے کچھ قبیلہ والوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تا کہ انہیں قریش کے موقف کے بارے میں اطلاع دے سکیں۔ "انہوں نے اللہ کی قسم کھائی ہے کہ وہ تمہیں خانہ کعبہ تک پہنچنے کا راستہ اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک ان کے آخری لڑاکا نہ مر جائیں،" بدیل نے کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "ہم یہاں جنگ کے لیے نہیں آئے، ہم صرف کعبہ کا طواف کرنے آئے ہیں۔ جو شخص ہمارے راستے میں رکاوٹ ڈالے گا، ہم اس سے لڑیں گے، لیکن میں انہیں وقت دوں گا، اگر وہ چاہیں، تا کہ وہ اپنے احتیاطی تدابیر اختیار کر سکیں اور ہمارے لیے راستہ صاف کر دیں۔"

بدیل اور ان کے ساتھی مکہ واپس گئے، اور قریش نے ان کا استقبال خاموشی سے کیا۔ جب انہوں نے یہ بتایا کہ محمد ﷺ نے انہیں کیا کہا، تو ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے کہا کہ انہیں یہ سننے کی ضرورت نہیں ہے، جس پر قبیلہ ثقیف کے ان کے اتحادی ارواح نے احتجاج کیا کہ یہ رویہ بے وقوفانہ ہے۔ پھر صفوان نے بدیل سے کہا: "ہمیں وہ بتاؤ جو تم نے دیکھا اور سنا ہے۔" تو بدیل نے انہیں حجاج کے پر امن ارادوں کے بارے میں بتایا، اور یہ بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ وہ قریش کو اپنے آنے کے لیے وقت دینے کے لیے تیار ہیں۔ پھر ارواح نے کہا: "بدیل نے تمہارے لیے ایک اچھا عذر پیش کیا ہے جس کو کوئی بھی شخص سوائے اپنے نقصان کے رد نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کی بات سنو، لیکن اسے واپس بھیج دو۔"

[1] W589.

"مجھے محمد ﷺ سے براہ راست تصدیق لانے دو؛ اور میں ان کے ساتھ ہونے والوں کو دیکھوں گا، اور میں تمہارے لیے ایک جاسوس بنوں گا تاکہ ان کی خبریں تم تک پہنچا سکوں۔"

قریش نے اس کی پیشکش قبول کی، لیکن وہ پہلے ہی اپنے اتحادی بدوی قبیلوں کے سربراہ کو، جنہیں مجموعی طور پر "اہابش" کے نام سے جانا جاتا تھا، قاصد اور جاسوس کے طور پر بھیج چکے تھے۔ یہ شخص حُلَیس بن حارث تھا، جو قبیلہ کِنَانَہ کے بنو حارث سے تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے احد کے دن ابوسفیان کی سرزنش کی تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آتے ہوئے دیکھا، تو انہیں فوراً معلوم ہو گیا، چاہے اس کے چلنے کے انداز اور اس کی حرکات سے یا اس کی شہرت سے، کہ وہ ایک صاحب تقویٰ شخص ہے جو مقدس چیزوں کی بڑی عزت کرتا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اونٹ جو قربانی کے لیے لے جایا جا رہا تھا، اسے حُلَیس کے استقبال کے لیے بھیجا جائے۔ جب ستر اونٹ اپنے تَقدِیس کے نشانوں اور جشن کی زینتوں کے ساتھ حُلَیس کے سامنے سے گزرتے ہیں، تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے بجائے فوراً مکہ واپس گیا اور قریش کو یقین دلایا کہ حجاج کا ارادہ بالکل پرامن ہے۔ مکہ والوں نے غصے میں آکر کہا کہ وہ صرف ایک بدوی ہیں اور اس صورت حال کو نہیں سمجھتے۔ یہ ایک بڑی حکمت عملی کی غلطی ثابت ہوئی، جیسا کہ انہیں بعد میں احساس ہوا، لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ "قریش کے لوگوں، خدا کی قسم، ہم نے تمہارے ساتھ اس لیے اتحاد نہیں کیا تھا، اور نہ ہی ہم نے اس عہد کو تم سے اس لیے باندھا تھا۔ کیا کوئی جو خدا کے گھر کی عزت دینے آ رہا ہو، اسے وہاں آنے سے روکنا جائز ہے؟ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم محمد ﷺ کو جو کام کرنے آئے ہو کرنے دو، ورنہ میں اہابش کو لے کر چلا جاؤں گا، ہر ایک کو ساتھ لے کر۔" "ہو لیس، ہمارے ساتھ صبر کرو، جب تک ہم کوئی ایسی شرائط نہ ڈھونڈ لیں جنہیں ہم تسلیم کر سکیں۔"

اسی دوران، ثقفیہ کا ایک شخص عُرُوَہ، جو قریش کا قاصد اور جاسوس تھا، حجاج کے کیمپ میں پہنچ چکا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کر رہا تھا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا اور ان سے بات کرتے ہوئے ان کی داڑھی پکڑ لی؛ جس پر مغیرہ بن شعبہ، جو مہاجرین میں سے تھے اور وہاں کھڑے تھے، نے ان کے ہاتھ پر اپنی تلوار کی دھار مار کر انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ عُرُوَہ نے پھر کچھ لمحوں بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی دوبارہ پکڑنے کی کوشش کی، تو مغیرہ نے پھر ان کے ہاتھ پر تلوار سے ضرب لگائی اور کہا: "اللہ کے رسول کی داڑھی سے اپنا ہاتھ ہٹا لو، جب تک کہ یہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔" عُرُوَہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزید کوئی قریبی حرکت نہ کی، لیکن ان سے کافی دیر بات کرنے کے بعد وہ کیمپ میں کئی گھنٹوں تک رہا۔ وہ قریش کا جاسوس بن کر آیا تھا اور ان کے لیے ہر چیز کا نوٹ لینے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن وہ چیزیں جو اس نے نہیں دیکھی تھیں، وہ اس پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئیں، اور جب وہ مکہ واپس آیا تو اس نے قریش سے کہا: "اے قریش، میں نے بادشاہوں کے پاس قاصد کے طور پر جا کر آ چکا ہوں — قیصر اور خسرو اور نجاشی کے پاس — اور میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا جس کے لوگ اس کی اتنی عزت کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی اس کی عزت کرتے ہیں۔ جب وہ کچھ حکم دیتے ہیں، تو ان کے ساتھی اس کے حکم سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں؛ جب وہ وضو کرتے ہیں، تو لوگ اس کے وضو کے پانی کے لیے لڑنے لگتے ہیں؛ جب وہ بات کرتے ہیں، تو ان کی آوازیں اس کے سامنے مدھم ہو جاتی ہیں؛ اور نہ وہ اسے پوری آنکھوں سے دیکھتے ہیں، بلکہ اس کی عزت کے لیے اپنی نظریں جھکا لیتے ہیں۔ اس نے تمہیں ایک بہترین عہد پیش کیا ہے، لہٰذا اس سے اسے قبول کر لو۔"[1]

جب عُرُوَہ کیمپ میں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ کعب کے ایک شخص، خرش بن کعب، کو اپنے ایک اونٹ پر سوار کیا اور اسے قریش کے پاس بھیجا۔

[1] B. LIV, 15; W. 593–600.

جب قریش مکہ پہنچے تو عکرمہ نے اونٹ کو لنگڑا کر دیا، مگر حلیس اور اس کے ساتھیوں نے مداخلت کی اور خراش کی جان بچائی، جس سے قریش کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ اسے نبی کے پاس واپس جانے دیں قریش نے واپس آکر کہا: "اے اللہ کے رسول، ایسا آدمی بھیجیں جو مجھ سے زیادہ محفوظ ہو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بلایا، مگر حضرت عمر نے کہا کہ قریش کو میری ان کے ساتھ بڑی دشمنی کا علم ہے اور میری اپنی قوم، بنو عدل، اتنی طاقتور نہیں کہ مجھے تحفظ دے سکے۔ "لیکن میں آپ کو ایک ایسا شخص دکھاتا ہوں، "انہوں نے کہا، "جو مکہ میں مجھ سے زیادہ طاقتور ہے، رشتہ داروں میں زیادہ مالدار اور زیادہ محفوظ ہے — عثمان بن عفان۔" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بھیجا اور وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، بنو عبد شمس اور دیگر کے درمیان بخوبی استقبال کیے گئے۔ اور اگرچہ قریش نے اسے پھر بھی یہ بتا دیا کہ وہ حُدیبیہ میں موجود کسی بھی شخص کو کعبہ کے قریب جانے کی اجازت نہیں دیں گے، لیکن انہوں نے اسے ذاتی طور پر دعوت دی کہ وہ حج کے مناسک ادا کرے، جسے اس نے انکار کر دیا۔

قریش نے پہلے ہی ابن ابی کو بھی ایک پیغام بھیجا تھا اور انہیں بھی یہی رعایت پیش کی تھی، لیکن انہوں نے جواب دیا: "میں اپنے حج کے چکر اس وقت تک نہیں لگاؤں گا جب تک اللہ کے رسول اپنا حج نہ کر لیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا اور وہ اس جواب سے خوش ہوئے۔

LXVII

A Clear Victory

ایک واضح فتح

یہ حضرت عثمان کی مکہ میں غیر موجودگی کے دوران تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کیفیت طاری ہوئی، جو وحی کے نزول سے مشابہ تھی، لیکن اس نے ان کی مکمل عقل وشعور برقرار رکھا۔ آپ نے اپنے ایک صحابی کو ہدایت کی، جنہوں نے کیمپ میں اعلان کیا:

"روح القدس نبی پر نازل ہوا ہے اور بیعت کا حکم دیا ہے، تو اللہ کے نام پر جا کر بیعت کریں۔"[1]

اسی دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے جو موسم بہار کے پتوں سے ہرا بھرا ہو رہا تھا۔ صحابہ کرام ایک ایک کر کے آئے اور آپ کی بیعت کی۔ سب سے پہلے سنان پہنچے، جو بنو اسد بن خزیمہ کے قبیلے سے تھے۔ منادی کرنے والے نے بیعت کی نوعیت کا ذکر نہیں کیا تھا، تو سنان نے کہا:

"اے اللہ کے رسول، میں آپ سے اس بات پر بیعت کرتا ہوں جو آپ کے دل میں ہے۔"

اور باقی صحابہ نے بھی اسی طریقے سے بیعت کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں عثمان کی بیعت کرتا ہوں۔"

آپ نے اپنے داماد کی نمائندگی کے لیے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھایا اور اسے اپنے دائیں ہاتھ سے تھام کر ان کی بیعت کی۔ صرف ایک آدمی، جَد بن قیس، جو منافق تھا، بیعت کرنے سے رہ گیا۔ وہ اپنے اونٹ کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر پھر بھی دیکھ لیا گیا۔

اس کے بعد قریش نے صلح کا معاہدہ کرنے کے لیے سہیل کو بھیجا، اور اس کے ساتھ اس کے دو قبیلے کے لوگ، مکراز اور حویطب، بھی تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی، اور صحابہ نے ان کی آوازوں میں اتار چڑھاؤ سنا، جو اس بات پر منحصر تھا کہ آیا وہ نقطہ آسانی سے قبول کیا جا سکتا تھا یا مشکل سے۔

جب بالآخر معاہدہ طے پا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو شرائط لکھنے کا حکم دیا، اور یہ الفاظ لکھنے سے شروع کرنے کا کہا:

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" (اللہ کے نام سے، جو رحم کرنے والا اور مہربان ہے)

لیکن سہیل نے اعتراض کیا: "جہاں تک رحمن کی بات ہے، میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ لیکن لکھو، بِاسۡمِکَ اللّٰھُمَّ (تیرے نام کے ساتھ، اے اللہ) جیسا کہ تم پہلے لکھا کرتے تھے۔" کچھ صحابہ نے کہا: "اللہ کی قسم، ہم صرف بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہی لکھیں گے۔"

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو نظر انداز کیا اور فرمایا: "بِاسۡمِکَ اللّٰھُمَّ لکھو۔"

پھر آپ نے لکھوایا: "یہ صلح کے شرائط ہیں، جو محمد ﷺ رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پائے ہیں۔"

لیکن سہیل نے پھر اعتراض کیا: "اگر ہم تمہیں رسول اللہ مانتے تو تمہیں کعبہ سے نہ روکتے اور نہ ہی تم سے جنگ کرتے۔ لیکن لکھو: محمد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔" حضرت علی پہلے ہی "رسول اللہ" لکھ چکے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ الفاظ مٹانے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے کہا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے مٹا دیا۔

[1] W604

پھر فرمایا کہ ان کی جگہ "ابن عبداللہ" لکھ دو، جو حضرت علی نے لکھ دیا۔

دستاویز میں مزید لکھا گیا دونوں فریقین نے دس سال تک جنگ بندی پر اتفاق کیا ہے، "جس دوران لوگ محفوظ رہیں گے اور ایک دوسرے پر ظلم نہیں کریں گے:
۔اس شرط پر کہ جو کوئی قریش کی اجازت کے بغیر محمد کے پاس آئے گا، محمد اسے واپس قریش کے حوالے کر دیں گے؛ لیکن جو کوئی محمد کے ساتھ ہو کر قریش کے پاس جائے گا، اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ کوئی فریب اور دھوکہ نہیں ہوگا۔ اور جو چاہے محمد ﷺ کے عہد اور معاہدے میں شامل ہو سکتا ہے، اور جو چاہے قریش کے عہد اور معاہدے میں شامل ہو سکتا ہے۔"

اس وقت قبیلہ خزاعہ کے چند سرکردہ افراد، جو زائرین کی زیارت کے لیے آئے تھے، نبی اکرم ﷺ کے کیمپ میں موجود تھے، جبکہ قبیلہ بنو بکر کے دو تین افراد سہیل کے ساتھ تھے۔ یہ سن کر قبیلہ خزاعہ کے افراد کھڑے ہو گئے اور کہا:
"ہم محمد ﷺ کے عہد اور معاہدے میں شامل ہیں۔"

اس پر بنو بکر کے لوگوں نے کہا:
"ہم قریش کے عہد اور معاہدے میں شامل ہیں۔"

یہ معاہدہ دونوں قبائل کے سرداروں نے بعد میں باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا۔

معاہدہ کے آخر میں یہ طے پایا:
"اے محمد ﷺ، تم اس سال ہم سے جدا ہو جاؤ گے اور ہماری موجودگی میں مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگلے سال تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہو سکتے ہو اور وہاں تین دن رہ سکتے ہو، سفر کے ہتھیاروں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں لا سکتے، اور تلواریں نیام میں ہوں گی۔"[1]

نبی اکرم ﷺ کے خواب کی وجہ سے صحابہ کو اس مہم کی کامیابی کا یقین تھا؛ لیکن جب انہوں نے معاہدے کی شرائط سنی اور یہ محسوس کیا کہ مقدس حدود کے قریب پہنچنے کے باوجود انہیں بغیر کچھ حاصل کیے واپس جانا پڑے گا، تو ان کے لیے یہ ناقابل برداشت تھا۔

لیکن اس سے بھی بدتر منظر پیش آیا: کیمپ میں زنجیروں کی جھنکار سنائی دی، اور ایک نوجوان اپنے پیروں میں بیڑیاں پہنے ہوئے کیمپ میں داخل ہوا۔ یہ ابو جندل تھے، سہیل کے چھوٹے بیٹے، جنہیں ان کے والد نے اسلام قبول کرنے کے جرم میں قید کر رکھا تھا تاکہ وہ مدینہ نہ بھاگ سکیں۔ ان کے بڑے بھائی عبداللہ، جو زائرین میں شامل تھے، ان کا استقبال کرنے ہی والے تھے کہ سہیل نے ان کی گردن کی زنجیر پکڑ لی اور انہیں زور سے چہرے پر مارا۔ پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف مڑے اور سہیل نے کہا" پھر اسے ہمیں واپس لوٹا دو۔" ابو جندل نے بلند آواز سے مسلمانوں کو پکارا" کیا مجھے مشرکین کے حوالے کر دیا جائے گا، تاکہ وہ میرے دین کی وجہ سے مجھ پر ظلم کریں؟"

نبی اکرم ﷺ نے سہیل کو الگ لے جا کر ان سے درخواست کی کہ اپنے بیٹے کو آزاد کر دیں، لیکن سہیل نے سختی سے انکار کر دیا۔ سہیل کے ساتھی، مکرز اور حویطب، جو اب تک خاموش تھے، اس واقعے کو معاہدے کے لیے برا شگون سمجھتے ہوئے مداخلت کی۔ انہوں نے کہا:
"اے محمد ﷺ، ہم تمہاری طرف سے اسے اپنی حفاظت میں لیتے ہیں۔"

اس کا مطلب تھا کہ وہ ابو جندل کو اپنے پاس رکھیں گے اور ان کے والد سے دور رکھیں گے، اور انہوں نے اپنے وعدے پر قائم رہنے کا کہا

نبی اکرم ﷺ نے ابو جندل سے فرمایا:
"صبر کرو، ابو جندل، اللہ تمہیں اور تمہارے جیسے لوگوں کو ضرور راحت اور رہائی عطا فرمائے گا۔ ہم نے معاہدے کی شرائط پر اتفاق کیا ہے۔"

[1] I.I. 747-8.

"ہم نے ان لوگوں کے ساتھ عہد کیا ہے اور انہیں پختہ وعدہ دیا ہے، جس طرح انہوں نے ہمیں دیا ہے، اور اب ہم اپنا وعدہ نہیں توڑیں گے۔"

اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے۔ وہ اٹھے اور نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے اور کہا: "کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "یقیناً۔"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "پھر ہم اپنے دین کی عزت کے خلاف اس قدر جھک کیوں رہے ہیں؟" آپ ﷺ نے جواب دیا:

"میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ وہ مجھے فتح دے گا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا: "کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کے گرد طواف کریں گے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال جائیں گے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا کہ ایسا نہیں کہا گیا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً تم بیت اللہ جاؤ گے اور اس کے گرد طواف کرو گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بے چینی کے باوجود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور وہی سوالات کیے جو نبی اکرم ﷺ سے کیے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے، بغیر آپ ﷺ کے جوابات سنے، تقریباً وہی جوابات دیے اور آخر میں کہا: "پس آپ ﷺ کی پیروی کرو، کیونکہ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے متاثر ہوئے، اور حالانکہ ان کے جذبات کم نہیں ہوئے تھے، وہ خاموش ہو گئے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے بلایا تو انہوں نے خاموشی سے دستخط کر دیے۔

نبی اکرم ﷺ نے سہیل کے بیٹے عبد اللہ سے بھی دستخط کرنے کو کہا۔ دیگر مسلمانوں میں جنہوں نے دستخط کیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، اور حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

جب سہیل اور دیگر افراد کیمپ سے روانہ ہو گئے اور اپنے ساتھ روتے ہوئے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو لے گئے تو مسلمانوں کی روحیں پھر سے بے چین ہو گئیں۔

نبی اکرم ﷺ دستاویز پر دستخط کرنے والے افراد کے ساتھ کھڑے تھے۔ آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہو کر زائرین کے پاس گئے اور فرمایا:

"اپنے جانور قربان کرو اور اپنے سر منڈوالو۔"

کوئی بھی نہ ہلا۔ آپ ﷺ نے یہ حکم دوسری اور تیسری بار دہرایا، لیکن لوگ حیرت اور پریشانی کے عالم میں خاموش بیٹھے رہے۔

یہ کوئی بغاوت نہ تھی، بلکہ ان کے امیدوں کے ٹوٹنے کے بعد، وہ واقعی اس حکم سے الجھن میں تھے، کیونکہ ابراہیمی روایت کے مطابق قربانی اور سر منڈوانے کے اعمال مقدس علاقے کے اندر ہونے چاہئیں۔ نبی اکرم ﷺ پریشان ہو کر اپنے خیمے میں چلے گئے اور حضرت ام سلمہ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا:

"آپ باہر جائیں اور کسی سے کچھ نہ کہیں، یہاں تک کہ آپ اپنی قربانی کر لیں۔"

چنانچہ نبی اکرم ﷺ اپنی اونٹنی کے پاس گئے، جسے آپ نے قربانی کے لیے منتخب کیا تھا، اور اسے ذبح کر دیا۔ آپ ﷺ نے بلند آواز میں فرمایا: "بسم اللہ، اللہ اکبر۔"

یہ سنتے ہی لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی قربانیاں کرنے لگے۔ ہر ایک اس حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب آپ ﷺ نے خراش (خزاعہ کے فرد) کو بلایا کہ آپ کا سر منڈوائے، تو صحابہ نے بھی ایک دوسرے کے سر اس قدر جوش و خروش سے منڈوانا شروع کر دیا کہ حضرت ام سلمہ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں کوئی زخمی نہ ہو جائے۔

تاہم، کچھ نے اپنے بالوں کی صرف لٹیں کاٹنے پر اکتفا کیا، کیونکہ یہ روایت کے مطابق ایک قابل قبول متبادل تھا۔ اس دوران نبی اکرم ﷺ خراش کے ساتھ خیمے میں چلے گئے اور اعمال مکمل کیے۔ جب قربانی اور سر منڈوانے کی رسم مکمل ہو گئی تو نبی اکرم ﷺ خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے!"

یہ سن کر جنہوں نے صرف بال کاٹے تھے، انہوں نے احتجاج کیا: "اور بال کاٹنے والوں پر بھی، اے اللہ کے رسول!"

لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنی بات دوبارہ کہی، اور ان کا احتجاج اور بھی بلند ہوا۔ جب آپ ﷺ نے تیسری بار دہرایا تو احتجاج مزید شدید ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "اور بال کاٹنے والوں پر بھی!" بعد میں پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے پہلے صرف سر منڈوانے والوں کے لیے دعا کیوں کی، تو آپ ﷺ نے جواب دیا: "کیونکہ وہ شک میں نہ تھے۔"

آپ ﷺ اپنے خیمے میں واپس گئے، وہاں سے اپنی گھنی سیاہ زلفیں اٹھائیں، اور قریب کے ایک کیکر کے درخت پر ڈال دیں۔ یہ دیکھ کر لوگ جمع ہو گئے، ہر ایک آپ ﷺ کے بالوں سے برکت لینے کے لیے جتنا لے سکتا تھا، لے رہا تھا۔ نسیبہؓ (ایک خاتون صحابیہ) بھی مردوں سے پیچھے نہ رہیں، اور درخت کے پاس پہنچ کر کچھ بال حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں، جنہیں وہ اپنی وفات تک سنبھالے رکھیں۔

کیمپ کی زمین زائرین کے بالوں سے بھری ہوئی تھی۔ لیکن اچانک ایک تیز ہوا چلی، جس نے زمین سے بال اٹھا لیے اور انہیں مکہ کی طرف مقدس علاقے میں اڑا دیا۔ یہ دیکھ کر سب خوش ہوئے، اسے اس بات کی علامت سمجھتے ہوئے کہ ان کا حج اللہ کے نزدیک قبول ہو چکا ہے، ان کی نیتوں کے باعث۔ اب انہیں سمجھ آیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے قربانی کی رسم ادا کرنے کا کیوں کہا تھا۔

مدینہ واپسی کے سفر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں بے چینی شروع ہو گئی۔ ان کی بے قراری مزید بڑھ گئی جب وہ نبی اکرم ﷺ کے قریب گئے تاکہ بات چیت کریں، لیکن انہیں محسوس ہوا کہ آپ ﷺ ان سے فاصلہ رکھ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود سے کہنے لگے: "اے عمر، اب تیری ماں تیرا سوگ منائے!"

بعد میں انہوں نے بتایا کہ وہ اتنے پریشان تھے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی حکمت پر سوال اٹھانے کی وجہ سے کسی خاص وحی کے ذریعے اپنے لیے سرزنش کا خوف محسوس کیا۔ یہ خوف اس وقت اپنے عروج پر پہنچا جب انہوں نے پیچھے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی اور سوار نے انہیں نبی اکرم ﷺ کے پاس واپس بلایا۔ لیکن ان کی تمام پریشانی لمحے بھر میں ختم ہو گئی جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا چہرہ خوشی سے روشن دیکھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے سورج کے نیچے ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔"

نئی وحی نے واضح کر دیا کہ جس مہم سے وہ لوٹ رہے تھے، اسے ایک فتح کے طور پر شمار کرنا چاہیے۔ وحی ان الفاظ سے شروع ہوئی:

"یقیناً ہم نے تمہیں ایک واضح فتح عطا کی۔"[1] یہ وحی حالیہ بیعت کے بارے میں بھی بیان کرتی ہے:

"اللہ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔ اللہ نے ان کے دلوں کو جان لیا اور ان پر سکینت نازل کی اور انہیں قریب کی فتح کا انعام عطا کیا۔[2]" یہ خدائی خوشنودی، بیعت کی تکمیل کرنے والوں کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ اسی لیے اس بیعت کو "بیعتِ رضوان"[3] کہا جاتا ہے۔ سکینت، یعنی اطمینان کی روح، کا ذکر ایک اور آیت میں بھی ہے: "وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون[4] اتارا تاکہ وہ ایمان پر ایمان بڑھا سکیں۔"

[1] XLVIII,1. 2 XLVIII, 18. [3] صفحہ 95. [4] شکینہ

ان سے تمام برائیوں کے گناہ دور کر دے گا۔ اللہ کے نزدیک ان کے لیے عظیم کامیابی ہے۔ سول اللہ ﷺ کی وہ بصیرت جس نے اس مہم کو تحریک دی، اس طرح ذکر کی گئی ہے: "اللہ نے اپنے رسول کے لیے اس رؤیا کو سچ کر دکھایا: اللہ کی رضا سے، تم انشا اللہ حرام مسجد میں امن کے ساتھ داخل ہو گے، بغیر خوف کے، تمہارے سر کے بال منڈے ہوئے یا کٹے ہوئے ہوں گے۔ لیکن وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے، اور اس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح دے چکا ہے۔"

[1] XLVIII, 4-5. [2]XLVIII, 2 27.

LXVIII

After Hudaybiyah

صلح حدیبیہ کے بعد

بنی ثقیف کا ایک جوان آدمی، جس کا نام ابو بصیر تھا، طائف سے مکہ آیا تھا اور بنی زہراہ کے حلیف کے طور پر وہاں بس گیا تھا۔ وہ اسلام قبول کر چکا تھا اور اس کے خاندان نے اسے قید کر لیا تھا، لیکن وہ فرار ہو کر مدینہ پہنچا، اور وہاں پیغمبر ﷺ کی حدیبیہ سے واپسی کے بعد کچھ وقت بعد پہنچا۔ اسے جلد ہی قریش کا ایک ایلچی پیچھا کرتا ہوا آیا، جو اس کی واپسی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ پیغمبر ﷺ نے اس کو وہی تسلی دی جو انہوں نے ابو جندل کو دی تھی اور فرمایا کہ وہ معاہدے کے تحت اس کو ایلچی کے حوالے کرنے کے پابند ہیں۔

صحابہ کرام، بشمول حضرت عمرؓ، اب اس معاہدے کی شرائط کو تسلیم کر چکے تھے، اس لیے جب ابو بصیر کو قریش کے ایلچی اور اس کے ساتھ آئے ہوئے آزاد غلام کے ساتھ لے جایا گیا، تو وہاں موجود مہاجرین اور انصار نے سکون سے پیغمبر ﷺ کے الفاظ دہرائے: "خوش رہو! اللہ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔"

ان کی امیدیں توقع سے کہیں پہلے پوری ہو گئیں۔ ابو بصیر باوجود اپنی کم عمری کے، ایک ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے پہلی ہی رکاوٹ پر ایلچی کی تلوار چھین لی اور اسے مار ڈالا، جس کے بعد آزاد غلام، جس کا نام کَوثَر تھا، مدینہ کی طرف دوڑتے ہوئے واپس آیا۔ وہ مسجد میں داخل ہوا اور بے روک ٹوک پیغمبر ﷺ کے قدموں میں گر گیا، جو وہاں موجود تھے۔ پیغمبر ﷺ نے جب اس کی حالت دیکھی تو فرمایا: "یہ شخص کچھ نہایت خطرناک بات دیکھ کر آیا ہے۔" کَوثَر نے سانس لیتے ہوئے کہا کہ اس کے ساتھی کو مار ڈالا گیا ہے اور وہ خود بھی موت کے منہ میں تھا، اور کچھ ہی دیر میں ابو بصیر تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے آ گیا۔

"اے اللہ کے پیغمبر!" اس نے کہا، "تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی۔ تم نے مجھے ان کے حوالے کیا اور اللہ نے مجھے بچا لیا۔" پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "افسوس اس کی ماں پر! کیا جنگ کی آگ میں جلنے کے لئے اس میں کچھ اور لوگ ہوتے!" لیکن اگر قریش نے مزید ایلچی بھیجے تاکہ اس کی واپسی کا مطالبہ کریں، تو وہ پہلی بار کی طرح اس کے مطابق عمل کرنے کے پابند تھے۔

ابو بصیر کے ذہن میں اس طرح کا کوئی خیال نہیں تھا، بلکہ اس نے یہ تجویز پیش کی کہ مقتول کی تلوار، زرہ، اور اونٹوں کو مال غنیمت کے طور پر سمجھا جائے، پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے اور شریعت کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "اگر میں ایسا کروں تو وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے وہ وعدہ نہیں پورا کیا جس پر میں نے قسم کھائی تھی۔" پھر انہوں نے قریش کے ان دونوں افراد میں سے ایک کے خوفزدہ زندہ بچ جانے والے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "تمہارے ساتھی سے لوٹنے والا مال تمہارا حق ہے۔ اور تم اس آدمی کو واپس لے جاؤ جس نے تمہیں بھیجا ہے۔"

کَوثَر کا رنگ زرد ہو گیا اور وہ بولا: "اے محمد ﷺ! میری جان بہت عزیز ہے۔ میری طاقت اتنی نہیں ہے کہ میں اس شخص کو واپس لے جاؤں۔" اور نہ ہی میرے پاس دو آدمیوں کے برابر ہاتھ ہیں

یہ جملہ اکثر محاوراتی طور پر استعمال ہوتا ہے:

"یہ شخص اتنا جلد باز اور غصے والا ہے کہ جلد ہی اس کی ماں کو اس کے مرنے کا غم منانا پڑے گا۔"[1]

"مسلمانوں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا، لیکن قریش کے نمائندے نے قیدی کی حوالگی لینے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا نبی نے ابو بصیر کی طرف رخ کیا اور کہا: 'جہاں چاہو جاؤ' ابو بصیر بحیرہ احمر کے ساحل کی طرف روانہ ہو گئے، اور ان کے کانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ گونج رہے تھے:

"کاش کہ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوتے!"

یہ الفاظ صرف ابو بصیر نے ہی نہیں سنے تھے بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی غور سے سنا اور ان الفاظ کو مکہ کے مسلمانوں تک پہنچانے کا بندوبست کیا۔ ساتھ ہی ابو بصیر کے ٹھکانے کی خبر بھی پہنچا دی، جو انہیں ساحلی قبیلوں کے دوستوں کے ذریعے ملی تھی۔

اب سہیل کا بیٹا، ابو جندل، اپنے محافظوں کے زیرِ نگرانی پہلے کی طرح سختی سے نہیں تھا۔ صلح نامے کے بعد مکہ میں قیدی مسلمانوں کی نگرانی میں عمومی طور پر کمی آگئی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کر دیا تھا کہ اگر وہ مدینہ پہنچیں گے تو انہیں واپس کر دیا جائے گا۔

چنانچہ ابو جندل ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے، اور دیگر نوجوان بھی ان کے ساتھ آ گئے، جن میں ولید بھی شامل تھے جو خالد کے بھائی تھے۔ ابو بصیر نے ان سب کے ساتھ مکہ سے شام جانے والے قریش کے قافلے کے راستے پر ایک اہم مقام پر کیمپ بنا لیا۔ وہ ان کے امام بنے، نماز پڑھائی اور دین کے مسائل میں رہنمائی کی، کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگ نئے مسلمان تھے۔ وہ ان کا بہت احترام کرتے اور ان کی بات مانتے تھے۔

قریش اپنے شمالی تجارتی راستے کی بحالی پر خوش تھے، لیکن جب ستر نوجوان ابو بصیر کے کیمپ میں شامل ہو گئے اور قافلوں کے لیے دہشت بن گئے، تو قریش کو بڑی جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ آخر کار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ آپ ان لوگوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیں، اور وعدہ کیا کہ ان کو مکہ واپس لانے کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو خط لکھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آ سکتے ہیں۔ لیکن اس دوران ابو بصیر شدید بیمار ہو چکے تھے۔ جب خط ان کے پاس پہنچا تو ان کی وفات قریب تھی۔ انہوں نے خط کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اسی حالت میں وفات پا گئے۔ ان کے ساتھیوں نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، دفن کیا، اور ان کے مزار کے قریب ایک مسجد بنا لی۔[1]

جب وہ لاوا کے علاقے تک پہنچے، ولید کی اونٹنی لڑکھڑائی اور اسے گرا دیا، جس کے نتیجے میں اس کی ایک انگلی پتھر سے کٹ گئی۔ جب اس نے اس پر پٹی باندھی، تو اس نے اشعار میں یہ کہا:

"تو کیا ہے سوائے خون بہانے والی ایک انگلی کے،
جو اللہ کے راستے میں اور کوئی زخم نہیں رکھتی۔"

لیکن وہ زخم خراب ہو گیا، اور وہ زخم مہلک ثابت ہوا۔ اس کے باوجود، اس نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی خالد کو ایک خط لکھا، جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ اس وقت صرف ایک مسلمان عورت اس وقت مکہ سے فرار ہو کر مدینہ پناہ لینے میں کامیاب ہوئیں،، اور وہ تھیں حضرت عثمان کی سوتیلی بہن، ام کلثوم۔ وہ عروہ کی بیٹی اور عقبہ کی بیٹی تھیں، عقبہ کو بدر کے راستے میں قتل کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت ایک وحی نازل ہوئی جس میں مومن عورتوں کو کافروں کے پاس واپس بھیجنے سے منع کر دیا گیا۔

[1] W. 624-9; B. LIV I.I. 751-3.

مسلمان خواتین کو کفار کے حوالے کرنے سے متعلق ایک حکم نازل ہوا جس میں واضح طور پر منع کیا گیا کہ کوئی بھی مسلمان عورت کافروں کے حوالے نہ کی جائے۔ چنانچہ جب ام کلثوم کے دو سگے بھائی انہیں واپس لینے آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا، اور قریش نے اس انکار پر کوئی اعتراض نہ کیا، کیونکہ معاہدے میں خواتین کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

بعد میں زید، زبیر، اور عبد الرحمن بن عوف نے ام کلثوم سے شادی کی درخواست کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زید سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا، اور انہوں نے یہ مشورہ قبول کیا۔

معاہدہ حدیبیہ کے فوراً بعد کا مہینہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد کے لیے دکھ اور خوشی کے لمحات لے کر آیا۔ ان کی والدہ، حضرت ام رومان، بیمار ہوئیں اور وفات پا گئیں۔ انہیں مدینہ کے قبرستان بقیع میں دفن کیا گیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور خود ان کی قبر میں اترے۔

یہ خبر مکہ تک پہنچی اور ان کے بیٹے عبد الکعبہ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ ممکن ہے کہ اس دکھ نے انہیں وہ قدم اٹھانے پر آمادہ کیا ہو جسے وہ کافی عرصے سے سوچ رہے تھے۔ ان کی والدہ کی وفات کے کچھ ہی عرصے بعد، وہ مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے عبد الرحمن رکھ دیا۔

اس وقت کئی دیگر افراد بھی مسلمان ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے ہفتے اور مہینے گزرتے گئے، یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن نے حدیبیہ کے معاہدے کو "ایک کھلی فتح" کیوں قرار دیا تھا۔ اب مکہ اور مدینہ کے لوگ امن کے ساتھ ملاقات کر سکتے تھے اور آزادانہ گفتگو کر سکتے تھے۔ اگلے دو سالوں میں اسلام کی جماعت دگنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔

معاہدے کے بعد جلد ہی ایک آیت نازل ہوئی جس پر سب نے خوشی کا اظہار کیا:

"ہو سکتا ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت پیدا کر دے جن سے تم دشمنی رکھتے ہو۔[1]"

یہ الفاظ ان کثیر تعداد میں ہونے والی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتے تھے جو اب ہو رہی تھیں۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسے خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے ایک اہم رہنما کے درمیان ایک غیر متوقع تعلق کے قیام کے حوالے سے سمجھا۔

صلح حدیبیہ سے چند ماہ قبل حبشہ سے یہ خبر آئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور سالہ، عبید اللہ بن جحش، کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے عیسائی تھے اور حبشہ ہجرت کے کچھ عرصے بعد دوبارہ عیسائی ہو گئے تھے۔ ان کی بیوی، ام حبیبہ، جو ابو سفیان کی بیٹی تھیں، مسلمان ہی رہیں۔ شوہر کی وفات کے چار ماہ بعد، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی طرف سے ام حبیبہ کے ساتھ نکاح کریں اگر وہ راضی ہوں۔

ام حبیبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے براہِ راست کوئی پیغام نہیں پہنچا، لیکن انہوں نے ایک خواب دیکھا جس میں کسی نے انہیں "ام المؤمنین" کہہ کر پکارا۔ انہوں نے اس خواب کی تعبیر یہی لی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بنیں گی۔ اگلے دن انہیں نجاشی کا پیغام موصول ہوا، جو ان کے خواب کی تصدیق کرتا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے قریبی رشتہ دار خالد بن سعید[2] کو اپنے نکاح کے لیے مقرر کیا، اور نجاشی نے جعفر رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمانوں کی موجودگی میں اس نکاح کو انجام دیا۔

نجاشی نے اپنے محل میں ولیمہ کیا اور تمام مسلمانوں کو دعوت دی۔ اس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا کہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ منتقل ہونے میں خوشی ہوگی۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس سفر کی تیاری شروع کر دی، اور نجاشی نے ان کے لیے دو کشتیاں فراہم کیں۔

[1] LX, 70. 2 47.صفحہ دیکھیں.

حبشہ سے واپسی کے لیے انتظام کیا گیا کہ ام حبیبہ بھی جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ روانہ ہوں۔ مدینہ میں ان کے لیے دیگر ازواج مطہرات کے حجروں کے ساتھ ایک الگ حجرہ تعمیر کیا جانے لگا۔

اس دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے حکمرانوں کو بھی خطوط بھیجے۔ خندق کی کھدائی کے دوران، جب آپ نے ناقابلِ شکست چٹان کو ضرب لگائی تھی، تو پہلی ضرب کی روشنی میں یمن کے قلعے اور تیسری ضرب کی روشنی میں مدائن کے سفید محل کو دیکھا تھا۔ یہ روشنی اور آپ کو دی گئی یقین دہانی اسلام کی وسعت کے متعلق تھی۔ یمن اس وقت فارسی حکومت کے زیر اثر تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کو ایک خط لکھا، جس میں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور خط قیصر روم، ہرقل، کو بھیجا، جو شام کے گورنر کے ذریعے پہنچایا گیا۔ اسی طرح مصر کے حکمران مقوقس کو بھی ایک خط لکھا گیا۔

اس دوران خسرو پرویز کو دیگر ذرائع سے یہ اطلاع ملی کہ یثرب کے عرب بادشاہ نے خود کو نبی قرار دیا ہے اور اس کی طاقت بڑھ رہی ہے۔ اس نے یمن میں اپنے نائب باذان کو حکم دیا کہ محمد ﷺ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔ باذان نے دو قاصدوں کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ خود دیکھ کر خبر لائیں۔

یہ قاصد فارسی دربار کے رواج کے مطابق اپنی داڑھیاں منڈوا کر اور مونچھیں بڑھا کر آئے تھے۔ ان کی ظاہری حالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناپسندیدہ تھی۔ آپ نے فرمایا:

"یہ کس نے تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیا؟"

انہوں نے کہا:

"ہمارے بادشاہ نے۔"

آپ نے فرمایا:

"میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ داڑھی رکھوں اور مونچھیں چھوٹی کروں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اگلے دن آنے کو کہا۔ اس رات حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اطلاع دی کہ اسی دن ایران میں ایک بغاوت کے دوران خسرو پرویز کو قتل کر دیا گیا ہے اور اب اس کا بیٹا شیرویہ حکمران بن گیا ہے۔

جب قاصد دوبارہ آئے تو آپ نے انہیں یہ خبر دی اور کہا کہ یہ اپنے حاکم باذان تک پہنچا دیں۔ ساتھ ہی فرمایا:

"میرے دین اور میری حکومت کی وسعت خسرو کے سلطنت سے کہیں زیادہ ہوگی۔ اور باذان سے کہو کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو میں اسے یمن کا حاکم برقرار رکھوں گا اور اس کے لوگوں پر بادشاہ مقرر کر دوں گا۔"

قاصد حیران ہو کر صنعاء واپس لوٹے اور باذان کو پیغام پہنچایا۔ باذان نے کہا:

"ہم دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔ اگر یہ خبر سچ ہے تو وہ واقعی اللہ کے نبی ہیں۔"

پھر اس سے پہلے کہ باذان ایران سے خبر کی تصدیق کے لیے کوئی آدمی بھیجتا، شیرویہ کا ایک قاصد آیا اور باذان کو خسرو پرویز کی موت اور اپنی بادشاہت کی خبر دی۔

باذان نے فوراً اسلام قبول کر لیا، اور اس کے قاصد اور دیگر فارسی لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ باذان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں اطلاع دی، اور آپ نے یمن پر اس کی حکمرانی کی تصدیق کر دی۔

یہ اس روشنی کے ظہور کا پہلا قدم تھا جو خندق کے دوران آپ کو دکھایا گیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مدائن پہنچا تو خسرو پرویز کی موت ہو چکی تھی، اس لیے وہ خط اس کے جانشین کو پہنچایا گیا۔ اس کا جواب یہ تھا کہ اس نے خط کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا: "اے اللہ! اس سے اس کی بادشاہت چھین لے، جیسے اس نے میرے پیغام کو رد کیا ہے۔"

اسی دوران، جب حاجی واپس لوٹے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی کے لیے ایک نیا حملہ ہوا، جو ابھی تک آپ پر نہیں ہوا تھا۔ جزیرہ نما عرب میں موجود ہر نسل کے یہودیوں میں سے کچھ جادوگری کے ماہر ہوتے تھے، اور مدینہ میں بھی ایک یہودی جادوگر تھا جس کا نام لَبِید تھا۔ وہ جادو کے علم میں ماہر تھا اور اس نے اپنی بیٹیوں کو بھی یہ علم سکھایا تھا تاکہ اس کا علم اس کے ساتھ نہ مر جائے۔

اب لَبِید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کے لیے ایک بڑی رقم کی پیشکش کی گئی۔ اس مقصد کے لیے اس نے آپ کے بالوں کے کچھ ٹکڑے حاصل کیے، جو شاید کسی بے گناہ شخص کے ذریعے حاصل کیے گئے ہوں۔ اس نے ان بالوں میں گیارہ گرہیں لگائیں اور اپنی بیٹیوں سے ہر گٹھڑی پر بددعائیں کرنے کو کہا۔ پھر اس نے ان گرہوں کو ایک کھجور کی کونپل پر باندھ دیا جس پر پولن کا بیرونی غلاف تھا اور انہیں ایک گہرے کنویں میں پھینک دیا۔ یہ جادو اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا تھا جب تک کہ ان گرہوں کو نہ کھولا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً یہ محسوس ہوا کہ کچھ غلط ہو رہا ہے۔ ایک طرف آپ کی یادداشت کمزور ہونے لگی، اور دوسری طرف آپ کو یہ محسوس ہونے لگا کہ آپ نے کچھ کیا ہے جو حقیقت میں آپ نے نہیں کیا تھا۔ آپ کو کمزوری کا سامنا بھی تھا، اور جب آپ سے کھانا پیش کیا جاتا تو آپ خود کو کھانے کی طرف مائل نہیں کر پاتے تھے۔ آپ نے اللہ سے شفا کی دعا کی، اور ایک رات آپ نے خواب میں دو شخصوں کو دیکھا، ایک آپ کے سر کے پاس بیٹھا تھا اور دوسرا آپ کے پیروں کے پاس۔ آپ نے ان میں سے ایک کو دوسرے کو آپ کی بیماری کی اصل وجہ اور کنویں کا نام بتاتے ہوئے سنا[1]۔ جب آپ بیدار ہوئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ کے خواب کی تصدیق کرتے ہوئے آپ کو قرآن کی دو سورتیں دیں، جن میں سے ایک میں پانچ آیات اور دوسری میں چھ آیات تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضي الله عنہ کو اس کنویں کی طرف بھیجا اور کہا کہ ان سورتوں کو وہاں پڑھیں۔ جیسے ہی حضرت علی رضي الله عنہ نے ہر آیت پڑھی، ایک گانٹھ کھل گئی، یہاں تک کہ تمام گانٹھیں کھل گئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جسمانی اور ذہنی طاقت دوبارہ حاصل کر لی[2]۔

پہلی سورت ہے: "کہو: میں فجر کے رب کی پناہ لیتا ہوں اس کے شر سے جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے، اور اس شر سے جب رات کا اندھیرا چھا جائے، اور اس شر سے جو گرہیں باندھنے والی عورتیں ہیں، اور اس حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔[3]"

دوسری سورت ہے: کہو: میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے رب کی،
انسانوں کے بادشاہ کی،
انسانوں کے معبود کی،
چھپ کر وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے،
جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے،
(خواہ) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔[4]"

[1] B. LIX, 10. [2] Baydawi on K. CXIII, 4. [3] CXIII.

[4] "کچھ روایات کے مطابق، یہ دو سورتیں جو اس موقع پر تلاوت کی گئیں، نئی نازل نہیں ہوئیں تھیں بلکہ نبی کو ہجرت سے پہلے مکہ میں دی گئی تھیں۔"

یہ سورتیں قرآن میں آخر میں رکھی گئی ہیں۔ انہیں "دونوں پناہ کے کلمات" کہا جاتا ہے، اور ان کا تلاوت کرنا ہر قسم کے شر سے حفاظت کے لیے کیا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کنویں کو بھر دیا جائے اور اس کے قریب ایک دوسرا کنواں کھودا جائے۔ پھر آپ نے لَبید کو طلب کیا، جس نے اعتراف کیا کہ اس نے رشوت کے بدلے آپ پر جادو کیا تھا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

LXIX

Khaybar

خیبر

مکہ کے ساتھ عارضی امن نے اس بات کی اجازت دی کہ شمال کی جانب جو خطرات موجود تھے، ان پر توجہ مرکوز کی جا سکے۔ ان میں سب سے بڑا خطرہ خیبر کا شہر تھا، جو یہودیوں کے قبضے میں تھا اور جن میں سے بیشتر اسلام کے بارے میں سخت دشمنی رکھتے تھے۔ جادوگر لَبید کو غالباً وہاں سے رشوت دی گئی تھی، حالانکہ یہ فرد واحد کا کام بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن خیبر کے بارے میں کارروائی کرنے کے لیے زیادہ واضح اور عمومی وجوہات تھیں۔ یہ لوگ یثرب پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ چند افراد کو چھوڑ کر، انہوں نے خندق کی جنگ میں براہ راست حصہ نہیں لیا تھا، لیکن یہ وہی تھے جنہوں نے قریش کو حملے کی ترغیب دی تھی، اور ان کے اثر ورسوخ نے اپنے اتحادی غطفان کو اس جنگ میں قریش کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا تھا۔ یہ لوگ ہی تھے جن کے ذریعے غطفان اب بھی یثرب کے خلاف تقریباً جنگ کی حالت میں تھا۔

یہ بات طے تھی کہ کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا، دیر یا سویر، اور اب وقت آ چکا تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالیہ وحی میں وعدہ کی گئی قریب کی فتح پر یقین تھا—ایک ایسی فتح جو بے شمار مال غنیمت سے بھرپور ہوگی—جو صرف خیبر کے فتح ہونے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ فتح تمام مسلمانوں کے ساتھ نہیں بانٹی جائے گی۔ وحی میں واضح طور پر ذکر تھا کہ وہ بدوی جنہوں نے عمرہ کے لیے اس کے بلانے پر جواب نہیں دیا تھا، وہ زیادہ تر لالچ کی وجہ سے ایسا کر رہے تھے۔ چونکہ عمرہ میں کوئی غنیمت کی امید نہیں تھی، اس لیے ان کے لیے یہ محنت کا لائق نہیں تھا۔ اس لیے انہیں خیبر کے فتح میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی، جو بلاشبہ عرب کے سب سے مال دار علاقوں میں سے ایک تھا۔

"اس کا مطلب تھا کہ ایک چھوٹی سی طاقت کے ساتھ روانہ ہونا، حالانکہ اس کا فائدہ یہ تھا کہ ان کے منصوبے آخری لمحے تک خفیہ رکھے جا سکتے تھے۔ لیکن جب منصوبہ معلوم ہوا، تو یہ حقیقت کے بجائے مذاق کے طور پر زبان زد عام ہوا۔ خیبر کی ناقابل تسخیر طاقت تقریباً مثل مشہور تھی۔ قریش اور دیگر دشمنان اسلام کو امید تھی کہ یہ خبر صحیح ہے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر کار ایک شدید شکست ملے گی؛ لیکن وہ خوفزدہ تھے کہ یہ صحیح نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ پاگل نہیں ہیں۔ خیبر کے آدمیوں کا اعتماد اتنا تھا کہ انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے حلیفوں سے مدد مانگنے کی بھی زحمت نہیں کی یہاں تک کہ مدینہ سے یہ یقینی خبر آئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہونے والے ہیں۔ تبھی کینانہ، ان کے حقیقی سردار، نے غطفان کی طرف تیزی سے دورہ کیا اور انہیں اس سال کی آدھی کھجور کی فصل دینے کی پیشکش کی اگر وہ مدد کریں۔"

خطرہ بڑھانے والے حالات میں خیبر کی طرف روانگی کی تیاریوں میں، غطفان کے یہودیوں نے اپنی مدد کے لیے چار ہزار مردوں کی فورس بھیجنے پر رضامندی ظاہر کی تھی، جو ان کے کل جنگجوؤں کی تعداد کو چودہ ہزار تک لے آتی۔ خیبر کے یہودی ہر دن اپنی جنگی قوت کو مکمل طور پر جمع کرتے تھے، جس میں دس ہزار مرد شامل تھے، اور غطفان کا اضافہ انہیں مزید مضبوط بناتا تھا۔ مدینہ سے آنے والی اطلاعات کے مطابق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج میں صرف سولہ سو سپاہی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے پہلے، اوس کے ایک آدمی ابو عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو شدید مالی مشکلات کا سامنا کر رہا تھا۔ اس کے پاس سواری کے لیے ایک اونٹ تھا، مگر کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور وہ سفر کے لیے سامان خریدنے یا اپنے خاندان کے لیے کچھ چھوڑنے کی حالت میں نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عارضی طور پر ایک اچھا لباس دیا، مگر چند دن بعد جب ابو عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ پرانا لباس پہنے ہوئے تھا۔ ابو عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اس نے لباس آٹھ درہم میں بیچ کر خود کے لیے دو درہم کی کھجوریں خریدیں، اور باقی دو درہم اپنے خاندان کے لیے چھوڑے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر کہا: "اے ابو عباس رضی اللہ عنہ، تم اور تمہارے ساتھیوں کی حالت بہت غریب ہے۔ لیکن جس کی طاقت میں میری جان ہے، اگر تم محفوظ رہو اور تھوڑا اور وقت گزارو، تو تمہارے پاس فراوانی ہو گی، اور تمہارے خاندانوں کے لیے بہت کچھ ہو گا۔ تمہارے پاس درہم اور غلام ہوں گے، اور وہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہو گا!"[1]

ایک موقع پر جب فوج ایک کیمپ سے دوسرے کیمپ کے درمیان رکی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے ایک آدمی، ابن اکوع، کو بلایا، جس کی آواز خوبصورت تھی۔ "اترو اور ہمارے لیے اپنے اونٹوں کے گانے گاؤ"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ بدو اپنے اونٹوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ایسے گانے گاتے تھے جو پرانی دھنوں پر ہوتے، اور اس میں غمگین اور پرسکون لہجے ہوتے تھے۔ ابن اکوع نے وہ گانے گائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خندق کھودتے وقت سکھائے تھے: "خدا کے سوا ہم کبھی ہدایت نہیں پاتے، نہ ہم صدقہ دیتے نہ تیری عبادت کرتے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کہا: "اللہ تجھ پر رحم کرے"، اور پھر حضرت عمر نے کہا: "تو نے اسے لازمی بنا دیا، اے اللہ کے رسول۔ کاش تم نے ہمیں اور اس کی آواز کا لطف زیادہ وقت تک اٹھانے دیا!" وہ جانتے تھے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر رحم کی دعا کرتے تو وہ شخص زیادہ وقت زندہ نہیں رہتا تھا، اور یہی قیاس تھا کہ ابن اکوع کی شہادت قریب ہے۔

چند دنوں میں، ان کی فوج اپنی منزل کے قریب پہنچ چکی تھی، اور اس کے بعد انہیں ایک اہم حکمت عملی اپنانی تھی تاکہ خیبر اور اس کے اتحادیوں کے درمیان ایک رکاوٹ کھڑی کی جا سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رہنمائی کے لیے درخواست کی، اور رات کے وقت، وہ ایک کھلے علاقے میں پہنچے جہاں سے خیبر کے راستے کی نگرانی کرنا ممکن تھا۔

[1] W.63 6.

جب مسلمانوں کا لشکر خیبر کے قریب پہنچا، تو یہ منظر غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔ نوجوان قمر کی چاندنی غروب ہو چکی تھی اور رات کی خاموشی میں کوئی آواز نہ آرہی تھی، نہ کوئی پرندہ چہک رہا تھا اور نہ ہی کوئی جانور آواز کرتا تھا۔ صرف صبح کے وقت، مرغے کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔ مسلمانوں نے فجر کی نماز پڑھی اور پھر خاموشی سے سامنے کی طرف دیکھا جہاں خیبر کے قلعے اونچی دیواروں کے ساتھ نخیل کے باغات اور گندم کے کھیتوں کے اوپر ابھرتے جا رہے تھے۔ سورج چمکا، اور جب زمین کے کسان اپنے اوزار لے کر باہر آئے، تو وہ اس منظر سے حیران رہ گئے کہ سامنے ایک سنجیدہ فوج کھڑی تھی۔ "محمد ﷺ اور اس کی فوج!" انہوں نے کہا اور فوراً اپنے قلعوں کی طرف دوڑ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "اللہ اکبر!" اور پھر لفظوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کہا: "خیبر تباہ ہو گیا!" پھر اس کی شکست کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ایک آیت تلاوت کی، جس میں اللہ کی سزا کا ذکر ہے: "جب یہ ان کے گھروں کے سامنے آئے گی، تو ان لوگوں کے لیے برا دن ہو گا جنہیں خبر دار کیا گیا ہے۔[1] "لیکن اس آیت میں "آنا" کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، "ہم آ گئے۔"

"یہودیوں نے جلدی میں جنگی کونسل بلائی۔ لیکن ایک سردار کی وارننگ کے باوجود، انہوں نے اپنے قلعے پر اعتماد کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے خیال میں یثرب کے قلعوں اور ان کے اپنے پہاڑی قلعوں کا کوئی موازنہ نہیں تھا، جیسا کہ وہ انہیں کہتے تھے۔ اس فیصلے کی بنیاد ان کی سب سے بڑی کمزوری تھی، جو اتحاد کی کمی تھی۔ جو وحی نے نبی کو یثرب کے یہودیوں کے بارے میں بتائی تھی، وہ خیبریتوں کے بارے میں بھی صحیح تھی: ان میں دشمنی پائی جاتی ہے۔ تو انہیں ایک مجموعہ سمجھتا ہے، لیکن ان کے دل تقسیم ہیں[2]۔ ان کی بدقسمتی تھی کہ انہیں اچانک ایک فوج کا سامنا کرنا پڑا جو کہ اگرچہ چھوٹی تھی، لیکن اس میں وحی شدہ آیت کی سختی موجود تھی: بلاشبہ خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے سبب کی خاطر صفوں میں لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک مضبوط بلاک ہیں[3]۔ ایک ایسی فوج جو ان الفاظ کے وعدے میں خوشی محسوس کرتی تھی: کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو خدا کی اجازت سے بڑی تعداد کو شکست دے چکی ہیں۔ اور خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے[4]۔ جب نبی نے پہلے دن قریب ترین قلعہ پر حملہ کیا، تو دوسرے قلعے کے سپاہیوں نے محاصرے کرنے والوں پر حملہ کرنے کے لیے نکلنے کی بجائے اپنے دیواروں کے پیچھے رہ کر اپنی قلعہ بندیوں کو مضبوط کرنے میں مشغول رہے۔ ان حکمت عملیوں نے تعداد کی تفاوت کو کم کیا، لیکن انہوں نے مسلمانوں کی صبر و استقامت کو طویل مہم پر اجنبی علاقے میں اور کئی جنگوں کی جگہ ایک جنگ میں آزمایا۔ خیبر کے آدمی عرب کے ماہر نشانہ بازوں میں سے تھے۔ پہلے کبھی مسلمانوں نے اپنی ڈھالوں کے استعمال کی اتنی سخت تربیت نہیں کی تھی۔ مہم کے آغاز میں کیمپ کی خواتین تیر کے زخموں کا علاج کرنے میں مصروف تھیں۔ نبی کی بیویوں میں سے دوسری بار مسلسل ام سلمہ کے حصہ میں آئی؛ اور ان عورتوں میں جنہوں نے فوج کے ساتھ زخمیوں کی خدمت کے لئے اور پچھلی صفوں میں پانی فراہم کرنے کے لئے شمولیت کی، نبی کی پھوپھی صفیہ، ام ایمن، نسیبہ اور ام سلیم تھیں، جو انس کی ماں تھیں۔ "کئی دنوں تک کچھ نہیں ہو سکا، مگر چھٹی رات جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہرے پر تھے، ایک جاسوس کو پکڑا گیا اور اپنی زندگی کی قیمت پر اس نے مختلف قلعوں کے بارے میں اہم معلومات دیں۔

[1] XXXVII, I77. [2] LIX,I4. [3] LXI, 4. [4] II, 249.

قلعوں کے بارے میں بتایا کہ وہ کون سے قلعے سب سے آسانی سے فتح کر سکتے ہیں اور تجویز کیا کہ وہ ایک ایسا قلعہ منتخب کریں جو کمزور حفاظت میں ہو اور جس کے ذخیرہ خانے میں بہت ساری ہتھیار موجود ہوں، جن میں کچھ جنگی آلات بھی شامل تھے جو ماضی میں دوسرے قلعوں کے خلاف استعمال ہوئے تھے، کیونکہ یثرب کی طرح خیبر بھی اکثر داخلی فساد کا شکار رہا تھا۔ اگلے دن قلعہ فتح کر لیا گیا اور ان جنگی آلات کو نکال کر دوسرے حملوں کے لیے استعمال کیا گیا، جن میں ایک بالیستا تھا جو پتھر پھینکنے کے لیے استعمال ہوتا تھا اور دو ٹیسٹوڈو تھے جن کی مدد سے سپاہیوں کو دیواروں تک پہنچایا جا سکتا تھا تاکہ وہ ایک دروازہ توڑ سکیں۔ ان آلات کی بدولت، آسان قلعے ایک کے بعد ایک فتح ہوتے گئے۔ جو پہلی طاقتور مزاحمت ان کو ملی وہ ایک قلعہ "نعیم" میں تھی۔ یہاں فوجی بہت بڑی تعداد میں باہر آئے، اور اس دن مسلمانوں کا ہر حملہ پسپا کر دیا گیا۔ "کل،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "میں پرچم اس شخص کو دوں گا جسے اللہ اور اس کے پیغمبر پسند کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں اس کے ہاتھوں فتح دے گا؛ وہ وہ شخص نہیں جو پیچھے ہٹے۔"

اپنی پچھلی مہمات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے پرچم استعمال کیے تھے، لیکن خیبر کے لیے انہوں نے ایک بڑا سیاہ پرچم لایا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے چادر سے بنایا گیا تھا۔ اس کو "عقاب" کہا جاتا تھا، اور یہ پرچم حضرت علی کو دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی اور ان کے ساتھیوں کے لیے بھی کہ اللہ انہیں فتح دے۔ شدید لڑائی کے بعد، جس میں حضرت زبیر اور سرخ عمامہ والے حضرت ابو دجانہ نے اہم کردار ادا کیا، حضرت علی نے اپنی فوج کی قیادت کی اور آخری حملے میں دشمن کو ان کے مضبوط قلعے میں پیچھے دھکیل دیا، اور مسلمانوں کو دروازوں پر قابض کر لیا۔ قلعہ ہتھیار کر لیا گیا، لیکن اس سے پہلے کہ اس کے بہت سے فوجی دوسرے قلعوں میں پیچھے کی راہ سے فرار ہو گئے۔

"بنی غطفان کہاں ہیں؟" یہ سوال خیبر میں ہر طرف پوچھا جا رہا تھا، لیکن اس کا کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ حقیقت میں انہوں نے وعدے کے مطابق چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن ایک دن کی مسافت کے بعد انہوں نے رات کے دوران ایک عجیب آواز سنی — انہیں یہ نہیں پتا تھا کہ یہ آواز زمین سے آئی تھی یا آسمان سے — اور یہ آواز تین بار مسلسل آئی: "تمہارا لوگ! تمہارا لوگ! تمہارا لوگ!" جس پر ان لوگوں نے سمجھا کہ ان کے خاندان خطرے میں ہیں اور وہ واپس لوٹ گئے، لیکن جب وہ واپس پہنچے تو سب کچھ معمول پر تھا۔ لیکن واپس آ کر وہ دوبارہ روانہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہوئے، کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو یقین تھا کہ اب وہ دشمن کی شکست میں حصہ لینے کے لیے بہت دیر سے پہنچیں گے۔

خیبر کے سب سے مضبوط قلعوں میں سے ایک "قلعہ زبیر" تھا، جو ایک بلند چٹان پر واقع تھا جس کے دروازے تک پہنچنے کا راستہ بہت کھڑی تھا اور باقی طرف چٹانیں تھیں۔ جو فوجی دوسرے قلعوں سے بچ کر آئے تھے وہ سب قلعہ زبیر کے محافظوں میں شامل ہو گئے، جو قلعے کی دیواروں کے اندر مضبوطی سے موجود تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین دن تک محاصرے میں رکھا، اور پھر ایک یہودی دوسرے قلعے سے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بتایا کہ ان کے پاس ایک چھپی ہوئی چیز ہے جو ان کو تقریباً لامتناہی مدت تک محاصرہ کرنے کی طاقت دے سکتی ہے۔ اس نے یہ راز بتانے کی پیشکش کی، بشرطیکہ اس کی زندگی، مال اور خاندان کو محفوظ رکھا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات مانی اور وہ شخص انہیں بتانے آیا کہ کہاں سے وہ ایک زیر زمین ندی کو روکنے کے لیے کھود سکتے ہیں جو قلعے کی چٹانوں کے نیچے بہتی تھی۔ وہاں ایک سیڑھیاں تھی جو اندر سے اس تک پہنچتی تھیں اور چونکہ یہ ندی کبھی خشک نہیں ہوتی تھی، اس لیے انہوں نے پانی کے ذخائر نہیں رکھے تھے۔ جب یہ پانی بند کر دیا گیا، تو وہ جلدی ہار ماننے پر مجبور ہو گئے۔

پیاس کے مارے یہودیوں نے باہر آکر لڑائی کی، اور ایک خونریز لڑائی کے بعد وہ شکست کھا گئے۔

آخری قلعہ جو کسی مزاحمت کا سامنا کرتا ہے وہ قامُوس تھا۔ یہ قبیلہ کنانہ کا تھا، جو بنی نضیر کے سب سے امیر اور طاقتور قبیلوں میں سے تھا۔ ان میں سے بعض لوگ طویل عرصے سے خیبر میں رہ رہے تھے، جبکہ کنانہ سمیت دوسرے لوگ حال ہی میں یثرب سے جلاوطن ہونے کے بعد یہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے غطفان کی مدد پر زیادہ انحصار کیا تھا، جن کی وعدہ خلافی نے ان کے حوصلے کو بہت متاثر کیا تھا؛ اور جب وہ تمام لوگ جو قمیص میں پناہ گزین ہو گئے تھے، بری خبریں لے کر آئے، تو ان کی مایوسی اور بڑھ گئی۔ تاہم، وہ چودہ دن تک ڈٹے رہے؛ پھر کنانہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ صلح کے خواہش مند ہیں، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاکرات کرنے کی رضامندی ظاہر کی۔ چناں چہ سردار قلعہ سے اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ نیچے آئے، اور یہ طے پایا کہ نہ تو کسی قلعہ کے سپاہی کو قتل کیا جائے گا اور نہ ہی قید کیا جائے گا ـــ نہ وہ اور نہ ان کے اہل خانہ ـــ بشرطیکہ وہ خیبر چھوڑ دیں اور ان کی تمام املاک فاتحین کی ملکیت بن جائیں۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مزید شرط رکھی کہ جو بھی اپنی املاک چھپانے کی کوشش کرے گا، اس کے بارے میں ان کی زندگی اور آزادی کی ضمانت ختم ہو جائے گی۔ کنانہ اور دیگر نے اس پر رضامندی ظاہر کی؛ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر، عمر، علی، زبیر اور دس یہودیوں کو اس معاہدے کی گواہی کے طور پر بلایا۔

لیکن بہت جلد یہ دونوں یہودیوں اور مسلمانوں کے لیے واضح ہو گیا کہ بہت ساری دولت چھپائی جا رہی تھی۔ بنی نضیر کا مشہور خزانہ کہاں ہے، جسے وہ مدینہ سے لے کر آئے تھے اور جسے انہوں نے شہر کی گلیوں میں بڑے زور و شور سے دکھایا تھا؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ سے اس بارے میں سوال کیا، اور اس نے جواب دیا کہ خیبر میں آنے کے بعد وہ خزانہ تمام اسلحہ، زرہ اور قلعہ سازی کے لیے بیچ دیا گیا تھا۔ یہودی جانتے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، اور وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے کیونکہ اب ان میں سے بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک نبی کے سامنے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں اس کے پیچھے چلنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمارے لیے نہیں بھیجے گئے ہیں؛ لیکن یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اس کو دھوکہ دینا بے سود ہو گا۔ ان میں سے ایک شخص جو کنانہ کی بھلائی چاہتا تھا، اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ کچھ نہ چھپاؤ، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور اطلاع مل جائے گی۔ کنانہ نے غصے میں آکر اسے ڈانٹا؛ لیکن ایک دن سے بھی کم وقت میں خزانہ دریافت کر لیا گیا، اور کنانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اس کے ایک کزن کو بھی جو اس چھپانے کے عمل میں شریک تھا، مارا گیا۔ ان کے اہل خانہ کو قید کر لیا گیا۔

قمیص کے گرنے کے بعد باقی دو قلعے بھی وہی شرائط پر تسلیم ہو گئے۔ پھر خیبر کے یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک وفد بھیجا، تجویز کرتے ہوئے کہ چونکہ وہ اپنے کھیتوں اور باغات کی دیکھ بھال میں ماہر ہیں، وہ اپنے گھروں میں رہنے کی اجازت دیں اور ہر سال پیداوار کا آدھا حصہ کرایہ کے طور پر دیں گے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو قبول کیا؛ تاہم آپ نے یہ شرط رکھی کہ اگر مستقبل میں آپ کو فیصلہ ہو کہ انہیں نکالنا ہے تو وہ چلے جائیں۔ پھر یہ افواہیں پھیلنے لگیں کہ مسلمان اپنی مہم کو فدک تک بڑھا سکتے ہیں، جو ایک چھوٹا مگر مالدار وادی ہے شمال مشرق میں؛ اور جب فدک کے یہودیوں کو خیبر پر عائد کی جانے والی شرائط کا علم ہوا تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ وہ اسی شرائط پر ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔ اس طرح فدک بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت بن گیا۔

ہر وہ اثاثہ جو طاقت کے ذریعے حاصل نہیں کیا گیا تھا، وہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ جب تمام شرائط پر اتفاق ہو گیا، اور فاتح فوج نے آرام کیا، تو سلم بن مشکم کی بیوہ نے ایک بکرے کا گوشت بھون کر اس میں زہر ملا دیا، خاص طور پر کندھوں میں، کیونکہ اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بکرے کے کندھے کا گوشت زیادہ پسند ہے۔ پھر اس نے وہ گوشت قافلے میں لے جا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، جس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ساتھ موجود صحابہ کو دعوت دی کہ وہ بھی کھائیں۔

اس موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک خزرجی صحابی بشیر بن براء تھے، جو اس براء کے بیٹے تھے جنہوں نے یثرب کے مسلمانوں کو دوسری بیعتِ عقبہ میں قیادت دی تھی اور جو پہلے شخص تھے جنہوں نے قبلہ یعنی مکہ کی طرف نماز پڑھی تھی۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بکرے کا گوشت کھایا، بشیر نے بھی وہی کھایا اور اسے نگل لیا، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت منہ سے نکال دیا اور کہا: "اپنے ہاتھ روک لو! یہ کندھا مجھے بتا رہا ہے کہ اس میں زہر ہے۔" اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ کیا تم نے گوشت میں زہر ڈالا تھا؟ اس نے پوچھا، "تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، "یہ کندھا خود بتا رہا ہے۔" عورت نے کہا: "تم جانتے ہو، تم نے میرے لوگوں کے ساتھ کیا کیا ہے؛ تم نے میرے والد، میرے چچا اور میرے شوہر کو قتل کر دیا۔ تو میں نے سوچا: 'اگر وہ بادشاہ ہے، تو میں اس سے چھٹکارا پاؤں گی، اور اگر وہ نبی ہے، تو اسے زہر کا علم ہو جائے گا۔'" بشیر کا چہرہ پہلے ہی زرد پڑ چکا تھا اور وہ جلد ہی وفات پا گیا۔ لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو معاف کر دیا[1]۔

یہ وہ واحد عورت نہیں تھی جس نے مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے والد اور شوہر کو کھو دیا تھا۔ کنانہ کے خزانہ چھپانے کے نتیجے میں گرفتار ہونے والوں میں اس کی بیوہ صفیہ بھی تھی، جو اسی حُیی بن اخطب کی بیٹی تھی جس نے بنی قریظہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے پر قائل کیا تھا اور جسے بنی قریظہ کے ساتھ ہی جنگِ خندق کے بعد قتل کر دیا گیا تھا۔ صفیہ کی عمر سترہ سال تھی اور اس نے کنانہ سے محض ایک یا دو ماہ پہلے شادی کی تھی، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے خیبر کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ اس کی شادی اگرچہ مختصر تھی، لیکن خوشگوار نہ تھی۔ اپنے والد اور شوہر کے برعکس صفیہ کی طبیعت بہت پُرہیزگار تھی۔ اپنے بچپن سے ہی وہ اپنے لوگوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سن چکی تھی، جو بہت جلد آنے والے تھے، اور اس نے اس بات کا بڑا اثر لیا تھا۔ پھر وہ سنتی رہیں کہ مکہ میں ایک قریشی عرب نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؛ اور پھر یہ خبر آئی کہ وہ قبا پہنچ گیا ہے۔ یہ سات سال پہلے کی بات ہے جب وہ صرف دس سال کی تھی، اور اس کو یاد ہے کہ اس کے والد اور چچا قبا کے لیے روانہ ہوئے تاکہ اس بات کو یقین کر سکیں کہ یہ شخص جھوٹا ہے؛ لیکن جو بات اس کی یادداشت پر گہرا اثر چھوڑ گئی وہ یہ تھی کہ وہ رات دیر سے مایوسی کے عالم میں واپس لوٹے تھے۔ ان کی باتوں سے واضح ہو گیا کہ وہ اس نئے آنے والے شخص کو وعدہ شدہ نبی سمجھتے تھے، لیکن وہ اس کے مقابلے میں آنا چاہتے تھے، اور صفیہ کا دل اس بات پر حیران تھا[2]۔

اپنی شادی کے فوراً بعد، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر کے قریب پہنچنے سے پہلے، صفیہ نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے ایک چمکتا ہوا چاند دیکھا جو آسمان میں معلق تھا، اور وہ جانتی تھی کہ اس کے نیچے مدینہ شہر ہے۔ پھر چاند خیبر کی طرف بڑھا، جہاں وہ اس کی گود میں گر گیا۔ جب وہ بیدار ہوئی تو...

[1]B.LI.28 [2]I.I.354-5

صفیہ نے کنانہ کو اپنا خواب سنایا، جس پر اس نے صفیہ کو چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور کہا: "یہ تو صرف یہ مطلب رکھتا ہے کہ تم حجاز کے بادشاہ ﷺ کو چاہتی ہو۔" وہ نشان ابھی بھی اس کے چہرے پر تھا جب اسے قیدی کے طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ یہ نشان کس وجہ سے آیا تھا، اور صفیہ نے اسے اپنا خواب سنایا۔ اب بنی کلب کے دحیہ بن خلف،[1] جنہوں نے بدر کے فوراً بعد اسلام قبول کیا تھا، نے درخواست کی تھی کہ خیبر کے مالِ غنیمت میں سے صفیہ اسے دی جائے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست قبول کی تھی۔ لیکن جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خواب سنا تو انہوں نے دحیہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کی جگہ اس کی کزن کو لے لے۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ سے کہا کہ وہ اسے آزاد کرنے کے لیے تیار ہیں، اور اس کے سامنے یہ انتخاب رکھا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جا کر یہودی رہنا چاہے یا اسلام قبول کر کے ان کی بیوی بننا چاہے۔ صفیہ نے کہا: "میں اللہ اور اس کے پیغمبر کو چن لیتی ہوں۔" اور پھر ان کی شادی اسی دن ہوئی جب وہ واپس جانے کی سفر پر روانہ ہوئے تھے۔

یہ مہم ابھی ختم نہیں ہوئی تھی، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس جانے کے بجائے مغرب کی طرف رخ کیا اور وادی القری کے یہودیوں کو ان کے قلعوں میں محصور کر لیا۔ یہ لوگ خیبر کے ساتھ اتحاد میں تھے، اور تین دن بعد انہوں نے وہی شرائط قبول کیں جن پر خیبر کے یہودیوں نے سرنڈر کیا تھا۔

ابن اکوع، جو اسلمی تھے اور شمال کی طرف روانہ ہوتے وقت ان کی آواز میں گاتا گاتے تھے، خیبر میں قلعے پر حملے کے دوران شہید ہو گئے تھے۔ ان کی اپنی تلوار نے کسی طرح ان کے خلاف کام کیا اور ان کو مہلک زخم دیا۔ ایک انصاری نے کہا کہ انہیں شہید شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ جھوٹ بولتا ہے جو ایسا کہے، وہ حقیقت میں جنت کے باغات میں اس طرح آزادانہ گزرے گا جیسے کوئی تیرتا ہوا پانی سے گزر رہا ہو۔[2]"

ایک اور سوال شہادت کے بارے میں وادی القری میں اٹھا، جہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کالے غلام کر کراہ کو ایک تیر لگ گیا جب وہ ایک اونٹ کا سامان اتار رہا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ ابھی جہنم میں جل رہا ہے، اس کپڑے کے نیچے جسے اس نے خیبر سے چوری کیا تھا، اور وہ اب آگ کا لباس بن چکا ہے۔[3]"

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی جماعت کے لوگوں کو مسلسل یہ یاد دلاتے رہتے کہ ان کے ساتھ رہنے کا اعزاز بڑی ذمہ داری لاتا ہے، کیونکہ اللہ انصاف کرنے والا ہے اور وہ ان کا حساب ان لوگوں سے زیادہ سختی سے لے گا جو زیادہ پرانی اور مشکل ادوار میں رہ چکے ہیں جب برائی کا مقابلہ کرنا اور بھی مشکل تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم ایک ایسے دور میں ہو جب جو شخص قانون کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، لیکن ایک وقت آئے گا جب جو شخص قانون کا دسواں حصہ بھی پورا کرے گا وہ بچ جائے گا۔[4]"

[1] وہ ایک نہایت خوبصورت شخص تھے، اور نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: **"میں نے جتنے بھی آدمیوں کو دیکھا ہے، ان میں حضرت جبرائیلؑ سے سب سے زیادہ مشابہ دحیہ کلبی ہیں۔** I.S.IV, 184.

W.662. [3] 1.1. 765. [4] Tir. XXXI, 79[2]

.

LXX

Whom Lovest Thou Most

تم سب سے زیادہ کس سے محبت کرتے ہو؟

جب فاتح فوج سات ہفتوں کی غیر موجودگی کے بعد مدینہ پہنچی، تو انہیں معلوم ہوا کہ جعفر رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھی پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے ابی سینیا حبشہ کی طرف ھجرت کی تھی جب وہ ستائیس سال کے تھے، اور اب وہ چالیس سال کے ہو چکے تھے۔ وہ تیرہ سال تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملے تھے، حالانکہ ان کا آپس میں مسلسل رابطہ رہا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی گود میں لے لیا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر انہوں نے فرمایا: "مجھے نہیں معلوم کہ میری خوشی کا سبب زیادہ کس چیز سے ہے، جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد سے یا خیبر کی فتح سے۔" جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی بیوی اسماء اور ان کے تین بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ، محمد ﷺ اور عون تھے، جو ابی سینیا حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔

ان کے ساتھ اُم حبیبہ بھی تھیں، جن کے لیے ایک الگ کمرہ تیار تھا جہاں وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر رہی تھیں۔ اُم حبیبہ کی عمر تقریباً پینتیس سال تھی۔ باقی تمام بیویوں نے اُم حبیبہ کو مکہ میں جانا تھا، سوائے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے۔ وہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، اور سیدہ سودا اور اُم سلمہ ان کی قریبی دوستیں تھیں جب وہ دونوں ابی سینیا میں ایک ساتھ رہ چکی تھیں۔ ان کی آمد کی توقع تھی اور اس نے زیادہ ہلچل نہیں مچائی۔ تاہم، ان کی بیویوں میں سب سے زیادہ توجہ کی حامل اور غیر متوقع اضافہ صفیہ کا تھا، جو جوان اور خوبصورت تھیں۔ مدینہ پہنچنے پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عارضی طور پر حضرت حارثہ کے گھر میں ٹھہرا لیا۔ ان کی خوبصورتی کے بارے میں سن کر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اُم سلمہ سے ان کی بارے میں پوچھا۔ اُم سلمہ نے کہا، "وہ واقعی خوبصورت ہیں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت کرتے ہیں۔" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت حارثہ کے گھر گئیں اور ان خواتین کے ساتھ داخل ہوئیں جو نئی دلہن کو ملنے آئی تھیں۔ وہ خود پردہ میں تھیں اور اپنی شناخت ظاہر کیے بغیر پس منظر میں رہیں، مگر اتنا قریب تھیں کہ خود دیکھ سکیں کہ اُم سلمہ نے جو کہا وہ سچ تھا۔ پھر وہ گھر سے نکل گئیں، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہچان لیا اور ان کے پیچھے جا کر فرمایا: "اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، تم نے اُسے کیسا پایا؟" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "میں نے اُسے ایک یہودیہ کے طور پر پایا، جیسے کوئی اور یہودیہ ہو۔" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسا نہ کہو، کیونکہ وہ اسلام لائی ہے اور اس نے اپنے اسلام کو ثابت کیا ہے۔"

پھر بھی، صفیہ خاص طور پر بیویوں کے درمیان اپنے والد کی وجہ سے کمزور پوزیشن میں تھیں۔ "اے دخترِ حُیَیّ" ایک عزت دینے والا خطاب تھا، لیکن اس کے لہجے کی تبدیلی اسے گالی بنا سکتی تھی، اور کبھی کبھی یہ بیویوں کے درمیان باتوں کا موضوع بن گئی

ایک موقع پر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتی ہوئی آئیں کیونکہ ان کی ایک نئی ساتھی نے انہیں کمتر محسوس کرایا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان سے کہو: میرا والد ہارون ہے اور میرا چچا موسیٰ ہے۔"

تمام بیویوں میں صفیہ عمر میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سب سے قریب تھیں، یہاں تک کہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی زیادہ، جو اس وقت بائیس سال کی تھی۔ اس نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خوف کو ابتدائی طور پر بڑھا دیا تھا؛ لیکن جیسے جیسے ہفتے گزرتے گئے، دونوں سب سے کم عمر بیویوں کے درمیان ایک نوع کی ہم آہنگی پیدا ہو گئی، اور حفصہ نے بھی نئی آنے والی صفیہ سے دوستی کر لی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں کہا: "ہم دو گروپوں میں تھے، ایک میں میں، حفصہ، صفیہ اور سودہ تھیں، اور دوسرے میں ام سلمہ اور باقی بیویاں۔"

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت سولہ سال کی تھیں، کچھ معاملات میں اپنی عمر سے زیادہ بالغ لیکن کچھ میں نہیں۔ ان کے جذبات ہمیشہ ان کے چہرے سے ظاہر ہو جاتے تھے، اور تقریباً ہمیشہ ان کی زبان سے بھی۔ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، یہ مجھ سے پوشیدہ نہیں رہتا کہ جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو یا جب تم خوش ہوتی ہو۔" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "اے میرے والد اور میری والدہ سے زیادہ عزیز، تم یہ کیسے جانتے ہو؟" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم خوش ہوتی ہو تو تم قسم کھا کر کہتی ہو 'نہیں، محمد ﷺ کے رب کی قسم'، لیکن جب تم ناراض ہوتی ہو تو تم کہتی ہو 'نہیں، ابراہیم کے رب کی قسم'۔[1] "ایک اور موقع پر جب نبی اکرم نے ان کے متوقع وقت سے کچھ دیر بعد آ کر کہا: 'کہاں گئے تھے آپ آج؟" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: "اے چھوٹی خوبصورت، میں ام سلمہ کے ساتھ تھا۔" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "کیا آپ کو ام سلمہ سے کافی وقت نہیں مل گیا؟" اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر خاموش رہ گئے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "اے اللہ کے رسول، مجھے آپ کے بارے میں بتاؤ۔ اگر آپ دو وادیوں کے درمیان ہوتے، جن میں سے ایک پر چرائی نہ ہوئی ہو اور دوسری پر چرائی ہوئی ہو، تو آپ اپنے مویشی کہاں چراتے؟" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس پر جو چرائی نہ ہوئی ہو۔" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "ایسا ہی ہے؛ اور میں آپ کی کسی بھی دوسری بیوی کی طرح نہیں ہوں۔ ان میں سے ہر ایک کی آپ سے پہلے شادی ہو چکی تھی، سوائے میرے۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور کچھ نہیں کہا۔[2]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بخوبی جانتی تھیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنے لیے نہیں رکھ سکتیں۔ وہ ایک عورت تھیں اور وہ بیس مردوں کے برابر تھے۔ وحی میں ان کے بارے میں کہا گیا تھا: "یقیناً تمہاری فطرت بے حد عظیم ہے۔" ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ خود ایک مکمل دنیا ہیں، جو باہر کی دنیا کے برابر ہیں اور بعض طریقوں سے اس سے پراسرار طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بار بار نوٹ کیا تھا کہ اگر کہیں دور سے بادل گرجتے تو ان کا چہرہ رنگ بدل لیتا تھا؛ طاقتور ہوا کے جھونکے کی آواز بھی انہیں واضح طور پر متاثر کرتی تھی؛ اور کم از کم ایک موقع پر جب بارش ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر، کندھے اور سینہ کھول لیا اور باہر نکل کر زمین کے ساتھ آسمان کی نعمت کو براہ راست اپنے جسم پر محسوس کیا۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس بات پر کم از کم حسد نہیں کرتی تھیں کہ وہ باقی مردوں سے مختلف تھے؛ لیکن وہ جانتی تھیں کہ حسد، محبت کے برعکس، صرف اسی دنیا کے لیے ہے۔ جنت کے بارے میں وحی نے ایک سے زیادہ بار کہا تھا: "اور ہم ان کے دلوں میں جو بھی کینہ ہو گا نکال دیں گے۔"[3] ایک دن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "اے اللہ کے رسول، جنت میں آپ کی بیویاں کون ہوں گی؟" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم ان میں سے ہو۔" اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ کو اپنی زندگی بھر کے لیے اپنی یاد میں سنبھال لیا، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان سے کہا: "جبریل یہاں ہیں اور وہ تمہیں اپنا سلام پہنچا رہے ہیں۔"

[1] I.S. VIII, 47. [2] I.S. VIII, 55. [3] VII, 42; XV, 47

آپ

"علیہ السلام، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں!" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔[1]

اپنی حسد کے بارے میں وہ بعد میں کہتیں: "میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی بیوی سے زیادہ حاسد تھی، سوائے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے، کیونکہ ان کا مسلسل ذکر اور اللہ نے انہیں جنت میں ایک قیمتی پتھروں سے بنا ہوا محل دینے کی خوشخبری دی تھی۔ اور جب بھی وہ ایک بکرا قربان کرتے، تو اس کا ایک اچھا حصہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریبی دوستوں کو بھیج دیتے۔ میں کئی بار ان سے کہہ چکی تھی: 'ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں صرف خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ایک عورت تھی۔[2]"

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ادراک اور ردعمل بہت تیز تھے۔ خیبر کے بعد، یا شاید اس سے کچھ پہلے، ہالہ جو ابو العاص کی والدہ تھیں، مدینہ آئیں تاکہ اپنے بیٹے اور بہو زینب رضی اللہ عنہا اور اپنی پوتی عُمامہ کو ملیں۔ ایک دن جب نبی اکرم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں تھے، دروازے پر دستک ہوئی اور ایک عورت کی آواز سنی گئی جو یہ پوچھ رہی تھی کہ کیا وہ اندر آسکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ کانپنے لگے؛ اور فوراً سبب کو سمجھتے ہوئے... عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فوراً وجہ سمجھ گئیں اور ایک لہر کی صورت میں حسد نے انہیں گھیر لیا اور انہوں نے نبی اکرم سے ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ہالہ کی آواز میں رسول اللہ ﷺ کو ہالہ کی بہن خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آواز سنائی دی تھی۔ بعد میں نبی اکرم نے اس کی تصدیق کی اور کہا کہ ان کا اندر آنے کا طریقہ بھی بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ ان کی مرحومہ بیوی کا تھا۔[3]

سودہ جو اب کچھ عمر رسیدہ ہو چکی تھیں، اپنی باری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزارنے کے لیے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیتی تھیں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ملے گی؛ اور باقی جماعت بشمول دوسری بیویوں کا بھی یہی خیال تھا کہ ان میں سے کو سب سے زیادہ محبت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ یہ محض قیاس نہیں تھا، کیونکہ کبھی کبھار، ان کے صحابہ میں سے کوئی نہ کوئی نبی اکرم سے یہ سوال کرتا: "اے اللہ کے رسول، دنیا میں تمہیں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟" اور حالانکہ وہ ہمیشہ اسی سوال کا ایک ہی جواب نہیں دیتے تھے، کیونکہ وہ بہت لوگوں سے محبت رکھتے تھے - اپنی بیٹیوں اور ان کے بچوں سے، علی سے، ابو بکر سے، زید اور اسامہ سے - کبھی کبھی جواب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہوتا لیکن کبھی بھی کسی دوسری بیوی کا نام نہیں آتا تھا۔ اس لیے مدینہ میں یہ رسم بن گئی تھی کہ اگر کسی شخص کو نبی اکرم سے کوئی درخواست کرنی ہو، اور اگر وہ کوئی تحفہ پیش کر رہا ہو جس کی مدد سے وہ اپنی درخواست پیش کرے، جیسا کہ قرآن نے کہا تھا، تو وہ تحفہ اس وقت پیش کرتے جب نبی اکرم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں ہوتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس وقت وہ سب سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور اس لیے سب سے زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ اس سے نبی اکرم کے گھر میں کچھ ناراضگی پیدا ہوئی اور ام سلمہ نے ان کی طرف سے باقی بیویوں کے ساتھ آکر درخواست کی کہ وہ اعلان کریں کہ جو بھی انہیں کوئی تحفہ دینا چاہتا ہو، وہ ایسا اس کے مخصوص دن کا انتظار کیے بغیر کر سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب نہیں دیا، اور وہ دوسری بار بھی پوچھیں تو خاموش رہے۔ پھر انہوں نے تیسری بار سوال کیا، تو نبی اکرم نے فرمایا: "'عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق پریشانی نہ دو، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ وحی مجھ پر کبھی بھی بیوی کے ساتھ بستر پر ہونے کی حالت میں نہیں آتی، سوائے اس کے کہ وہ بیوی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہو۔[4]" ام سلمہ نے کہا: "میں اللہ سے توبہ کرتی ہوں کہ میں نے آپ کو تکلیف دی۔" لیکن نبی اکرم ﷺ کی دیگر بیویاں اس پر مطمئن نہ ہوئیں اور انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی طرف سے مداخلت کریں اور ان سے کہیں: "آپ کی بیویاں اللہ کی قسم دیتی ہیں کہ آپ ہمیں انصاف دو، خاص طور پر ابو بکر کی بیٹی کے متعلق۔"

[1] I.S. VII,s S. [2] B. LXIII, 20. [3] ibid. [4] B.LI, 8

فاطمہ رضی اللہ عنہانے اس بات پر رضامندی ظاہر کی، لیکن اس کو کرنے میں کچھ دنوں تک تاخیر کی، یہاں تک کہ آخر کار ان کی کزن زینب رضی اللہ عنہا، جو بنو جحش کی بیٹی تھیں، ان کے پاس آئیں اور ان پر زور ڈالنے لگیں۔ پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے پاس گئیں اور جو کچھ ان سے کہا گیا تھا وہ بیان کیا۔ "بیٹی میری، کیا تمہیں وہ پسند نہیں جو میں پسند کرتا ہوں؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہانے اس کی تائید کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "پھر اسے محبت کرو" —یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو۔ پھر انہوں نے کہا: "یہ زینب رضی اللہ عنہا ہی تھی جس نے تجھے بھیجا تھا، کیا نہیں؟" "زینب رضی اللہ عنہا اور دوسرے لوگ،" فاطمہ رضی اللہ عنہانے کہا۔ "میں قسم کھاتا ہوں،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، "یہ وہ تھی جس نے یہ سب شروع کیا تھا۔" اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہانے اس کا اعتراف کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس آئی اور بیویوں کو وہ ساری باتیں بتائیں جو ہوئیں۔ "اللہ کے رسول کی بیٹی!" وہ کہنے لگیں، "آپ نے ہمارا کوئی کام نہیں کیا!" انہوں نے اس سے دوبارہ جانے کا کہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، تو انہوں نے زینب رضی اللہ عنہا سے کہا: "تم جاؤ"، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، جنہوں نے آخر کار عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ وہ ان سے بات کرے، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہانے ان کے سامنے دلائل پیش کیے، جن کے جواب میں زینب رضی اللہ عنہا کچھ نہیں کہہ سکیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف کرنے کے پابند تھے اور دوسروں کو بھی ان کے اس عمل کی پیروی کرنے کی ترغیب دیتے تھے؛ لیکن وہ دوسروں کے انصاف کے لیے ذمہ دار نہیں تھے۔ ان کی حساسیت بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ مداخلت کریں؛ ان کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ تحفہ شکریہ کے ساتھ قبول کریں، اور باقی سب کچھ دینے والے پر چھوڑ دیں۔ جب زینب رضی اللہ عنہا واپس گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "تم واقعی ابو بکر کی بیٹی ہو۔[1]"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رشک ایک قدرتی بات تھی، اور وہ اسے ہلکا کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے بیویوں اور اپنے خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ ایک کمرے میں آئے، اور ان کے ہاتھ میں ایک عقیق کی مالا تھی جو ابھی ابھی انہیں دی گئی تھی۔ اسے سب کو دکھاتے ہوئے انہوں نے کہا: "میں یہ اپنے سب سے محبوب شخص کو دوں گا۔" کچھ بیویاں آپس میں چپکے چپکے کہنے لگیں: "وہ یہ ابو بکر کی بیٹی کو دیں گے۔" لیکن جب انہوں نے انہیں کافی دیر تک بے چین رکھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوتی امامہ کو بلایا اور وہ مالا اس کے گلے میں ڈال دی۔

وہ اپنے دوتے، علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹوں، حسن اور حسین سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔ "میرے گھر والوں میں سے جو سب سے عزیز ہیں، وہ حسن اور حسین ہیں،" وہ کہا کرتے تھے۔ اسامہ بھی پوتوں میں شمار ہوتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ بار حسن اور اسامہ کا ہاتھ پکڑا اور دعا کی: "اے اللہ، میں ان سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان سے محبت کر!"[2]

[1] B. L1, 8; 1.5. VIII, 123. [2] 1.5. IVI/i, 43.

LXXI

After Khaybar

خیبر کے بعد

خیبر کی مہم کے بعد چھ نسبتاً چھوٹی مہمات کی گئی، جن میں سے دو، جن کی قیادت بالترتیب عمر اور ابو بکر نے کی، قبائلِ ہوَازن کے دشمن گروپوں کے خلاف تھیں، جن کی سرزمین یمن کے مرکزی راستے کو بند کرتی تھی۔ دیگر مہمات مشرق اور شمال کی طرف تھیں، جو قبیلہ غطفان کے گروپوں کے خلاف تھیں۔ ان میں سے دو مہمات بنی مرہ کے خلاف تھیں، جن کی سرزمین وادیِ فدَک کے قریب تھی، جو اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھی۔ فدَک کے یہ یہودی اب ان کے کرائے دار بن چکے تھے اور انہیں بدویوں سے تحفظ کی ضرورت تھی، لیکن مدینہ میں ان حملہ آوروں کی طاقت کو کم سمجھا گیا تھا، اس لیے پہلی مہم پر صرف تیس افراد بھیجے گئے، اور ان میں سے تقریباً سب ہی مارے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دو سو افراد کی دوسری فوج روانہ کی اور دشمن کو بھگا دیا، جس میں کافی جانی نقصان ہوا۔ کچھ قیدی بھی پکڑے گئے، ساتھ ہی اونٹ اور بکریاں بھی غنیمت میں آئیں۔ سترہ سالہ اسامہ بن زید کو اس مہم میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی تھی۔ وہ پہلے بھی خندق کی جنگ میں فوج کے ساتھ تھے، لیکن یہ ان کی پہلی مکمل مہم تھی۔ اس دوران ایک مرہ کے شخص نے اس کی نوجوانی کا مذاق اُڑایا۔ اس نے جلد ہی اس پر پچھتاوے کا سبب بنایا۔ اسامہ جو پہلے ہی اپنی بہادری دکھانے کے لیے پُرعزم تھے، اب غصے سے بھر گئے اور جنگ کے دوران دی گئی ہدایات کے باوجود، جو کہ سب کو ساتھ رہنے کی تھیں، اس شخص کا پیچھا کیا اور اسے صحرا میں دور تک جا کر پکڑ لیا۔ آخرکار اس نے اسے زخمی کیا، جس پر مرہ کا شخص لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کہنے لگا۔ لیکن اسلام کے اس اقرار کے باوجود اسامہ نے اس پر موت کا وار کیا۔

مہم کے کمانڈر غالب بن عبد اللہ تھے[1]، اور جنگ کے بعد ان کے اولین خیالات میں سے یہ تھا: "اسامہ کہاں ہے؟" اسامہ اور فوج کے باقی تمام افراد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسامہ بن زید سے بہت محبت کا علم تھا؛ اور فتح کے باوجود اسامہ جب رات کے اندھیرے میں واپس آیا، تو وہ ایک بہت پریشان کن حالت میں تھا۔ غالب نے اس کی سخت سرزنش کی۔ اسامہ نے کہا: "میں ایک ایسے شخص کے پیچھے گیا جو میرے ساتھ مذاق کر رہا تھا، اور جب میں اس کے قریب پہنچا اور اس پر وار کیا، تو اس نے لا الہ الا اللہ کہا۔" غالب نے پوچھا: "پھر تم نے اپنی تلوار واپس کیوں کی؟" اسامہ نے کہا: "نہیں، میں نے اسے موت کا پیالہ پلانے تک اپنی تلوار واپس نہیں کی۔" یہ سن کر پورے کیمپ میں ہلچل مچ گئی اور اسامہ شرم سے اپنے ہاتھوں میں اپنا سر چھپانے لگا۔ وہ واپس سفر کے دوران کھانا بھی نہ کھا سکا۔ بزرگوں کو ایک وحی کا علم تھا، جو کچھ مومنوں کے بارے میں آئی تھی، جہاں کسی نے کلمہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کیا تھا۔

[1] بنی لیث، قبیلہ کِنَانَہ کا ایک خاندان تھا۔

ایک کافر کو مار ڈالنا، جس نے پھر اسلام قبول کیا تھا؛ اور اس بات پر غصے میں آکر، کہ وہ جو ہتھیاروں اور زرہ کا مال غنیمت سمجھ رہا تھا، فاتح نے کہا "تو ایمان والا نہیں ہے"، اور اسے مار ڈالا۔ اسامہ کے معاملے میں مقصد مال نہیں تھا بلکہ عزت تھی، لیکن اصول وہی تھا۔ یہ آیت نازل ہوئی: "اے ایمان والو، جب تم اللہ کی راہ میں لڑو، تو تم فرق کرنا، اور اس سے نہ کہنا جو تمہیں سلام پیش کرے: 'تو ایمان والا نہیں ہے'، دنیاوی فائدے کی غرض سے، کیونکہ اللہ کے پاس مال غنیمت بہت ہے۔ تم پہلے ایسا ہی کرتے تھے، لیکن اللہ نے تم پر اپنی رحمت نازل کی ہے۔ لہٰذا تم فرق کرو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔"[1]

جب وہ مدینہ واپس پہنچے، تو اسامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، جنہوں نے محبت سے ان کا استقبال کیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب مجھے اپنی مہم کے بارے میں بتاؤ۔" تو اسامہ نے بتایا کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا، اور جب وہ اس موقع پر پہنچے جہاں انہوں نے اس شخص کو مارا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم نے، اے اسامہ، اسے مار ڈالا جب اس نے لا الہ الا اللہ کہا؟" اسامہ نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول، اس نے یہ الفاظ صرف اپنی جان بچانے کے لئے کہے تھے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو نے اس کے دل کو نہیں کھولا تا کہ یہ جان سکو کہ وہ سچ بول رہا تھا یا جھوٹ!" اسامہ نے کہا: "میں کبھی بھی ایسے شخص کو نہیں ماروں گا جو لا الہ الا اللہ کہے۔" اسامہ نے بعد میں کہا: "میں چاہتا ہوں کہ کاش میں اس دن اسلام میں داخل ہو جاتا۔"[2] کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دین میں داخل ہونے سے تمام گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔

خیبر سے واپسی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ میں نو ماہ تک مقیم رہے۔ چھوٹی مہمات کے باوجود، جنوب میں صلح اور شمال میں فتح کے باعث یہ مہینے نسبتاً امن اور خوشحالی کے تھے، حالانکہ حجاز کے باغات سے حاصل ہونے والی دولت نے کچھ مسائل کو جنم دیا۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے، اور جب وہ قریب پہنچے تو انہیں خواتین کی آوازیں سنائی دیں جو ان کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بے ادبی کے طور پر بلند ہو رہی تھیں۔ یہ خواتین قریش کی تھیں، یعنی مہاجرین، جس سے انہیں یہ گمان ہوا کہ وہ مدینہ کی خواتین سے بری عادتیں سیکھ رہی ہیں، جو نسلوں سے زیادہ آزاد خیال اور خود سر رہی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی درخواست کو رد کرنا بہت ناگوار گزرتا تھا، اور یہ خواتین اب ان سے کچھ لباس مانگ رہی تھیں جو ان کے پاس جنگی غنیمت کے پانچویں حصے کے طور پر آیا تھا۔ کمرے کے ایک حصے میں پردہ پڑا ہوا تھا، اور جب حضرت عمر کی آواز سنائی دی تو اچانک مکمل خاموشی چھا گئی اور خواتین اتنی تیزی سے پردے کے پیچھے چھپ گئیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اندر داخل ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسی سے بے قابو ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اللہ آپ کی زندگی میں ہنسی بھر دے، اے اللہ کے رسول، یہ کتنی عجیب بات تھی کہ یہ خواتین، جو ابھی آپ کے ساتھ تھیں، آپ کی آواز سن کر اتنی تیزی سے پردے کے پیچھے چلی گئیں!" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ عجیب بات ہے، یہ خواتین جو ابھی میرے ساتھ تھیں، تمہاری آواز سن کر کیسے اتنی تیزی سے پردے کے پیچھے چھپ گئیں!" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "یہ آپ کا حق ہے، میرا نہیں، کہ وہ آپ کا سے نہ ڈریں بلکہ مجھ سے ڈریں۔" پھر حضرت عمر نے خواتین سے کہا: "اے اپنے آپ کی دشمنوں، کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو، اور اللہ کے رسول سے نہیں ڈرتی؟" خواتین نے کہا: "ایسا ہی ہے، کیونکہ آپ کا اللہ کے رسول سے زیادہ سخت اور تلخ ہو۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بات درست ہے، اے ابنِ خطاب۔" پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] IV, 94. [2] W 725

"جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر شیطان یہ پائے کہ تم کسی خاص راستے پر سفر کر رہے ہو، تو وہ خود تمہارے راستے کے بجائے کسی اور راستے کا انتخاب کرے گا۔[1]"

نئی حاصل شدہ دولت اور اس کے نتیجے میں حالات کی آسانی نے اُم ایمن کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی احسان کی درخواست کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ طویل عرصے سے ایک اونٹ کی ضرورت محسوس کر رہی تھی جسے وہ اپنا کہہ سکے؛ اور اب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اُن سے ایک سواری کی درخواست کرنے گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنجیدگی سے دیکھا اور کہا: "میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا۔" "اے اللہ کے رسول،" اُس نے کہا، "میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے، میں اسے نہیں چاہتی۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں سواری نہیں دوں گا سوائے اونٹ کے بچے کے۔[2]" اس طرح بحث جاری رہی یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر مسکراہٹ نے اُم ایمن کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ وہ ان کے ساتھ مذاق کر رہے تھے اور یہ کہ ہر اونٹ دراصل اونٹ کے بچے کی ہی اولاد ہوتا ہے۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کم خوش مزاج پایا، آپ کا سر آپ کے ہاتھ پر ٹکا ہوا تھا جو آپ کے گال کے ساتھ لگا تھا۔ "اے عمر," آپ نے فرمایا، "وہ مجھ سے ایسی چیز مانگتے ہیں جو میرے پاس نہیں ہے۔" آپ نے خیبر کی طرف جاتے ہوئے، اس فتح کے نتیجے میں مدینہ کی آمدنی بڑھنے کے بارے میں کہا تھا: "یہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔" یہ وہی تھا جو آپ نے کہا تھا، اور یہ بات نہ صرف آپ کے خاندان بلکہ دوسرے لوگوں پر بھی لاگو ہوتی تھی۔ اس سے پہلے تک، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا خاندان انتہائی کفایت شعاری کی زندگی گزار رہے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ خیبر سے پہلے انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ کھجور سے پیٹ بھرنا کیا ہوتا ہے۔ ان کے بڑھتے ہوئے زیر کفالت افراد کی غربت اتنی زیادہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے ہمیشہ ان سے صرف وہی مانگا جو انہیں ضرورت تھی، اور ہمیشہ وہ بھی نہیں۔ جو چیزیں استعمال سے باہر ہوتی تھیں، وہ یا تو صدقہ کر دی جاتیں یا بیچ کر پیسہ خیرات میں خرچ کیا جاتا تھا۔ لیکن اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو تحفے دینے کی خوشی محسوس کرتے تھے، اور وہ بھی اب مزید مانگنے میں دیر نہ لگاتی تھیں، جو بعض اوقات مسائل پیدا کرتی تھی، کیونکہ انصاف کا تقاضا تھا کہ جو ایک کو دیا جائے، وہ سب کو دیا جائے۔

اسی دوران انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کو دوسرے طریقوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو کسی بات پر سرزنش کی اور وہ تیز لہجے میں جواب دینے لگیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، تو اس نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی انہیں جواب دیتی ہیں، تو پھر وہ کیوں ایسا نہ کریں۔ "اور ان میں سے ایک ہے," اس نے کہا، "جو دن بھر بے جھجک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتی رہتی ہے۔" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے اور وہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، جنہوں نے اس بات کی تردید نہیں کی کہ اس کی ماں نے جو کہا تھا وہ سچ تھا۔ "تم نہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرح خوش اخلاق ہو نہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرح خوبصورت ہو،" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، امید کرتے ہوئے کہ وہ اپنی خود اعتمادی کو کم کرے؛ اور جب ان الفاظ کا کوئی اثر نہیں ہوا، تو انہوں نے مزید کہا: "کیا تم اتنی پُر اعتماد ہو کہ اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ دلاؤ گی، تو اللہ تمہیں اپنے غصے میں ہلاک نہیں کرے گا؟[3]" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی کزن ام سلمہ کے پاس گئے اور کہا: "کیا یہ سچ ہے کہ تم اللہ کے رسول کو بے ادب ہو کر جواب دیتی ہو؟" "اللہ کی قسم،" ام سلمہ نے کہا، "تمہیں کیا ضرورت ہے کہ تم اللہ کے رسول اور ان کی بیویوں کے درمیان آ جاؤ؟ ہاں، ہم انہیں اپنی بات کہتے ہیں، اور اگر وہ ہمیں ایسا کرنے دیں تو یہ ان کا معاملہ ہے، اور اگر وہ ہمیں منع کریں گے تو ہم ان کی باتوں پر تم سے زیادہ اطاعت کریں گے۔[4]" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ وہ حد سے تجاوز کر گئے تھے، اور اس کی سرزنش جائز تھی؛ لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔

[1] B. LXII, 6. [2] I.S.VIII, 163. [3] I.S.VIII, 13I. [4] I.S.VIII, 137.

اب جو نسبتاً اچانک تبدیلی آئی وہ جزوی طور پر ایک غیر متوقع واقعے کی وجہ سے تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقوقس کو اسلام کی طرف دعوت دینے والا خط جو اباً چپکے سے دیا گیا؛ مگر اس کے جواب میں مصر کے حکمران نے ایک قیمتی تحفہ بھیجا جس میں ہزار پیمانے سونا، بیس خوبصورت کپڑے، ایک خچر اور ایک گدھی اور تحفے کے طور پر دو قبطی عیسائی غلام لڑکیاں تھیں، جن کے ساتھ ایک بزرگ خواجہ سرا بھیجا گیا تھا۔ لڑکیاں بہنیں تھیں، ماریہ اور سیرین، اور دونوں بہت حسین تھیں، لیکن ماریہ خاص طور پر حسین تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خوبصورتی پر حیرانی کا اظہار کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرین کو حسّان بن ثابت کے حوالے کیا اور ماریہ کو قریب کے گھر میں ٹھہرایا جہاں صفیہ رضی اللہ عنہا پہلے رہتی تھیں، قبل اس کے کہ ان کے لیے مسجد کے قریب ایک الگ اپارٹمنٹ تعمیر کیا گیا۔ وہاں آپ روز و شب ماریہ کے پاس آتے جاتے، لیکن آپ کی بیویاں اتنی زیادہ حاسد ہو گئیں کہ ماریہ کو تکلیف ہونے لگی، اور پھر آپ نے اسے مدینہ کے بلند علاقے میں منتقل کر دیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر بیویاں ابتدائی طور پر سکون میں آئیں، لیکن جلد ہی انہیں پتہ چلا کہ انہیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ کا دورہ کم نہیں کیا، اور فاصلے کی وجہ سے آپ کی غیر موجودگیاں پہلے سے بھی زیادہ طویل ہو گئیں۔

وہ خوب جانتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حقوق میں پورے طور پر جائز تھے - ایسے حقوق جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے تسلیم شدہ تھے۔ کیا وہ سب، سوائے صفیہ رضی اللہ عنہا کے، حضرت ابراہیم اور ان کی باندی ہاجرہ کے اتحاد سے نہیں آئے تھے؟ اس کے علاوہ، موسیٰ علیہ السلام کو عطا کردہ شریعت نے بھی ایسے حقوق کی تصدیق کی تھی، اور قرآن میں بھی یہ صراحت سے اجازت دی گئی تھی کہ ایک آقا اپنی باندی کو رضامندی کی حالت میں باندی کے طور پر لے سکتا ہے۔ لیکن بیویاں یہ بھی جانتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت حساس تھے، اور وہ یہ بات یقینی بناتی تھیں کہ آپ کی تمام خانگی زندگی اب ان کی سوچ سمجھے اور کھلے رد عمل سے متاثر ہو گئی تھی۔ خاص طور پر حفصہ رضی اللہ عنہا نے اتنی زیادہ ناراضگی کا اظہار کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر کار قسم کھانے پر مجبور ہوئے کہ وہ ماریہ کو دوبارہ نہیں ملیں گے، اور اس موقع پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حفصہ عنہا کی شریک تھیں۔

اب جو وحی آئی، وہ "سورہ تحریم" کہلائی کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماریہ کو اپنی زندگی سے خارج کرنے پر تنقید کی گئی: "اے نبی، تم اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو کیوں حرام کرتے ہو؟" پھر، آپ کی قسم کو باقاعدہ طور پر معاف کر دیا گیا، اور حفصہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف خطاب کیا گیا، اگرچہ ان کا نام نہیں لیا گیا: "اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو تمہیں اس کا حق ہے، کیونکہ تمہارے دل غلطی لیے مائل تھے؛ اور اگر تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کر کے انکے خلاف چلو تو حقیقت میں اللہ، اور جبریل، اور ایمان والے بہترین لوگ، اور اس کے علاوہ فرشتے بھی ان کی مدد کے لیے جمع ہیں۔" اگلی آیت تمام بیویوں کی طرف ہے: "اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو ممکن ہے کہ تمہارے بدلے ان کو ایسی بیویاں دے دیں جو تم سے بہتر ہوں، جو اللہ کی فرمانبردار ہوں، ایمان لانے والی، عبادت کرنے والی، توبہ کرنے والی، روزہ رکھنے والی، بیوہ یا کنواری ہوں۔"

سورہ کا اختتام مقدس تاریخ سے دو بدکار عورتوں اور دو نیک عورتوں کی مثالوں سے ہوتا ہے:

"اللہ نے جو مثال پیش کی وہ کافروں کے لیے ہے: نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی۔ وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے ساتھ تھیں جنہوں نے انہیں دھوکہ دیا، اور یہ ان کے لیے اللہ کے خلاف کوئی مددگار ثابت نہ ہوا؛ اور ان سے کہا گیا: تم دونوں آگ میں داخل ہو جاؤ، ان لوگوں کے ساتھ جو اس میں داخل ہوتے ہیں۔"

[I] LXVI.

اور اللہ ایمان لانے والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے، جب اس نے کہا: "اے میرے رب! میرے لیے جنت میں ایک مکان بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال سے بچالے، اور مجھے ان لوگوں سے بھی بچالے جو حد سے تجاوز کرتے ہیں؛" اور مریم بنت عمران، جنہوں نے اپنے رحم کو پاک رکھا اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ نماز میں مشغول رہنے والوں میں سے تھی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وحی اپنی بیویوں کو سنائی، تو انھوں نے اس پر غور کرنے کے لیے وقت لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے واحد کمرے کی چھت والے حصے میں جا کر الگ ہو گئے، جو کہ صرف ان کی بیویوں کے کمرے کے ساتھ تھا۔ مدینہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، اور رات کو یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ صبح ہونے پر وہ معمول کے مطابق مسجد گئے، لیکن نماز کے فوراً بعد، اس سے پہلے کہ حضرت عمر کوئی بات کرتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پورچ میں چلے گئے۔ حضرت عمر حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور انھیں روتے ہوئے پایا۔ "تم کیوں روتی ہو؟" انھوں نے کہا، اور اس سے پہلے کہ وہ جواب دے پاتیں، انھوں نے مزید کہا: "کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ یہ ہوگا؟ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟" "مجھے نہیں معلوم،" حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا، "لیکن وہ وہاں ہیں، اکیلے اپنے پورچ میں الگ ہو گئے ہیں۔" اس کا دروازہ مسجد سے تھا، جہاں حضرت عمر واپس گئے۔ یہاں ایک گروہ جمع تھا، جو منبر کے ارد گرد بیٹھا تھا۔ ان میں سے کچھ کی آنکھوں میں آنسو تھے؛ عمر ان کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے رہے، پھر اپنے جذبات کا مقابلہ نہ کر پائے اور وہ دروازے کے پاس چلے گئے جہاں ایک سیاہ حبشی لڑکا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا، کھڑا تھا۔ "عمر کے داخل ہونے کی اجازت طلب کرو،" انہوں نے لڑکے سے کہا، جو اندر گیا اور پھر کچھ لمحے بعد باہر آ کر بولا: "میں نے ذکر کیا، لیکن وہ خاموش رہے۔"۔ "حضرت عمر واپس اپنی جگہ پر گئے۔ پھر دوبارہ انھوں نے درخواست کی کہ آیا وہ اندر جا سکتے ہیں، اور پھر انھیں بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ معاملہ تیسری بار بھی ہوا، لیکن جیسے ہی حضرت عمر پلٹنے لگے، غلام نے انھیں آواز دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اندر آنے کی اجازت دے دی ہے۔

حضرت عمر اندر گئے اور انھیں ایک بستر پر لیٹے ہوئے پایا۔ ان کی پیٹھ، جو جزوی طور پر ننگی تھی، چمٹی کی نشانیاں واضح طور پر ظاہر کر رہی تھی، جس کی وجہ سے بستر کی نمی نے ان کی جلد کو متاثر کیا تھا۔ ان کے پاس ایک چمڑے کا تکیہ تھا، جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے، اور وہ اس پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں نیچی تھیں، اور جب حضرت عمر اندر آئے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں دیکھا۔ حضرت عمر نے کہا: "اے اللہ کے رسول، کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر حضرت عمر کی طرف اٹھائی اور کہا: "نہیں، میں نے ایسا نہیں کیا۔" حضرت عمر نے بلند آواز سے کہا: "اللہ اکبر!" جو آواز پورے محلے میں سنائی دی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں کہا: "میں رو رہی تھی، اور جب کوئی میرے پاس آتا، تو وہ پوچھتے 'کیا اللہ کے رسول نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟' اور میں جواب دیتی 'اللہ کی قسم، مجھے کچھ نہیں معلوم۔' یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ہم سب اپنے کمرے میں تھے اور ہم نے حضرت عمر کی تکبیر سنی اور جان لیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے سوال کا جواب 'نہیں' دیا ہے۔"

اس وقت دراصل ایک ہی سوال سب کے ذہن میں تھا، اور وہ یہ تھا کہ حضرت عمر اس معاملے کو خاص طور پر اپنی بیٹی کی وجہ سے سنجیدگی سے لے رہے ہوں گے۔ حضرت عمر نے کہا: "میں وہاں کھڑا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس بات کا پتہ لگا رہا تھا کہ ان کا کیا حال ہے، اور میں نے کہا: 'ہم لوگ، ہم قریش کے لوگ، اپنی بیویوں پر حاکم تھے، لیکن جب ہم مدینہ آئے تو یہاں کے لوگ اپنی بیویوں کے ماتحت ہیں۔'" انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر مسکراہٹ کا اشارہ دیکھا، تو وہ مزید آگے بڑھتے ہوئے حفصہ رضی اللہ عنہا کو جو پہلے وارننگ دی تھی، اس بات کو دوبارہ دہرانے لگے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے تو حضرت عمر نے بیٹھنے کی اجازت طلب کی۔ ایک بار پھر، حضرت عمر کو کمرے کی سادگی نے حیران کن طور پر متاثر کیا— زمین پر ایک چٹائی، تین چمڑے کے تکیے، اور کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں زیادہ عیش و آرام کی اجازت دینی چاہیے، اور اس کے مقابلے کے طور پر انہوں نے یونانیوں اور ایرانیوں کا ذکر کیا، لیکن انہیں یہ الفاظ کہہ کر روک دیا گیا: "کیا تمہیں شک ہے، اے ابن خطاب؟ ان کی اچھی چیزیں ان کے لیے دنیا کی زندگی میں تیز کر دی گئی ہیں۔"

اب نیا چاند آ چکا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو اطلاع دی کہ وہ مہینے کے گزرنے تک ان میں سے کسی کو نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ جب چاند پورا طور پر کم ہو گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے 'عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں گئے۔ 'عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خوش ہو کر دیکھا، مگر حیرانی سے کہا: "یہ تو صرف انتیس راتیں ہوئی ہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تم کیسے جانتی ہو؟" تو انہوں نے جواب دیا: "میں نے انہیں شمار کیا ہے— کتنی بار شمار کیا ہے!" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ مہینہ انتیس دنوں کا تھا۔" وہ بھول گئی تھیں کہ کبھی کبھار چاند کا مہینہ صرف انتیس دنوں کا ہوتا ہے، تیس دن نہیں۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک نئی وحی کے بارے میں بتایا جس کی بنا پر انہیں ایک انتخاب پیش کرنا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ انھوں نے ان کے والد سے اس معاملے میں مدد کے لئے مشورہ طلب کیا تھا۔ 'عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "نہیں، کوئی بھی شخص میرے بارے میں آپ کو میری مدد نہیں دے گا۔ لیکن مجھے بتاؤ، اے اللہ کے رسول، یہ کیا بات ہے؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تمہارے سامنے یہ انتخاب رکھتا ہے،" اور پھر انہوں نے حالیہ وحی کے آیتیں پڑھیں:

"اے نبی، اپنی بیویوں سے کہو: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں اس کی چیزیں دے دوں گا اور تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں گا۔ لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی زندگی کو چاہتی ہو تو اللہ نے تمہارے لیے بڑا انعام ذخیرہ کر رکھا ہے، تم میں سے جو لوگ اچھا عمل کریں۔[1]"

'عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "یقیناً میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی زندگی چاہتی ہوں۔" اور ان کی تمام بیویوں نے بھی یہی جواب دیا۔

[1] XXVIII, 28-9.

LXXII

The Lesser Pilgrimage and its Aftermath

چھوٹا حج اور اس کے بعد کے حالات

مہینے گزرتے گئے، اور تقریباً ایک سال ہو چکا تھا جب سے معاہدہ حدیبیہ پر دستخط ہوئے تھے۔ اب وقت آ چکا تھا کہ مکہ کی طرف روانہ ہوں، اس وعدے کے مطابق جو قریش نے کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو مقدس مقام تک محفوظ رسائی دی جائے گی تاکہ وہ چھوٹا حج (عمرہ) ادا کر سکیں۔ مجموعی طور پر تقریباً دو ہزار حجاج تھے، جن میں پچھلے سال کے ارادہ کرنے والے حاجی بھی شامل تھے، سوائے چند افراد کے جو جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔ ان لوگوں میں سے جو حدیبیہ میں نہیں تھے، ابو ہریرہ بھی شامل تھے، جو قبیلہ بنی داؤس کے ایک شخص تھے[1]۔ وہ غزوہ خیبر کے دوران اپنی قوم کے دیگر افراد کے ساتھ مدینہ آئے تھے، اور چونکہ وہ غریب تھے، انہوں نے اہل صفہ میں شمولیت اختیار کی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام عبد الرحمن رکھا گیا تھا، لیکن وہ ہمیشہ ابو ہریرہ کے نام سے جانے جاتے تھے، جس کا مطلب تھا "بلی کا باپ"، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انہیں بھی بلیوں سے محبت تھی اور وہ اکثر بلی کے بچے کے ساتھ کھیلتے رہتے تھے۔

ابو ہریرہ جلد ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں پسندیدہ ہو گئے، اور اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ قربانی کے اونٹوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری دی۔

جب قریش کو خبر ملی کہ حجاج مقدس علاقے کے قریب پہنچ گئے ہیں، تو انہوں نے مکہ کی پوری وادی کو خالی کر دیا اور ارد گرد کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر جا کر پناہ لی۔ قریش کے سردار ابو کبیس کے پہاڑ پر جمع ہوئے تھے، جہاں سے وہ مسجد کو نیچے دیکھ سکتے تھے۔ ان کے پاس ارد گرد کے علاقے کا بھی وسیع منظر تھا؛ اور اب انہوں نے حجاج کو طویل قطار میں نکلتے ہوئے دیکھا، جو شمال مغربی راستے سے وادی کی طرف آ رہے تھے جو شہر کے بالکل نیچے ہے۔

ان کے کانوں میں ایک مدھم سی آواز سنائی دی جو جلد ہی واضح ہو گئی اور وہ قدیم حاجیوں کی آواز بن گئی: "لبیک اللھم لبیک" (اے اللہ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں)۔

یہ طویل جلوس سر سے ننگے، سفید کپڑے پہنے مردوں کا تھا، جس کی قیادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے جو اپنے اونٹ قسوہ پر سوار تھے، اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ پیدل چل کر ان کا لگام تھامے ہوئے تھے۔ باقی لوگ بھی اونٹوں پر سوار تھے یا پیدل چل رہے تھے۔ وہ سب مقدس گھر کی طرف سیدھی راہ پر چل پڑے تھے۔

[1]. دیکھیں صفحات 54-5

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر والے کپڑے کو چادر کی طرح اوڑھ رکھا تھا، لیکن جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی دائیں بغل سے گزارا، کاندھا ننگا چھوڑا اور دونوں سروں کو بائیں کندھے پر ڈال کر پچھلے اور سامنے کی طرف لٹکنے دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ وہ ابھی تک سوار تھے، اور کعبہ کے جنوب مشرقی کونے کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے عصا سے بڑی عزت کے ساتھ بلیک اسٹون کو چھوا۔ پھر انہوں نے کعبہ کا سات چکر لگایا، جس کے بعد وہ صفا کے چھوٹے پہاڑ کے نیچے گئے اور وہاں سے مروہ کے پہاڑ تک سات بار چکر لگائے، جس کا اختتام مروہ پر ہوا، جہاں اب کئی قربانی کے جانور پہنچا دیے گئے تھے۔ وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کی قربانی کی اور ان کا سر خراش نے منڈوایا، جو پہلے بھی حدیبیہ میں یہ عمل کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ چھوٹے حج کا فریضہ مکمل ہو گیا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد واپس گئے اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ مقدس گھر میں داخل ہوں، حالانکہ وہ بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن دروازے بند تھے اور چابی 'عبد دار' قبیلے کے کسی فرد کے پاس تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو چابی لینے کے لیے بھیجا، مگر قریش کے سرداروں نے جواب دیا کہ یہ ان کے معاہدے میں شامل نہیں ہے، کیونکہ گھر میں داخل ہونا حج کے فریضے کا حصہ نہیں تھا۔ اس لیے اس سال کوئی مسلمان اس میں داخل نہ ہو سکا۔ لیکن جب سورج اپنے عروج پر پہنچا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو کہا کہ وہ کعبہ کی چھت پر جا کر اذان دیں۔ ان کی گونجدار آواز نے مکہ کی پوری وادی کو بھر دیا اور پہاڑیوں کی چوٹیوں تک پہنچ گئی۔ پہلے تکبیر، پھر اسلام کے دو کلمے: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ ابو کبیس سے قریش کے سردار بآسانی بلال کی آواز سن سکتے تھے اور وہ مقدس گھر کی چھت پر سیاہ غلام کو دیکھ کر سخت غصے میں آ گئے۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں یہ احساس ہوا کہ یہ دشمن کے لیے ایک کامیابی تھی جس کے اثرات بے شمار ہو سکتے تھے، اور وہ دل ہی دل میں اس معاہدے پر پچھتا رہے تھے، جو ایک سال پہلے ان کے حق میں لگتا تھا۔

حجاج نے تین دن خالی شہر میں گزارے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مسجد میں نصب تھا۔ رات کے وقت وہ مکّہ کے مسلمان جو خفیہ طور پر اسلام قبول کر چکے تھے، پہاڑیوں سے اتر کر آتے اور ان کے ساتھ خوشگوار ملاقاتیں ہوتی۔ عباس رضی اللہ عنہ، جن کا اسلام قریش کے لیے قابلِ برداشت تھا، کھلے عام تین دن تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اسی دوران انہوں نے اپنی بیوی کی بہن مئیمونہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے لیے پیش کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا۔ مئیمونہ اور ام فضل سگی بہنیں تھیں، اور ان کے ساتھ عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان کی سوتیلی بہن سلمہ بھی رہتی تھی، جو حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیوہ تھیں، اور ان کی بیٹی عمارہ۔ علی نے تجویز دی کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی عمارہ کو مشرکین کے درمیان نہ چھوڑا جائے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس رضی اللہ عنہ نے اتفاق کیا؛ اور چونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی حج پر آئی ہوئی تھیں، یہ طے پایا کہ وہ عمارہ کو اپنے اونٹ کی سواری میں لے جائیں۔

جب تین دن ختم ہو گئے، تو سہیل اور حُویطب ابو قبیس پہاڑ سے اتر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جو سعد بن عبادہ اور انصار کے دیگر افراد کے ساتھ بیٹھے تھے، اور کہا: "تمہارا وقت مکمل ہو چکا ہے، تو اب یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "تمہیں کیا نقصان ہے اگر تم مجھے کچھ وقت اور دے دو، تاکہ میں تمہارے درمیان اپنی شادی کی خوشی مناؤں اور تمہارے لیے ایک ضیافت تیار کروں؟" انہوں نے کہا: "ہمیں تمہاری ضیافت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے جاؤ۔ ہم تمہیں اللہ کی قسم دیتے ہیں، اے محمد ﷺ، اور ہمارے درمیان جو معاہدہ ہے، اس کے تحت ہمیں چھوڑ دو۔ یہ تیسری رات ہے، جو اب گزر چکی ہے۔"

سعد ان کی بد تمیزی پر غصے میں تھے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے انہیں خاموش کر دیا اور فرمایا: "اے سعد، ان لوگوں کو برا مت کہو جو ہمارے کیمپ میں ہم سے ملاقات کے لیے آئے ہیں!" پھر انہوں نے حکم دیا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہر حاجی کو شہر سے نکل جانا چاہیے۔ لیکن اپنے خادم ابو رافع کو استثنا دیتے ہوئے کہا کہ وہ پیچھے رہ کر مئیمونہ کو لے آئے، اور ایسا ہی کیا گیا؛ اور ان کی شادی سرِف میں ہوئی، جو مقدس حدود کے باہر چند میل کے فاصلے پر تھا۔

یہ نیا رشتہ دشمن کے ساتھ ایک غیر متوقع تعلق قائم کر رہا تھا۔ مئیمونہ، ام فضل، ان کی سوتیلی بہنیں سلمہ اور اسماء[1] سب ایک ہی والدہ کی بیٹیاں تھیں۔ لیکن مئیمونہ اور ام فضل کی ایک اور سوتیلی بہن بھی تھی جو ان کے والد کی طرف سے تھی، جس کا نام عائشہ تھا، جو مخزوم کے عظیم ولید کی بیوہ تھی۔ یہی وہ عائشہ تھی جس نے خالد کو جنم دیا تھا، جو اب رشتہ میں نبی ﷺ کے بھانجے بن چکے تھے۔

مدینہ واپس آکر ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عصر کے وقت کی نیند سے ایک تھوڑی سی تیز بحث کی آواز نے جگایا۔ انہوں نے علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہ کی آوازیں پہچانی، اور یہ ظاہر تھا کہ وہ تینوں آپس میں لڑ رہے تھے۔ یہ بھی واضح تھا کہ جتنا وہ بحث کر رہے تھے، اتنا ہی ان کے درمیان اتفاق کا امکان کم ہو رہا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کمرے کا دروازہ کھولا، تو ان کو اپنے پاس بلایا اور ان سے ان کی جھگڑے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ عزت کا مسئلہ تھا، کہ کس میں زیادہ حق ہے کہ وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی سرپرستی کرے، جو مکہ سے آنے کے بعد علی کے گھر میں تھی۔

"میرے پاس آؤ"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، "اور میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔" جب وہ سب بیٹھ گئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے علی سے پوچھا: "تمہارا اس بارے میں کیا کہنا ہے؟" علی نے کہا: "وہ میرے چچا کی بیٹی ہے، اور میں ہی اسے مکہ سے لے کر آیا تھا، اور میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔" پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کیا، جنہوں نے کہا: "وہ میرے چچا کی بیٹی ہے، اور اس کی والدہ کی بہن میرے گھر میں ہے۔" ان کی بیوی اسماء، عمارہ کی والدہ کی بہن تھی۔ زید نے صرف یہ کہا: "وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے،" کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زید اور حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارے کا معاہدہ کیا تھا، اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت زید کو اپنے معاملات کا ذمہ دار مقرر کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ تینوں میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اس عزت کے حق دار سمجھ رہا تھا۔

لہذا فیصلہ دینے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کی تعریف کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا: "تم مجھ سے شکل وصورت اور کردار میں ملتے ہو۔" اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ تینوں خوش ہیں، تو پھر اپنے فیصلے کا اعلان کیا، جو جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں تھا۔ "تم ہی اس کے سب سے زیادہ حق دار ہو," نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، "کیونکہ والدہ کی بہن ماں کی طرح ہوتی ہے۔" جعفر رضی اللہ عنہ نے کچھ نہیں کہا، لیکن وہ اٹھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد رقص کی طرح چکر لگانے لگے۔ "جعفر رضی اللہ عنہ، یہ کیا ہے؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: "یہ وہ حرکت ہے جو میں نے حبشیوں کو اپنے بادشاہوں کے عزت میں کرتے دیکھا ہے۔ اگر کبھی نجاشی نے کسی کو خوشی کا موقع دیا تو وہ شخص ان کے ارد گرد رقص کرتا تھا۔"

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے عمارہ کی شادی اپنے سوتیلے بیٹے، اس کے کزن سلمہ سے کروادی، جس کے والد ابو سلمہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن برہ کے بیٹے تھے۔

[1] اگرچہ یہ نام ایک ہی لاطینی حروف میں نقل کیا گیا ہے، صرف تشدید کے علاوہ، یہ نام جو عین اور صاد سے شروع ہوتا ہے، اسماء سے جو الف اور سین سے شروع ہوتا ہے، آواز میں کافی مختلف ہے۔

[2] I.S.IV/I,24.

اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "کیا میں نے اب سلمہ کا حق پورا کر دیا ہے؟" ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ سلمہ کے احسان مند ہیں جنہوں نے انہیں اپنی والدہ ام سلمہ سے نکاح کرنے کی اجازت دی تھی، اور اب بدلے میں انہوں نے سلمہ کو ایک بیوی دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخلہ قریش کے ممتاز ترین افراد نے دیکھا۔ تاہم دو افراد نمایاں طور پر غائب تھے: خالد اور عمرو ابو قبیس پر نہیں تھے، اور نہ ہی وہ مکہ کے دیگر پہاڑوں پر خیمہ زن تھے۔ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے ہی شہر سے باہر چلے گئے تھے۔ ان کے شہر چھوڑنے کے فیصلے آزادانہ طور پر کیے گئے تھے، اور ان کے اس اقدام کی وجوہات مختلف تھیں۔ لیکن ایک بات پر دونوں کا اتفاق تھا، یعنی کہ حدیبیہ کا معاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عظیم اخلاقی فتح ثابت ہوا تھا، اور ان کا مکہ میں داخلہ ان کے خلاف مزاحمت کا خاتمہ کر دے گا۔ تاہم عمرو کی اسلام سے دشمنی میں کمی نہیں آئی تھی، جبکہ خالد چند برسوں سے ایک ایسا شخص تھا جو دو رائے میں مبتلا تھا۔ ظاہری طور پر یہ بات ظاہر نہیں ہو رہی تھی، کیونکہ اس کی جنگی صلاحیت نے اسے ہر لڑائی میں نمایاں کیا تھا جو قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کی تھی۔ لیکن اس نے بعد میں اعتراف کیا کہ اُحد اور خندق کے میدانوں سے واپس آ کر اس کے دل میں یہ احساس تھا کہ یہ جنگ بے معنی تھی اور آخر کار محمد ﷺ کامیاب ہوں گے؛ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے راستے پر اس کی اسکواڈرن کو شکست دی، تو خالد نے کہا: "یہ شخص محفوظ ہے!" یہی اس کا اسلام کے خلاف آخری اقدام تھا۔ پھر خیبر کی شاندار فتح آئی۔

لیکن کچھ اور وجوہات بھی تھیں: تقریباً اپنے آپ کے خلاف، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی پسندیدگی تھی؛ اور اپنے چھوٹے بھائی ولید کے لکھے گئے خط سے جو اس کی موت سے پہلے تھا، اسے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار اس کا حال پوچھتے تھے اور یہ کہتے تھے: "اگر وہ اپنی جرات کو اسلام کی حمایت میں بتائے گا، تو اس کے لیے یہ بہتر ہو گا؛ اور ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیں گے۔" ولید نے مزید لکھا تھا: "دیکھو، بھائی، تم نے کیا کھو دیا!"

اس کے علاوہ، ایک اور زیادہ قریبی خاندانی اثر بھی کام کر رہا تھا۔ خالد کی والدہ اسماء، جو طویل عرصے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھیں، حال ہی میں اسلام لے آئی تھیں؛ اور اب اس کی پھوپھی مَیمونہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بن چکی تھیں۔ اس شادی کے بعد، خالد نے ایک خواب دیکھا، جس میں وہ ایک ایسی سرزمین میں تھا جو ہر طرف سے بندھی ہوئی اور بہت بنجر تھی۔ پھر وہ اس بندش سے باہر نکل کر ایک ایسی زمین میں آیا جو سبز و شاداب تھی، اور اس میں چرنے والے جانوروں کے لیے وسیع و عریض چراگاہیں تھیں۔ اس نے سمجھا کہ یہ ایک خواب ہے؛ اور اس کے معنی کو سمجھتے ہوئے، اس نے مدینہ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس نے اکیلا جانے کا ارادہ نہیں کیا۔ کیا کوئی اور بھی اس کے ہم خیال ہو گا؟ عمرو کے علاوہ، جو کہیں نظر نہیں آیا، اس کے سب سے قریبی جنگی ساتھی عکرمہ اور صفوان تھے۔ اس نے دونوں سے بات کی، لیکن صفوان نے کہا: "اگر قریش کا ہر شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، تب بھی میں اس کے پیچھے نہیں چلوں گا۔" عکرمہ نے بھی تقریباً یہی کہا؛ اور خالد کو یاد آیا کہ دونوں کے والد بدر میں قتل ہو چکے تھے، اور صفوان نے وہاں اپنا بھائی بھی کھو دیا تھا۔ افسوس کے ساتھ، اس نے اکیلے سفر شروع کیا،،

"لیکن جیسے ہی وہ اپنے گھر سے نکلا، وہ عبدر دار کے 'عثمان بن طلحہ سے ملا- وہ شخص جس نے برسوں پہلے ام سلمہ کی بہادری سے حفاظت کی تھی۔"

مکہ سے مدینہ سفر شروع کیا اور روانہ ہو گئے۔ عثمان خالد کے بہت قریب دوست تھے، صفوان اور عکرمہ سے زیادہ قریب، لیکن خالد کا تجربہ دوسرے دونوں کے ساتھ اسے خاموش رہنے پر مجبور کر رہا تھا؛ اور اسے یہ بھی یاد تھا کہ عثمان نے اُحد میں اپنے والد، دو چچاؤں اور چار بھائیوں کو کھو دیا تھا۔ وہ دونوں کچھ وقت خاموشی سے سفر کرتے رہے، پھر خالد نے اچانک بات کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک گہری نگاہ سے کہا: "ہمارا حال اس لومڑی کے مانند ہے جو اپنی بل میں ہو، بس ایک پانی کی بالٹی ڈالی جائے، اور وہ باہر آنا پڑے گا!" خالد کو فوراً ہی سمجھ میں آ گیا کہ عثمان بالکل سمجھ گیا ہے کہ اس کا کیا مطلب تھا، تو اس نے اسے اپنے سفر کے مقصد کے بارے میں بتایا۔ عثمان، جو آہستہ آہستہ اسی نتیجے پر پہنچ چکا تھا، نے فیصلہ کیا کہ وہ خالد کے ساتھ جائے گا۔ خالد نے خوشی سے عثمان کو کہا کہ وہ اس کے ساتھ مدینہ جانے سے پہلے گھر جا کر سامان اور کپڑے لے آئے، اور اگلی صبح دونوں مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

جہاں تک عمرو کا تعلق ہے، وہ صفوان اور عکرمہ کی طرح اسلام کے بارے میں بالکل ایک ہی رائے رکھتے تھے، لیکن وہ ان دونوں سے زیادہ واضح طور پر اس بات کو دیکھ رہے تھے کہ حالات کس قدر غیر مستحکم ہیں؛ اور اس نے اپنے ارد گرد کچھ نوجوانوں کو جمع کیا، جو اس کے قبیلے کے لوگ تھے اور اسے رہنما سمجھتے تھے، اور انہیں ابی سینیا جانے کے لیے قائل کیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طاقت کے لیے آنے والی لڑائی میں فتح حاصل ہوئی تو ان کے پاس پناہ لینے کے لیے جگہ ہو گی، اور اگر قریش فتح یاب ہو گئے تو وہ مکہ واپس جا سکتے ہیں۔ "ہم محمد ﷺ کے تحت رہنے سے بہتر ہیں کہ نیگس کے تحت رہیں،" اس نے کہا، اور وہ اس پر راضی ہو گئے۔

عمرو ایک چالاک سیاستدان اور ثابت قدم آدمی تھا، جو آسانی سے ہمت نہیں ہارتا تھا۔ باوجود اس کے کہ اس کی کوششوں کے باوجود جعفر رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے سامنے قریش کے طاقتور اثر کو کم کرنے میں ناکامی ہوئی تھی، وہ پھر بھی نیگس کے ساتھ اپنے تعلقات قائم رکھنے میں کامیاب رہا تھا، اور ہمیشہ مسلمانوں کے پناہ گزینوں کا ذکر کرنے سے بچتا تھا۔ لیکن اب وہ ملک چھوڑ چکے تھے اور مدینہ جا چکے تھے؛ اور ان کے ساتھ، عمرو نے غلط اندازہ لگایا تھا، نیگس کا اسلام کے لیے تمام تعصب بھی ختم ہو گیا تھا۔ اپنے پہلے دربار میں اس نے خوبصورت چمڑے کا تحفہ پیش کیا، جسے نیگس نے خوش دلی سے قبول کیا۔ نیگس اس قدر خوش مزاج نظر آیا کہ عمرو نے فوراً فیصلہ کیا کہ وہ براہ راست اس سے پناہ کی درخواست کرے گا۔ لیکن اس درخواست کے دوران اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا، جس سے نیگس کا غصہ بھڑک اٹھا۔ عمرو بالکل دنگ رہ گیا: نیگس کی باتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ اس کے لیے اپنے مستقبل کو اس دربار میں بنانے کا بہترین طریقہ - چمڑے کے تحائف سے کہیں بہتر - یہ تھا کہ وہ محمد ﷺ کا پیروکار بن جائے۔ اس نے اسلام سے فرار اختیار کیا تھا، لیکن اب اس نے دیکھا کہ اسلام نے اس سے بھی آگے بڑھ کر اس پناہ گزینی کے مقام تک پہنچ لیا تھا جس کی وہ امید کر رہا تھا؛ اور اس کی منصوبہ بندی کی ناکامی کے ساتھ اس کا مزاحمت کرنا بھی کمزور ہونے لگا۔ "کیا تم اس پر گواہی دیتے ہو، اے بادشاہ؟" اس نے پوچھا، مطلب یہ تھا کہ محمد ﷺ کی نبوت پر۔ "میں خدا کے سامنے اس کی گواہی دیتا ہوں،" نیگس نے کہا۔ "جو میں تمہیں کہوں، وہ کرو، اے عمرو، اور اس کی پیروی کرو۔ وہ سچائی ہے، خدا کی قسم، اور وہ ہر اس عقیدے پر غالب آئے گا جو اس کے خلاف ہو، جیسے موسیٰ نے فرعون اور اس کی فوج پر غلبہ پایا تھا۔[1]"

[1] W.743.

"تاریخ نے عمرو کے ساتھیوں کے نام یا ان کے فیصلے کو محفوظ نہیں کیا۔ لیکن عمرو خود ایک کشتی پر سوار ہوا جس نے اسے یمنی ساحل پر ایک بندر گاہ پر لے جایا، جہاں اس نے ایک اونٹ اور سامان خریدا اور شمال کی طرف روانہ ہوا؛ اور جب وہ حدہ پہنچا، جو مکہ سے مدینہ جانے والے ساحلی راستے پر پہلا پڑاؤ تھا، تو وہاں خالد اور عثمان سے ملا، اور وہ باقی راستے ایک ساتھ سفر کرتے رہے۔"

مدینہ میں ان کا خوشی سے استقبال کیا گیا، اور خالد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا: "ان کا چہرہ روشنی سے چمک رہا تھا جب انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔" وہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے تھے۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہو۔" "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ "میں ہمیشہ تم میں ایک ذہانت دیکھتا تھا جس کی مجھے امید تھی کہ یہ تمہیں آخر کار صرف اچھائی کی طرف لے جائے گا۔" "یا رسول اللہ،" خالد نے کہا، "آپ نے وہ تمام جنگی میدان دیکھے جہاں میں نے آپ کے خلاف سچائی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی تھی۔ لہذا اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے ان سب کا معاف کرے۔" "اسلام وہ سب کچھ مٹا دیتا ہے جو اس سے پہلے تھا،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ "کیا اتنا بھی؟" خالد نے کہا، اب بھی ضمیر میں غمگین دکھائی دیتے ہوئے؛ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: "یا اللہ، خالد کو اس کی تمام راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے معاف کر دے۔[1]" پھر عثمان اور عمرو نے بھی بیعت کی؛ اور عمرو نے بعد میں کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف آنکھیں نہیں اٹھا سکے تھے، کیونکہ اس لمحے میں ان کے دل میں اتنی عظمت تھی۔

عمرو کے کزن حشام[2]، جو عمرو کے بھائی تھے، نے اُحد کے بعد مکہ سے مدینہ فرار ہو کر آ گئے تھے۔ اس کے بعد ان کے بھتیجے عبداللہ رضی اللہ عنہ، جو عمرو کے بیٹے تھے، بھی مدینہ میں آ گئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ، جو اب سولہ سال کے تھے، بہت عبادت گزار تھے اور روزہ رکھنے میں مشغول رہتے تھے۔ وہ صحابہ میں سے سب سے زیادہ علم والے ہونے کی توقعات رکھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری باتوں کو لکھا کرتے تھے، جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے لکھنے کی اجازت دی تھی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حشام دونوں نے عمرو کے اسلام کے لیے دعا کی تھی، اور ان کا مدینہ میں آنا ان کے لیے اور عمرو کے لیے ایک بہت خوشی کا موقع تھا۔

ان مہینوں میں خوشی کے دو اور واقعات ہوئے: عقیل کا اسلام، جو جعفر رضی اللہ عنہ اور علی کے بھائی تھے، اور جبیر بن مطعم کا اسلام۔ وہ ایمان جو جبیر کے دل میں بدر کے قیدیوں کو فدیہ دینے کے وقت جڑ پکڑ چکا تھا، اب ایک ایسا درخت بن چکا تھا جسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ عقیل کو جب بیعت کے لیے لایا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "میں تم سے دو محبتوں کے ساتھ محبت کرتا ہوں، تمہاری میرے قریب ترین رشتہ داری کی وجہ سے، اور اس محبت کی وجہ سے جو ہمیشہ میں نے اپنے چچا میں تمہارے لیے دیکھی۔[3]"

[1] W.74 1-9. [2] 1^3.15-114.دیکھیں صفحات.S. IV/2., 30.

LXXIII

Deaths and the Promise of a Birth

اموات اور ایک پیدائش کا وعدہ

اسی سال کے ابتدائی حصے میں، ہجرت کے آٹھویں سال میں، جہاں خوشی کا وقت تھا، وہ ایک غم کا وقت بھی تھا۔ حضرت محمد ﷺ کے گھرانے میں پہلی موت آپ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کی تھی۔ آپ ان کے آخری وقت میں ان کے ساتھ تھے اور اپنے داماد اور نواسے کو تسلی دینے والے الفاظ کہے۔ پھر آپ نے ام ایمن، سودہ اور ام سلمہ کو حکم دیا کہ وہ جسم کو دفن کرنے کے لیے تیار کریں۔ جب غسل کیا گیا تو حضرت محمد ﷺ نے سفید کپڑا ان کو دیا اور ان سے کہا کہ اسے کفن سے پہلے بیٹی کو اس میں لپیٹ دیں۔ پھر آپ نے جنازہ کی نماز پڑھی اور ان کی قبر کے پاس بھی دعا کی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ واحد بیوی تھیں جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کو اولاد دی تھی۔ مدینہ کے لوگ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں کوئی بچہ پیدا ہو۔ آپ کی موجودہ بیویوں میں سے صرف دو، ام سلمہ اور ام حبیبہ، اپنے پہلے شوہروں سے اولاد پیدا کر چکی تھیں۔ مگر ہر نئی شادی کے بعد شہریوں کی امیدیں پھر سے بڑھ جاتیں، جو آہستہ آہستہ ماند پڑ جاتیں، کیونکہ بعد کی کسی بیوی کے بارے میں یہ نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اولاد پیدا کرے گی۔ پھر بھی، اپنی بڑی بیٹی کی وفات کے فوراً بعد، یہ لگ رہا تھا کہ آپ دوبارہ والد بننے والے ہیں۔ ماریہ، آپ کی قبطی باندی، حمل سے تھیں۔ وہ پہلے ہی مدینہ کے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں جو بخوبی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لیے خاص پیار ہے، اور جو ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے آپ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے؛ اور اب ان کی توجہ اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔

تقریباً تین ماہ بعد جب حضرت محمد ﷺ نے عمرہ سے واپس آ کر پندرہ افراد کو ایک قبیلے کے پاس اسلام کے پیغام کے ساتھ بھیجا تھا، تو ان کی دوستانہ تحریروں کا جواب تیر کی بارش سے دیا گیا، اور انہیں لڑنے پر مجبور کیا گیا جس میں وہ سب شہید ہو گئے سوائے ایک کے۔ ایک اور سانحہ بھی پیش آیا، جو سیاسی لحاظ سے زیادہ اہم تھا، اگرچہ اس میں صرف ایک موت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بھی دِحیہ کلبی کو بصرہ کے گورنر کے پاس اپنا پیغام بھیجا تھا، جس کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ بصرہ کے لیے دوسرا پیغام بھیجا گیا تھا جسے غسان کے ایک قبیلے کے سردار نے روکا اور قتل کر دیا۔ ایسا عمل سزا سے بچ نہیں سکتا تھا، چاہے یہ خطرہ ہو کہ غسانی لوگ جو زیادہ تر عیسائی تھے، قیصر کے نمائندے کو راضی کر کے ان کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار افراد کا ایک لشکر تیار کیا اور حضرت زید کو ان کا کمانڈر مقرر کیا۔

ان کے حکم کے مطابق، اگر زید شہید ہو جاتے تو جعفر رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ پر کمانڈ دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ عبد اللہ بن رواحہ کو تیسرے نمبر پر رکھا گیا تھا۔ اگر یہ تینوں کمانڈر کوئی کام نہ کر پاتے، تو باقی لوگ اپنی مرضی کے مطابق کمانڈر منتخب کرتے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو ایک سفید پرچم دیا اور خود بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکر کو وداع کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان کا سفر الوداع کے مقام تک تھا، جو احد کے شمال میں پہاڑوں کے درمیان ایک راستہ تھا۔

عبد اللہ بن رواحہ کے ساتھ زین کی پچھلی جانب ایک یتیم لڑکا بھی تھا جس کا وہ سرپرست تھا۔ راستے میں لڑکے نے عبد اللہ کو کچھ اشعار پڑھتے سنا، جن میں وہ یہ آرزو ظاہر کر رہے تھے کہ وہ شام میں رہ جائیں جب فوج واپس آئے۔ "جب میں نے یہ اشعار سنے، تو میں رونے لگا," لڑکے نے کہا، "اور اس نے مجھے اپنی چھڑی سے مارا اور کہا: 'تمہیں کیا فرق پڑتا ہے، بدبخت، اگر اللہ مجھے شہادت دے اور میں دنیا کے دکھوں اور مشکلات سے نجات پا جاؤں، اور تم محفوظ رہ کر واپس آ جاؤ؟'" اس کے بعد ایک رات کے آرام کے دوران عبد اللہ نے دو نفل پڑھے اور پھر ایک لمبی دعا کی۔ پھر اس نے لڑکے کو بلایا اور کہا: "اگر اللہ چاہے، تو یہ شہادت ہے۔"[1]

جب فوج شام کی سرحد پر پہنچی، تو انہیں یہ خبر ملی کہ نہ صرف شمالی قبائل بڑی تعداد میں باہر آئے تھے، بلکہ قیصر کے نمائندے نے انہیں فوجی کمک بھی بھیجی تھی۔ دشمن کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ لگایا گیا تھا۔ اگرچہ اس میں مبالغہ آرائی کی گنجائش تھی، پھر بھی زید نے یہ فیصلہ کیا کہ رک کر جنگی مشورہ کیا جائے۔ زیادہ تر سپاہیوں نے فوراً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سنگین صورتحال سے آگاہ کرنے کی تجویز دی تاکہ وہ انہیں واپس بھیج دیں یا مدد فراہم کریں۔ مگر عبد اللہ نے اس تجویز کے خلاف سخت مخالفت کی۔ وہ وہی ناقابلِ شکست دلیل استعمال کرتے ہوئے جسے انہوں نے احد سے پہلے بھی استعمال کیا تھا، اور جو آگے جا کر بار بار استعمال کی جانے والی تھی، انہوں نے کہا: "ہمارے سامنے دو اچھے امور میں سے ایک کا یقین ہے، یا تو فتح یا شہادت - تاکہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ جنت کے باغات میں شریک ہوں، تو پھر حملہ جاری رکھو!"

عبد اللہ کا عزم غالب آیا، اور فوج اپنی شمالی سمت کی پیش قدمی جاری رکھی۔ وہ اب مردہ سمندر (Dead Sea) کے جنوبی کنارے کے قریب پہنچ چکے تھے، جو اس کی گہری وادی کے مشرقی کنارے سے بلند پہاڑوں سے الگ تھی۔ چند گھنٹوں کی مارچ کے بعد وہ دشمن کو دیکھنے کے قابل ہو گئے۔ چاہے عرب اور بازنطینی فوجوں کی تعداد کتنی بھی تھی، مسلمانوں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ وہ اس بار تعداد میں کہیں زیادہ ہیں، جس کا انہیں پہلے کبھی سامنا نہیں تھا۔ اور اس سے پہلے انہوں نے اتنی فوجی شان و شوکت نہیں دیکھی تھی جتنی کہ بازنطینی افواج کی تھی، جو دشمن کے مرکز میں تھیں اور عربوں کے دونوں طرف۔ بدر کے میدان میں قریش کے لشکر کی شان کچھ بھی نہیں تھی اس اسلحہ، زرہ، اور گھوڑوں کی دولت کے مقابلے میں جو اب ان کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ ان کے راستے کی پیش گوئی کی جا چکی تھی، اور لشکر لڑائی کی تیاری کے ساتھ کھڑا تھا۔

چونکہ زمین کا جھکاؤ ان کے خلاف تھا، زید نے فوری طور پر معرکے سے بچنے کے لیے جنوب کی طرف موتہ جانے کا حکم دیا۔

[1] W.759.

جہاں انہیں فائدہ پہنچ سکتا تھا، اور وہاں انہوں نے اپنی پوزیشن مضبوط کی۔ دشمن، جو اپنی تعداد میں غیر معمولی برتری کا احساس کر رہا تھا اور اسے مکمل طور پر فیصلہ کن دن بنانے کا ارادہ رکھتا تھا، ان کے پیچھے مؤتہ کی طرف روانہ ہوا۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچے، بجائے اس کے کہ وہ مزید پیچھے ہٹتے جیسا کہ انہوں نے توقع کی تھی، زید نے حملہ کرنے کا حکم دیا۔

اسی لمحے مؤتہ اور مدینہ کے درمیان کی جگہ پیغمبر کے لیے کھل گئی اور انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو سفید پرچم کے ساتھ اپنے مردوں کو جنگ میں لے جاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اسے کئی بار شدید زخمی ہوتے دیکھا یہاں تک کہ آخر کار وہ زمین پر گر پڑا، اور جعفر رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھالا اور اپنی جان دینے تک لڑتے رہے۔ پھر عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھالا اور جس حملے کی قیادت کی وہ دشمن کے سامنے کامیاب نہ ہو سکا، اور وہ خود بھی شہید ہو گئے اس کے ساتھ اس کے مردوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ ایک اور انصاری، ثابت بن ارقم نے پرچم سنبھالا اور مسلمان جمع ہو گئے، پھر اس نے اسے خالد رضی اللہ عنہ کو دیا، جو پہلے اس عزت کو لینے سے انکار کر رہے تھے، یہ کہتے ہوئے کہ ثابت کو اس کا زیادہ حق ہے۔ "لے لے، بندے!" ثابت نے کہا، "میں نے اسے صرف تجھے دینے کے لیے پکڑا تھا۔" تو خالد رضی اللہ عنہ نے کمانڈ سنبھالا اور صفوں کو جوڑا، اور دشمن کی پیش قدمی اتنی مضبوطی سے روکی گئی کہ وہ پیچھے ہٹنے لگے، جس سے مسلمانوں کو منظم طور پر پیچھے ہٹنے کا موقع مل گیا۔ یہ دشمن کے لیے ایک فتح تھی، مگر انہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ملا؛ اور مسلمانوں میں، ان تینوں قائدین کے علاوہ، صرف پانچ افراد شہید ہوئے۔ اس طرح یہ خالد رضی اللہ عنہ کے لیے کچھ نہ کچھ فتح تھی؛ اور جب پیغمبر نے اپنے صحابہ کو اس جنگ اور زید رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ، اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں بتایا، تو کہا: "پھر اللہ کی ایک تلوار نے پرچم سنبھالا، اور اللہ نے ان کے لیے راستہ کھول دیا"–یعنی مسلمانوں کے لیے حفاظت تک پہنچنے کا راستہ؛ اور اس طرح خالد کو "اللہ کی تلوار" کا لقب دیا گیا۔

جب پیغمبر نے جنگ کا ذکر کیا، ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، اور جب نماز کا وقت آیا تو انہوں نے نماز پڑھائی اور فوراً مسجد سے باہر چلے گئے، بجائے اس کے کہ وہ عموماً جماعت کی طرف رخ کرتے۔ انہوں نے یہی کام سورج غروب کے وقت اور پھر عشاء کی نماز کے بعد بھی کیا۔

اس دوران وہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر بھی گئے۔ "اے اسمہ!" انہوں نے کہا، "جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو میرے پاس لے آؤ۔" اس کے چہرے پر سنگینی کو دیکھتے ہوئے اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے تینوں بچوں کو لائی۔ پیغمبر نے انہیں بوسہ دیا، اور پھر ان کی آنکھیں دوبارہ آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ رونے لگے۔ "اے اللہ کے رسول!" اس نے کہا، "میرے والدین سے زیادہ عزیز، آپ کو کس چیز نے رلایا؟؟ کیا جعفر رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں آپ تک کوئی خبر پہنچی ہے؟" "ہاں، ایسا ہی ہے،" پیغمبر نے کہا۔ "انہیں آج مار ڈالا گیا۔" اس نے افسوس کی آواز بلند کی، اور خواتین اس کے پاس دوڑ کر آئیں۔ پیغمبر اپنے گھر واپس چلے گئے، اور جعفر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کے لیے اگلے دنوں میں کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ "ان کا غم انہیں اتنا مشغول کر چکا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کی پرواہ نہیں کرتے۔"

ام ایمن، اسامہ اور زید کے خاندان کے باقی افراد اس کے گھر میں تھے -انہوں نے پہلے ہی ان سے تعزیت کی تھی؛ اور جب وہ واپس آئے تو زید کی چھوٹی بیٹی گلی میں روتی ہوئی نکلی، اور انہیں دیکھ کر وہ ان کی بانہوں میں دوڑ گئی۔ اس وقت پیغمبر بے قابو ہو کر رونے لگے، اور جب انہوں نے بچے کو اپنے سینے سے لگایا، ان کا جسم آہ و فغان سے کانپنے لگا۔ سعد بن عبادہ اس لمحے وہاں سے گزرے اور تسلی کے الفاظ تلاش کرتے ہوئے بڑبڑائے: "اے خدا کے رسول، یہ کیا ہے؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ وہ ہے جو اپنے محبوب کی محبت میں تڑپنے کو پسند کرتا ہے۔[1]"

[1] I.S. III/I, 32.

وہ رات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا ایک خواب آیا، اور انہوں نے دیکھا کہ زید رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور جنگ کے دیگر شہداء وہاں موجود ہیں؛ اور انہوں نے دیکھا کہ جعفر رضی اللہ عنہ فرشتوں کی طرح پروں کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔ صبح ہونے پر وہ مسجد گئے؛ ان کے صحابہ نے محسوس کیا کہ ان کا غم کم ہو گیا ہے؛ اور نماز کے بعد انہوں نے معمول کے مطابق جماعت کی طرف رخ کیا۔ پھر وہ دوبارہ اسماء کے پاس گئے تاکہ اسے اپنے خواب کے بارے میں بتا سکیں؛ اور اسماء کو بہت تسلی ہوئی۔

جب خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مدینہ واپس پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سفید خچر، دلدل، منگوانے کا حکم دیا جو مقوقس نے انہیں تحفے میں دی تھی۔ آپ نے جعفر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے کو اپنے ساتھ کجاوے پر بٹھا کر ان کے استقبال کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں بہت سے مرد اور خواتین پہلے ہی جمع ہو چکے تھے، اور جیسے ہی سپاہی گزرتے، وہ ان پر ہنستے اور ان کے چہروں پر مٹی پھینکتے۔ "بھاگنے والے" وہ چیخے۔ "کیا تم اللہ کے راستے میں لڑائی سے بھاگ گئے تھے؟" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، "نہیں، وہ بھاگے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اگر اللہ چاہے تو دوبارہ لڑنے کے لیے واپس آئیں گے۔[1]"

غزوہ مؤتہ میں شکست نے شمالی عربوں کو نئے اسلامی ریاست کے خلاف اپنے مزاحمت کو مزید مضبوط کرنے کی ترغیب دی، اور اگلے ماہ یہ خبر آئی کہ **بنی بالی** اور قضاعہ کے قبائل شامی سرحد پر بڑی تعداد میں جمع ہو رہے ہیں، اور ان کا ارادہ جنوبی جانب مارچ کرنے کا تھا۔ لیکن اس بار قیصر سے کسی اضافی مدد کی کوئی بات نہیں تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے **عمرو بن العاص** کو تین سو سپاہیوں کی قیادت سونپی، اور انہیں یہ ہدایت دی کہ جہاں ضرورت ہو وہاں لڑیں اور جہاں ممکن ہو اتحادی بنائیں۔ ممکن ہے کہ عمرو کی قیادت کا انتخاب اس کے اس قبائل سے قریبی تعلقات کی وجہ سے کیا گیا ہو، کیونکہ اس کی والدہ **بالی قبیلے** سے تھیں۔ رات کے سفر اور نسبتاً الگ تھلگ پڑاؤ کے ذریعے انہوں نے دشمن کی توجہ کو بچایا اور دس دنوں میں شام کی سرحد تک پہنچ گئے۔ اس سال موسم سرما جلد آ گیا تھا اور مکہ اور مدینہ کے سپاہی شمالی علاقوں میں اس قدر دور ہونے کے عادی نہیں تھے، اس لیے جب وہ اپنے آخری پڑاؤ تک پہنچے تو انہوں نے لکڑیاں جمع کرنا شروع کر دیں۔ لیکن عمرو نے آگ جلانے کی اجازت نہیں دی؛ اور جو لوگ شکایت کر رہے تھے، انہیں کہا: "تمہیں میرے احکام سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے ایسا ہی کرو۔"

جلد ہی یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ دشمن کی تعداد توقع سے زیادہ ہے، اور اس وقت مقامی مدد کی کوئی امید نہیں تھی، تو عمرو نے **جُہینہ قبیلے** کے ایک شخص کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مزید کمک کی درخواست کرنے کے لیے بھیجا۔ **ابو عبیدہ** فوراً دو سو اضافی سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ چونکہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابی تھے اور ہر جنگ میں حصہ لے چکے تھے، اس لیے ان کو توقع تھی کہ وہ عمرو پر فوقیت حاصل کریں گے؛ لیکن عمرو نے اصرار کیا کہ نئے آنے والے محض ایک اضافی فورس ہیں اور کہ وہ خود کمانڈنگ افسر ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ کو ہدایت دی تھی کہ دونوں فورسز کے درمیان مکمل تعاون ہو اور کوئی تقسیم نہ ہو، تو ابو عبیدہ نے عمرو کی قیادت میں آگے بڑھتے ہوئے کہا: "اگر تم میری بات نہ مانو تو خدا کی قسم، میں تمہاری اطاعت کروں گا۔" جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا، تو انہوں نے ابو عبیدہ پر دعائے خیر کی۔

اب عمرو اپنے پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ شام کی سرحد کو عبور کر کے آگے بڑھا، اور جیسے ہی وہ آگے بڑھے، دشمن نے اپنی صفیں چھوڑ دیں۔ ایک مختصر تیر اندازی کی جھڑپ ہوئی؛ باقی سب کچھ ایسا تھا جیسے دشمن کے خالی پڑاؤ ملے جن کے حالیہ مقامات سے وہ غائب ہو چکے تھے؛ اور دشمنی کے قبائل کی غیر موجودگی میں، دوست عناصر — افراد اور گروہ — ان کے ساتھ مل کر آگے بڑھنے کے لیے تیار ہو گئے۔

[1] W.765.

چونکہ "عمرو" نے اپنے خط میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعویٰ کیا کہ اس نے شام کی سرحد پر اسلام کے اثر کو دوبارہ قائم کر لیا ہے، اس لیے وہ اپنے آپ کو اس بات کا حق دار سمجھتا تھا۔ اس اثر کا دائرہ اب یثرب کے وادیوں کے ارد گرد قبائل میں تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اس کا سبب صرف روحانی نہیں تھا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اب ایک خطرناک اور غیر متوقع دشمن کے طور پر جانے جاتے تھے، اور ایک طاقتور، قابل اعتماد اور سخی اتحادی کے طور پر بھی؛ اس کے مقابلے میں، دوسرے اتحاد اب کم دلچسپ اور زیادہ خطرناک لگنے لگے تھے۔ بہت سے معاملات میں سیاسی اور مذہبی وجوہات آپس میں جڑیں ہوئی تھیں؛ لیکن ایک اور عنصر بھی تھا، جو آہستہ آہستہ لیکن طاقتور اور گہرا اثر رکھنے والا تھا، اور جس کا سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا، اور جو اسلام کے پیغام کو پھیلانے کی کوششوں سے بھی بڑا حد تک آزاد تھا۔ یہ وہ حیرت انگیز سکون تھا جو ان لوگوں کی خصوصیت تھی جو اس نئے مذہب پر عمل پیرا تھے۔ قرآن، جو اللہ کی وحدانیت کی کتاب تھی، وہ رحمت کی کتاب اور جنت کی کتاب بھی تھی۔ اس کے آیات کی تلاوت، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ساتھ، مسلمانوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کرتی تھی کہ انہیں ہر ممکن خواہش کی ابدی تسکین آسانی سے مل سکتی ہے، یعنی وہ حالات پورے کر کے جو ان کی پہنچ میں تھے۔ حاصل ہونے والی خوشی ایمان کا معیار بن گئی تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر زور دیا: "مومن کی حالت میں ہر بات بہترین ہوتی ہے، چاہے جیسے بھی حالات ہوں۔[1]

[I] N.XXI,13.

LXXIV

A Breach of the Armistice

معاہدے کی خلاف ورزی

معاہدے کے باوجود، بکر کے کچھ لوگ ابھی بھی خزاعہ کے ساتھ اپنی دشمنی کو طول دینے پر تلے ہوئے تھے؛ اور **عمرو** کی شام کی مہم کے کچھ ہی دن بعد، بکر کے ایک قبیلے نے خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کیا، جس میں سے ایک شخص قتل ہو گیا۔ جو لڑائی اس کے نتیجے میں ہوئی، اس میں کچھ حصہ حرم کے علاقے میں بھی تھا، اور قریش نے اپنے اتحادیوں کی مدد کے لیے اسلحہ فراہم کیا؛ اور قریش کے ایک یا دو آدمی رات کے اندھیرے میں لڑائی میں شریک ہوئے۔ خزاعہ کے بنی کعب نے فوراً مدینہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے لیے ایک وفد بھیجا اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یقین دہانی کرائی کہ وہ ان کی مدد کریں گے، اور انہیں اپنے علاقے واپس بھیج دیا۔ جب وہ چلے گئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، جنہوں نے ان کے چہرے سے دیکھا کہ وہ بہت غصے میں ہیں۔ انہوں نے وضو کے لیے پانی طلب کیا، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ وہ پانی اپنے اوپر ڈالتے ہوئے کہہ رہے تھے: "مجھے مدد نہ ملے اگر میں کعب کے بیٹوں کی مدد نہ کروں۔"[1]

اس دوران مکہ والے اس بات کے بارے میں بہت پریشان تھے کہ جو کچھ ہوا تھا، اس کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں، اور انہوں نے **ابو سفیان** کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منانے کے لیے بھیجا، اگر ضرورت پڑے تو۔ اپنے راستے میں، ابو سفیان نے خزاعہ کے لوگوں کو واپس آتے ہوئے دیکھا اور انہیں یہ خوف ہوا کہ وہ شاید بہت دیر کر چکے ہیں۔ ان کے خوف میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا پراسرار رویہ دیکھا۔ "اے محمد ﷺ!" ابو سفیان نے کہا، "میں حدیبیہ کے معاہدے کے وقت موجود نہیں تھا، تو آیئے اب ہم معاہدہ کو مزید مضبوط کریں اور اس کی مدت بڑھا دیں۔" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو یوں رد کیا: "کیا تمہارے طرف سے کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس نے معاہدے کو توڑ دیا ہو؟" "اللہ نہ کرے!" ابو سفیان نے بے چینی سے کہا۔ "ہم بھی," پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق اپنی شرائط پر قائم ہیں۔ ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کے متبادل کو قبول کریں گے۔" وہ واضح طور پر اس پر مزید بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے ابو سفیان نے اپنی بیٹی **ام حبیبہ** سے ملنے کا فیصلہ کیا، امید تھی کہ وہ ان کے حق میں کچھ کہہ سکتی ہیں۔ وہ پندرہ سال بعد ایک دوسرے سے ملے تھے۔ بیٹھنے کے لیے سب سے بہتر جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قالین تھا، لیکن جب ابو سفیان اس پر بیٹھنے لگے، تو ام حبیبہ نے فوراً اسے ان کے نیچے سے اٹھا لیا۔ "بیٹی،" ابو سفیان نے کہا، "کیا یہ قالین میرے لیے بہت اچھا ہے، یا کیا میں اس کے لیے بہت اچھا ہوں؟" "یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قالین ہے،" انہوں نے جواب دیا، "اور تم بت پرست ہو، ایک ناپاک انسان ہو۔" پھر انہوں نے کہا: "میرے والد، تم قریش کے سردار اور ان کے چیف ہو۔ تم اسلام میں داخل ہونے میں کیوں ناکام رہے ہو، اور تمہیں کیا وجہ ہے کہ تم نے اسلام نہیں قبول کیا؟"

[1] W.791.

تم پتھروں کی پوجا کرتے ہو جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں؟"" عجیب بات ہے،" اس نے کہا،" کیا میں اپنے آباءاجداد کی عبادت چھوڑ کر محمد کا دین اختیار کروں؟ اور چونکہ اسے کوئی مدد کی توقع نہیں تھی، وہ ابو بکر اور دوسرے صحابہ کے پاس گیا تاکہ وہ اس کے لیے معاہدے کی تجدید کی سفارش کریں، کیونکہ اسے اب یقین تھا، حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا تھا، کہ حالیہ لڑائیوں نے اس معاہدے کو منسوخ کر دیا ہے۔ لیکن یہ معاہدے کی تجدید کے مترادف ہو گا، یعنی یہ خونریزی کو روکنے کے لیے مددگار ثابت ہو گا، اگر کوئی بااثر شخص انسانوں کے درمیان عمومی حفاظت فراہم کرے۔ ابوسفیان نے ابو بکر سے یہ متبادل تجویز کیا لیکن ابو بکر نے صرف اتنا کہا: "میں صرف وہی حفاظت فراہم کرتا ہوں جو اللہ کے رسول نے دی ہو۔"

دوسروں نے بھی تقریباً یہی جواب دیا، اور آخرکار ابوسفیان نے **علی** کے گھر کا رخ کیا، اپنی قرابت کا بہت ذکر کیا، کیونکہ دونوں ہاشم اور عبد شمس کے پڑپوتے تھے۔ لیکن علی نے کہا: "افسوس تمہارے لیے ابوسفیان! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری درخواست کو پورا نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے؛ اور کوئی شخص بھی اسے اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا جب وہ اس سے بیزار ہو۔" صحابہ بخوبی جانتے تھے کہ وحی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا: "ان سے معاملات میں مشورہ کرو، اور جب تمہاری فیصلہ سازی مکمل ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ رکھو؛"[1] اور انہوں نے تجربے سے سیکھا تھا کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات پر پختہ عزم کر لیتے تھے، جیسا کہ اس موقع پر وہ تھے، تو اسے روکنا بے فائدہ ہوتا تھا۔

ابوسفیان نے پھر **فاطمہ رضی اللہ عنہا** کی طرف رجوع کیا، جو وہاں موجود تھیں، اور حسن ان کے سامنے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ "اے محمد کی بیٹی!" اس نے کہا، "اپنے چھوٹے بیٹے کو حکم دو کہ وہ انسانوں کے درمیان تحفظ فراہم کرے، تاکہ وہ عربوں کا ہمیشہ کے لیے سردار بن جائے۔" لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ لڑکے تحفظ نہیں دیتے، اور ابوسفیان پھر مایوسی کے عالم میں علی کے پاس واپس آیا اور اس سے کوئی حل تجویز کرنے کی درخواست کی۔ "میرے خیال میں تمہیں خود اٹھ کر انسانوں کے درمیان تحفظ فراہم کرنا چاہیے۔ تم کِنَانَہ کے سردار ہو،" علی نے کہا۔ "کیا اس سے مجھے کوئی فائدہ ہو گا؟" ابوسفیان نے پوچھا۔ "اللہ کی قسم، مجھے ایسا نہیں لگتا،" علی نے کہا، "لیکن میں تمہارے لیے اور کچھ نہیں دیکھ رہا ہوں۔"

چنانچہ ابوسفیان مسجد میں گیا اور بلند آواز میں کہا: "دیکھو، میں انسانوں کے درمیان تحفظ فراہم کرتا ہوں، اور مجھے نہیں لگتا کہ محمد مجھے نظرانداز کریں گے۔" پھر وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: "اے محمد! مجھے نہیں لگتا کہ تم میری حفاظت کو رد کر دو گے۔" لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا کہا: "یہ وہی ہے جو تمہارا خیال ہے، ابوسفیان؛"[2] اور اموی سردار مکہ واپس لوٹ گئے، دل میں بڑی پریشانی کے ساتھ۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم کی تیاری شروع کر دی، اور ابو بکر نے پوچھا کہ کیا وہ بھی تیاری کرے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اسے تیاری کرنی چاہیے اور بتایا کہ وہ قریش کے خلاف نکل رہے ہیں۔ "کیا ہمیں حدیبیہ کے معاہدے کے وقت تک انتظار نہیں کرنا چاہیے؟" ابو بکر نے کہا۔ "انہوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور معاہدہ توڑ دیا ہے،" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اور میں ان پر حملہ کروں گا۔ لیکن جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے اسے راز رکھو۔ کسی ایک سوچنے والے کو لگے کہ اللہ کا رسول شام کے لیے جا رہا ہے، کسی دوسرے کو لگے کہ وہ ثقیف یا ہوازن کے لیے جا رہا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ قریش ہماری کسی بھی حرکت کو نہ دیکھ پائے اور نہ ہی ہمارے بارے میں کوئی اطلاع پائے، تاکہ ہم ان پر اچانک حملہ کر سکیں۔"

[1]III, 159. [2] I.I. 807-8; W. 794·

اس دعا کے جواب میں آسمان سے پیغام آیامہاجرین میں سے ایک، جس کا نام حاطب تھا، کسی طرح اس راز سے واقف ہو گیا تھااور اس نے قریش کو ایک خط بھیجا تھا تا کہ انہیں آنے والے حملے سے خبر دار کر سکے۔...

اس نے یہ خط ایک مُزَینہ خاتون کو دیا تھاجو مکہ جارہی تھی اور اس نے خط اپنے بالوں میں چھپایا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور زبیر کو اس کے پیچھے بھیجا، اور جب وہ اس کے سامان میں خط تلاش کرنے میں ناکام رہے تو انہوں نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے خط نہ دیا تو ان کا سامان تلاشی لے لیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے خط دے دیا اور انہوں نے اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا، جنہوں نے خط لکھنے والے کو بلایا۔ "اے حاطب! تجھے یہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"اے اللہ کے رسول!" حاطب نے جواب دیا، "میں اللہ اور اس کے رسول پر یقین رکھتا ہوں۔ میں نے اپنے ایمان میں کوئی تبدیلی نہیں کی، اور کچھ بھی اس کی جگہ نہیں آیا۔ لیکن میں مکہ کے لوگوں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اور میرے پاس اثر ورسوخ والے رشتہ دار نہیں ہیں؛ اور اپنے بیٹے اور خاندان کی خاطر جو وہاں موجود ہیں، میں نے ان کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کی۔" "اے اللہ کے رسول!" عمر نے کہا، "مجھے اس کی گردن مار دینی چاہیے، یہ شخص منافق ہے۔"
لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں کیا خبر، اے عمر، کہ اللہ نے بدر کے لوگوں کو نہیں دیکھا اور کہا: 'جو چاہو کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے'؟[1]"

اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کے لیے پیغام بھیجا جن سے انہیں اب مدد کی توقع تھی، اور انہیں رمضان کے شروع میں مدینہ آنے کی عمومی دعوت دی۔ بدویوں نے وفاداری سے جواب دیا؛ اور جب مقررہ دن آیا، تو وہ لشکر جو مدینہ سے نکلا تھا، اب تک کا سب سے بڑا لشکر تھا۔ کوئی بھی جسمانی طور پر تندرست مسلمان پیچھے نہیں رہا۔ مہاجرین سات سو تھے، جن کے پاس تین سو گھوڑے تھے؛ انصار چار ہزار تھے، جن کے پاس پانچ سو گھوڑے تھے؛ اور قبائل، جن میں وہ بھی شامل تھے جو راستے میں ان کے ساتھ شامل ہوئے، مجموعی تعداد کو تقریباً دس ہزار مردوں تک لے آئے۔ سوار اونٹوں پر سوار تھے، اپنے گھوڑے ان کے پیچھے لیے ہوئے؛ اور چند خاص صحابہ کے سوا، ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ دشمن کون ہیں۔

جب وہ آدھے راستے تک پہنچے، تو انہیں عباس رضی اللہ عنہ، ام الفضل اور ان کے بیٹے ملے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا تھا کہ اب مکہ چھوڑ کر مدینہ میں سکونت اختیار کی جائے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی مہم میں شامل ہونے کی دعوت دی، جو انہوں نے قبول کی، اور مَیمُونَہ کی خوشی کا سبب بنی، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئی تھیں۔

ام سلمہ بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں؛ اور اگلے پڑاؤ میں سے ایک پر انہیں اطلاع دی گئی کہ قریش کے دو آدمی کیمپ میں موجود ہیں اور ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک ان کے سوتیلے بھائی عبد اللہ تھے، جو ان کے والد اور نبی کریم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے تھے؛ اور دوسرے نبی ﷺ کے سب سے بڑے چچا حارث کے بیٹے، شاعر ابوسفیان تھے، جو ایک وقت میں حلیمہ کے دودھ شریک تھے۔ ان کے ساتھ ان کا چھوٹا بیٹا جعفر بھی تھا۔

دونوں آدمی نبی کریم ﷺ کے قریب تھے یہاں تک کہ وحی آئی، جب انہوں نے آپ کے خلاف رویہ اختیار کر لیا۔ اب وہ آپ ﷺ سے معافی مانگنے اور ام سلمہ سے سفارش کرنے کی درخواست کرنے آئے تھے۔

ام سلمہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئیں اور کہا: "آپ کی بیوی کا بھائی، جو آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، یہاں موجود ہے، اور آپ کے چچا کا بیٹا، جو آپ کا رضاعی بھائی بھی ہے۔" لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ میرے بھائی (یعنی ان کے بھائی عبد اللہ) نے مجھ سے مکہ میں جو کہا، کہا؛ اور میرے چچا کے بیٹے نے مجھ پر بے عزتی کی ہے۔" ابوسفیان نے اپنی شاعری میں آپ ﷺ کی ہجو کی تھی۔ ام سلمہ نے ان کے لیے درخواست کی، لیکن بے سود۔

جب انہوں نے یہ بات ان دونوں کو بتائی تو ابوسفیان نے کہا: "یا تو وہ مجھ سے ملاقات کریں گے، یا میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر صحرا میں نکل جاؤں گا،

[1] I.I. 809-10.

[2] صفحہ دیکھیں 62.

یہاں تک کہ ہم بھوک اور پیاس سے مر جائیں۔ اور آپ" - ان کا اشارہ نبی کریم ﷺ کی طرف تھا- "سب سے زیادہ صابر انسان ہو، یہاں تک کہ میرے ساتھ رشتہ داری کے باوجود بھی۔"

سفر کے دوران، ایک دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سڑک کے کنارے ایک کتیا کو دیکھا جو حال ہی میں پیدا ہونے والے بچوں کو دودھ پلا رہی تھی۔ آپ کو خوف تھا کہ کہیں کوئی آدمی اس پر حملہ نہ کر دے۔ تو آپ نے جُعیل بن دمرہ کو حکم دیا کہ وہ اس کے پاس پہرا دے اور جب تک فوج کے تمام دستے نہیں گزر جاتے، وہ اس کا دفاع کرے۔ جُعیل کا پرانا نام اب بھی اس کے ساتھ تھا، حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "عمرو" کا نیا نام دیا تھا۔

قُدَید میں فوج میں بنی سلیم کے نو سو سواروں کا اضافہ ہوا۔ ان کے نمائندے نے کہا، "اے اللہ کے رسول، تم سمجھتے ہو کہ ہم جھوٹے ہیں، حالانکہ ہم تمہارے ماموں ہیں" وہ ہاشم کی والدہ عاتکہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو ان کی قوم سے تھیں- "ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں تا کہ تم ہمیں آزما سکو۔ ہم جنگ میں ثابت قدم ہیں، میدان میں بہادر ہیں، اور گھڑ سواروں میں مضبوط ہیں۔" جیسے مدینہ سے آنے والے اصل دستے نے اپنے جھنڈے اور پرچم تہہ کر رکھے تھے، ویسے ہی بنی سلیم نے بھی اپنے جھنڈے لائے تھے۔ اب وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کر رہے تھے کہ ان پرچموں کو کھولا جائے اور ان پر ان کے اپنے پسندیدہ آدمیوں کو سوار کیا جائے۔ لیکن ابھی جھنڈوں کو بلند کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ نہ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

آغاز میں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج میں ایک آدمی بھیجا تھا تا کہ یہ اعلان کرے: "جو شخص اپنا روزہ رکھنا چاہے وہ رکھے، اور جو توڑنا چاہے وہ توڑ سکتا ہے۔" رمضان میں سفر کرنے کی صورت میں روزہ توڑنے کی اجازت تھی، بشرطیکہ جب سفر ختم ہو تو وہ کم از کم وہ دن مکمل کر لے جو انہوں نے نہیں رکھے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے لوگوں نے روزہ رکھا جب تک کہ وہ مقدس سرزمین کے قریب نہ پہنچے۔ پھر آپ نے روزہ توڑنے کا حکم دیا؛ اور جب وہ مرّالزہران میں پڑاؤ ڈال چکے تو یہ اعلان کیا کہ روزہ توڑنے کا مقصد دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے طاقت جمع کرنا تھا۔

اس نے کچھ لوگوں کی تجسس کو حد تک بڑھا دیا۔ مرّالزہران سے مکہ ایک لمبے دن کے سفر میں پہنچا جا سکتا تھا، اور دو دنوں میں آسانی سے۔ لیکن معاہدے کی موجودگی کے پیش نظر یہ ممکن نہیں لگتا تھا کہ وہ قریش کے خلاف آئے ہوں۔ ان کا پڑاؤ بھی ہوازن کے دشمن قبائل کے علاقے کے راستے پر تھا۔ یا کیا یہ ہو سکتا تھا کہ شمالی حجاز کی جنت پر قبضہ کرنے کے بعد، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اب اس کے جنوبی حصے، یعنی طائف، جو پہلے ناقابل تسخیر تھا اور جہاں لات کی عبادت کی جاتی تھی، کو فتح کرنے کے لیے جا رہے تھے؟

جب لوگوں کے درمیان یہ سوال "دشمن کون ہیں؟" گردش کر رہا تھا، تو کعب بن مالک نے خود کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے لیے پیش کیا اور سوال کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ سوال براہ راست نہ پوچھا، بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے باہر بیٹھے ہوئے انہیں دیکھ کر وہ ان کے سامنے آ کر چار موزوں اشعار پڑھنے لگے جو انہوں نے اس موقع کے لیے خود تحریر کیے تھے۔ ان اشعار کا مفہوم یہ تھا کہ لوگ اس بات پر پہنچ چکے تھے کہ وہ اپنی تلواریں نکال کر پوچھیں کہ ان کی دھاریں کس دشمن کے لیے مختص ہیں، اور اگر تلواریں بول سکتیں تو وہ بھی یہی کہتیں۔

[1] W.811. [2] W 804

۔لیکن نبی ﷺ کا جواب صرف ایک مسکراہٹ تھا، اور کعب کو کچھ حاصل کیے بغیر واپس لوگوں کے پاس لوٹنا پڑا۔ اپنے منزل کے بارے میں جاننے کی خواہش ان کی بے تکلف تجسس سے زیادہ کچھ نہ تھی، جب کہ قریش اور ہوازن کی یہ خواہش کہ وہ اسی سوال کا جواب جانیں، کہیں زیادہ شدت سے تھی۔ ہوازن قبیلہ زیادہ تر نجران کے جنوبی سرے پر واقع پہاڑی علاقوں کے دامن میں پھیلا ہوا تھا۔ طائف ان پہاڑیوں میں سے ایک پر واقع تھا، اور طائف کے باشندے، جو اس کے معبد کے محافظ تھے، نے یہ اقدام کیا کہ اپنے تمام ہوازن قبیلوں کو ایک فوری پیغام بھیجا کہ یثرب سے دس ہزار کا ایک لشکر جنوب کی طرف آ رہا ہے اور انہیں بدترین حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ زیادہ تر قبیلے فوراً جواب دے کر اپنی فوجیں طائف کے شمال میں ایک اہم مقام پر جمع ہونے لگے۔

جہاں تک قریش کا تعلق تھا، اگرچہ وہ چاہتے تھے کہ طائف مکہ کے مقابلے میں زیادہ خطرے میں ہو، لیکن انہیں اس بات کا احساس تھا کہ انہوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو دوبارہ تجدید نہ کرنا ان کے خوف کو بڑھا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ مایوسی کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا، اور ان کے خوف کو مزید بڑھانے کے لیے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ پھیل جائیں اور ہر شخص رات کو ایک آگ جلائے۔ مقدس علاقے کے کنارے سے اب دس ہزار کیمپ کی آگیں جلتی نظر آ رہی تھیں، اور مکہ میں جلد ہی یہ خبر پہنچی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ان کے خوف سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ ایک جلدی مشاورت کے بعد قریش نے ابوسفیان کی پیشکش قبول کی کہ وہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے جائیں۔ ان کے ساتھ حکیم، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے، جو بدر کی جنگ کو روکنے کی بھرپور کوشش کر چکے تھے، اور بُدایل بن خزاعہ، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں تھے اور حال ہی میں اپنے کچھ قبیلہ والوں کو مکہ میں معاہدہ کے ٹوٹنے کے بارے میں پیغام دینے کے لیے مدینہ لے کر آئے تھے، بھی تھے۔ جب وہ کیمپ کے قریب پہنچے، جہاں اونٹوں کی بڑبڑاہٹ سنائی دے رہی تھی، انہوں نے ایک سفید خچر پر سوار ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا۔ یہ عباس رضی اللہ عنہ تھے، جو کیمپ سے باہر نکلے تھے اور مکہ جانے والے کسی شخص کو پیغام دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں یہ ضروری لگ رہا تھا کہ قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے ایک نمائندہ بھیجے قبل اس کے کہ دیر ہو جائے۔ جب انہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اور سلام کیا، عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے تک لے جایا، اور ابوسفیان نے کہا: "اے محمد، تم اپنے قبیلے کے خلاف ایک عجیب گروہ لے کر آئے ہو - کچھ جاننے والے ہیں اور کچھ اجنبی۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بات مکمل کرنے کا موقع نہ دیا۔ "تم ہی گناہگار ہو،" آپ نے فرمایا۔ "تم نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑا، اور بنی کعب پر حملے کی مدد کی، یوں تم نے اللہ کے مقدس علاقے اور اس کی پناہ کو گناہ کی حالت میں پامال کیا۔"

۔ابوسفیان نے موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "افسوس، کاش تمہارا غصہ اور حکمت عملی ہوازن کے خلاف ہوتی! کیونکہ وہ تم سے دور رشتہ رکھتے ہیں اور تمہارے خلاف دشمنی میں شدید ہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے یہ سب دے گا - مکہ پر فتح، وہاں اسلام کی کامیابی، اور ہوازن کی شکست - اور وہ ان کے مال کو غنیمت اور ان کے اہل کو قیدی بنائے گا۔" پھر انہوں نے تینوں مردوں سے کہا: "گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔" حکیم اور بُدایل نے فوراً اسلام قبول کیا، لیکن ابوسفیان نے "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں" کہہ کر خاموش ہو گئے۔ جب انہیں دوسری شہادت پڑھنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا: "اے محمد، ابھی میرے دل میں اس بارے میں کچھ شک ہے؛ اسے مہلت دے دو۔

اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان دونوں کو رات گزارنے کے لیے اپنے خیمے میں لے جائیں۔ صبح سویرے جب اذان دی گئی، ابو سفیان اس آواز سے بہت متاثر ہُوا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔ "یہ اذان ہے،" عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ "اور یہ کتنی بار ہوتی ہے؟" ابو سفیان نے پوچھا، اور جب اسے بتایا گیا کہ پانچ بار ہوتی ہے، تو وہ بولا: "خدا کی قسم، یہ بہت زیادہ ہے!" پھر ابو سفیان نے دیکھا کہ لوگ بڑے جوش سے ایک دوسرے سے دھکیل کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، یا جو پانی بچ جائے اس سے کچھ قطرے لینا چاہتے ہیں، تو وہ کہنے لگا: "ابو الفضل! میں نے کبھی ایسی حکومت نہیں دیکھی!" عباس رضی اللہ عنہ نے غصے سے کہا: "چپ رہو! ایمان لاؤ!" ابو سفیان نے کہا: "مجھے اُسے دکھا دو،" اور اذان کے بعد عباس رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جا کر انہیں نبوت کی گواہی دینے کے لیے کہا۔ ابو سفیان نے یہ گواہی دی کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

عباس رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ لے جا کر کہا: "اے اللہ کے رسول! آپ کو خوب علم ہے کہ ابو سفیان کو عزت اور عظمت کا کتنا شوق ہے، اس لیے ان پر کچھ مہربانی کرو۔" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ضرور کروں گا،" اور پھر ابو سفیان کے پاس جا کر انہیں کہا: "تم واپس مکہ جاؤ اور قریش سے کہنا: 'جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ محفوظ ہو گا، اور جو اپنے دروازے بند کر لے گا وہ محفوظ ہو گا، اور جو مسجد میں داخل ہو جائے گا وہ محفوظ ہو گا۔'"

LXXV

The Conquest of Mecca

مکہ کی فتح

"خیمے پہلے ہی اونٹوں پر لاد دیے گئے تھے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کار علم اور پرچم طلب کیے تا کہ ان کو ان کے منتخب حاملین کے حوالے کیا جاسکے۔ انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کو وادی کے تنگ حصے تک لے جائیں اور انہیں وہاں روکے رکھیں تا کہ وہ فوج کی تعداد دیکھ سکیں جب وہ گزرے۔ ابوسفیان کے لیے پیغام دینے کا وقت ابھی باقی تھا، کیونکہ ایک آدمی ان راستوں سے زیادہ سیدھا راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچ سکتا تھا۔

"یہ کون ہیں؟" ابوسفیان نے پوچھا جب فوج کا پہلا دستہ نظر آیا۔ "یہ خالد بن ولید ہیں،" عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ خالد کے ساتھ بنو سلیم کی سواری تھی، اور جب وہ ان کے قریب سے گزرے تو خالد نے تین بار تکبیر کہی۔ اسی طرح زبیر بھی پانچ سو مہاجرین کے دستے کے ساتھ، پیلے رومالوں میں ملبوس، گزرے اور ابوسفیان کے سامنے تین بار تکبیر کہی۔ وادی میں ایک ہی آواز میں ان کے سپاہیوں نے بھی تکبیر کہی۔ فوج کے دستے در دستے گزرے، اور ابوسفیان ہر بار سوال کرتا رہا کہ یہ کون ہیں۔ ہر بار وہ حیران ہوتا تھا، کبھی اس وجہ سے کہ یہ قبائل اب تک قریش کے اثر و رسوخ سے باہر تھے، اور کبھی اس لیے کہ وہ حال ہی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بنے ہوئے تھے، جیسے قبیلہ اشجع، جن کے پرچم کو نعیم بن مسعود، جو کبھی ابوسفیان اور سہیل کے دوست تھے، اٹھا کر لے جا رہے تھے۔

"تمام عرب میں سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہ تھے،" ابوسفیان نے کہا۔ "اللہ نے ان کے دلوں میں اسلام ڈالا ہے،" عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ "یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔

فوج کے آخری دستے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا دستہ تھا، جو صرف مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھا۔ ان کے اسلحے کی چمک کی وجہ سے ان کا رنگ سبز اور سیاہ نظر آرہا تھا، کیونکہ وہ مکمل طور پر مسلح اور زرہ پوش تھے، صرف ان کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا علم سعد بن عبادہ کو دیا تھا، جو پیش قدمی کر رہے تھے؛ اور جب وہ دونوں راہ کے کنارے کھڑے مردوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پکارا: "اے ابوسفیان! یہ قتل و غارت کا دن ہے! وہ دن جب حرمت پامال کی جائے گی! یہ اللہ کا دن ہے، جس میں قریش کی ذلت ہے۔" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستے کے درمیان سوار تھے، اور ان کے دونوں طرف ابو بکر اور اسید تھے، جن کے ساتھ وہ بات چیت کر رہے تھے۔

"اللہ کے رسول!" ابوسفیان نے پکارا جب وہ سننے کی حد میں آئے، "کیا آپ نے اپنے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے؟" اور اس نے وہ بات دہرائی جو سعد نے کہی تھی۔ "میں آپ سے خدا کی قسم دے کر گزارش کرتا ہوں،" اس نے مزید کہا، "اپنی قوم کی خاطر، کیونکہ آپ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ والدین کی خدمت کرنے والے، سب سے زیادہ رحم دل اور سب سے زیادہ مہربان ہیں!"

"یہ رحمت کا دن ہے،" نبی ﷺ نے فرمایا، "یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے قریش کو عزت بخشی ہے۔" پھر عبد الرحمن بن عوف اور عثمان نے، جو قریب ہی تھے، کہا: "اے اللہ کے رسول! ہمیں سعد پر بھروسہ نہیں ہے کہ وہ قریش پر اچانک حملہ نہ کر دے۔" تو نبی ﷺ نے سعد کو پیغام بھیجا کہ وہ علم اپنے بیٹے قیس کو دے دیں، جو نسبتاً نرم مزاج آدمی تھا، اور انہیں لشکر کی قیادت کرنے دیں۔ بیٹے کی عزت کرنا، باپ کی عزت کرنا تھا، اور قیس کے ہاتھ میں علم سعد کے پاس ہی رہتا۔ لیکن سعد نے علم دینے سے انکار کر دیا جب تک نبی ﷺ کا براہِ راست حکم نہ آیا۔ تب نبی ﷺ نے اپنی ٹوپی سے سرخ پگڑی کھولی اور اسے بطور علامت سعد کو بھیج دیا۔ علم فوراً قیس کو دے دیا گیا۔

جب لشکر گزر گیا تو ابوسفیان تیزی سے مکہ واپس آیا اور اپنے گھر کے باہر کھڑا ہو کر زور سے چلایا: "اے قریش کے لوگو! محمد ﷺ ایسے لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ محمد ﷺ یہاں ہیں دس ہزار فولادی سپاہیوں کے ساتھ۔ اور انہوں نے مجھے یہ ضمانت دی ہے کہ جو میرے گھر میں داخل ہو گا، وہ محفوظ ہو گا۔" ہندہ اب گھر سے باہر آئی اور اپنے شوہر کی مونچھوں کو پکڑ لیا۔ "قتل کر دو اس چکنے بے کار آدمی کو!" وہ چلائی۔ "تو قوم کا کمزور محافظ ہے!" "تم پر افسوس!" ابوسفیان چلایا، "یہ عورت تمہیں تمہاری بہتر عقل کے خلاف دھوکہ نہ دے، کیونکہ تمہارے پاس وہ آ چکا ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا، وہ محفوظ ہو گا۔"

انہوں نے کہا، "اللہ تمہیں ہلاک کرے! تمہارا گھر ہماری اتنی بڑی تعداد کے لیے کیا فائدہ دے گا؟" اس نے جواب دیا، "اور جو اپنے دروازے کو بند کر لے گا، وہ بھی محفوظ ہو گا۔ اور جو مسجد میں داخل ہو گا، وہ بھی محفوظ ہو گا۔" اس پر ہجوم منتشر ہو گیا، کچھ اپنے گھروں کو اور کچھ مسجد کی طرف۔

لشکر ذو طویٰ پر رک گیا، جو شہر سے زیادہ دور نہیں تھا اور اس کے نظر آنے کے فاصلے پر تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں دو سال پہلے خالد کو ان کے راستے کو روکنے کے لیے تعینات کیا گیا تھا۔ لیکن اب کسی مزاحمت کا کوئی نشان نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے شہر خالی ہو، جیسا کہ ان کی پچھلی سالانہ زیارت کے وقت تھا۔ لیکن اس بار ان کے قیام کی کوئی تین دن کی حد نہیں تھی۔ جب قصواء رکی تو نبی ﷺ نے اپنا سر جھکا دیا یہاں تک کہ آپ کی داڑھی زین سے لگ گئی، اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے۔

آپ نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا، خالد کو دائیں جانب اور زبیر کو بائیں جانب کی کمان سونپی۔ آپ کی اپنی جماعت، جو اب درمیان میں تھی، دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی۔ اس کا ایک حصہ سعد اور ان کے بیٹے کی قیادت میں تھا، اور دوسرا حصہ، جس میں آپ ﷺ خود شامل تھے، ابوعبیدہ کی قیادت میں تھا۔ جب حکم دیا گیا تو انہوں نے تقسیم ہو کر چار مختلف سمتوں سے شہر میں داخل ہونا تھا، خالد نیچے سے اور باقی تین مختلف راستوں سے پہاڑوں کے ذریعے۔

ابو قبیس پہاڑ کی ڈھلوانوں پر، لشکر کے اوپر، دو شخصیات نمایاں تھیں: ایک عمر رسیدہ جھکا ہوا شخص اپنی لاٹھی کے ساتھ، جسے ایک عورت سہارا دے رہی تھی۔ یہ ابو قحافہ اور قریبیہ تھے، ابوبکر کے والد اور بہن۔ اس صبح، جب ذو طویٰ میں نبی ﷺ کی آمد کی خبر آئی تو نابینا بوڑھے نے اپنی بیٹی سے کہا کہ وہ انہیں پہاڑ کی چوٹی تک لے جائے اور انہیں لشکر کے مقام کی خبر دے۔

جو کچھ وہ دیکھ سکتی تھیں، وہ بیان کرتی گئیں۔ ایک جوان اور مضبوط شخص کے طور پر، ابو قحافہ نے مکہ کے دوسری طرف کے پہاڑوں پر چڑھ کر ابرہہ کے ہاتھی والے لشکر کو دیکھا تھا۔ مگر اب وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور کئی سالوں سے نابینا تھے؛ لیکن انہوں نے اپنی بیٹی کی آنکھوں کے ذریعے دس ہزار کے اس لشکر کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، جس میں ان کے بیٹے اور دو پوتے بھی شامل تھے۔ قریبہ نے بتایا کہ اس نے ایک گھنے سیاہ ہجوم کو دیکھا، اور انہوں نے کہا کہ یہ گھڑ سوار ہیں جو حکم کے منتظر ہیں۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ سیاہ ہجوم چار الگ الگ حصوں میں بٹ گیا، اور اس کے والد نے کہا کہ فوراً انہیں گھر لے جائیں۔

ابھی وہ راستے میں تھے کہ گھوڑ سواروں کا ایک دستہ ان کے پاس سے گزرا، اور ایک شخص نے اپنے گھوڑے سے جھکتے ہوئے قریبہ کے گلے میں پہنی چاندی کی مالا چھین لی۔ اس کے علاوہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا اور وہ گھر بخیریت پہنچ گئے۔

وہ جبل ابو قبیس پر اکیلے نہ تھے۔ پہاڑ کے دوسرے حصے میں عکرمہ، صفوان اور سہیل نے قریش کے کچھ افراد اور ان کے بکر و ہذیل کے حلیفوں کے ساتھ ایک فوج جمع کر رکھی تھی۔ وہ لڑنے کے لیے پر عزم تھے، اور جب انہوں نے خالد کے دستے کو شہر کے نچلے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا تو نیچے اتر کر حملہ کر دیا۔ مگر خالد اور اس کے سپاہیوں کے سامنے وہ ٹھہر نہ سکے، اور انہیں بھاگنا پڑا۔ ان میں سے تقریباً تیس مارے گئے، جب کہ خالد کے دستے کے صرف دو افراد شہید ہوئے۔ عکرمہ اور صفوان گھوڑوں پر سوار ہو کر ساحل کی طرف فرار ہو گئے، اور سہیل نے اپنے گھر میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔

جب نبی کریم ﷺ اذخر کے راستے سے بالائی مکہ میں داخل ہوئے تو جنگ تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ بازار کی طرف دیکھ کر آپ ﷺ نے تلواروں کی چمک دیکھی اور فرمایا: "" کیا میں نے جنگ سے منع نہیں کیا تھا؟" لیکن جب آپ ﷺ کو صورتحال بتائی گئی تو فرمایا: "یہ اللہ کی مرضی سے بہتر ہوا۔

آپ ﷺ نے مسجد کے قریب وہ سرخ چمڑے کا خیمہ دیکھا جو ابو رافع نے نصب کر رکھا تھا۔ جابر کے ساتھ آپ ﷺ نے اس کی نشاندہی کی اور خدا کی حمد و شکر کے بعد "نیچے وادی کی طرف روانہ ہو گئے۔ فرمایا: "میں کسی بھی گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔

خیمے میں ام سلمہ، میمونہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا منتظر تھیں، اور ان کی آمد سے کچھ دیر پہلے ام ہانی بھی آ چکی تھیں۔ اسلامی قانون کے مطابق مسلمان خواتین اور مشرک مردوں کے درمیان نکاح ختم ہو گیا تھا، اور یہ ام ہانی کے ہبیرۃ سے نکاح پر بھی لاگو ہوتا تھا، جو مکہ کے زوال کو دیکھتے ہوئے نجران چلے گئے تھے۔ لیکن ان کے دو رشتہ دار، جن میں سے ایک ابو جہل کا بھائی تھا، خالد کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے اور بعد میں ام ہانی کے گھر پناہ لینے پہنچ گئے۔

پھر علیؓ انہیں سلام کرنے آئے، اور مخزومی قبیلے کے ان دونوں افراد کو دیکھ کر تلوار نکالی اور ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، حالانکہ ام ہانی نے انہیں پناہ دی تھی۔ لیکن ام ہانی نے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور ان کے اور علی کے درمیان آ کر کہا: "اللہ کی قسم! پہلے مجھے قتل کرو گے!" اس پر علیؓ نے تلوار نیام میں ڈال دی اور چلے گئے۔

جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنی چچازاد بہن کو بہت محبت سے سلام کیا۔ جب انہوں نے آپ ﷺ کو واقعہ بتایا تو فرمایا: "ایسا نہیں ہو گا۔ جسے تم "نے محفوظ کیا، ہم بھی اسے محفوظ رکھیں گے؛ جسے تم نے پناہ دی، ہم بھی اسے پناہ دیں گے۔

آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز ادا کی۔

اس کے بعد وہ ایک گھنٹے یا اس سے زیادہ دیر تک آرام کرتے رہے۔ پھر انہوں نے قسوہ کو طلب کیا، اور اپنے زرہ اور ہیلمٹ پہن کر اپنی تلوار بندھی، لیکن ان کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی، اور ان کا نقاب اوپر تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ جو صبح ان کے ساتھ سوار ہوئے تھے، پہلے ہی خیمے کے باہر لائن میں کھڑے تھے، اور انہوں نے ان کے ساتھ مسجد جانے تک ساتھ دیا، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر کے ساتھ بات کرتے ہوئے جا رہے تھے۔

آپ سیدھے خانہ کعبہ کے جنوب مشرقی کونے کی طرف روانہ ہوئے اور احترام کے ساتھ اپنی لاٹھی سے حجر اسود کو چھوا، اور جب آپ نے ایسا کیا تو آپ نے تکبیر کہی۔ جو لوگ آپ کے قریب تھے، وہ تکبیر دہراتے گئے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اور یہ تکبیر مسجد میں موجود تمام مسلمانوں نے اٹھائی، اور مکہ میں اس کی گونج سنائی دی، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ پھر آپ نے خانہ کعبہ کے سات چکر مکمل کیے، جبکہ محمد بن مسلمہ آپ کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ حج کے دوران یہ عزت پہلے خزرج کے ایک شخص کو دی گئی تھی، اس لیے اس بار یہ عزت اوس کے ایک شخص کو دی گئی۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی طرف سے رخ موڑا اور ان بتوں کی طرف بڑھنے لگے جو اس کے ارد گرد وسیع دائرے میں پھیلے ہوئے تھے، کل تین سو ساٹھ بت تھے۔ ان بتوں اور خانہ کعبہ کے درمیان آپ سوار ہوئے اور وحی کے آیت کو دہراتے ہوئے: "حق آ چکا اور باطل مٹ چکا، بے شک باطل ہمیشہ مٹنے والا ہے[1]"، اور آپ نے اپنی لاٹھی سے ہر بت کی طرف اشارہ کیا؛ اور جیسے ہی آپ نے اشارہ کیا، ہر بت اپنے منہ کے بل گر پڑا۔ جب آپ نے دائرہ مکمل کیا تو آپ اترے اور مقام ابراہیم پر نماز ادا کی، جو اس وقت خانہ کعبہ کے قریب تھا۔ پھر آپ زمزم کے کنوئیں کی طرف روانہ ہوئے جہاں عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو پانی پلایا؛ اور آپ نے ہمیشہ کے لیے ہاشم کے خاندان کے لیے حاجیوں کو پانی دینے کا حق مستحکم کیا۔ لیکن جب علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو خانہ کعبہ کی کنجی پیش کی، اور عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی کہ ان کے خاندان کو بھی اس کی حفاظت کا حق دیا جائے، تو آپ نے فرمایا: "میں تمہیں وہی دوں گا جو تم نے کھو دیا ہے، نہ کہ وہ جو دوسروں کے لیے نقصان دہ ہو۔" پھر آپ نے عبد دار کے شخص کو طلب کیا جو پہلے مدینہ میں خالد اور عمرو کے ساتھ آپ کے پاس آیا تھا، عثمان بن طلحہ، اور انہیں کنجی دے کر ان کے قبیلے کے روایتی حقِ حفاظت کو ہمیشہ کے لیے مستحکم کیا۔ عثمان نے ادب سے کنجی لی اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھولنے کے لیے روانہ ہوئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے تھے۔ اسامہ اور بلال قریب تھے، اور انہیں اندر آنے کا حکم دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان سے کہا کہ دروازہ بند کر دیں۔

مریم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر، اور ایک بوڑھے شخص کی تصویر، جسے ابراہیم علیہ السلام کہا جاتا تھا، کے علاوہ، اندر کی دیواروں پر بت پرستی کے دیوتاؤں کی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہاتھ سے تصویر پر تحفظ کے طور پر ہاتھ رکھا اور عثمان سے کہا کہ وہ تمام دیگر تصاویر، سوائے ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کے، مٹا دیں۔[2]

آپ کچھ دیر تک اندر رہے، پھر عثمان سے کنجی لے کر دروازہ کھولا؛ اور دروازے کے دہلیز پر کھڑے ہو کر کنجی ہاتھ میں پکڑے ہوئے فرمایا: "اللہ کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور قبیلوں کو شکست دی، صرف وہی۔" مکہ میں جو لوگ مسجد میں پناہ لیے ہوئے تھے، وہ اب ان لوگوں میں شامل ہو گئے تھے جو پہلے اپنے گھروں میں پناہ میں تھے، اور وہ خانہ کعبہ کے قریب گروپوں میں بیٹھے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اب ان سے کہا: "تم کیا کہتے ہو، اور تمہارا کیا خیال ہے

[1] XVII, 81. [2] W. 834; AI, 107

لیکن دیگر روایات میں "تمام" کہا گیا ہے بغیر ان دو استثناءات کا ذکر کیے .

انہوں نے جواب دیا: "ہم اچھی بات کہتے ہیں، اور ہم اچھا سمجھتے ہیں: ایک بلند مرتبہ اور سخی بھائی، جو ایک بلند مرتبہ اور سخی بھائی کا بیٹا ہے۔" ۔ یہ آپ کا حق ہے کہ آپ حکم دیں۔" پھر انہوں نے ان سے معافی کے وہی الفاظ کہے جو وحی کے مطابق حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہے تھے جب وہ مصر میں ان کے پاس آئے تھے: "بے شک میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا تھا: آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں اور نہ ہی کوئی سرزنش۔ اللہ تمہیں معاف کرے، اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔[1] "

ابو بکرؓ مسجد سے نکل کر اپنے والد کی زیارت کے لیے گئے تھے، اور اب وہ اپنے والد ابو قحافہؓ کا ہاتھ تھامے واپس آئے، ان کے پیچھے ان کی بہن قریبہؓ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے اس بوڑھے کو اس کے گھر میں کیوں نہیں چھوڑا تاکہ میں خود وہاں جا کر اس سے ملاقات کرتا؟" ابو بکرؓ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! یہ زیادہ مناسب تھا کہ وہ آپ کے پاس آئے، نہ کہ آپ ان کے پاس جاتے۔" رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ تھاما اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا، اور انہیں اسلام کی شہادتین دینے کی دعوت دی، جو انہوں نے فوراً قبول کر لی۔

پھر نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ہُبل، جو گرائے گئے بتوں میں سب سے بڑا تھا، کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور تمام بتوں کو جلا دیا جائے۔ اور یہ اعلان کروایا کہ جس کسی کے گھر میں بت موجود ہو، اسے تباہ کر دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ صفا کی پہاڑی پر چلے گئے، جہاں آپ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کو دعوت دی تھی۔ وہاں آپ ﷺ نے ان دشمنوں کی بیعت قبول کی جو اب اسلام میں داخل ہونا چاہتے تھے، مرد اور عورتیں دونوں۔ وہ سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے پاس آئے۔

ان خواتین میں ہند بھی شامل تھیں، جو ابو سفیان کی بیوی تھیں۔ وہ نقاب میں آئیں کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ کہیں نبی کریم ﷺ انہیں اسلام قبول کرنے سے پہلے قتل کا حکم نہ دے دیں۔ انہوں نے کہا: "اے اللہ کے رسول، تعریف اس کی ہو جس نے اس دین کو فتح دی جسے میں نے اپنے لیے منتخب کیا۔" پھر انہوں نے اپنا چہرہ بے نقاب کیا اور کہا: "میں ہند بنت عتبہ ہوں۔" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "خوش آمدید

ایک اور خاتون جو صفا پر آئیں، وہ ام حکیم تھیں، جو عکرمہ کی بیوی تھیں۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے شوہر کو امان دی جائے۔ آپ ﷺ نے انہیں امان دی، حالانکہ عکرمہ ابھی تک آپ ﷺ کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ ام حکیم ان کے پیچھے گئیں تاکہ انہیں واپس لے آئیں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے سامنے موجود مجمع کی طرف دیکھا اور اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے عباس رضی اللہ عنہ، تیرے بھائی کے دو بیٹے، عتبہ اور معتب کہاں ہیں؟ میں انہیں نہیں دیکھ رہا ہوں۔" یہ ابو لہب کے دو زندہ بچ جانے والے بیٹے تھے۔ عتبہ وہ تھے جنہوں نے اپنے والد کے دباؤ پر رقیہؓ کو طلاق دی تھی، اور ایسا لگتا تھا کہ وہ حاضر ہونے سے ڈر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "انہیں میرے پاس لاؤ۔" عباس رضی اللہ عنہؓ اپنے بھتیجوں کو بلا کر لایا، جنہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بیعت کی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کا ہاتھ تھاما اور انہیں لے کر اس عظیم دعا کی جگہ، الملتزم کی طرف گئے، جو کعبہ کی دیوار کا وہ حصہ ہے جو حجر اسود اور دروازے کے درمیان ہے۔ وہاں آپ ﷺ نے طویل دعا کی، اور جب عباس رضی اللہ عنہؓ نے آپ کے چہرے پر خوشی دیکھی تو اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے اپنے رب سے اپنے ان دونوں چچازادوں کو مانگا تھا، اور اس نے مجھے یہ عطا کر دیے[2]۔"

مکہ کے قریب تین اہم مشرکانہ معبدوں میں سب سے قریب کا معبد عزیٰ کا تھا جو نخلہ میں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اب خالد بن ولید کو بھیجا کہ وہ اس شرک کے مرکز کو تباہ کر دیں۔ جب اس کی خبر معبد کے متولی کو ملی تو اس نے اپنی تلوار عزیٰ کے بت پر لٹکائی اور دیوی کو پکارا۔

[1] XII, 92.   [2] IS. IV/I, 41-2

کہ وہ اپنی حفاظت کرے اور خالد کو مار ڈالے، یا پھر وہ ایک توحیدی بن جائے، خالد نے معبد اور اس کے بت کو منہدم کر دیا اور مکہ واپس آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "کیا تم نے کچھ دیکھا؟" خالد نے جواب دیا: "نہیں۔" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تو پھر تم نے اسے (عزیٰ کو) تباہ نہیں کیا۔ واپس جاؤ اور اسے تباہ کرو۔"

خالد دوبارہ نخلہ گئے، اور معبد کے ملبے سے ایک کالی عورت برہنہ حالت میں، کھلے اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ نمودار ہوئی۔ خالد نے بعد میں کہا: "میری ریڑھ کی ہڈی کانپنے لگی۔" لیکن انہوں نے بلند آواز سے کہا: "اے عزیٰ، تیرے لیے انکار ہے، عبادت نہیں!" پھر اپنی تلوار نکال کر اسے قتل کر دیا۔

واپس آکر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہلاکت سے بچایا! میں نے اپنے والد کو عزیٰ کے لیے سو اونٹ اور بکریاں قربان کرنے کے لیے جاتے دیکھا تھا۔ وہ تین دن وہاں رہتے اور خوش ہو کر واپس آتے تھے کہ انہوں نے بڑی عبادت انجام دی ہے!"[1]

اس دوران، مکہ کے زیادہ تر لوگوں نے بیعت کر لی تھی۔ سہیل اس میں شامل نہیں تھے، لیکن انہوں نے اپنے گھر میں پناہ لے رکھی تھی اور اپنے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا کہ ان کے حق میں سفارش کریں۔ اگرچہ عام معافی کا اعلان ہو چکا تھا، سہیل کو یقین نہیں تھا کہ یہ ان پر لاگو ہو گی۔ لیکن جب عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے بات کی، تو آپ ﷺ نے فوراً فرمایا: "وہ اللہ کی پناہ میں ہیں، انہیں آنے دو۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "سہیل کے لیے سخت نظریں نہ ڈالنا، اگر تم اس سے ملو! اسے آزادانہ آنے جانے دو، کیونکہ میری زندگی کی قسم، وہ ایک ذہین اور باعزت انسان ہے، جو اسلام کی حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔" سہیل آزادانہ آیا جایا کرتے، لیکن ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

صفوان کے لیے، ان کے چچازاد عمیر نے نبی کریم ﷺ سے دو ماہ کی مہلت حاصل کی۔ پھر وہ صفوان کے پیچھے گئے اور انہیں شعیبہ، جو اس وقت مکہ کی بندرگاہ تھی، میں ایک کشتی کے انتظار میں پایا۔ صفوان نے بدگمانی کا اظہار کیا اور اپنے منصوبے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ عمیر دوبارہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے، جنہوں نے اپنی یمنی دھاری دار پگڑی صفوان کے لیے تحفظ کے نشانی کے طور پر دی۔ اس نشانی نے صفوان کو قائل کیا، اور وہ واپس آکر مزید یقین دہانی حاصل کرنے پر راضی ہو گئے۔

صفوان نے نبی کریم ﷺ سے کہا: "اے محمد، عمیر مجھے کہتے ہیں کہ اگر میں ایک بات مان لوں" - ان کا اشارہ اسلام قبول کرنے کی طرف تھا - "تو ٹھیک، لیکن اگر نہیں، تو آپ نے مجھے دو ماہ کی مہلت دی ہے۔" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "یہاں ٹھہرو۔" صفوان نے کہا: "نہیں، جب تک آپ مجھے واضح جواب نہ دیں۔" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تمہیں چار ماہ کی مہلت ملے گی۔" صفوان نے مکہ میں ٹھہرنے پر رضامندی ظاہر کی۔

عکرمہ ان تین افراد میں آخری تھے جو فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے، لیکن وہ اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے تھے۔ انہوں نے تہامہ کے ساحل سے حبشہ کے لیے کشتی لینے کا فیصلہ کیا۔ جیسے ہی وہ کشتی پر سوار ہونے والے تھے، کپتان نے کہا: "اپنے دین کو اللہ کے ساتھ درست کر لو۔" عکرمہ نے کہا: "مجھے کیا کہنا چاہیے؟" کپتان نے جواب دیا: "کہو: لا الہ الا اللہ۔"

یہ چار الفاظ "لا الہ الا اللہ" عکرمہ کے دل میں اتر گئے، اور وہ جان گئے کہ وہ انہیں دل سے قبول کر سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے کشتی میں سوار ہونے سے انکار کر دیا، کیونکہ ان کے جانے کی واحد وجہ ان الفاظ سے فرار حاصل کرنا تھا، یعنی نبی کریم ﷺ کا پیغام جو "لا الہ الا اللہ" میں خلاصہ کیا گیا تھا۔

[1]W 873-4

جب عکرمہ کشتی میں سوار ہونے کے قریب تھے، تو انہوں نے دل میں سوچا: "ہمارا خدا سمندر میں بھی وہی ہے جو خشکی میں ہے۔" اس وقت ان کی بیوی ان کے پاس آئیں اور انہیں بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں ان کے لیے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔ یہ سن کر وہ فوراً واپس روانہ ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کو ان کے آنے کی خبر ملی تو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: "ابو جہل کا بیٹا عکرمہ تمہارے پاس ایک مؤمن کے طور پر آ رہا ہے۔ لہٰذا اس کے والد کو برا بھلا نہ کہنا، کیونکہ مردوں کو گالی دینا زندوں کو اذیت دیتا ہے اور مردوں تک نہیں پہنچتا۔"

جب عکرمہ مکہ پہنچے تو وہ سیدھے نبی کریم ﷺ کے پاس گئے۔ آپ ﷺ نے خوشی سے بھرے چہرے کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اسلام میں باقاعدہ داخل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "آج کے دن تم مجھ سے جو مانگو گے، میں تمہیں دوں گا۔"

عکرمہ نے عرض کیا: "میں آپ سے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ میری تمام دشمنیوں کو معاف کر دے جو میں نے آپ کے خلاف کیں۔" نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی جیسا کہ انہوں نے مانگا تھا۔

پھر عکرمہ نے ان تمام مال و دولت اور جنگوں کا ذکر کیا جو انہوں نے لوگوں کو حق کے راستے سے روکنے کے لیے خرچ کیے اور لڑیں۔ انہوں نے کہا: "اب میں اس سے دو گنا مال خرچ کروں گا اور دو گنی محنت کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کروں گا۔" اور انہوں نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔

LXXVI

The Battle of Hunayn and the Siege of Taif

حنین کی جنگ اور طائف کا محاصرہ

نبی کریم ﷺ کی قریش کے خلاف آخری فیصلہ کن کارروائی کے باوجود، قبیلہ ہوازن نے اپنی قوتیں جمع کرنا جاری رکھیں۔ مکہ کی آسان فتح اور وہاں کے تمام بتوں کی تباہی کی خبریں سن کر ان کے خدشات مزید بڑھ گئے۔ ان کے مقدس معبدلات کی بہن مانی جانے والی عزیٰ کے مندر کی تباہی نے ان کے خوف کو مزید بڑھا دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی مکہ میں دو ہفتے گزار چکے تھے، ہوازن نے طائف کے شمال میں اوطاس کی وادی میں اپنی فوج کو جمع کر لیا، جو تقریباً بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔

نبی کریم ﷺ نے مکہ کی ذمہ داری عبد شمس کے ایک فرد کے سپرد کی اور نو مسلموں کو اسلام کے معاملات کی تعلیم دینے کے لیے قبیلہ خزرج کے ایک نوجوان لیکن دین کے ماہر، معاذ بن جبل کو مقرر فرمایا۔ پھر آپ ﷺ اپنی پوری فوج کے ساتھ روانہ ہوئے، جس میں مکہ کے دو ہزار مزید افراد بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر نے حال ہی میں آپ ﷺ کی بیعت کی تھی، لیکن کچھ، جن میں سہیل اور صفوان شامل تھے، ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ صرف ہوازن کے خلاف اپنے شہر کا دفاع کرنے کے لیے آئے تھے۔

روانگی سے قبل، نبی کریم ﷺ نے صفوان سے درخواست کی کہ وہ اپنی سو زرہیں اور ان کے ساتھ موجود ہتھیار ادھار دیں۔ صفوان نے کہا: "اے محمد ﷺ، کیا یہ زبردستی کا معاملہ ہے: دو یا چھین لیا جائے گا؟" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "یہ صرف ایک قرض ہے جو واپس کیا جائے گا۔" اس پر صفوان راضی ہو گئے اور انہوں نے زرہیں اور ہتھیار فراہم کیے، جنہیں اونٹوں پر لاد کر لے جایا گیا۔

ہوازن کے قبائل میں شامل ثقیف، نصر، جُشَم، اور سعد بن بکر تھے۔ ان کا سپہ سالار مالک بن عوف تھا، جو قبیلہ نصر کا ایک 30 سالہ نوجوان تھا۔ اپنی جوانی کے باوجود، اس نے بہادری اور سخاوت میں شہرت حاصل کی تھی۔ بزرگوں کے مشورے کے برخلاف، اس نے حکم دیا کہ تمام عورتیں، بچے، اور مویشی بھی اس کے ساتھ میدان جنگ میں لائے جائیں تاکہ ان کے پیچھے موجود یہ لوگ مردوں کو زیادہ دلیر بنا دیں۔

انہوں نے مکہ سے آنے والی فوج کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے تین جاسوس بھیجے، لیکن وہ جلد ہی خوف زدہ حالت میں واپس آئے۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ صحیح طریقے سے بات بھی نہ کر سکتے تھے، اور خوف کی شدت سے ان کے جوڑ ڈھیلے پڑ گئے تھے، کچھ کے توہڈیاں اپنی جگہ سے ہل چکی تھیں۔: "ہم نے چتکبرے گھوڑوں پر سفید آدمیوں کو دیکھا، ایک نے کہا، 'اور فوراً ہم اس آفت سے متاثر ہوئے جو تم دیکھتے ہو

دوسرے نے کہا: "ہم زمین کے لوگوں سے نہیں لڑ رہے، بلکہ آسمان کے لوگوں سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمارا مشورہ ہے کہ پیچھے ہٹ جائیں، کیونکہ اگر ہماری فوج نے وہ دیکھا جو ہم نے دیکھا ہے، تو ان پر بھی وہی کیفیت طاری ہو گی۔"

مالک بن عوف نے ان کی باتوں کو ڈانٹ کر مسترد کر دیا اور انہیں کمزور دل قرار دے کر فوج سے الگ حراست میں رکھنے کا حکم دیا، تاکہ ان کی خوفزدہ حالت باقی فوج پر اثر انداز نہ ہو۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اندھیرا چھا جانے کے بعد حنین کی وادی کی طرف پیش قدمی کی جائے، جو دشمن کے گزرنے کا متوقع راستہ تھا۔ مالک نے وادی کے داخلی راستے پر اپنی فوج کو تعینات کیا۔ وادی کے دونوں اطراف میں کھائیاں تھیں، جنہیں اوپر سے دیکھا جا سکتا تھا لیکن نیچے سے وہ پوشیدہ تھیں۔ مالک نے ان کھائیوں میں اپنی کچھ فوج کو چھپایا، جنہیں اشارہ ملتے ہی حملہ کرنے کا حکم دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کو وادی کے دوسرے کنارے پر رات گزارنے کا حکم دیا۔ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے اپنی فوج کو نصیحت کی اور صبر کے ساتھ فتح کی خوشخبری دی۔ آسمان ابر آلود تھا اور صبح کا اجالا ابھی مکمل طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا جب مسلمان فوج وادی کے نشیب میں داخل ہوئی۔

خالد بن ولید ہمیشہ کی طرح لشکر کے آگے تھے، ان کے ساتھ سلیم قبیلہ کے لوگ اور دیگر افراد شامل تھے۔ اس کے بعد مکہ کے نئے مسلمانوں کا دستہ تھا۔ نبی کریم ﷺ اس دفعہ لشکر کے درمیان تھے، اپنے مہاجرین اور انصار کے دستے کے ساتھ۔ آپ کے ارد گرد آپ کے خاندان کے افراد بھی بڑی تعداد میں تھے، جن میں آپ کے چچا ابوسفیان، عبد اللہ، عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے فضل اور قثم، اور ابو لہب کے دو بیٹے شامل تھے۔

لشکر کا اگلا حصہ وادی کے نشیب میں داخل ہو رہا تھا کہ ہوازن کی فوج وادی کے اوپری کنارے پر ظاہر ہوئی۔ ان کی موجودگی نے نچلے حصے میں موجود مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ دشمن فوج کے پیچھے ہزاروں اونٹ، عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے، جو دھندلی روشنی میں بھی دشمن کی قوت کو مزید خوفناک بنا رہے تھے۔

مالک نے حملے کا اشارہ دیا، اور اچانک ہوازن کے دستے کھائیوں سے نکل کر خالد اور ان کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ یہ حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ بنی سلیم کے لوگ سنبھل نہ سکے اور بغیر کسی مزاحمت کے بھاگ نکلے۔ ان کے پیچھے موجود مکی لشکر بھی گھبرا کر واپس بھاگ نکلا۔

اس افراتفری کے دوران گھوڑوں اور اونٹوں کی بھگدڑ نے وادی کے تنگ حصوں کو بھر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس صورتحال میں اپنی جگہ سے دائیں طرف ہٹ کر ایک چھوٹے گروہ کے ساتھ مضبوطی سے جمے رہنے کا فیصلہ کیا۔ آپ کے ساتھ مہاجرین میں ابو بکر، عمر اور دیگر صحابہ موجود تھے۔

مددگاروں اور اس کے خاندان کے تمام افراد جو موجود تھے۔ حارث کے بیٹے ابو سفیان نبی ﷺ کے قریب کھڑے تھے اور انہوں نے دلدل کی لگام کو تھام رکھا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے افراد کو اپنے ساتھ شامل ہونے کے لئے پکارا، لیکن ان کی آواز جنگ کی ہلچل میں دب گئی۔ تو انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا، جو اپنی آواز کی طاقت میں ممتاز تھے، کہ وہ پکاریں: "اے کیکر درخت کے ساتھیوں! اے اکاسیا کے ساتھیوں!" فوراً ہر طرف سے جواب آیا: لبیک! "ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں"– جیسے ہی مددگار اور مہاجرین ان کے ساتھ جمع ہو گئے۔ وہ جلد ہی ایک سو افراد کے ساتھ تھے، اور وادی میں پھیل کر انہوں نے دشمن کے حملے کو لمحہ بھر کے لئے روک دیا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے مسلسل پکارنا جاری رکھا اور جنہوں نے پہلے فرار اختیار کیا تھا، وہ دوبارہ جنگ میں شامل ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رکاب میں کھڑے ہوئے تاکہ انہیں بہتر طور پر دیکھا جاسکے اور وہ بہتر طور پر دیکھ سکیں۔ دشمن ایک نیا حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا، اور انہوں نے دعا کی: "اے اللہ، میں تجھ سے تیرا وعدہ مانگتا ہوں!" پھر انہوں نے اپنے رضاعی بھائی کو کہا کہ انہیں کچھ کنکر دیں، اور وہ انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر دشمن کے سامنے پھینک دیے جیسے انہوں نے بدر میں کیا تھا۔ اچانک جنگ کا رخ بدل گیا– یا دراصل، یہ بات مومنوں کے لئے واضح نہیں تھی، لیکن دشمن کے لئے یہ واضح تھا، جیسا کہ پہلے ان کے جاسوسوں کو دکھائی دیا تھا؛ اور پھر وحی آئی: "اللہ نے تمہاری مدد کی ہے کئی میدانوں میں، اور یوم حنین میں، جب تم اپنے عدد پر خوش ہو گئے تھے اور وہ تمہیں کچھ نہ کام آئے، اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی تھی، اور تم پیچھے ہٹ گئے تھے۔ پھر اللہ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں پر سکون کی روح نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجوائیں جنہیں تم نے نہیں دیکھا، اور جنہوں نے کفر کیا ان کو عذاب دیا۔ یہی کافروں کا بدلہ ہے؛ اور اس کے بعد اللہ جس پر چاہے رحم کرتا ہے، بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔[1]"

فرار کا منظر بہت ہی خوفناک تھا: مالک نے بڑی بہادری سے لڑائی کی، لیکن آخرکار وہ قبیلہ ثقیف کے ساتھ اپنی قلعہ بند شہر طائف کی طرف پیچھے ہٹ گیا۔ ہوازن کے بڑا حصہ کا نخلہ تک پیچھا کیا گیا اور وہاں سے وہ اپنے کیمپ اوطاس واپس لوٹے؛ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فورس بھیجی تاکہ انہیں نکالا جائے، اور وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔

مسلمانوں نے جنگ کے ابتدائی مرحلے میں کئی افراد کو کھو دیا، خاص طور پر بنی سلیم جنہوں نے ابتدائی گھات کا بوجھ اٹھایا تھا۔ لیکن پہلے حملے کے بعد نسبتاً کم افراد قتل ہوئے۔ ان میں سے ایک ایمن تھا، جو اسامہ کا بڑا بھائی تھا، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب مشرکوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔

ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو جو پیچھے رہ گئے تھے قیدی بنالیا گیا؛ اور اونٹوں، بکریوں اور بھیڑوں کے علاوہ 4000 اونس (113,398 grams) چاندی بھی مال غنیمت میں شامل تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بُدایل کو اس کا ذمہ دار بنایا اور حکم دیا کہ اس سب کو لے کر، بشمول قیدیوں کے، قریبی وادی جعرانہ لے جایا جائے، جو مکہ سے تقریباً دس میل دور ہے۔

ہوازن کے لشکر میں بنی سعد بن بکر کا ایک دستہ بھی شامل تھا، وہ قبیلہ جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بچپن اور ابتدائی زندگی گزاری تھی؛ اور ان میں سے ایک بڑی عمر کی قیدی نے اپنے قید کرنے والوں کو یہ کہہ کر ملامت کی: "خدا کی قسم، میں تمہارے سردار کی بہن ہوں۔" انہوں نے اس پر یقین نہیں کیا، لیکن بہر حال وہ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آئے۔ "اے محمد، میں تمہاری بہن ہوں"، اس نے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا: وہ ایک بوڑھی عورت تھی، عمر ستر سال یا اس سے زیادہ کی۔ "کیا تمہارے پاس کوئی نشان ہے؟" انہوں نے پوچھا، اور اس نے فوراً انہیں اپنے جسم پر وہ نشان دکھایا۔

[1]IX 25-7

داغ کو دیکھ کر انہوں نے کہا: "تو نے مجھے کاٹ لیا تھا،" اس نے کہا، "جب میں تجھے وادیِ سارار میں لے جا رہی تھی۔ ہم وہاں چرواہوں کے ساتھ وہاں تھے۔۔ تیرا والد میرا والد تھا، اور تیری والدہ میری والدہ تھی۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ سچ کہہ رہی تھی: یہ واقعی شیماء تھی، جو ان کی رضاعی بہن تھی؛ اور اپنی چٹائی بچھا کر انہوں نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے جب انہوں نے حلیمہ اور حارث، اپنے رضاعی والدین، کے بارے میں پوچھا، اور اس نے بتایا کہ دونوں عمر کی بھرپور مدت گزار کر وفات پا چکے ہیں۔ جب انہوں نے بات کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یہ موقع دیا کہ وہ ان کے ساتھ رہنا چاہے یا بنی سعد کے قبیلے میں واپس جانا چاہے۔ اس نے کہا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتی ہے، مگر اپنے قبیلے میں واپس جانا پسند کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قیمتی تحفہ دیا، اور مزید دینے کا ارادہ رکھتے ہوئے، اسے کہا کہ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ کیمپ میں رہے، اور یہ کہا کہ وہ اپنے واپس آنے پر اسے دوبارہ دیکھیں گے۔ پھر وہ فوج کے ساتھ طائف کے لیے روانہ ہو گئے۔

قبیلہ ثقیف کے پاس اپنے شہر میں ایک سال کے لیے کافی ذخیرہ تھا۔ ان کے پاس جنگی مشینوں کا بھی کافی سامان تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف استعمال کرنے کا حکم دیا تھا جب سب کچھ ناکام ہو گیا تھا؛ اور وہ ماہر تیر انداز تھے۔ تیر اندازی کے کئی شدید جھڑپیں ہوئے، لیکن پندرہ دن گزر گئے اور مسلمان شہر کو فتح کرنے میں اتنی ہی دور تھے جتنے وہ پہلے دن تھے۔ اس دوران جو سب سے اہم کامیابی حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ کچھ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن یہ اعلان کیا تھا کہ "جو بھی ثقیف کا غلام مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گا، اسے آزاد کر دیا جائے گا۔" تقریباً بیس غلام اس شہر سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے، اور کیمپ میں آ کر انہوں نے اپنی بیعت کی۔

تقریباً ایک اور ہفتہ گزر گیا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ انہیں مکھن کا ایک پیالہ دیا گیا، اور ایک مرغی آئی اور اس میں چونچ مار کر مکھن گرا دیا۔ ابو بکر نے کہا: "مجھے نہیں لگتا کہ تم آج ان سے وہ حاصل کر پاؤ گے جو تم چاہتے ہو۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اتفاق کیا۔ شاید وہ پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ ثقیف کا محاصرہ کرنا ان کے خلاف لڑنے کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔ بہر حال، انہوں نے محاصرہ ختم کرنے اور جعرانہ جانے کا حکم دیا۔ جب وہ شہر سے روانہ ہو رہے تھے، تو کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے باشندوں پر لعنت کرنے کو کہا۔ بغیر کسی جواب کے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا: "اے اللہ، ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں ہمارے پاس لے آ۔"

طائف کی دیواروں کے نیچے جن لوگوں کی موت ہوئی تھی ان میں ام سلمہ کے سوتیلے بھائی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کزن عبد اللہ بھی شامل تھے، جو حال ہی میں اسلام لائے تھے۔

LXXVII

Reconciliations

مفاہمتیں

جب فوج جعرانہ پہنچی تو قیدیوں کو ایک بڑے احاطے میں رکھا گیا، جو سورج سے بچاؤ کے لیے تھا، جس میں تقریباً چھ ہزار عورتیں اور بچے تھے۔ ان میں سے بیشتر بہت کمزور حالت میں تھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خزاعہ کے ایک آدمی کو مکہ بھیجا تاکہ وہ ہر ایک کے لیے نیا لباس خریدے، جس کی قیمت غنیمت میں سے نکلے۔ اونٹوں کی تعداد تقریباً چوبیس ہزار تھی؛ جہاں تک بکریوں اور بھیڑوں کا تعلق ہے، ان کی تعداد کا کسی نے اندازہ نہیں لگایا، مگر اندازہ تھا کہ یہ چالیس ہزار کے قریب ہوں گی۔

بہت سے لوگ غنیمت میں سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے لیے بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک کسی بھی حتمی فیصلے پر پہنچنا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ انہیں توقع تھی کہ قبیلہ ہوازن ان سے مہربانی کی درخواست کرنے کے لیے ایک وفد بھیجے گا۔ تاہم، ایک شعبہ تھا جس کی تقسیم میں وہ تاخیر نہیں چاہتے تھے۔ غنیمت کا پانچواں حصہ وہی مقصد پورا کرتا تھا جو صدقات کی رقم کا تھا؛ اور حالیہ وحی نے ایک نیا طبقہ متعارف کرایا تھا جسے اس طرح کے فنڈز سے فائدہ پہنچانا ضروری تھا، یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کو مصلحت کی ضرورت تھی۔

وحی وہ آیت تھی: "صدقہ و خیرات غریبوں اور محتاجوں کے لیے ہے، اور جو انہیں جمع کرتے ہیں ان کے لیے بھی، اور جن کے دلوں کو ملانا مقصود ہو، اور غلاموں اور قیدیوں کو آزاد کرنے کے لیے، اور قرضداروں کی مدد کے لیے، اور اللہ کی راہ میں، اور مسافروں کے لیے —یہ وہ فرض ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔[1]"

دلوں کو ملانا کی مصلحت کی فوری مثال وہ لوگ تھے جو حال ہی میں اسلام لائے تھے، خاص طور پر قریش کے وہ لوگ جو حالات کے زور پر اسلام میں داخل ہوئے تھے جب ان کی دنیا- عرب کی جاہلیت کی دنیا- نئے مذہب کے قیام کے باعث ٹوٹ چکی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کو سو اونٹ دیے، اور جب اس نے یہ درخواست کی کہ اس کے دونوں بیٹے یزید اور معاویہ کو نہ بھولا جائے تو انہیں بھی سو سو اونٹ دیے گئے، یعنی دراصل ابوسفیان نے تین سو اونٹ حاصل کیے۔ یہ بات دوسرے لوگوں کی نظر سے بھی بچی نہیں رہی، اور جب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم کو سو اونٹ دیے گئے تو اس نے مزید دو سو کی درخواست کی، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً دے دیے۔

جیسے ابوسفیان کے معاملے میں، کسی قسم کی ہچکچاہٹ یا رکاوٹ دینے کے مقصد کو نقصان پہنچاتی۔ لیکن حکیم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی کہا: "یہ مال ایک خوبصورت سرسبز چراگاہ ہے۔ جو اسے دل کی سخاوت سے لے گا، وہ اس میں برکت پائے گا؛ لیکن جو اسے اپنی غرور کی بنا پر لے گا، وہ اس میں برکت نہیں پائے گا؛ اور وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو کھاتا ہے لیکن بھر نہیں پاتا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے؛

[1] IX, 60.

اور اپنے دینے کا آغاز اپنے اہلِ خانہ سے کرجو تم پر محتاج ہیں"

حکیم نے کہا: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، میں آپ کے بعد کسی سے کچھ نہیں لوں گا۔" حکیم نے یہ عزم کیا کہ آئندہ ہمیشہ اس کا ہاتھ بلند ہو گا اور اس نے صرف سو اونٹ لیے، باقی کا دعویٰ چھوڑ دیا۔[1]

اسی قسم میں شامل افراد وہ تھے جو ابھی فیصلہ کرنے کے قریب تھے اور اسلام میں داخل ہونے کے بارے میں شک میں تھے۔ ان میں سے کچھ کو بھی سو اونٹ دیے گئے۔ ان میں سب سے اہم صفوان اور سہیل تھے۔ دونوں نے جنگ حنین میں حصہ لیا تھا، اور جب مکہ کے ایک غیر مسلم نے مسلمانوں کی ابتدائی شکست پر خوشی کا اظہار کیا تو صفوان نے سختی سے اس کی سرزنش کی: "اگر مجھے کوئی حکمران چاہیے، تو وہ قریش کا ہونا چاہیے، نہ کہ ہوازن کا!"

جب صفوان نے سو اونٹ حاصل کیے، تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جعرانہ کی وادی میں غنیمت کا جائزہ لینے کے لیے گئے۔ وہاں کئی چھوٹی وادیاں کھلتی تھیں اور ایک وادی خاص طور پر سرسبز تھی، جس میں اونٹ، بھیڑیں اور بکریاں اور ان کے چرواہے موجود تھے۔ صفوان جب یہ منظر دیکھ رہا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: "کیا یہ وادی تمہیں پسند آئی؟" اور جب صفوان نے دل سے اس کی تعریف کی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ تمہاری ہے، اور جو کچھ بھی اس میں ہے۔" صفوان نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ ایسی سچائی کوئی نہیں رکھتا سوائے ایک نبی کے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہو۔"

جہاں تک سہیل کا تعلق ہے، تو جعرانہ میں ہی اس کی تمام شک و شبہات دور ہو گئیں، چاہے وہ اپنے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوبارہ ملاقات سے تھا، یا جنگ حنین کی شاندار فتح کو دیکھ کر تھا، یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی اور ان کی سخاوت کو دیکھ کر، یا یہ سب مل کر تھا؛ لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسلام قبول کیا؛ اور تین سال بعد جب عبد اللہ رضی اللہ عنہ جنگ میں شہید ہو گیا، اور ابو بکر نے اس کے والد کو تسلی دی، تو وہ جواب میں کہنے لگے: "مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا تھا: 'شہید اپنے ستر افراد کے لیے شفاعت کرے گا۔' اور مجھے امید ہے کہ میرا بیٹا میرے بعد کسی اور کی شفاعت نہیں کرے گا۔"

جعرانہ میں وہ لوگ بھی اسلام لائے جن میں مکہ کے قریش کے اہم افراد شامل تھے: ابو جہل کے دو بھائی، خالد کے سوتیلے بھائی حشام، جو ان ولید کے والد جو حال ہی میں شہید ہوئے تھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ کے دوسرے بیٹے زہیر، جن کا بھائی حال ہی میں طائف میں شہید ہوا تھا۔ یہ زہیر ہی تھے جنہوں نے تقریباً دس سال قبل ابو جہل کے خلاف ببانگ دہل اس اجتماع میں بانی ہاشم اور بنی عبد المطلب رضی اللہ عنہ پر عائد پابندی کے خاتمے کے حق میں پہلی بار آواز اٹھائی تھی۔ ان کی والدہ عاتکہ پہلے ہی اسلام قبول کر چکی تھیں، دونوں بیٹوں سے پہلے۔

مسلمانوں کی فوج نے اب کئی دن وادی میں گزارے، لیکن ابھی تک ہوازن کا کوئی وفد نہیں آیا تھا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سپاہی کو اس کا حصہ دے دیا۔ جوں ہی انہوں نے یہ کام مکمل کیا، وفد پہنچ گیا، اور اس میں ان کے رضاعی والد حارث کے بھائی بھی شامل تھے۔ ان میں سے چودہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ باقیوں نے بھی اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ تمام قبیلہ ہوازن کو آپ کا رضاعی رشتہ دار سمجھا جائے۔ اور ان کے ساتھ سخاوت کا سلوک کریں۔

[1] W.945

"ہم نے تمہیں اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا تھا اور تمہیں پالا تھا۔" انہوں نے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ وہ ان کا انتظار کر چکے تھے جب تک انہیں یہ یقین ہو گیا کہ وہ نہیں آئیں گے، اور اس وقت غنیمت تقسیم کی جا چکی تھی۔ پھر، حالانکہ انہیں پہلے ہی جواب معلوم تھا، انہوں نے ان سے پوچھا کہ ان کے لیے زیادہ قیمتی کیا ہے، ان کے بیٹے اور بیویاں، یا ان کی جائیداد؟ جب انہوں نے کہا "ہمیں ہمارے بیٹے اور بیویاں واپس دے دو"، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو کچھ میرے اور عبد المطلب کے بیٹوں کے حصے میں آیا ہے، وہ تمہارا ہے؛ اور میں تمہارے لیے دوسرے لوگوں سے درخواست کروں گا۔ جب میں نماز ظہر کی امامت کر چکوں گا، تو تم یہ کہنا: 'ہم اللہ کے رسول سے ہماری طرف سے مسلمانوں کے ساتھ شفاعت کرنے کی درخواست کرتے ہیں، اور ہم مسلمانوں سے اللہ کے رسول کے ساتھ ہماری طرف شفاعت کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔[1]"

انہوں نے جیسا کہ بتایا گیا تھا ویسا کیا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتماع سے کہا کہ وہ اپنے بیٹے اور بیویوں کو واپس حاصل کرنے کے لیے درخواست کر رہے ہیں۔ مہاجرین اور انصار نے فوراً اپنے قیدیوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ جہاں تک قبیلوں کا تعلق تھا، کچھ نے ایسا ہی کیا، اور کچھ نے انکار کیا؛ لیکن جنہوں نے انکار کیا تھا انہیں قائل کیا گیا کہ وہ اپنے قیدیوں کو واپس کر دیں، اور ان کے بدلے میں مستقبل میں معاوضہ دیا جائے گا؛ اور یوں سب کو ان کے لوگوں کے حوالے کر دیا گیا، سوائے ایک نوجوان عورت کے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی سعد بن زہری کے حصے میں آئی تھی، اور وہ ان کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دودھ پیتی بہن کو مزید اونٹ اور کچھ بھیڑیں اور بکریاں دیں اور الوداع کہا۔

پھر، جب وفد جا رہا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے رہنما مالک کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ طائف میں ثقیف کے ساتھ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اسے پیغام بھیجو کہ اگر وہ اسلام قبول کر کے میرے پاس آئے، تو میں اس کا خاندان اور اس کی جائیداد واپس کر دوں گا، اور اسے سو اونٹ دوں گا۔" انہوں نے نے جان بوجھ کر مالک کے خاندان کو اپنی پھوپھی عاتکہ کے پاس مکہ میں ٹھہرا دیا تھا، اور اس کی جائیداد تقسیم ہونے سے روکی تھی۔

جب یہ پیغام مالک تک طائف پہنچا، تو اس نے ثقیف سے کچھ نہ کہا تا کہ انہیں شک نہ ہو کہ وہ کیا ارادہ رکھتے ہیں؛ اور رات کے وقت شہر چھوڑ کر کیمپ پہنچا اور اسلام قبول کر لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ہوازن کی بڑھتی ہوئی مسلمان کمیونٹی کا قائد مقرر کیا اور ہدایت دی کہ ثقیف کو آرام کا موقع نہ دیا جائے۔ طائف کا محاصرہ اٹھانا صرف ایک مختصر وقفہ تھا۔ ایک اور قسم کا محاصرہ، جو کم شدت والا مگر زیادہ مستقل تھا، اب اس کی جگہ لے رہا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگرچہ دین میں طاقت ہے جو انسانوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے، یہ طاقت اس بات پر منحصر تھی کہ دین کو کسی نہ کسی حد تک عزم کے ساتھ قبول کیا جائے، نہ کہ محض رسمی طور پر۔ اس عزم کی راہ میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے، جیسے کہ مایوسی یا نفرت کا احساس، وہ اصول ظاہر ہوا جس کے تحت ان لوگوں کو دینے کا حکم دیا گیا تھا جن کے دلوں میں موافقت کی ضرورت تھی؛ لیکن یہ اصول ابتدا میں بہت سے بزرگ صحابہ، اور دوسرے لوگوں، کے لیے سمجھنا مشکل تھا۔ پہلے ہی ذکر کیے گئے افراد کے علاوہ، کچھ مشہور بدویوں کو بھی بڑے تحائف دیے گئے تھے جن کا اسلام پر کوئی سوالیہ نشان تھا، جبکہ صحرا کے کچھ زیادہ مستحق افراد کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ حضرت سعد بن زہرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ نے غطفان کے عیینہ اور تمیم کے اقرع کو سو سو اونٹ دیے، مگر دمرۃ کے عبادت گزار جُعَیل کو کچھ نہ دیا، حالانکہ وہ دوسرے دونوں کی نسبت انتہائی غریب تھا۔

[1] 1.1. 877

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جُعیل اُعیینہ اور اقرع جیسے دنیا بھر کے آدمیوں سے زیادہ قیمتی ہے؛ لیکن میں نے ان کی روحوں کو اس لیے نرم کیا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے بہتر طریقے سے جھک سکیں[1]، جب کہ جُعیل کو میں نے اس اسلام کے سپرد کر دیا ہے جو وہ پہلے ہی قبول کر چکے ہیں۔"[2]"

مہاجرین کی طرف سے مزید کوئی اعتراض نہ تھا؛ لیکن جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام جِعرانہ (Jiranah) میں رہا، چار ہزار انصار کے درمیان روحانی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ان میں سے بہت سے غریب تھے، اور بے شمار غنائم میں سے ہر ایک کو صرف چار اونٹ یا ان کے مساوی بھیڑ بکریاں ملی تھیں۔ انہیں قیدیوں سے اچھے تاوان کی امید تھی، مگر اپنے حصے کو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے بے دھڑک قربان کر دیا تھا۔ اسی دوران انہوں نے قریش کے سولہ بااثر لوگوں اور دیگر قبائل کے چار سرداروں کو قیمتی تحائف دیے جاتے ہوئے دیکھا۔ ان تمام وصول کنندگان میں سے سب مالدار تھے۔ لیکن انصار میں سے کسی کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تحفہ نہیں ملا۔ یہی حال مہاجرین کا بھی تھا؛ لیکن مدینہ کے شہریوں کے لیے اس میں کوئی تسلی نہیں تھی کیونکہ زیادہ تر تحائف قریش کے لوگوں کو گئے، یعنی مہاجرین کے قریب ترین رشتہ داروں کو۔ "اللہ کے رسول نے اپنے لوگوں کو شامل کر لیا ہے،" انصار آپس میں کہہ رہے تھے۔ "جب جنگ ہوتی ہے تو ہم اس کے ساتھی ہیں، مگر جب غنائم کی تقسیم ہوتی ہے تو اس کے ساتھی اس کے اپنے لوگ اور خاندان ہوتے ہیں۔ اور ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کہاں سے آ رہا ہے: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے، تو ہم اسے صبر کے ساتھ قبول کرتے ہیں؛ مگر اگر یہ محض اللہ کے رسول کے ذہن میں آنے والا خیال ہے، تو ہم اسے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ بھی برتاؤ کرے۔"

جب ان میں جذبات ابھرے، تو سعد بن عبادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور انہیں اپنے دل کی باتیں بتائیں۔ "تو اس معاملے میں کہاں کھڑا ہے، اے سعد؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے اللہ کے رسول،" انہوں نے جواب دیا، "میں ان میں سے ہوں۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کہاں سے آ رہا ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ تمام انصار کو ایک جگہ جمع کریں، جو قیدیوں کو پناہ دینے والے خیموں میں سے ایک تھی؛ اور کچھ مہاجرین بھی ان کے ساتھ آ گئے، سعد کی اجازت سے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے، اور اللہ کی تعریف و شکر کے بعد انہوں نے ان سے فرمایا: "اے انصار! مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے دلوں میں میرے خلاف بے چینی ہے۔ کیا میں نے تمہیں بھٹکا ہوا نہ پایا اور اللہ نے تمہیں ہدایت دی، تمہیں فقیر پایا اور اللہ نے تمہیں مالدار کر دیا، تم میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا دشمن پایا اور اللہ نے تمہارے دلوں کو یکجا کر دیا؟" "جی ہاں،" انہوں نے جواب دیا۔ "اللہ اور اس کے رسول بہت زیادہ مہربان اور شکر گزار ہیں۔" "کیا تم مجھ سے بدلہ نہیں لے سکتے؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ہم کس طرح بدلہ لے سکتے ہیں؟" انہوں نے کچھ حیرانی سے پوچھا۔ "اگر تم چاہو،" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تو تم مجھ سے یہ سچ کہہ سکتے ہو، اور سچ کہہ کر یقیناً تمہاری بات مانی جائے گی: 'تم ہمارے پاس بے عزت ہو کر آئے، اور ہم نے تمہیں عزت دی، تم تنہا تھے اور ہم نے تمہاری مدد کی، تم اجنبی تھے اور ہم نے تمہیں پناہ دی، تم فقیر تھے اور ہم نے تمہاری تسلی کی۔' اے انصار، کیا تمہیں دنیا کی چیزوں پر غم ہے جن کے ذریعے میں نے لوگوں کے دلوں کو اللہ کے سامنے جھکنے کے لیے نرم کیا، جب کہ میں نے تمہیں تمہارے اسلام پر چھوڑ دیا؟ کیا تمہیں خوشی نہیں ہے، اے انصار، کہ لوگ اپنے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے ساتھ جا رہے ہیں، اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو اپنے گھروں میں لے جا رہے ہو؟ اگر تمام لوگ سوائے انصار کے ایک طرف جائیں اور انصار دوسری طرف جائیں، تو میں انصار کے ساتھ جاؤں گا۔ اللہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔"

[1][2] اسلام. W.94 8.

"اور انصار اور ان کے بیٹوں اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں پر۔" وہ رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں آنکھوں کے آنسو سے تر ہو گئیں، اور ایک آواز میں کہا: "ہم اللہ کے رسول کو اپنے حصے اور اپنے نصیب کے طور پر خوشی سے قبول کرتے ہیں۔[1]"

.[1]I.I. 886

LXXVIII

After the Victory

فتح کے بعد

جِعرانہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ مدینہ پہنچنے سے کچھ پہلے آپ کو **عروہ بن مسعود ثقفی** نے آلیا، جو حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی اپنے رہنما کے لیے عقیدت سے بہت متاثر ہوا تھا[1]۔ عروہ حالیہ مہم کے دوران یمن میں موجود تھا، اور جب وہ واپس آیا تو حنین کی معجزانہ فتح کے بارے میں سنی گئی تفصیلات نے اسے اس ارادے پر آمادہ کیا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرے۔

بیعت کے بعد اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ طائف واپس جا کر ثقفی قبیلے کو اسلام کی دعوت دے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔"** عروہ نے کہا: **"یارسول اللہ، میں ان کے لیے ان کے پہلوٹھے بیٹے سے زیادہ عزیز ہوں۔"** نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: **"وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔"** لیکن جب عروہ نے تیسری بار اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: **"پھر جاؤ اگر تم چاہو۔"**

یہ وہی ہوا جیسا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ طائف میں عروہ کے گھر کو تیر اندازوں نے گھیر لیا، اور جلد ہی وہ ایک تیر کے زخم سے جاں بحق ہو گئے۔ ان کے خاندان والوں نے ان سے ان کے موت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: **"یہ اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے جو اس نے اپنے فضل سے مجھے دی ہے۔"** پھر انہوں نے اپنے خاندان والوں کو حکم دیا کہ انہیں ان شہداء کے ساتھ دفن کیا جائے جو حالیہ طائف کے محاصرے میں شہید ہوئے تھے، اور ان کی وصیت پر عمل کیا گیا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: **"عروہ ویسے ہی ہے جیسے یاسین والے آدمی تھے۔"**[2] یہ آدمی **حبیب نجار** تھا، جو انطاکیہ کا ایک بڑھئی تھا۔ اس نے اپنی قوم کو حضرت عیسیٰ کے پیغام کو قبول کرنے کی دعوت دی تھی، جب انہوں نے حضرت پطرس اور دیگر رسولوں کو نکال دیا تھا۔ انہوں نے حبیب نجار کو قتل کر دیا[3]، اور قرآن کی آیات کے مطابق: **"اس سے کہا گیا:** جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس نے کہا: کاش میری قوم جانتی کہ اللہ نے مجھے کیسے معاف کیا اور مجھ پر اپنا فضل کیا[4]۔ عروہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اور بھتیجے طائف چھوڑ کر مدینہ آئے، جہاں انہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے چچازاد مغیرہ، جو مہاجرین میں سے تھے، کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ اسی دوران، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کی موت، جو غزوہ موتہ میں ہوئی، نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف ایک قیمتی ساتھی بلکہ ایک عظیم شاعر سے بھی محروم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اشعار کو حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن مالک کے برابر اہمیت دیتے تھے۔ اس وقت کے دو مشہور عرب شاعر جو سب پر بازی لے گئے تھے، ان میں ایک **لبید** تھے[5] اور دوسرے **کعب**، جو پچھلی نسل کے مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمہ کے بیٹے تھے۔

اگرچہ وہ مزینہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، لیکن کعب نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ غطفان کے ساتھ گزارا تھا، اور اس وجہ سے وہ اپنے قبیلے میں موجود اسلام کے طاقتور اثر و رسوخ کے زیر اثر نہیں آئے تھے۔

صفحہ دیکھیں 250. [2] سورہ XXXVI. [3] W.961.
[4] XXXVI, 26-7. [5] صفحہ دیکھیں 93.

اس کا بھائی بُجیر حدیبیہ کے بعد اسلام میں داخل ہو چکا تھا، لیکن کعب نے نئے دین کو سختی سے مسترد کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طنزیہ اشعار کہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ جو شخص اس مجرم کو قتل کرے گا، وہ اللہ کے دین کی خدمت کرے گا۔ بُجیر نے پہلے ہی اپنے بھائی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر معافی مانگنے پر قائل کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن بے سود۔ بُجیر نے کہا تھا: "وہ اُس شخص کو قتل نہیں کرتے جو توبہ کے ساتھ ان کے پاس آتا ہے۔"

فتح مکہ کے بعد، بُجیر نے ایک نظم کے ذریعے اپنے بھائی کو اسلام کی دعوت دی، جس میں درج ذیل اشعار شامل تھے

"اللہ کی طرف رجوع کر، نہ کہ عزیٰ یا لات کی طرف،
کیونکہ بچنے کا راستہ صرف اللہ کی طرف سے ہے، اگر بچ سکے،
ایک ایسے دن میں جب فرار کا کوئی راستہ نہ ہو گا،
سوائے اُس کے جس کا دل اللہ کی اطاعت میں پاک ہو گا۔"

مسلسل بڑھتے ہوئے اسلام قبول کرنے والوں کو دیکھ کر کعب کو لگا جیسے زمین اس پر تنگ ہو رہی ہو، اور اپنی جان کے خوف سے وہ مدینہ آیا۔ وہاں اس نے جہینہ قبیلے کے ایک دوست کے گھر میں اسلام قبول کیا۔ اگلے دن وہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں حاضر ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ اس نے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا:

"یا رسول اللہ، اگر زہیر کا بیٹا کعب آپ کے پاس توبہ اور اسلام قبول کرتے ہوئے آئے، اور آپ سے معافی مانگے، تو کیا آپ اسے قبول کریں گے؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، میں اسے قبول کروں گا۔"

کعب نے کہا: "یا رسول اللہ، میں زہیر کا بیٹا کعب ہوں۔ یہ سن کر ایک انصاری صحابی کھڑے ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں اس کا سر قلم کرنے دیں، لیکن آپ نے فرمایا:

"اسے چھوڑ دو، کیونکہ یہ توبہ کر کے آیا ہے اور اب ویسا نہیں رہا جیسا پہلے تھا۔"

اس کے بعد کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک قصیدہ پڑھا، جو عربی شاعری کے روایتی بدوی انداز میں تھا۔ یہ قصیدہ فصاحت و بلاغت سے بھرپور اور خوش آہنگ تھا، جس میں قدرت کے مناظر کی خوبصورت تصویریں بھی شامل تھیں۔ اس کا مرکزی مضمون معافی کی درخواست تھا، اور آخر میں اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی تعریف کی، جن کے بارے میں اس نے کہا "رسولؐ نور ہیں، نور کا سرچشمہ،
اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھینچی ہوئی تلوار۔
قریش کے ساتھی، جب انہوں نے مکہ کی وادی میں اسلام کو چُنا،
لوگوں نے کہا: 'چلے جاؤ!'
وہ گئے، نہ کمزور تھے، نہ بھاگنے والے،
بلکہ بہادر، شان و شوکت والے،
داؤد کے بنائے ہوئے زرہ بکتر پہنے ہوئے، لڑائی کے لیے تیار۔"[1]

جب کعب نے اپنا قصیدہ ختم کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یمنی دھاری دار چادر اتار کر شاعر کے کندھوں پر ڈال دی، اس کی زبان کی مہارت کے اعتراف کے طور پر[2]۔ بعد میں آپ نے فرمایا یہ بات جب کعب کو بتائی گئی تو اس نے انصار کے بارے میں ایک اور قصیدہ لکھا، جس میں ان کی جنگی بہادری، حفاظت کی یقین دہانی، اور مہمان نوازی کی سخاوت کو بیان کیا۔[3]

[1] قرآن مجید میں (سورۃ سبا، آیت 11) میں ذکر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہ سازی (چین کی زرہ) ایجاد کی تھی۔

[2] I.I. 893. [3] I.H. 893

انہیں ماریہ کے بچے کی پیدائش کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ سلمٰی، جو کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بچوں کی پیدائش کے وقت ان کی معاونت کرتی تھیں، اب ایک بزرگ خاتون بن چکی تھیں۔ انہیں پچپیس سال ہو چکے تھے جب انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دنیا میں لانے میں مدد کی تھی؛ تاہم وہ اس بات پر اصرار کرتی تھیں کہ وہ نبی کے اس نئے بچے کی پیدائش میں بھی وہی مدد فراہم کریں گی۔ لہذا جب پیدائش قریب آنے کی پیش گوئی کی گئی، تو وہ مدینہ کے اوپر والے حصے میں جہاں ماریہ رہتی تھی، منتقل ہو گئیں۔

بچہ رات کو پیدا ہوا، اور اسی رات جبرائیل نبی ﷺ کے پاس آئے اور انہیں اس طرح خطاب کیا جیسے پہلے کبھی نہیں کیا تھا: "اے ابراہیم کے والد۔" پیدائش کے فوراً بعد سلمٰی نے اپنے شوہر ابو رافع کو بھیجا تاکہ وہ نبی ﷺ کو بتا سکیں کہ انہیں بیٹا ہوا ہے؛ اور اگلے دن صبح، فجر کی نماز کے بعد، نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس خوشخبری دی۔ "اور میں نے اس کا نام اپنے والد کے نام پر ابراہیم رکھا ہے،" انہوں نے کہا۔ مدینہ میں بڑی خوشی کا اظہار ہوا، اور انصار کی عورتوں کے درمیان یہ مقابلہ شروع ہو گیا کہ کون بچے کی رضاعی ماں بنے گا۔ انتخاب ایک لوہار کی بیوی پر ہوا جو مدینہ کے اوپر والے حصے میں رہتی تھی اور بچے کی ماں کے قریب تھی؛ اور نبی ﷺ روزانہ اپنے بیٹے کو دیکھنے آتے تھے اور اکثر وہاں آرام کرتے تھے۔

کبھی کبھار ابراہیم کو اس کے والد کے گھر لایا جاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا کر ان کے پاس لائے اور فرمایا: "دیکھو، یہ مجھ سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے۔" حضرت عائشہ نے کہا: "مجھے کوئی مشابہت نظر نہیں آتی۔" نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا تم نہیں دیکھتیں کہ یہ کتنا صاف رنگت والا اور نازک جسم والا ہے؟" حضرت عائشہ نے جواب دیا: "جو بچے بکریوں کے دودھ پر پلتے ہیں وہ ہمیشہ تندرست اور خوبصورت رنگت کے ہوتے ہیں۔" ایک گلہ بان کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ روزانہ بچے کی دودھ پلانے والی ماں کو دودھ بھیجے۔۔

نبی ﷺ مکہ سے مدینہ واپس آنے کے بعد چھ ماہ تک مدینہ میں رہے، اور اس دوران انہوں نے کئی چھوٹے فوجی مشن بھیجے۔ ان میں سے ایک، جس کی قیادت علی بن ابی طالب نے کی، قبیلہ طے کے خلاف تھا جو مدینہ کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ علی کو پہلے بھی قضاۃ پر منات کے معبد کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، تاکہ عرب کے تین اہم ترین بتوں میں سے ایک باقی رہ جائے، جو کہ طائف میں اللات کا معبد تھا۔ لیکن فُلس کا معبد طے کے لوگوں کے لیے بت پرستی کا مرکز تھا جو عیسائی نہیں تھے؛ اور اس حملے کا بنیادی مقصد اس معبد کو تباہ کرنا تھا۔ طے قبیلہ شاعر حاتم کا تھا۔ ان کا بیٹا عادل، جو اپنے والد کی طرح عیسائی تھا، ان کے انتقال کے بعد قبیلے کا سردار بن گیا تھا۔

علی اور ان کے ساتھیوں کی اچانک آمد پر عادل اپنی قریبی فیملی کے ساتھ فرار ہو گیا، سوائے اپنی ایک بہن کے جو قبیلے کے دیگر افراد کے ساتھ گرفتار ہو گئی۔ جب اسے مدینہ میں نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے خود کو نبی ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا اور درخواست کی کہ وہ اسے آزاد کر دیں۔ "میرے والد ہمیشہ قیدیوں کو آزاد کرتے تھے، مہمان کی اچھی میزبانی کرتے تھے، بھوکے کو کھانا دیتے تھے اور غمگین کو تسلی دیتے تھے۔ اور وہ کبھی کسی درخواست کرنے والے کو رد نہیں کرتے تھے۔ میں حاتم[1] کی بیٹی ہوں،" اس نے کہا۔ نبی ﷺ نے اس کا جواب نرمی سے دیا، اور پھر اپنے ساتھیوں سے کہا: "اسے آزاد کر دو، کیونکہ اس کے والد نے ہمیشہ عظیم کردار اپنایا تھا، اور اللہ بھی ان کرداروں کو پسند کرتا ہے۔"

دریں اثنا، اس کے قبیلے کا ایک شخص اس کی رہائی کے لیے آیا، اور نبی ﷺ نے اسے اس کی ذمہ داری سونپ دی، اسے ایک اونٹ اور اچھا لباس دیا۔ وہ واپس اپنے قبیلے چلی گئی۔

[1] صفحہ 37 دیکھیں.

وہ اپنے بھائی عدی کی تلاش میں نکلی اور اسے قائل کیا کہ وہ مدینہ جائے۔ وہاں اس نے اسلام قبول کیا اور نبی ﷺ کے ساتھ بیعت کی، جنہوں نے طے قبیلے کی سرداری کو اس کی تصدیق کی؛ اور اس کے بعد وہ ایک وفادار اور بااثر اتحادی ثابت ہوا۔

یہ وہی مہینے تھے، جب رجب کے آغاز میں نبی ﷺ کو نجاشی کی وفات کی خبر پہنچی۔ اگلی نماز کے بعد جو مسجد میں پڑھی جانے والی تھی، نبی ﷺ نے اجتماع کی طرف رخ کیا اور فرمایا: "آج ایک راستباز شخص کا انتقال ہوا ہے۔ لہذا اٹھو اور اپنے بھائی اشامہ [1] نجاشی کے لیے دعا کرو۔" پھر انہوں نے انہیں جنازہ کی نماز پڑھائی۔ بعد میں ایتھوپیا سے رپورٹس آئیں کہ بادشاہ کی قبر پر ایک روشنی مسلسل دکھائی دیتی تھی۔ [2]

[1] B. LXlll, 37.   [2] 1.1.223.

LXXIX

Tabuk

تبوک

غزوہ حنین کے بعد زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ بازنطینی بادشاہ ہرقل نے یروشلم میں مقدس صلیب کو واپس کر دیا، اور یہ بازنطینیوں کی فارس کے خلاف آخری فتح کی تکمیل کا نشان تھا—وہ فتح جس کی پیشین گوئی وحی میں کی گئی تھی اور جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس دن مسلمان خوشی منائیں گے [1]۔ حقیقت میں، یہ خوشی منانے کا موقع تھا کہ فارس کو اپنے فوجیوں کو شام اور مصر سے واپس بلانے پر مجبور کیا گیا تھا۔ لیکن شام کے حوالے سے ایک خطرہ دوسرے سے بدلتا نظر آ رہا تھا۔ مدینہ میں یہ افواہیں گئیں کہ ہرقل نے اپنی فوج کو یثرب (مدینہ) کے خلاف طویل مہم کے لیے ایک سال کی تنخواہ ادا کر دی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ بازنطینی فوج پہلے ہی جنوب کی طرف بلقاء تک پہنچ چکی تھی اور انہوں نے عرب قبائل، یعنی لخم، جذام، غسان، اور عاملہ کو اپنے ساتھ جمع کر لیا تھا۔۔ یہ رپورٹس جزوی طور پر مبالغہ آمیز اور جزوی طور پر حقیقت کے برعکس تھیں۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ ابھی تک یہ عمومی طور پر معلوم نہیں تھا کہ فارس کے خلاف مہم کے دوران ہرقل نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں اس نے "ختنے والے آدمی" کی سلطنت کی شام میں فتح دیکھی، جسے اس نے اس شخص کے طور پر پہچانا تھا جس نے اسے اسلام قبول کرنے کے لیے خط لکھا تھا۔ یہ خواب اتنا طاقتور اور واضح تھا کہ اس نے اس کے جنوبی سمت میں آگے بڑھنے کی تحریک کو روک دیا تھا، اور یہاں تک کہ شام کی خود حفاظت کے بارے میں بھی اس کی دفاعی حکمت عملی پر اثر ڈالا تھا۔ اس نے یروشلم سے حماہ کو منتقل کر لیا تھا؛ اور وہاں، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ پورا صوبہ آخر کار فتح ہو جائے گا، اس نے اپنے جنرلوں سے کہا کہ ایک معاہدہ کیا جائے جس میں نبی ﷺ کو شام کا صوبہ دیا جائے گا، بشرطیکہ اس کے شمالی سرحدوں سے آگے مزید پیش قدمی نہ ہو۔ اس کے جنرلوں کا اس خیال پر دنگ رہنا اور اس سے سخت نفرت کرنا اسے اس خیال کو ترک کرنے پر مجبور کر دیا، لیکن اس نے کبھی اپنے خواب کو نہیں بھلا دیا۔

نبی ﷺ بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اللہ شام کو اسلام کی فوجوں کے لیے کھول دے گا؛ اور چاہے وہ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ وقت آ چکا ہے یا اس لیے کہ وہ اپنی فوجوں کو شمالی مہم کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے، انہوں نے بازنطینیوں کے خلاف ایک مہم کا اعلان کیا اور اپنی سب سے بڑی اور بہترین تربیت یافتہ فوج کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ اب تک یہ ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے اصل مقصد کو ابتدا میں ظاہر نہ کرتے، اور تیاریوں کو جتنا ممکن ہو سکے خفیہ رکھتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی اور مکہ اور اتحادی قبائل کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ فوراً مدینہ بھیجیں اپنے تمام دستیاب مسلح اور سوار فوجیوں کو شام کی مہم کے لیے۔

[1] XXX, 4.

یہ 630 عیسوی کے اکتوبر کا آغاز تھا۔ موسم ہمیشہ گرم ہوتا تھا، لیکن اس سال خشکی تھی اور گرمی معمول سے زیادہ تیز تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب بہت ساری پکی ہوئی پھل کھانے کے لیے دستیاب تھیں، اس لیے مہم میں حصہ نہ لینے کی دو وجوہات تھیں؛ اور تیسری وجہ سلطنتی لشکروں کی زبردست شہرت تھی۔ منافقین اور مسلمانوں میں سے کئی کم عقیدہ افراد نبی ﷺ کے پاس مختلف عذر لے کر آئے، ان سے اجازت طلب کی کہ وہ پیچھے رہ جائیں، اور کئی بدو بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ ان میں سے چار ایسے ایمان دار لوگ بھی تھے، کعب بن مالک اور خزرج کے دو اور اوس کا ایک شخص، جنہوں نے جان بوجھ کر گھر رہنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا، اور نہ ہی وہ کوئی عذر پیش کرتے تھے؛ لیکن ان کے لیے اس موسم میں مدینہ چھوڑنا اتنا ناپسندیدہ تھا کہ وہ تیاری نہیں کر پائے، اور ایک دن سے دوسرے دن تک یہ کام ملتوی کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ دن آگیا جب بہت دیر ہو چکی تھی اور لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ تاہم، اکثریت نے تیزی سے تیاری شروع کر دی، اور دولت مند لوگ ایک دوسرے سے پیسے دینے میں مقابلہ کرتے تھے۔ صرف عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار افراد کے لیے سواری اور سامان کا انتظام کرنے کے لیے اتنا دیا۔ پھر بھی، تمام افراد کے لیے کافی سامان نہیں تھا جو جانا چاہتے تھے، اور ایک بعد کی وحی میں [1] "سات رونے والے" کا ذکر آیا—پانچ محتاج انصار اور دو بدو قبیلے Muzaynah اور Ghatafan کے—جنہیں نبی ﷺ نے نرمی سے واپس بھیجا کیونکہ ان کے لیے سواری مہیا نہیں کی جا سکی تھی، اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے جب وہ نبی ﷺ کی موجودگی سے روانہ ہوئے۔

جب تمام بدو دستے پہنچ گئے تو لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی، جن میں دس ہزار سوار تھے۔ ایک کیمپ شہر کے باہر لگایا گیا، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس کا انچارج بنایا گیا جب تک کہ نبی ﷺ خود روانہ نہیں ہوئے اور قیادت سنبھالی۔ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل خانہ کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑا تھا، لیکن منافقین نے یہ افواہ پھیلائی کہ نبی ﷺ انہیں بوجھ سمجھتے تھے اور ان کی موجودگی سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہ سنتے ہی علی رضی اللہ عنہ اتنے غمگین ہو گئے کہ انہوں نے اپنا زرہ پہنی، اسلحہ اٹھایا اور نبی ﷺ کے پہلے پڑاؤ تک پہنچ گئے، ان سے درخواست کرنے کے لیے کہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ انہوں نے نبی ﷺ کو بتایا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، تو نبی ﷺ نے کہا: "یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تجھے میرے پیچھے رہنے کا حکم دیا تھا تاکہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اس کی حفاظت کر سکو۔ تو کیا تجھے خوش نہیں ہے، علی، کہ تو میرے لیے ویسا ہی ہے جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔[2]"

شمال کی طرف سفر کے دوران ایک دن صبح کے وقت نبی ﷺ وضو کرنے میں تاخیر کر گئے۔ لوگ نماز کے لیے صفوں میں کھڑے تھے اور وہ ان کا انتظار کر رہے تھے یہاں تک کہ انہیں خوف ہونے لگا کہ سورج نکل جائے گا اور وہ نماز نہیں پڑھ پائیں گے۔ پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھائیں گے، اور وہ دونوں نماز کے ایک چکر کی ادائیگی کر چکے تھے جب نبی ﷺ ظاہر ہوئے۔ عبد الرحمن بن عوف نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، لیکن نبی ﷺ نے اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ پر کھڑے رہیں، اور خود جماعت میں شامل ہو گئے۔ جب نماز کے اختتام پر انہوں نے سلام کیا تو نبی ﷺ کھڑے ہو گئے اور وہ چکر پڑھا جسے وہ چھوٹ گئے تھے۔ جب نماز مکمل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: "تم نے بہت اچھا کیا، کیونکہ ایک نبی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اس کی قوم کا کوئی نیک شخص اسے نماز نہ پڑھائے۔[3]"

اس دوران مدینہ میں، جب لشکر روانہ ہونے کے تقریباً دس دن بعد، چار مؤمنین میں سے ایک جو پیچھے رہ گئے تھے، خزرج کے ابو خیثمہ، ایک شدید گرم دن میں اپنے باغ میں درختوں کے سائے تلے چلے گئے۔

IX, 92. [2] 1.1. 897. .[3] W. 1012. [1]

وہاں دو جھونپڑیاں تھیں، اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیویوں نے ہر ایک میں پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر لیا ہے، اور ہر ایک میں ان کے لیے کھانا تیار تھا، اور پینے کے لیے مٹی کے برتنوں میں پانی بھی ٹھنڈا کیا گیا تھا۔ وہ ایک جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور کہا: "اللہ کے رسول ﷺ سورج کی شدت میں ہیں، گرم ہواؤں سے جھلس رہے ہیں، اور ابو خیثمہ ٹھنڈے سایے میں ہیں، ان کے لیے کھانا تیار ہے، اور دو حسین بیویاں ان کی جائید اد پر آرام کر رہی ہیں!" پھر وہ اپنی بیویوں کی طرف مڑے اور کہا: "خدا کی قسم! میں تم میں سے کسی بھی جھونپڑی میں داخل نہیں ہوں گا جب تک کہ میں پہلے اللہ کے رسول ﷺ کو نہ پکڑ لوں، تو میرے لیے سامان تیار کرو۔" انہوں نے ایسا ہی کیا، اور اپنے اونٹ کو باندھ کر، لشکر کی پیروی میں تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے۔

مدینہ اور یروشلم کے درمیان تقریباً نصف راستے پر، ایک رات نبی ﷺ نے فرمایا: "کل، اگر اللہ نے چاہا تو، تم تبوک کے چشمے تک پہنچو گے۔ تم اس تک نہیں پہنچو گے جب تک سورج نہیں چمکے گا۔ اور جو کوئی اس تک پہنچے، وہ اس کے پانی کو نہ چھوئے جب تک کہ میں خود وہاں نہ پہنچوں۔" لیکن لشکر کے دو افراد جو سب سے پہلے وہاں پہنچے، نے چشمے کا پانی پی لیا، اور جب لشکر کا بڑا حصہ پہنچا تو پانی بس ایک دھار کے برابر رہ گیا۔ نبی ﷺ نے ان دونوں افراد کو سخت سرزنش کی، اور پھر کچھ دوسرے لوگوں کو کہا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں جو پانی لے سکتے ہیں وہ نکال کر ایک پرانی کھال میں ڈالیں۔ جب کافی پانی جمع ہو گیا تو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ اور چہرہ دھویا اور اس پانی کو چٹان پر ڈالا جو چشمے کے منہ پر رکھی ہوئی تھی، اور اپنے ہاتھ اس پر پھیرا اور جیسے اللہ نے چاہا ویسے دعا کی۔ پھر ایک آواز آئی جیسے گرج کی، اور پانی فوراً بہنا شروع ہو گیا؛ اور یہ پانی مسلسل بہتا رہا جب تک کہ تمام لوگوں کی پیاس نہ بجھ گئی۔ نبی ﷺ نے اپنے قریب موجود معاذ بن جبل سے کہا: "شاید، معاذ، تم زندہ رہو گے اور یہ جگہ کئی باغات والی وادی بنے گی۔" اور وہ ایسا ہی ہوا۔

نبی ﷺ کو ان چار ایمان داروں کی غیر حاضری پر مایوسی اور غم تھا جو لشکر کے ساتھ نہیں نکلے تھے، خاص طور پر ابو خیثمہ کے بارے میں، جو چند دن بعد تبوک پہنچے تھے۔ جب اکیلا سوار آتے ہوئے دکھا، لیکن ابھی پہچانا نہیں جا سکتا تھا، نبی ﷺ نے دعا کی سی حالت میں فرمایا: "یہ ابو خیثمہ ہو!" پھر جب وہ سوار آکر نبی ﷺ کو سلام کیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: "ہائے تمہارا حال، ابو خیثمہ!"; لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ کیا ہوا تھا، تو نبی ﷺ نے ان کی دعا کی۔

لشکر تبوک میں بیس دن تک رہا۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ بازنطینیوں سے خطرے کی افواہیں بالکل بے بنیاد تھیں۔ اور دوسری طرف، شام کی فتح کا وعدہ ابھی پورا ہونے کا وقت نہیں آیا تھا۔ لیکن ان دنوں میں نبی ﷺ نے ایک عیسائی اور یہودی کمیونٹی سے امن کا معاہدہ کیا جو خلیج عقبہ کے سرے پر اور اس کے مشرقی ساحل پر رہتے تھے۔ سالانہ ٹیکس کے بدلے، انہیں اسلامی ریاست کی حفاظت کی ضمانت دی گئی۔ اس کے بعد نبی ﷺ لشکر کے ساتھ مدینہ واپس روانہ ہوئے، اور خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ دومتہ الجندل روانہ کیا جو تبوک کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ یہ اہم قلعہ مدینہ سے عراق جانے والے راستے پر تھا، اور شام کے ایک راستے پر بھی واقع تھا۔ اس کا عیسائی حکمران اکیدر، شکار کے دوران خالد کے ہاتھوں قید ہو گیا، اور اسے مدینہ لے آیا گیا، جہاں اس نے نبی ﷺ سے معاہدہ کیا اور اسلام قبول کیا۔

[1] صفحہ دیکھیں 304.

LXXX

After Tabuk

تبُوک کے بعد

جیسے بدر سے واپسی کے بعد، تبُوک سے واپسی غم وافسوس سے بھری ہوئی تھی: پیغمبر ﷺ کی ایک اور بیٹی، ام کلثوم، ان کی غیر موجودگی میں انتقال کر گئی تھی؛ اور اس بار ان کے شوہر بھی غائب تھے۔ پیغمبر ﷺ نے ان کی قبر پر نماز پڑھی؛ اور حضرت عثمان سے کہا کہ اگر ان کے پاس ایک اور بے شادی بیٹی ہوتی تو وہ اسے ان کے ساتھ نکاح کے لیے دے دیتے۔ جو منافقین اس مہم میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ پیغمبر ﷺ کے پاس گئے اور اپنے عذر پیش کیے، جنہیں پیغمبر ﷺ نے قبول کر لیا، ساتھ ہی انہیں یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ان کے چھپے ہوئے ارادوں کو جانتا ہے۔ لیکن انہوں نے تین ایمان داروں کو جو پیچھے رہ گئے تھے، حکم دیا کہ وہ ان سے دور رہیں جب تک اللہ ان کے بارے میں فیصلہ نہ کرے، اور حکم دیا کہ کوئی بھی ان سے بات نہ کرے۔ پچاس دن تک وہ لوگ پرے رہنے والے افراد کی طرح زندگی گزارنے لگے؛ لیکن پچاسویں دن صبح کی نماز کے بعد، پیغمبر ﷺ نے مسجد میں اعلان کیا کہ اللہ نے ان پر رحم فرمایا۔ اس وحی کے الفاظ میں جو ابھی آئی تھی:

"جب زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی روحیں تنگ ہو گئیں، اور وہ سمجھنے لگے کہ اللہ کے سوا کوئی پناہ نہیں ہے، تب اللہ نے ان کی طرف رجوع کیا تاکہ وہ اس کی طرف توبہ کریں۔ بے شک اللہ، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔[1]" (قرآن 9:118)

اس پر اجتماع خوش ہو گیا اور ان میں سے بہت سے لوگ مسجد سے فوراً ان تینوں مردوں کو خوشخبری دینے کے لیے دوڑ گئے۔ ان میں سے سب سے کم عمر، کعب بن مالک، نے شہر کے باہر اپنی ایک الگ ٹینٹ لگائی ہوئی تھی، اور بعد میں بیان کیا کہ جب وہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن رہا تھا اور ایک آواز نے کہا "خوشخبری، کعب!" تو وہ فوراً اللہ کے سامنے سجدے میں گر گیا، کیونکہ کوئی خوشخبری اس کے لیے صرف ایک ہی ہو سکتی تھی۔ پھر وہ مسجد گئے۔ "جب میں نے پیغمبر ﷺ کو سلام کیا،" انہوں نے کہا، "تو ان کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا اور انہوں نے مجھ سے فرمایا: 'خوش ہو جاؤ اس دن پر جو تمہارے لیے تمہاری ماں کے شکم سے پیدا ہونے کے بعد سب سے اچھا دن آیا ہے۔' میں نے پوچھا: 'کیا یہ تمہاری طرف سے ہے، اے اللہ کے رسول، یا اللہ کی طرف سے ہے؟' تو انہوں نے جواب دیا: 'نہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے۔' جب رسول اللہ ﷺ خوش خبری پر خوش ہوتے، تو ان کا چہرہ چاند کی طرح چمک اٹھتا۔[2]"

اسلام میں داخل ہونے کے بعد، مالِک، قبیلہ حوازن کے سردار، بے کار نہیں بیٹھے تھے۔ بنی ثقیف ابھی تک طائف کی ناقابل تسخیر حالت پر فخر کر سکتے تھے؛ مگر اب وہ چاروں طرف، دور دور تک، مسلم کمیونٹیز سے گھیرے ہوئے تھے، اور جو بھی قافلہ وہ بھیجتے، اسے حملے کا سامنا ہوتا اور جو ان کے ہاتھ آتا، وہ یا تو قتل کر دیا جاتا یا اس سے اس کے شرک کو چھوڑنے کا تقاضا کیا جاتا۔ وہ حتیٰ کہ اپنی اونٹوں اور بھیڑوں کو چراگاہ تک بھیجنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ انہیں یہ خطرہ تھا کہ وہ مالِک کے آدمیوں کے ہاتھوں پکڑی جائیں گے، جو یہ اعلان کر چکے تھے کہ وہ کسی بھی ثقیفی شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

[1] IX, ll8. [2] I.I. 9 1 2 .

کچھ مہینوں بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ ایک وفد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجیں اور یہ کہیں کہ وہ اسلام قبول کریں گے، اور ان کی قوم، ان کے جانوروں اور ان کی زمین کی حفاظت کے لیے ایک دستاویز مانگیں گے۔

تبوک سے واپسی رمضان کے آغاز میں ہوئی تھی، اور اسی مہینے میں طائف سے وفد آیا۔ ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا اور ان کے لیے مسجد کے قریب ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ یہ بات طے تھی کہ اگر وہ اسلام قبول کریں گے تو ان کی سرزمین اسلامی ریاست کے تحفظ میں ہوگی۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کچھ ثانوی درخواستوں پر اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے درخواست کی کہ وہ تین سال تک اللات کو توڑنے کی اجازت دیں، اور جب انہوں نے انکار کیا تو وہ دو سال اور پھر ایک سال کی درخواست کرنے لگے، یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے ایک ماہ کی مہلت طلب کی، جسے بھی رد کر دیا گیا۔ پھر انہوں نے درخواست کی کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے اپنے بتوں کو توڑنے کی اجازت نہ دی جائے اور پانچ وقت کی نماز نہ پڑھنے کی چھوٹ دی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہا کہ "وہ دین بے فائدہ ہے جس میں نماز نہ ہو۔" لیکن آپ نے انہیں اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑنے کی اجازت دے دی اور مغیرہ، عروہ کے بھتیجے، کو وفد کے ساتھ واپس بھیجا اور اللات کو توڑنے کا حکم دیا، اور ان کے ساتھ ابوسفیان کو مکہ سے بھیجا تاکہ وہ ان کی مدد کریں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد وفد نے رمضان کے باقی ایام مدینہ میں روزے رکھے، اور پھر طائف واپس لوٹ گئے۔ ابوسفیان مکہ میں اس گروہ کے ساتھ شامل ہوئے، لیکن مغیرہ نے اکیلے اللات کو توڑ ڈالا۔ ان کے قبیلے نے انہیں تحفظ فراہم کرنے کی تدابیر اختیار کیں، کیونکہ انہیں خوف تھا کہ انہیں عروہ جیسا انجام نہ ہو، لیکن کسی نے اس دیوی کی انتقامی کارروائی کرنے کی کوشش نہیں کی، حالانکہ اس کی شکست پر کئی خواتین نے اس کا ماتم کیا۔ دو آدمی جو سب سے زیادہ طائف کے شہر کے ہارنے پر افسوس کر رہے تھے، نہ تو وہ اس کے باشندے تھے اور نہ ہی اس کی "بی بی" کے پرستار۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف روانہ ہوئے، ابوعامر، حنظلہ کے والد، اور وَحشی، نیزہ باز، دونوں نے طائف میں پناہ لی تھی، جو ایک مضبوط قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب وہ کہاں پناہ لیتے؟ ابوعامر شام کی طرف بھاگ گئے اور وہیں پر وہ "پناہ گزین، اکیلے اور بے گھر" مر گئے، اس طرح وہ اپنے اوپر پڑی ہوئی بددعا کو پورا کر گئے۔ وحشی ابھی یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کہاں جائے، جب طائف کے ایک شخص نے اسے یقین دلایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام قبول کرنے والے کسی شخص کو قتل نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ مدینہ آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کیا۔ جب وہ ایسا کر رہا تھا تو وہاں موجود ایک مسلمان نے حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو پہچان لیا اور کہا: "اے اللہ کے رسول، یہ وحشی ہے۔" "اسے جانے دو،" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا، "کیونکہ ایک شخص کا اسلام ہزاروں کافروں کے قتل سے زیادہ میرے لیے محبوب ہے۔" پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اس کے سیاہ چہرے پر پڑی۔ "کیا تم وحشی ہو؟" آپ نے کہا، اور اس کے جواب پر فرمایا: "بیٹھ جاؤ، اور مجھے بتاؤ کہ تم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیسے قتل کیا۔" جب نیزہ باز نے تمام باتیں بتا دیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "افسوس، اپنا چہرہ مجھ سے ہٹا لو، مجھے دوبارہ تیرا چہرہ نظر نہ آئے۔"[2]

ابوعامر کے چچازاد بھائی ابن ابی کے بارے میں، تبوک کے بعد کے مہینے میں وہ شدید بیمار ہو گئے، اور چند ہفتوں بعد یہ واضح ہو گیا کہ وہ مرنے والے ہیں۔

[1 2] I.I. 566 صفحہ دیکھیں .128.

روایتی بیانات میں اس بات پر اختلاف ہے کہ وہ کس حالت میں وفات پائے، مگر سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تدفین کے بعد ان کے لیے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ان کی قبر کے کنارے کھڑے ہو کر دعا کی۔ ایک روایت کے مطابق، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور منافق پر اتنی مہربانی کرنے پر احتجاج کیا، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: "عمر! تم میرے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ مجھے اختیار دیا گیا تھا، اور میں نے انتخاب کیا۔ مجھ سے کہا گیا ہے: ان کے لیے مغفرت طلب کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت مانگو، تب بھی اللہ ان کو معاف نہ کرے گا[1]۔ اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اللہ مجھے ستر سے زیادہ بار ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنے پر معاف کرے گا، تو میں اپنی دعاؤں کی تعداد بڑھا دیتا۔[2]" پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی اور جنازہ کے ساتھ قبرستان کی طرف چل پڑے اور قبر کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ کچھ ہی عرصے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں منافقین کے بارے میں فرمایا گیا: "اور ان میں سے کسی کی موت پر جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور نہ ان کی قبر کے کنارے کھڑے ہو، کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے اور اپنی بداعمالیوں میں مر گئے۔[3]" لیکن بعض دوسری روایات کے مطابق یہ آیت پہلے ہی نازل ہو چکی تھی، جو کہ تبوک سے واپسی کے فوراً بعد کی وحی کا حصہ تھی۔ اور اب یہ آیت ابن ابی کا خصوصی طور پر تعلق نہیں رکھتی تھی، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیماری میں ان کی عیادت کی اور پایا کہ موت کی قریب ترین حالت نے انہیں بدل دیا ہے۔ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ان کو اپنے لباس میں کفن دیں اور ان کے جنازے کے ساتھ قبر تک آئیں، جس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رضامندی ظاہر کی۔ پھر انہوں نے دوبارہ کہا: "یارسول اللہ! میں امید کرتا ہوں کہ تم میرے جنازے کے قریب دعا کرو گے اور اللہ سے میرے گناہوں کی مغفرت مانگ لو گے۔[4]" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ قبول کیا، اور ان کی وفات کے بعد انہوں نے جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کیا۔ مردہ شخص کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر موجود تھے۔

قبیلہ ثقیف وہ واحد قبیلہ نہیں تھا جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سفیر بھیجے۔ اس سال، جو کہ ہجرت کے نویں سال کو "سالِ وفود" کہا جاتا ہے، پورے جزیرہ نما عرب سے بہت سے دوسرے سفیر بھی مدینہ آئے۔ ان میں سے کچھ یمن کے مختلف حصوں سے آئے، جن میں چار حمیرائی امراء کے خطوط بھی شامل تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے اور شرک اور اس کے پیروکاروں سے انکار کرنے کا اعلان کیا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا خیر مقدم کیا اور اسلام کی ذمہ داریوں کو اجاگر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے پیغامبر جنہیں آپ زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے بھیجیں گے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ نیز، آپ نے یہ وضاحت کی کہ "جو یہودی یا عیسائی اپنی مذہبی عبادات پر قائم رہے گا، وہ اپنے مذہب سے منحرف نہیں کیا جائے گا، بلکہ وہ جزیہ ادا کرے گا... اور اسے اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت حاصل ہو گی۔[5]" ایک حالیہ وحی میں مذہبی اختلافات کے بارے میں فرمایا گیا: "ہم نے ہر قوم کے لیے ایک طریقہ اور راستہ مقرر کیا ہے، اور اگر اللہ چاہتا[6] تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا... لہٰذا تم ایک دوسرے سے اچھے کاموں میں سبقت لے جاؤ۔ تم سب کو اللہ کی طرف واپس لایا جائے گا، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کس بات میں اختلاف رکھتے تھے[7]۔"

تمام سفارتکاریاں نتیجہ خیز نہیں تھیں۔ عامر بن طفیل، جو بیئرِ معونہ میں قتلِ عام کا ذمہ دار تھا، اب بنی عامر کا سردار بن چکا تھا،

[I] IX, 80. [1] I.I. 927. [3] IX, 84. [4] میرخوند, روضۃ الصفا', II, vol. 2, pp. 671-2, یہ پرانے ذرائع کا حوالہ دیتے ہوئے۔ یہ بھی دیکھیں B. XXIII,76. [5] I.I.956. [6] دیکھیں صفحہ 48, note 3. [7] V,48.

اور اپنی قوم کے دباؤ میں آ کر وہ مدینہ آیا۔ لیکن وہ خود ایک تکبر والا شخص تھا، اور اسلام قبول کرنے کے بدلے میں اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اسے اپنا جانشین مقرر کریں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ نہ تمہارے لیے ہے اور نہ تمہاری قوم کے لیے۔" عامر نے کہا: "تو مجھے خانہ بدوشوں پر اختیار دے اور تم گاؤں والوں کو رکھ لو۔" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ایسا نہیں، بلکہ میں تمہارے ہاتھوں میں سواریوں کی کمانڈ دوں گا، کیونکہ تم بہترین سوار ہو۔" یہ بات بھی بدوی سردار کے لیے کافی نہیں تھی۔ اس نے نفرت کے ساتھ کہا: "کیا مجھے کچھ بھی نہیں ملے گا؟" اور پھر یہ کہتے ہوئے مڑا: "میں تمہارے خلاف تمام زمین کو سواروں اور پیادہ فوجیوں سے بھر دوں گا۔" جب وہ چلا گیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: "اے اللہ، بنی عامر کو ہدایت دے، اور اسلام کو عامر بن طفیل سے بچا۔" اور عامر ایک پھوڑے میں مبتلا ہو کر گھر پہنچنے سے پہلے وفات پا گیا۔ اس کی قوم نے ایک اور وفد بھیجا، اور آخر کار ایک معاہدہ طے پا گیا۔ شاعر لبید ان سفیروں میں سے ایک تھے، اور انہوں نے اس موقع پر اسلام قبول کیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بعد میں شاعری ترک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ "اللہ نے مجھے قرآن دیا ہے،" انہوں نے کہا، "اس کے بدلے میں۔" لیکن پھر بھی انہوں نے اپنی موت تک شاعری کی، اور اپنے ہنر کو دین کی خدمت میں استعمال کیا۔

حج کا وقت قریب آ رہا تھا، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر کو اس کا انچارج مقرر کیا۔ وہ تین سو افراد کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے، لیکن زیادہ دور نہ گئے تھے کہ ایک وحی آئی جسے ضروری تھا کہ تمام حجاج، خواہ مسلمان ہوں یا مشرکین، سنیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس سے کوئی پیغام نہیں پہنچائے گا مگر میرے اہل بیت کا ایک شخص۔" اور پھر انہوں نے حضرت علی کو فوراً روانہ کیا تا کہ وہ حجاج کو پہنچ کر وحی کی گئی آیات تلاوت کریں اور یہ بھی واضح کریں کہ اس سال کے بعد کوئی بھی شخص خانہ کعبہ کے گرد برہنہ نہیں گھوم سکے گا، اور مشرکین حج کے لیے آخری بار آ رہے ہیں۔

جب علی نے دوسروں کو پیچھے چھوڑا، تو ابو بکر نے ان سے پوچھا کہ آیا وہ اس مہم کے سربراہ بن کر آئے ہیں، لیکن حضرت علی نے جواب دیا کہ وہ ان کے ماتحت ہیں، تو وہ دونوں ساتھ چل پڑے اور ابو بکر نے نماز پڑھائی اور خطبے دیے۔ عید کے دن جب تمام حجاج منا کے میدان میں اپنے جانوروں کی قربانی کے لیے جمع ہوئے، حضرت علی نے الٰہی پیغام سنایا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی تا کہ وہ امن سے آ جا سکیں، مگر اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول ان سے کسی قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں رکھتے تھے۔ ان کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا، اور جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں، انہیں قتل یا قید کر لیا جائے گا[1]۔ دو استثنات کی گئی تھیں: ان مشرکوں کے بارے میں جن کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خصوصی معاہدہ تھا اور انہوں نے اسے بخوبی نبھایا تھا، ان کے معاہدے کو اس کی مدت ختم ہونے تک معتبر رکھا جائے گا؛ اور اگر کوئی انفرادی مشرک پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دی جائے گی اور ایک محفوظ مقام تک پہنچایا جائے گا، بشرطیکہ اسے اسلام کی تعلیم دی جائے۔ ایک اور وحی آئی تھی جو خاص طور پر حالیہ مکہ کے مسلمانوں کے بارے میں تھی، جو یہ خوف رکھتے تھے کہ مشرکوں کو باہر نکالنا نہ صرف تجارت کے مواقع ختم کر دے گا بلکہ ان سے ملنے والے بہت سے مال و دولت سے بھی ان کا ہاتھ چھوٹ جائے گا: "اے لوگو، ..."

[1] رحمت کے ناموں کی عدم موجودگی اس پیغام کی سخت نوعیت کو اجاگر کرتی ہے، جو صاف طور پر سورۃ التوبہ (سورۃ 9) کو کھولتی ہے، جو قرآن کی واحد سورۃ ہے جو بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ سے شروع نہیں ہوتی۔

جو لوگ ایمان لاتے ہیں، وہ مشرکوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ اس لیے انہیں اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آنے دیا جائے۔ اور اگر تمہیں غربت کا خوف ہو تو اللہ اپنی شان سے تمہیں غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے[1]۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگلے سال کے بیشتر حصے تک گھر پر ہی رہے، جو ہجرت کے دسویں سال تھا۔ حضرت ابراہیم چلنا شروع کر چکے تھے اور باتیں بھی کرنے لگے تھے۔ حضرت حسن اور حسین کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی، جس کا نام ان کی پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا کے نام پر رکھا گیا تھا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چوتھے بچے کی توقع کر رہی تھیں۔ گھر کے دوسرے قریبی افراد میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے تین بیٹے بھی شامل تھے۔ اب وہ حضرت ابو بکر کے سوتیلے بیٹے بن چکے تھے، کیونکہ حضرت ابو بکر نے ان کی والدہ اسماء سے شادی کی تھی، اور وہ بھی ایک بچے کی امید کر رہی تھیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصاً ان کی بہن ام الفضل سے بڑی محبت تھی۔ مکہ میں ان کا معمول تھا کہ وہ ان کے گھر اکثر جایا کرتے تھے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مدینہ منتقل ہونے کے بعد وہ پھر سے ان کے گھر جانے لگے تھے۔ ان کا سب سے بڑا بیٹا، جس کے نام پر ام الفضل کا نام رکھا گیا تھا، اب جوان ہو چکا تھا اور اسے بہت سے اشارے مل چکے تھے۔ ایک موقع پر جب حضرت میمونہ کے ہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام تھا، تو انہوں نے اپنے بھتیجے فضل کو اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی۔

پچھلے سال کی طرح اس سال بھی وفود آتے رہے، اور ان میں سے ایک وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ بازنطینی رسم ورواج کے عیسائی تھے اور ماضی میں قسطنطنیہ سے بھرپور امداد وصول کرتے رہے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا استقبال مسجد میں کیا، اور جب ان کے نماز کا وقت آیا تو انہوں نے انہیں وہاں نماز پڑھنے کی اجازت دی، اور انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

ان کے ساتھ ملاقاتوں میں مختلف عقیدتی مسائل پر بات چیت ہوئی، اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کے ساتھ کچھ اختلافات ہوئے۔ پھر وحی آئی: "بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے ساتھ آدم کی مثال کی طرح ہے۔ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا[2]، پھر کہا 'ہو جا!' اور وہ ہو گئے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے سچائی ہے، پس تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور جو کوئی تم سے اس کے بارے میں بحث کرے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے، کہہ دو: آؤ، ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں، اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں اور اپنے آپ اور تمہارے آپ کو بلاتے ہیں، پھر ہم لعنت بھیجتے ہیں، اور جو جھوٹ بولے اس پر اللہ کی لعنت ہو[3]۔"

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وحی عیسائیوں کو سنائی اور انہیں اپنے خاندان کے ساتھ ملاقات کی دعوت دی تاکہ وہ اپنے اختلافات کو اس طریقے سے حل کریں۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس پر غور کریں گے، اور اگلے دن جب وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت علی ان کے ساتھ تھے، اور ان کے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں بیٹے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑی چادر اوڑھ رکھی تھی اور پھر اسے اتنی وسیع کر دیا کہ وہ سب اس میں شامل ہو گئے، بشمول خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ اس وجہ سے ان پانچ افراد کو عزت و احترام سے "اہل کساء" (چادر والے) کے طور پر جانا جاتا ہے۔ عیسائیوں نے کہا کہ وہ اپنے اختلافات کو لعنت بھیجنے تک نہیں لے جانا چاہتے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق...

[1] IX,208.

[2] "اس کی والدہ کے پیٹ میں" کے الفاظ کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ یہ سوال نہیں ہے کہ عیسیٰ کو مکمل طور پر بالغ حالت میں پیدا کیا گیا تھا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو بنایا گیا تھا۔ دونوں تخلیقات کے درمیان مماثلت اللہ کی براہِ راست مداخلت میں ہے، جو دونوں کے لیے تھی۔

[3] K. III, 59-61

ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے، انہیں اسلامی ریاست کی مکمل حفاظت حاصل تھی، ان کے چرچوں اور دیگر املاک کے لئے بھی۔ اس سال کے ابتدائی مہینوں کی بے فکری خوشی کا اختتام حضرت ابراہیم کی بیماری کے ساتھ ہوا۔ یہ جلد واضح ہو گیا کہ وہ زندہ نہیں رہ پائیں گے۔ ان کی دیکھ بھال ان کی والدہ اور ان کی خالہ سیرین کر رہی تھیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس مسلسل آتے رہے اور وہ ان کے انتقال کے وقت ان کے ساتھ موجود تھے۔ جب بچے کی سانس رک گئی، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے بازوؤں میں اُٹھالیا، اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ان کا بلند آواز سے غم کا اظہار کرنے سے منع کرنا اس غلط خیال کا باعث بن چکا تھا کہ غم کے تمام اظہار کو روکا جانا چاہیے، اور یہ غلط فہمی ابھی بھی بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں موجود تھی۔ "اے اللہ کے پیغمبر،" عبدالرحمن ابن عوف، جو اس وقت وہاں موجود تھے، نے کہا، "یہ وہی ہے جو تم نے منع کیا ہے۔ جب مسلمان تمہیں روتا دیکھیں گے، تو وہ بھی رونا شروع کر دیں گے۔" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روتے رہے، اور جب انہوں نے اپنی آواز پائی تو کہا: "میں یہ نہیں منع کرتا۔ یہ تو رحمت اور ہمدردی کی علامات ہیں، اور جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ اے ابراہیم، اگر یہ وعدہ نہ ہوتا کہ ہم تم سے دوبارہ ملیں گے، اور یہ کہ یہ راستہ ہر شخص کو طے کرنا ہے، اور کہ ہم میں سے آخری شخص پہلا شخص پکڑے گا، تو یقیناً ہم تمہارے لیے اور زیادہ غمگین ہوتے۔ پھر بھی ہم تمہارے لیے غمگین ہیں، اے ابراہیم! آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے، اور ہم وہ کچھ نہیں کہتے جو ہمارے رب کو ناراض کرے۔[1]"

انہوں نے اس وقت ماریہ اور سیرین کو تسلی دی، اور انہیں یقین دلایا کہ ابراہیم جنت میں ہیں۔ پھر، تھوڑی دیر بعد واپس آ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور فضل کے ساتھ آئے۔ جو ان نے جسم کو دھویا اور لٹایا، جبکہ دونوں بزرگ بیٹھ کر اسے دیکھتے رہے۔ پھر اسے قبرستان کی طرف لے جایا گیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد دوبارہ اپنے بیٹے کے لیے قبر کے کنارے دعا کی، جب کہ اسامہ اور فضل نے جسم کو قبر میں رکھ دیا۔ جب مٹی ڈال دی گئی، تو وہ قبر کے کنارے پر مزید کچھ دیر ٹھہرے، اور پانی کی مشک منگوا کر قبر پر چھڑکنے کا حکم دیا۔ کچھ ناہمواری قبر میں نظر آئی، اور اس پر انہوں نے کہا: "جب تم میں سے کوئی کام کرے، تو اسے مکمل طور پر کر کے دکھاؤ۔" اور اپنے خاص عمل کے بارے میں کہا: "اس سے نہ تو کوئی نقصان ہوتا ہے نہ فائدہ، لیکن یہ غمگین روح کو سکون پہنچاتا ہے۔[2]"

انہوں نے کئی بار اس بات پر زور دیا کہ ہر دنیاوی عمل میں کامل کوشش کی جانی چاہیے، اور ان کی بہت سی باتوں میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ مقصد دنیا سے بے تعلق اور غیر دنیاوی ہونا چاہیے۔ حضرت علی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس رہنمائی کو اس طرح بیان کیا: "دنیا کے لئے اس طرح کام کرو جیسے ہمیشہ کے لیے جیو اور آخرت کے لیے اس طرح کام کرو جیسے کل مرنا ہو۔" دنیا سے بے تعلق رہنا ہی اس کا مطلب ہے۔ "اس دنیا میں ایسے رہو جیسے غریب یا مسافر ہو[3]،" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا۔

حضرت ابراہیم کی وفات کے دن، ان کی تدفین کے فوراً بعد سورج کا گرہن بھی ہوا؛ لیکن جب کچھ لوگوں نے اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم سے جوڑا، تو انہوں نے کہا: "سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانے ہیں۔ ان کی روشنی کسی بھی انسان کی موت کی وجہ سے مدھم نہیں ہوتی۔ اگر تم انہیں گرہن زدہ دیکھو تو تمہیں دعا کرنی چاہیے جب تک کہ وہ صاف نہ ہو جائیں۔[4]"

[1] I.S. III, 88-9. [2] ibid. [3] B.LXXXI, 3. [4] I.S, ibid

LXXXI

The Degrees

درجات

روحانیات کے جذبات اس وقت ہونے والی بہت سی تبدیلیوں میں کم نمائندگی رکھتے تھے؛ اور جلد ہی ایک اور وحی نازل ہوئی: "بدوی عرب کہتے ہیں: ہم ایمان رکھتے ہیں۔ کہہ دو تم ایمان نہیں رکھتے، بلکہ کہو 'ہم نے تسلیم کر لیا ہے'، کیونکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں نہیں آیا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو، تو اللہ تم سے جو کچھ تم کرتے ہو، اس کا بدلہ کبھی بھی تم سے نہیں روکیں گے۔"[1]

یہ آیت اسلام کی درجہ بندی مکمل کرتی ہے، جس میں تسلیم کرنا ایمان سے کم تر درجہ ہے۔ اعلیٰ درجے، یعنی ایمان کے درجات، اس آیت نور کا موضوع ہیں، جو کچھ مہینے قبل حدیبیہ کے معاہدے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ قرآن میں روشنی ایمان کو ظاہر کرتی ہے، اور یہاں چار درجاتِ نور کا ذکر کیا گیا ہے:

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کا نور ایک طاق کی طرح ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہے۔ چراغ ایک شیشے میں ہے؛ شیشہ ایسا ہے جیسے ایک چمکتا ہوا سیارہ۔ وہ ایک برکت والے درخت سے روشن کیا گیا ہے، ایک زیتون جو نہ مشرق کا ہے نہ مغرب کا۔ اس کا تیل ایسا چمکتا ہے جیسے آگ اسے چھوئے بغیر، روشنی پر روشنی۔ اللہ اپنے نور کی ہدایت جسے چاہے دیتا ہے؛ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"[2]

سب سے پہلے، ترقّی کے درجے میں طاق ہے، جو روشن تو ہے مگر خود روشنی نہیں دیتا۔ پھر شفاف شیشہ ہے، جس کے اوپر تیل کا چمک ہے؛ اور آخر کار، خود شعلہ ہے۔ مثالوں کا ذکر ایک اور آیت کو یاد دلاتا ہے، جو اسی جملے سے شروع ہوتی ہے: "اللہ لوگوں کے لیے مثالیں دیتا ہے"، اور جو اس کا مقصد بھی بتاتی ہے: تاکہ وہ تدبر کریں[3]۔ پورا آیتِ نور بظاہر تدبر کی دعوت دیتی ہے۔ لیکن جہاں تک مختلف درجات کا تعلق ہے، قرآن یہاں صرف اشارہ کرتا ہے۔ دوسری جگہوں پر، ابتدائی وحی سے شروع کرتے ہوئے، یہ زیادہ واضح ہے۔ ان میں سے ایک وحی میں انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے[4]: دائیں والے، بائیں والے اور پیشرو۔ دائیں والے نجات یافتہ ہیں، بائیں والے گمراہ ہیں۔ پیشرو یعنی اعلیٰ درجہ والے، جنہیں اللہ کے بندے بھی کہا جاتا ہے[5]۔۔

[1] XLIX, 14. [2] XXIV, 35. [3] LIX,21. [4] LVI, 7-40.
[5] LXVI, LXXXIX, 29;

[6] قرآن مجید میں "اللہ کے بندے" کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے، ایک مکمل طور پر شامل کرنے والا - حتیٰ کہ شیطان بھی اللہ کا بندہ ہے - اور دوسرا انتہائی خاص، جیسا کہ اوپر والی آیات میں ہے، اور اسی طرح کے الفاظ میں جو شیطان کے لیے ہیں: "میرے بندوں پر تجھ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔" (XVII, 65,)(الاسراء17:65)

ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے قریب کیے جاتے ہیں، یہ لقب فرشتوں سے ممتاز کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے تاکہ انہیں فرشتوں سے الگ کیا جا سکے۔ "دیگر ابتدائی وحیوں نے ایمان والوں کی درجہ بندی میں ایک تیسرا درجہ متعارف کرایا، جو نیکوکار ہیں، جو سب سے آگے والوں اور دائیں طرف والوں کے درمیان ہیں۔ ان تین درجوں کے تعلق کا اندازہ قرآن میں ان کے جنت میں انعامات کے بارے میں بتائے گئے سے لگایا جا سکتا ہے۔ جبکہ دائیں طرف والوں کو پینے کے لیے صاف بہتا ہوا پانی دیا جاتا ہے، سب سے آگے والوں کو ہی براہ راست اعلیٰ چشموں تک رسائی حاصل ہوتی ہے، لیکن نیکوکاروں کو وہ پیالہ دیا جاتا ہے جو ان میں سے کسی ایک چشمے سے ملا ہوا ہوتا ہے [1]، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ وہ ہیں جو سب سے آگے والوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں

درجوں میں فوقیت کا اشارہ قرآن کی اس بات میں بھی ہے جو دل کے بارے میں ذکر کرتی ہے۔ اکثریت کے بارے میں قرآن کہتا ہے: "آنکھیں اندھی نہیں ہیں، بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہیں۔[2] "دوسری طرف، پیغمبر نے، جیسے کہ پہلے پیغمبروں نے کہا، کہ ان کا دل بیدار تھا، جس کا مطلب ہے کہ اس کی آنکھ کھلی ہوئی تھی؛ اور قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ امکان دوسروں کے لیے بھی کچھ حد تک ممکن ہو سکتا ہے، کیونکہ کبھی کبھی یہ خود دل والوں سے مخاطب ہوتا ہے [3]۔ ابو بکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پیغمبر نے فرمایا: "وہ تمہیں زیادہ روزے رکھنے اور نماز پڑھنے سے نہیں بلکہ اس بات کے ذریعے تم سے بڑھتے ہیں جو ان کے دل میں مضبوط ہے۔[4]"

پیغمبر اکثر اپنے پیروکاروں میں بعض کی دوسرے پر فوقیت کے بارے میں بات کرتے تھے؛ اور مکہ کی فتح کے وقت، جب خَالِد نے 'عبد الرحمن ابن عوف پر غصے میں جواب دیا، تو پیغمبر نے فرمایا: "نرمی سے خَالِد، میرے صحابہ کو چھوڑ دو؛ کیونکہ اگر تمہارے پاس احد کا پہاڑ سونا بن کر آئے اور تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میرے کسی صحابی کے مرتبے تک نہیں پہنچ پاؤ گے۔[5]"

وحی کے مطابق، ایک درجہ دوسرے سے زیادہ فرق رکھتا ہے، اور یہ فرق آخرت میں اس سے زیادہ ہوگا: "دیکھو کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دی ہے؛ اور بلاشبہ آخرت میں درجات زیادہ ہیں اور ان میں زیادہ درجہ بندی کی تفریق ہے۔[6]" پیغمبر نے فرمایا: "جنت والے ان اعلیٰ مقام کو دیکھیں گے جو ان سے اوپر ہوگا[7]، جیسے وہ ابھی مشرق یا مغرب میں روشن سیارے کو دیکھتے ہیں۔[8]"

انسان اور انسان کے درمیان فرق اس کے تدریس کے انداز میں بھی ظاہر ہوتا تھا، کچھ علم ایسے تھے جو صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص تھے جو انہیں سمجھ سکتے تھے۔ ابو ہریرہ نے کہا: "میرے پاس دو علم کے خزانے ہیں جو مجھے اللہ کے پیغمبر سے حاصل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک میں نے بیان کیا، لیکن اگر میں دوسرا بیان کروں تو تم سب میرے گلے کو کاٹ دو گے،[9]" اور انہوں نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا۔

مکہ اور حنین کی فتوحات کے بعد مدینہ واپس آتے ہوئے پیغمبر نے اپنے بعض صحابہ سے فرمایا: "ہم نے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آ کر قدم رکھا ہے۔" جب ان میں سے ایک نے پوچھا: "یا رسول اللہ، بڑا جہاد کیا ہے؟" تو انہوں نے فرمایا: "یہ نفس کے خلاف جنگ ہے۔[10]" انسان کا گرا ہوا نفس خود سے متضاد ہوتا ہے۔ اس کے سب سے نچلے پہلو کے بارے میں قرآن کہتا ہے: "بیشک نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔[11]" اس کا بہتر حصہ، یعنی ضمیر، "نفس اللوامہ" کہلاتا ہے؛ اور یہی وہ ہے جو جنگ کرتا ہے[12]۔

[1] LXXVI, 5; LXXXIII, 27. [2] XXII, 46. 89.صفحہ بھی دیکھیں.

[3] XII, II I; XIII, 19, etc. [4] الترمذی، نوادر الأصول حکیم

[5] I.I. 853. [6] XVII,2I. [7] Venus. [8] M.LI,4. .

[9] B. III, 42. [10] [11] .بیہقی، زہد XII,53. [12] LXXV, 2.

آخر کار وہ روح ہے جو سکون میں ہے، یعنی وہ پوری روح جو اب اپنے آپ سے متنازعہ نہیں رہی، جب لڑائی جیت لی گئی ہو۔ ایسے ہی وہ روحیں ہیں جنہوں نے سب سے اعلیٰ درجہ حاصل کیا، جو سب سے پہلے والے، اللہ کے بندے اور قریب والے ہیں۔ قرآن اس کامل روح سے ان الفاظ میں بات کرتا ہے: "اے روح جو سکون میں ہے، اپنے رب کی طرف خوشی کے ساتھ واپس آجا، جو تیرے لیے اُس میں ہے اور اُس کا تیرے اندر ہے[1]۔ میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ میرے جنت میں داخل ہو جا۔[2]" اس انعام کی دوہری نوعیت قرآن کے اس وعدے کو یاد دلاتی ہے کہ خوش قسمت روحوں کے لیے دو جنتیں ہیں، اور اسی طرح پیغمبر کا اپنا آخری درجہ "میرے رب سے ملاقات اور جنت" کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ سکون میں روح کے لیے "میرے جنت میں داخل ہونا" "میرے رب سے ملاقات" کے مترادف ہے، جب کہ "میرے بندوں میں داخل ہونا" "جنت" کے مترادف ہے، یعنی دوسری جنت جو ساتھ چلتی ہے۔ اعلیٰ جنت، جو اللہ کی جنت ہے، "میرے رب سے ملاقات" کوئی اور نہیں بلکہ رِضوان ہے۔ حال ہی میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: "اللہ نے ایمان لانے والے مردوں اور عورتوں کے لیے ایسے باغات وعدہ کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، ابدی جنتوں کے عالی مقام میں۔ اور رِضوان اللہ سے زیادہ ہے۔ "یہ لامتناہی خوشی ہے[3]۔

پیغمبر نے بھی اس اعلیٰ درجے کا ذکر کیا ہے جتنا کہ یہ دنیا میں زندگی کے دوران حاصل ہو سکتا ہے، اور یہ کہنے والی باتوں میں سے ہے جنہیں "صحیح حدیث" کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اللہ کے براہ راست الفاظ کو منتقل کرتی ہیں: "میرے بندے میرے قریب آنا نہیں چھوڑتے اپنی مرضی سے عبادات کے ذریعے یہاں تک کہ میں اسے پسند کرلیتا ہوں؛ اور جب میں اسے پسند کرلیتا ہوں تو میں وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ نظر بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔[4]"

طوعی عبادات میں سب سے اہم ذکر اللہ ہے، جسے "اللہ کا ذکر" یا "اللہ کو یاد کرنا" کہا جا سکتا ہے۔ ایک ابتدائی وحی میں پیغمبر کو حکم دیا گیا: "اپنے رب کا نام ذکر کرتے ہوئے اس کی یاد میں مشغول رہو اور پوری عقیدت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جا۔[5]" ایک بعد کی وحی کہتی ہے: "یقیناً نماز انسان کو بدی اور گناہ سے بچاتی ہے، لیکن اللہ کا ذکر اس سے زیادہ اہم ہے[6]۔" دل کی اندھیے اور اس کے علاج کے بارے میں پیغمبر نے کہا: "ہر چیز کی صفائی ہوتی ہے جو زنگ کو دور کرتی ہے، اور دل کی صفائی اللہ کے ذکر سے ہے۔[7]" اور جب پوچھا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہو گا، تو انہوں نے جواب دیا: "وہ مرد اور عورتیں جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔" اور جب پوچھا گیا کہ کیا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے ان سے بھی زیادہ عظیم مرتبہ رکھتا ہے، تو انہوں نے کہا: "اگرچہ وہ اپنی تلوار کفار اور مشرکوں کے درمیان چلائے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور خون سے رنگ جائے، پھر بھی اللہ کے ذکر کرنے والا اس سے زیادہ اعلیٰ مرتبہ رکھے گا۔[8]"

[1] [2] LXXXIX, 27–30. یعنی باہمی رضوان کے ساتھ (صفحہ دیکھیں .95).

[3] IX, 72. [4] B., LXXXI, 37. [5] LXXIII,8.

[6] XXIX, 45. [7] Tir, XLV. بہقی، دعوات. 8

LXXXII

The Future

مستقبل

پیغمبر نے فرمایا: "میرے لوگوں میں سب سے بہترین میری نسل ہے؛ پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے؛ پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔[1]" اور وہ اپنی نسل کے ممتاز افراد پر خوش تھے، یعنی ان لوگوں پر جنہیں انہوں نے اپنے ساتھیوں کے طور پر شمار کیا۔ ایک موقع پر ان کے پاس آنے والے دس لوگوں کو انہوں نے جنت کی بشارت دی۔ یہ تھے: یہ ابو بکر، عمر، عثمان، علی، عبد الرحمٰن بن عوف، ابو عبیدہ، طلحہ، زبیر، زہرہ کا سعد، اور سعید بن زید الحنیف تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔۔ ان میں سے کچھ کو اس سے پہلے بھی یہی بشارت دی جاچکی تھی، اور ان کی کہی ہوئی باتوں کی کتابوں میں ان دس وعدہ شدہ افراد اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کی جنت کی خوشخبریوں کا ذکر ملتا ہے، جیسے کہ انہوں نے فرمایا: "جنت تین لوگوں کے لئے تڑپتی ہے، علی، عمار[2] اور سلمان۔[3]" فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "تم جنت کی خواتین میں سب سے افضل ہو، سوائے مریم بنت عمران کے۔[4]" علی کے بارے میں اپنی تعلیمات کو اگلی نسلوں تک پہنچانے میں ان کے اہم کردار کی پیش گوئی کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں؛[5]" اور عام طور پر کہا: "میرے ساتھی ستاروں کی طرح ہیں: ان میں سے جس کی پیروی کرو گے تم ہدایت پاؤ گے۔[6]"

جب مرد تبوک سے واپس آئے تو انہوں نے آپس میں کہا تھا کہ ان کے لڑنے کے دن ختم ہو گئے ہیں؛ اور یہ خیال اس قدر مضبوط ہو گیا تھا کہ مختلف وفود کی آمد کے ساتھ، جو کہ دسویں سال تک جاری رہی، بہت سے مومن اپنے ہتھیار اور زرہ بیچنے لگے۔ لیکن جب پیغمبر کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا: "میرے لوگوں کا ایک گروہ حق کے لئے لڑتا رہے گا یہاں تک کہ دجال ظاہر ہو جائے گا۔" اور انہوں نے کہا: "اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔[7]" اور فرمایا: "تم پر ایسا وقت آئے گا جس کے بعد بدتر وقت آئے گا۔[8]" انہوں نے خبردار کیا کہ ان کا قوم یقیناً یہودیوں اور عیسائیوں کے راستے پر چلے گی اور ان کی طرح انحطاط کا شکار ہو گی: "تم ان کے پیچھے اس طرح چلو گے جیسے وہ چلتے ہیں، ایک بالشت اور ایک کوہ کے فاصلے پر، یہاں تک کہ اگر وہ زہرے والے جانور کی کھوہ میں داخل ہو جائیں تو تم ان کے پیچھے اس میں بھی داخل ہو جاؤ گے۔[9]" اور انسانیت کے اس سب سے نچلے درجے کے بارے میں، جو قیامت کے قریب آئے گا، انہوں نے فرمایا: "اسلام اجنبی طور پر شروع ہوا تھا اور ایک بار پھر اجنبی ہو جائے گا۔[10]"

[1] B.LXII,I. [2] [3] .79.صفحہ دیکھیں Tir.XLVI,33.

[4] A. H. III, 64. (III, 24)

قرآن مجید بتاتا ہے کہ فرشتوں نے مریم سے کہا: "بے شک اللہ نے تمہیں تمام جہانوں کی عورتوں پر چن لیا ہے۔(آل عمران "،3:42)

[5] Tir. XL VI, 20. [6] F. XXVI, مناقب الصحابۃ.

[7] B. LXXXI, 27. [8] B. XCII,14. [9] M.XLVII,6. [10] M.I,'23 2.

پھر بھی، انہوں نے وعدہ کیا کہ اللہ انہیں تنہا نہیں چھوڑے گا:

"اللہ اس امت کے لیے ہر سو سال کے آغاز میں ایک شخص بھیجے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا[1]۔"

ایک اور موقع پر، جب نبی کریم ﷺ کے کچھ صحابہ آپ کے ساتھ موجود تھے، تو انہوں نے آپ کو بار بار یہ کہتے ہوئے سنا:

"اے میرے بھائیو!"

صحابہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ، کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟"

آپ ﷺ نے جواب دیا: "تم میرے صحابہ ہو۔ لیکن میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی آئے نہیں ہیں" - ایک اور روایت میں: "جو آخری دنوں میں آئیں گے۔"

آپ کے اندازِ گفتگو سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے جو روحانی عظمت کے حامل ہوں گے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی پیشگوئی فرمائی کہ آخری دنوں کے فتنوں کے باوجود ایک خلیفہ اٹھے گا جسے لوگ "مہدی" کے لقب سے یاد کریں گے، جس کا مطلب ہے "ہدایت یافتہ":

"مہدی میری نسل سے ہو گا، اور اس کی پیشانی کشادہ اور ناک عقابی ہو گی۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے یہ ظلم و ستم سے بھر دی گئی تھی۔ وہ سات سال حکومت کرے گا۔[2]"

لیکن آخرکار، اس کی حکومت کے اختتام کے قریب یا اس کے بعد دجال کا ظہور ہو گا،

"ایک ایسا شخص جس کی دائیں آنکھ اندھی ہو گی اور اس میں روشنی بالکل نہیں ہو گی، گویا وہ انگور کا دانہ ہو۔[3]"

دجال زمین پر بڑے فساد برپا کرے گا، اور اپنی شعبدہ بازی کے ذریعے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے گا۔ لیکن ایک مومنوں کا گروہ اس کے خلاف لڑائی کرے گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

"جب وہ (مومن) لڑائی کے لیے تیار ہو رہے ہوں گے اور نماز کے لیے صفیں سیدھی کر رہے ہوں گے، تب عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے اور ان کی امامت کریں گے۔ اور اللہ کا دشمن (دجال) جب عیسیٰ کو دیکھے گا تو نمک کی طرح پانی میں گھل جائے گا۔ اگر اسے چھوڑ دیا جاتا، تو وہ ختم ہو جاتا، لیکن اللہ عیسیٰ کے ہاتھوں اسے قتل کرے گا، اور عیسیٰ اس کا خون اپنے نیزے پر دکھائیں گے[4]۔"

آپ ﷺ نے ان نشانیوں کے بارے میں بھی بات کی جن کے ذریعے لوگ جان سکیں گے کہ یہ آخری واقعات قریب ہیں؛ ان میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگ حد سے زیادہ اونچی عمارتیں بنائیں گے۔ یہ پیشگوئی ایک اہم موقع پر کی گئی، جس کا ذکر 'عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے 'عبد اللہ رضی اللہ عنہ' نے اپنے والد کے الفاظ دہراتے ہوئے کیا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "ایک دن جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، تو ہمارے پاس ایک شخص آیا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال نہایت سیاہ تھے، اور سفر کی کوئی علامتیں اس پر ظاہر نہیں تھیں، اور ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں جانتا تھا۔ وہ نبی ﷺ کے سامنے بیٹھا، اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملائے اور اپنے ہاتھ آپ ﷺ کی رانوں پر رکھ دیے، اور کہا: 'اے محمد ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔' اس نے کہا: 'آپ نے سچ کہا۔' ہم حیران تھے کہ وہ سوال بھی کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق بھی کر رہا ہے۔ پھر اس نے کہا: 'مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن پر ایمان لاؤ، اور یہ یقین رکھو کہ خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے۔' اس نے کہا: 'آپ نے سچ کہا۔

[1] A.D. XXXVI, 1. [2] A.D. XXXV, 4. [3] M. LII, 20. [4] M. LII, 9.

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: "احسان کیا ہے؟"
آپ ﷺ نے جواب دیا: "اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو (یقین رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"
حضرت جبرائیل نے فرمایا: "آپ نے سچ فرمایا۔" پھر انہوں نے سوال کیا: "قیامت کے بارے میں بتائیے۔"
آپ ﷺ نے جواب دیا: "جس سے سوال کیا جارہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔"
انہوں نے کہا: "پھر اس کی علامات بتائیے۔"
آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی[1]، اور ننگے پاؤں، ننگے بدن، محتاج چرواہے بلند و بالا عمارتیں تعمیر کریں گے۔"

پھر وہ اجنبی شخص چلا گیا، اور میں کچھ دیر بعد تک وہیں رہا۔
پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے عمر، جانتے ہو یہ سوال کرنے والا کون تھا؟"
میں نے عرض کیا: "اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔"
آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جبرائیل تھے، وہ تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔[2]"

[1] ایک عورت جو بیٹی کو جنم دیتی ہے، بعد کے دور کے بچوں کی اپنے والدین کے لیے بے احترامی کی وجہ سے، وہ بیٹی کی محض ایک لونڈی بن کر رہ جائے گی۔ اس قول کا دوسرا حصہ نہ صرف سماجی ترتیب میں افراتفری کی پیش گوئی کرتا ہے بلکہ خانہ بدوش طرزِ زندگی پر مقیم طرزِ زندگی کی حتمی فتح کی بھی نشاندہی کرتا ہے،
یعنی قابیل کے ہابیل کے قتل پر لگنے والی آخری مہر۔

[2] M. I, i.

LXXXIII

The Farewell Pilgrimage

حجۃ الوداع

جب رسول اللہ ﷺ رمضان کے دوران مدینہ میں ہوتے تو آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ماہ کے درمیانی دس دن مسجد میں اعتکاف کرتے، اور آپ کے کچھ صحابہ بھی ایسا ہی کرتے۔ لیکن اس سال، مقررہ دس دن پورے کرنے کے بعد، آپ ﷺ نے صحابہ کو مزید دس دن اعتکاف کرنے کی دعوت دی، یعنی ماہ کے اختتام تک، اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ہر سال رمضان میں جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آتے اور اس بات کو یقینی بناتے کہ قرآن کے کسی حصے کو فراموش نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس سال اعتکاف کے بعد آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک راز بتایا جو ابھی کسی اور کو نہیں بتانا تھا: "جبرائیل ہر سال قرآن میرے ساتھ ایک بار دہراتے ہیں، لیکن اس سال انہوں نے دو بار دہرایا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے[1]۔"

شوال کا مہینہ گزر گیا، اور سال کے گیارہویں مہینے میں یہ اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ خود حج کی قیادت کریں گے۔ یہ خبر صحرائی قبائل تک پہنچائی گئی، اور لوگ مختلف سمتوں سے مدینہ کی طرف آنے لگے، اس موقع سے خوش ہو کر کہ وہ ہر قدم پر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دے سکیں۔ یہ حج گزشتہ کئی صدیوں کے حج سے مختلف ہوگا: سب حاجی ایک خدا کی عبادت کرنے والے ہوں گے، اور کوئی مشرک کعبہ کو اپنی بت پرستانہ رسومات سے ناپاک نہ کرے گا۔

ماہ کے اختتام سے پانچ دن پہلے رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ تیس ہزار سے زیادہ مرد اور عورتیں تھیں۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات بھی موجود تھیں، ہر ایک اپنے کجاوے میں، اور ان کے ساتھ عبد الرحمن بن عوف اور عثمان بن عفانؓ تھے۔ ابو بکرؓ اپنی زوجہ اسماء بنت عمیس کے ساتھ تھے، اور پہلے پڑاؤ پر ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔ ابو بکرؓ نے انہیں مدینہ واپس بھیجنے کا ارادہ کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں غسلِ جنابت کرنے کو کہیں، پھر حج کے لیے احرام باندھیں اور ہمارے ساتھ رہیں جیسا کہ منصوبہ بنایا تھا۔

مدینہ سے روانگی کے دسویں دن کی شام کو رسول اللہ ﷺ اس راستے پر پہنچے جہاں سے آپ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ آپ نے وہاں رات گزاری، اور اگلی صبح مکہ کی وادی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ کی نظر کعبہ پر پڑی تو آپ نے احتراماً اپنے ہاتھ بلند کیے۔

[1] B.LXI, 2.5.

جب نبی اکرم ﷺ کی نظر خانہ کعبہ پر پڑی، تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور اسے بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر دائیں ہاتھ کو دعا کے لیے بلند کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس گھر کو انسانیت کے دلوں میں عزت، بڑائی، برکت، احترام، اور تقویٰ میں مزید اضافہ عطا فرما![1]"

آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کے گرد سات چکر (طواف) کیے۔ پھر مقام ابراہیم پر نماز ادا کی۔ اس کے بعد صفا کی طرف گئے اور صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ آپ کے ساتھ موجود لوگ ہر مقام پر آپ ﷺ کے الفاظِ حمد و دعا کو یاد رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

واپس مسجد میں آکر آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی اور اس کے دروازے کے محافظ، عثمان بن عبد الدار، کے ساتھ اندر گئے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ بلالؓ اور اسامہؓ بھی تھے، جیسا کہ پہلے بھی ہوتا تھا۔ لیکن جب شام کو آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے خیمے میں تشریف لائے تو وہ محسوس کر رہی تھیں کہ آپ ﷺ اداس ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے وجہ پوچھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"آج میں نے ایک ایسا کام کیا ہے جو کاش میں نہ کرتا۔ میں خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوا، اور شاید میری امت کا کوئی فرد، آنے والے دنوں میں، اس کے اندر داخل نہ ہو سکے اور وہ اپنے دل میں اس کی وجہ سے بے چینی محسوس کرے۔ ہمیں صرف اس کا طواف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ اندر جانے کا۔[2]"

آپ ﷺ نے مکہ میں کسی گھر میں قیام کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ ام ہانی نے اصرار کیا کہ آپ ﷺ ان کے گھر رہیں۔ نئے چاند کی آٹھویں تاریخ کو آپ ﷺ وادیٔ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے، اور باقی حاجیوں نے آپ کی پیروی کی۔ رات وہاں گزارنے کے بعد آپ ﷺ صبح طلوع ہونے پر عرفات کے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ عرفات ایک وسیع وادی ہے، جو مکہ سے مشرق کی جانب تقریباً تیرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے، اور یہ حرم کی حدود سے باہر ہے۔

عرفات کے وسط میں موجود پہاڑی کو "جبل الرحمۃ" (رحمت کا پہاڑ) کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ اسی پہاڑی پر اس دن قیام فرما ہوئے۔ مکہ کے بعض لوگوں کو حیرت ہوئی کہ آپ ﷺ اتنی دور کیوں گئے، کیونکہ قریش کے لوگ حج کے دوران عرفات کے میدان میں جانے کے بجائے حرم کی حدود میں ہی رہتے تھے اور کہتے تھے: "ہم اللہ کے لوگ ہیں۔"

لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے عرفات کے دن کو حج کا لازمی حصہ قرار دیا تھا، اور قریش نے ان کی سنت کو ترک کر دیا ہے۔

اس دن آپ ﷺ نے حج کی قدامت اور اس کے حضرت ابراہیمؑ سے تعلق پر زور دیا، اور "ابراہیم کی میراث" کے الفاظ بار بار آپ ﷺ کی زبان پر تھے۔

آپ ﷺ نے تمام قبائل کو یہ باور کرانے کے لیے کہ اسلام کی برادری میں خونریزی اور انتقام کے جھگڑے ختم ہو چکے ہیں، اور ہر مسلمان کی جان و مال محترم ہے، صفوان کے بھائی ربیعہ کو، جن کی آواز بلند تھی، یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا:

"اللہ کے رسول فرماتے ہیں: جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟"

لوگ خاموش رہے، تو آپ ﷺ نے خود جواب دیا: "یہ حرمت والا مہینہ ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "جانتے ہو یہ کون سی سرزمین ہے؟"

لوگ خاموش رہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ حرمت والی زمین ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟"

لوگ پھر خاموش رہے، تو آپ ﷺ نے جواب دیا: "یہ حجِ اکبر کا دن ہے۔"

اس کے بعد ربیعہ نے نبی اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق اعلان کیا:

"بے شک، اللہ نے تمہارے خون اور تمہارے مال کو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام قرار دیا ہے، جیسے اس دن کو، اس مہینے کو، اور اس زمین کو حرام قرار دیا ہے، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔"

[1]W.1097. [1] W. 1100

جب سورج نصف النہار سے گزر گیا تو نبی اکرم ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو، میری بات سنو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد میں تمہارے ساتھ اس مقام پر دوبارہ مل سکوں گا یا نہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین کی اور ان کو ان چیزوں کی یاد دہانی کروائی جو حرام اور حلال قرار دی گئی ہیں۔ آخر میں فرمایا:

"میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ وہ ایک واضح رہنمائی ہے: اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے نبی کا کلام۔ لوگو، میری بات سنو اور اسے سمجھو۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ وحی بیان کی جو ابھی آپ ﷺ پر نازل ہوئی تھی، اور یہ قرآن کی آخری آیت تھی:

"آج کافروں کو تمہارے دین پر غلبہ پانے کی کوئی امید نہیں رہی، لہٰذا ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کیا۔[1]" (سورہ المائدہ: 3)

آپ ﷺ نے خطبہ مختصر کیا اور آخر میں ایک اہم سوال کیا:

"لوگو، کیا میں نے تم تک اپنا پیغام پوری امانت کے ساتھ پہنچا دیا؟"

ہزاروں لوگوں نے ایک آواز میں جواب دیا "اے اللہ! ہاں۔":

یہ الفاظ "اللّٰھُمَّ نَعَم" پوری وادی میں گرجدار آواز کی طرح گونج اٹھے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی بلند کی اور فرمایا:

"اے اللہ! گواہ رہنا!"[2]

اس کے بعد نمازِ ظہر اور عصر ادا کی گئی، اور یوم عرفہ کے باقی وقت کو دعا اور مراقبے میں گزارا گیا۔ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اسامہؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور عرفات کے میدان سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اور حاجیوں نے آپ کی پیروی کی۔ راستے میں جب کچھ لوگ جلد بازی کرنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا آہستہ، آہستہ! سکون کے ساتھ چلو، اور تم میں جو مضبوط ہیں وہ کمزوروں کا خیال رکھیں۔

"رات مزدلفہ میں گزاری گئی، جو حرم کی حدود میں ہے۔ وہاں حاجیوں نے چھوٹے کنکر جمع کیے تا کہ منیٰ کی وادی میں جمرات (شیطان کی علامت) پر کنکر مار سکیں۔

حضرت سودہؓ نے رات کے آخری حصے میں مزدلفہ سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت مانگی کیونکہ ان کا قد اور جسمانی ساخت بھاری تھی، جس کی وجہ سے سفر کی مشقت اور گرمی کا اثر ان پر زیادہ ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ام سلیمؓ اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہؓ کی معیت میں آگے روانہ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں نمازِ فجر ادا کی اور حاجیوں کو منیٰ کے مقام عقبہ کی طرف لے گئے، جہاں فضلؓ آپ ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر سوار تھے۔ یہ وہی مقام تھا جہاں بارہ سال پہلے خزرج کے چھ آدمیوں نے آپ ﷺ کی بیعت کی تھی، جو عقبہ کے پہلے اور دوسرے عہد کی بنیاد بنی۔

جمرات پر کنکر مارنے کے بعد قربانی کا فریضہ ادا کیا گیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر کے بال منڈوانے کے لیے ایک شخص کو بلایا۔ حاجی آپ ﷺ کے بال حاصل کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بعد میں یہ ذکر کیا کہ غزوہ احد اور خندق میں جلال دکھانے والے خالد بن ولیدؓ اب کتنے عاجزی سے کہہ رہے تھے:

"اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ کی پیشانی کے بال! یہ کسی اور کو نہ دیجیے، میرے والد اور والدہ آپ پر قربان ہوں![3]"

جب آپ ﷺ نے انہیں کچھ بال دیے تو انہوں نے انہیں ادب سے اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگایا۔

[1] V,3. [2] I.I 969 [3] W.II08.

رسول اللہ ﷺ نے حج کے اختتامی مراحل کے طور پر حاجیوں کو ہدایت کی کہ وہ کعبہ کی زیارت کریں اور پھر منیٰ واپس آکر وہاں کی راتیں گزاریں۔ آپ ﷺ خود شام کے وقت مکہ روانہ ہوئے، اور آپ کی تمام ازواج بھی ساتھ تھیں سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے، جو اس وقت حالت طہارت میں نہ تھیں۔ بعد میں جب وہ اس قابل ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے بھائی عبد الرحمٰنؓ کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ حدود حرم سے باہر جاکر احرام باندھیں اور کعبہ کا طواف کریں۔

یمن کے مشن سے واپس آنے والی تین سو سواروں کی جماعت، جسے رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں بھیجا تھا، اب مکہ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کے لیے جلدی آئے تاکہ ان کے ساتھ حج کریں، جو انہوں نے مکمل کیا۔ مال غنیمت میں ریاست کے حصے سے کافی کپڑے تھے جو پوری جماعت کو مہیا کیے جاسکتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ نے فیصلہ کیا کہ یہ کپڑے رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر تقسیم نہیں کیے جاسکتے۔

تاہم، ان کی غیر موجودگی میں ان کے نائب نے حاجیوں کو نئے کپڑے فراہم کیے تاکہ وہ عید کے موقع پر بہتر حالت میں ہوں۔ جب حضرت علیؓ واپس آئے اور یہ دیکھا تو انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور ان کپڑوں کو واپس کرنے کا حکم دیا۔ فوج میں اس فیصلے پر کافی ناراضی پیدا ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس ناراضی کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو، علیؓ کو ملامت نہ کرو، کیونکہ وہ اللہ کے راستے میں انتہائی محتاط ہیں اور ان پر ملامت جائز نہیں۔"

لیکن یہ بات مکمل طور پر فوج کو مطمئن نہ کر سکی، اور شکایتیں جاری رہیں۔

واپسی کے سفر میں ایک موقع پر ایک شخص نے حضرت علیؓ کی شکایت نبی اکرم ﷺ سے کی، جس پر آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا میں مومنوں کے لیے ان کی اپنی جانوں سے زیادہ قریب نہیں ہوں؟"

جب اس شخص نے تائید کی تو آپ ﷺ نے مزید فرمایا" جس کا میں مولا ہوں، علیؓ بھی اس کے مولا ہیں۔":

پھر جب قافلہ غدیر خم کے مقام پر پہنچا، تو آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو جمع کیا، حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اعلان فرمایا:

"اے اللہ! جو اس کا دوست ہو، اس کا تو دوست ہو جا، اور جو اس کا دشمن ہو، اس کا تو دشمن ہو جا۔"

یہ اعلان سن کر حضرت علیؓ کے خلاف تمام شکایتیں ختم ہو گئیں[1]۔

گزشتہ سال بنو حنیفہ کے عیسائی قبیلے کا ایک وفد مدینہ آیا تھا اور انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ تاہم، قبیلے کے ایک شخص، مسیلمہ بن کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ حج کے بعد کچھ ہی عرصے میں اس کی جانب سے ایک خط مدینہ پہنچا، جس میں لکھا تھا:

"مسلیمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے لیے، سلام ہو تم پر! مجھے تمہارے ساتھ اختیار بانٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آدھی زمین ہماری ہے، اور آدھی قریش کی، حالانکہ وہ ایک ایسی قوم ہیں جو زیادتی کرتی ہے۔..."

[1] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ, V, 209.

جب مسیلمہ کذاب کے قاصدوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کے دعویٰ کی تائید کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر سفیروں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تمہارے سر قلم کر دیتا۔"

پھر آپ ﷺ نے مسیلمہ کو ایک خط لکھوایا:

"محمد ﷺ رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے لیے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے! بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور انجام پرہیز گاروں کے حق میں ہے[1]۔"

مسیلمہ کے علاوہ، اس وقت دو اور جھوٹے مدعیان نبوت بھی منظر عام پر آئے:

1. طلیحہ بن خویلد: بنی اسد کے ایک سردار تھے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ بعد میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں شکست کے بعد طلیحہ نے اپنے دعویٰ سے رجوع کر لیا اور اسلام کے لیے ایک مضبوط قوت بن گئے۔

2. اسود عنسی: یمن کے ایک شخص تھے، جنہوں نے اپنی چالاکیوں اور طاقت کے ذریعے ایک وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ان کے غرور نے ان کے پیروکاروں کو ان کے خلاف کر دیا، اور چند ماہ کے اندر انہیں قتل کر دیا گیا۔

مسیلمہ کو کئی ماہ بعد یمامہ کے معرکے میں شکست ہوئی، جہاں صحابہ نے اس کی جھوٹی نبوت کا خاتمہ کیا۔ یہ معرکہ اسلام کے خلاف ایک بڑے خطرے کو ختم کرنے کا ذریعہ بنا وحشیؓ (جنہوں نے ماضی میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہؓ کو شہید کیا تھا) نے مسیلمہ کو نیزے سے زخمی کیا۔

اس کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زیدؓ نے اس پر کاری وار کر کے اسے ختم کر دیا۔

اس وقت ایک اور مدعیہ نبوت، سجاح نامی ایک عورت بھی تھی، جو بنو تمیم سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا، لیکن بعد میں اس نے مسیلمہ سے اتحاد کر لیا اور اپنے دعویٰ سے باز آ گئی۔

ان جھوٹے مدعیان نبوت کے خطرے کے باوجود، رسول اللہ ﷺ نے فوری طور پر ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ آپ ﷺ کی توجہ شمالی عرب کی جانب تھی، جہاں روم کی فوجوں اور ان کے حلیف قبائل نے پہلے غزوہ مؤتہ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا۔

ربیع الاول 11 ہجری (مئی 632 عیسوی) کے آخر میں، آپ ﷺ نے جب ان عرب قبائل کے خلاف مہم کی تیاری کرنے کا حکم دیا جو شام میں شاہی سلطنتی لشکروں کے ساتھ تھے، جنہوں نے زید اور جعفر رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن ان کا ساتھ دیا تھا، تو اس نے زید کے بیٹے اسامہ کو بلایا اور اس کو، اس کی کم عمری کے باوجود، تین ہزار افراد پر مشتمل فوج کا کمانڈر مقرر کیا۔

[1] 1.1. 965.

LXXXIV

The Choice

انتخاب

حضرت محمد ﷺ مسلسل جنت کا ذکر کرتے رہتے تھے، اور جب وہ ایسا کرتے تو ایسا لگتا جیسے وہ جو بیان کر رہے ہوں، وہ خود اسے دیکھ رہے ہوں۔ یہ تاثر کئی دیگر نشانیوں سے بھی ثابت ہوا، مثلاً ایک مرتبہ جب انہوں نے اپنا ہاتھ اس طرح پھیلایا جیسے کچھ لینے جا رہے ہوں اور پھر واپس کھینچ لیا۔ وہ کچھ نہ بولے، لیکن ان کے ساتھ موجود کچھ لوگوں نے ان کے عمل کو نوٹ کیا اور ان سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے جنت دیکھی، اور میں اس کے انگوروں کے گچھے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اگر میں نے اسے لے لیا ہوتا، تو تم لوگ اس سے اتنا کھاتے جتنا یہ دنیا قائم رہتی۔"[1]

لوگ اس بات کے عادی ہو چکے تھے کہ وہ انہیں ایک ایسے شخص کے طور پر دیکھتے تھے جو کسی نہ کسی طور پر آخرت میں موجود ہو۔ شاید اسی وجہ سے جب انہوں نے اپنی موت کا ذکر کیا اور کبھی کبھار یہ اشارہ کیا کہ ان کی موت قریب ہو سکتی ہے، تو ان کے الفاظ پر بہت زیادہ اثر نہیں پڑا۔ مزید یہ کہ اپنی تریسٹھ سال کی عمر کے باوجود، آپ ﷺ کا جسمانی قد اور دلکشی ایک بہت ہی کم عمر شخص کی طرح تھی، آپ کی آنکھوں میں تروتازگی تھی اور آپ کے سیاہ بالوں میں صرف چند سفید بال تھے۔ لیکن ایک موقع پر جب آپ اپنی بیویوں کے ساتھ بیٹھے تھے، آپ کا ایک بیان اتنا گہرا تھا کہ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ ان میں سے کون پہلی بار آپ کے ساتھ آخرت میں شامل ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو تم میں سب سے زیادہ لمبی بازو والی ہو گی، وہ سب سے پہلے میری ملاقات کرے گی۔"[2]

اس پر انہوں نے ایک دوسرے کے بازو کی پیمائش کرنا شروع کر دی۔ بظاہر، اگرچہ یہ ریکارڈ نہیں ہے، لیکن شاید سَودَہ رضی اللہ عنہا نے یہ مقابلہ جیتا کیونکہ وہ سب سے لمبی اور عمومی طور پر سب سے بڑی تھیں۔ دوسری طرف، زینب رضی اللہ عنہا چھوٹی قد کی تھیں، اور ان کے بازو بھی نسبتاً چھوٹے تھے۔ لیکن زینب رضی اللہ عنہا ہی وہ تھیں جو ان سب میں سب سے پہلے انتقال کر گئیں، تقریباً دس سال بعد۔ تب انہیں یہ احساس ہوا کہ "سب سے زیادہ لمبی بازو والی" سے مراد آپ ﷺ کا مقصد سب سے زیادہ دینے والی عورت تھی، کیونکہ زینب نہایت فیاض تھیں، جیسے ان کی ہم نام پیشرو جنہیں "غریبوں کی ماں" کہا جاتا تھا۔"۔

ایک رات، جب ابھی کچھ وقت ہی ہوا تھا کہ حضرت ﷺ نے شام کی مہم کے لیے تیاریوں کا حکم دیا اور فوج روانہ نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ نے اپنے غلام ابو مویہبہ کو بلایا اور فرمایا:

"مجھے قبرستان کے لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں ساتھ نکلے، اور جب وہ بقیع پہنچے تو حضرت ﷺ نے فرمایا:

"تم پر سلام ہو، اے قبر والوں! اپنے حال پر خوش رہو، تمہارا حال زندہ لوگوں کے حال سے بہت بہتر ہے۔ اختلافات رات کے تاریک طوفان کی طرح آتے ہیں، ہر نیا طوفان پچھلے سے بدتر ہوتا ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے ابو مویہبہ سے فرمایا:

"مجھے اس دنیا کے خزانے کی چابیاں اور اس میں ہمیشہ کی زندگی کی پیشکش کی گئی ہے۔"

[1] B. XVI, 8.   [2] 1.5.VIII, 76-7.

پھر حضرت ﷺ نے فرمایا: "اور مجھے جنت کے بعد، اپنے رب سے ملاقات اور جنت کے درمیان انتخاب کا موقع دیا گیا ہے۔" ابو مویہبہ نے کہا: "اے میرے والد اور والدہ سے بھی زیادہ عزیز، تم اس دنیا کے خزانے اور اس میں ہمیشہ کی زندگی لے لو، اس کے بعد جنت۔" لیکن آپ ﷺ نے جواب دیا: "میں نے پہلے ہی اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو منتخب کر لیا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے بقیع کے لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کی[1]۔

اسی دن یا شاید اگلے دن صبح کے وقت، آپ ﷺ کا سر ایسا درد کر رہا تھا جیسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ مسجد گئے اور نماز پڑھانے کے بعد منبر پر چڑھ کر جنگ احد کے شہداء کے لیے دعا کی، گویا- جیسا کہ بعد میں کہا گیا- یہ آپ ﷺ کا آخری موقع تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے بعض بندوں کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس دنیا اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے ایک کا انتخاب کریں، اور وہ بندہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے منتخب کرتا ہے۔" جب آپ ﷺ نے یہ کہا تو ابو بکرؓ رونے لگے کیونکہ انہیں پتہ چل گیا کہ حضرت ﷺ خود کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کا مطلب قریبی موت ہے۔ حضرت ﷺ نے دیکھا کہ ابو بکرؓ سمجھ گئے ہیں، اور انہیں رونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: "اے لوگوں، میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے اور جن کی دست درازی سے مجھے سب سے زیادہ فائدہ ہوا وہ ابو بکر ہیں؛ اور اگر میں تمام انسانوں میں سے کسی کو اپنا حقیقی دوست بنا سکتا تو وہ ابو بکر ہوتے- لیکن ہم دونوں کی دوستی اور ایمان کا رشتہ ایسا ہے کہ اللہ ہمیں اپنی بارگاہ میں اکٹھا کرے گا۔" اسی موقع پر آپ ﷺ نے مسجد میں موجود مختلف دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "دیکھو، یہ وہ دروازے ہیں جو مسجد میں شامل ہیں۔ انہیں بند کر دیا جائے، سوائے ابو بکر کے دروازے کے۔[2]" منبر سے نیچے اترنے سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہارے سامنے جا رہا ہوں، اور میں تمہاری گواہی دینے والا ہوں۔ تمہاری ملاقات میرے ساتھ حوضِ کوثر پر ہوگی[3]، جو میں یہاں سے دیکھ رہا ہوں جہاں میں کھڑا ہوں۔ میں تمہارے لیے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ گے، لیکن میں تمہارے لیے اس دنیا سے ڈرتا ہوں، کہ تم ایک دوسرے سے دنیاوی مال و دولت میں مقابلہ کرو گے[4]۔"

مسجد سے آپ ﷺ واپس میمونہ کے کمرے میں گئے، جہاں ان کی باری تھی۔ خطاب کرنے کی کوشش سے بخار بڑھ گیا تھا؛ اور ایک یا دو گھنٹے بعد، یہ بتانے کے لیے کہ وہ بیمار ہیں، آپ ﷺ مختصر طور پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے پاس گئے۔ وہ بھی سر درد میں مبتلا تھیں، اور جب آپ ﷺ ان کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: "اے میرے سر!"

حضرت ﷺ نے فرمایا: "نہیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا! یہ تو میرا سر درد رہا ہے!" لیکن پھر آپ ﷺ نے ان کی حالت کو غور سے دیکھا جیسے کسی مہلک بیماری کا کوئی نشان تلاش کر رہے ہوں، اور جب کچھ نہ پایا تو فرمایا: "میں چاہتا تھا کہ ایسا ہو جائے"- یعنی ان کی موت- "جبکہ میں زندہ ہوں تاکہ میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا کر سکوں اور تم پر رحمت نازل کر سکوں اور تمہیں کفن دے سکوں، تمہاری نماز جنازہ پڑھ سکوں اور تمہیں دفن کر سکوں۔" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ دیکھ رہی تھیں کہ آپ ﷺ بیمار ہیں اور آپ کی آواز کا لہجہ انہیں پریشان کر رہا تھا، لیکن انہوں نے اس بات کو ہنسی میں بدلنے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گئیں جس سے آپ ﷺ کے چہرے پر تھوڑی سی مسکراہٹ آ گئی۔ پھر آپ ﷺ نے کہا: "نہیں، یہ میرا سر درد ہے[5]"؛ اور میمونہ کے پاس واپس چلے گئے۔

[1] I.I. 1000. [2] 1.1. 1006. [3] حوض کوثر، جو آسمانی دریا سے سیراب ہوتا ہے جو نبی اکرم ﷺ کو عطا کیا گیا، ایک جھیل ہے جہاں مومنین جنت میں داخلے کے وقت اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ [4] B. LXIV, 17. [5] 1.S. II/2, 10.

پھر وہ وقت آیا جب حضرت ﷺ صرف بیٹھ کر نماز پڑھا سکتے تھے، اور آپ ﷺ نے جماعت کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ جب وہ اُس بیوی کے کمرے میں واپس آئے جس کا دن تھا، تو آپ ﷺ نے پوچھا: "کل میں کہاں ہوں گا؟" تو انہوں نے بتایا کہ آپ کس کے پاس جائیں گے۔ "پھر پرسوں کہاں؟" آپ ﷺ نے دوبارہ سوال کیا، اور اس پر وہ بیوی سوچ میں پڑ گئی، اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ آپ ﷺ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے پاس جانا چاہتے ہیں، انہوں نے باقی بیویوں سے کہا، جس پر وہ سب آپ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: "اے اللہ کے رسول، ہم نے اپنے دن آپ کے ساتھ اپنی بہن عائشہ کو دے دیے ہیں۔[1]" آپ ﷺ نے ان کا تحفہ قبول کر لیا، لیکن اب آپ ﷺ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ خود چل کر نہیں جا سکتے تھے، تو عباس رضی اللہ عنہؓ اور علیؓ نے آپ ﷺ کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے کمرے تک پہنچایا۔

آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ شام کی مہم کے لیے اسامہ کو سپہ سالار مقرر کرنے پر لوگوں کی جانب سے شدید تنقید ہو رہی ہے، اور اس کے نتیجے میں تیاریوں میں کچھ سستی آ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے ناقدین کا جواب دینے کی ضرورت محسوس کی، مگر بخار شدید تھا، تو آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے کہا: "میرے اوپر سات مختلف کنوؤں کا پانی ڈالو تاکہ میں باہر جا کر لوگوں کو نصیحت کر سکوں۔" حفصہؓ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے کمرے میں ایک ٹب لایا، اور باقی بیویوں نے پانی لایا، اور آپ ﷺ ٹب میں بیٹھ کر پانی ڈلواتے رہے۔ پھر آپ ﷺ کو لباس پہنایا گیا اور سر پر پٹی باندھی گئی، اور دو آدمیوں نے آپ ﷺ کو مسجد تک پہنچایا، جہاں آپ ﷺ منبر پر بیٹھ کر جمع ہونے والوں سے فرمایا: "اے لوگو، اسامہ کی فوج کو روانہ کرو، کیونکہ اگرچہ تم اس کی قیادت پر سوال اٹھاتے ہو، جیسے تم اس کے والد کی قیادت پر سوال اٹھاتے تھے، وہ قیادت کے لائق ہے، جیسے اس کا والد اس کے لائق تھا۔" آپ ﷺ منبر سے نیچے اترے اور واپس عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے گھر پہنچے۔

تیاریوں کو تیز کیا گیا، اور اسامہ اپنی فوج کے ساتھ جرف تک پہنچے، جو مدینہ کے شمال میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ اگلی اذان پر حضرت ﷺ کو یہ محسوس ہوا کہ وہ اب نماز نہیں پڑھا سکتے، چاہے وہ بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں، تو آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے کہا: "ابو بکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" لیکن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کو خوف تھا کہ ان کے والد کو یہ بہت تکلیف دے گا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی جگہ نماز پڑھائیں، کیونکہ ابو بکرؓ کی آواز بہت نرم اور قرآن پڑھتے وقت وہ اکثر روتے تھے۔ "اے اللہ کے رسول، ابو بکرؓ بہت حساس ہیں، ان کی آواز بھی زیادہ بلند نہیں ہے اور وہ قرآن پڑھتے ہوئے روتے ہیں۔" حضرت ﷺ نے فرمایا: "انہیں نماز پڑھانے دو، جیسے تم نے کچھ نہیں کہا۔" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے پھر کوشش کی اور تجویز دی کہ عمرؓ کو ان کی جگہ لے آنا چاہیے۔ "ابو بکرؓ کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں،" حضرت ﷺ نے پھر فرمایا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے حفصہؓ کی طرف دیکھ کر مدد کی درخواست کی، تو حفصہؓ نے بولنا شروع کیا، لیکن حضرت ﷺ نے انہیں روک دیا اور فرمایا: "تم ویسی ہی ہو جیسی یوسف کے ساتھ والی خواتین تھیں۔[3]" پھر فرمایا: "ابو بکرؓ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ الزام لگانے والے الزام لگائیں اور جو شوقین ہیں وہ خواہش کریں۔ اللہ اور اہل ایمان اس کے سوا نہیں چاہیں گے۔[4]" یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائی، اور باقی بیماری کے دوران ابو بکرؓ نے ہی نماز پڑھائی۔

حضرت ﷺ اکثر وقت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کی گود یا سینے پر سر رکھ کر لیٹے رہتے تھے، مگر جب فاطمہ رضی اللہ عنہاؓ آتیں تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ تھوڑی سی جگہ چھوڑ دیتی تھیں تاکہ والد اور بیٹی کو کچھ ذاتی وقت مل سکے۔ ایک دفعہ جب ایسا ہوا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے دیکھا کہ حضرت ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہاؓ کے کان میں کچھ کہا

[1] 1.S.II/2, 30.

[2] جب کچھ دیر بعد مہم ہوئی، تو اسامہ نے ان الفاظ کی سچائی کو ثابت کر دیا۔

[3] فوطیفار عزیز مصر کی خود سر بیوی اور اس کی دوستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے؛ see K. XII, 31-3.

[4] I.S.II/2, 20.

اس پر فاطمہ رضی اللہ عنہاؓ رونے لگیں۔ پھر حضرت ﷺ نے ان سے ایک اور راز کی بات کی جس پر وہ آنکھوں میں آنسو ہوتے ہوئے مسکرا دیں۔ جب وہ جانے لگیں تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ نے کیا کہا تھا، تو فاطمہ رضی اللہ عنہاؓ نے جواب دیا کہ وہ راز ہیں جو وہ نہیں بتا سکتیں۔ لیکن بعد میں انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ سے کہا: "رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ وہ اسی بیماری میں انتقال کریں گے جس میں وہ وفات پا گئے، اور اس لیے میں روتی رہی۔ پھر انہوں نے بتایا کہ میں ہی ان کے گھر والوں میں سب سے پہلے ان کے ساتھ ملوں گی، اور اس لیے میں مسکرا دی[1]۔"

حضرت ﷺ نے اپنی بیماری میں شدید تکلیف برداشت کی، اور ایک دن جب بیماری اپنی انتہاء کو پہنچ گئی، تو حضرت صفیہؓ نے کہا: "اے اللہ کے رسول، کاش میرے پاس وہ سب کچھ ہوتا جو آپ ﷺ کے پاس ہے!" اس پر کچھ دوسری بیویوں نے ایک دوسرے کو چپکے سے دیکھا اور ایک دوسرے سے سرگوشی کی اور کہا کہ یہ منافقت ہے۔ حضرت ﷺ نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا: "جاؤ، اپنے منہ دھولو۔" انہوں نے وجہ پوچھی تو حضرت ﷺ نے فرمایا: "تم نے اپنی ساتھی کے بارے میں جو کہا وہ جھوٹ ہے، اللہ کی قسم، وہ سچ کہہ رہی ہیں۔[2]"

امّ ایمن مسلسل آپ ﷺ کی خدمت میں تھیں اور اپنے بیٹے کو آگاہ کرتی رہیں۔ اسامہؓ نے پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مزید آگے نہیں بڑھیں گے اور جرف میں اپنے کیمپ میں رہیں گے، جب تک کہ اللہ کا حکم نہ آئے۔ لیکن ایک صبح جب اس کو اطلاع ملی، تو وہ مدینہ آئے اور حضرت ﷺ کے پاس جا کر روتے ہوئے پہنچے۔ اس دن حضرت ﷺ اتنے بیمار تھے کہ بات نہیں کر سکے، حالانکہ وہ پوری طرح ہوش میں تھے۔ اسامہؓ نے ان کے قریب جا کر ان کے رخسار کو بوسہ دیا، اور حضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ اٹھایا جیسے آسمان سے برکات طلب کر رہے ہوں، پھر ایسا اشارہ کیا جیسے اپنے ہاتھ میں جو کچھ تھا اسے اسامہؓ پر انڈیل دیا۔ اسامہؓ غمگین ہو کر واپس اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔

اگلے دن، پیر کے روز بارہ ربیع الاول ۱۱ ہجری، یعنی ۸ جون ۶۳۲ عیسوی، حضرت ﷺ کا بخار کم ہوا، اور حالانکہ آپ ﷺ بہت کمزور تھے، اذان کی آواز نے آپ ﷺ کو مسجد جانے کی تحریک دی۔ جب آپ ﷺ مسجد پہنچے، تو نماز شروع ہو چکی تھی، اور لوگ آپ ﷺ کو دیکھ کر خوش ہو گئے تھے، مگر آپ ﷺ نے انہیں نماز جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ لمحوں کے لیے آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ان کے متقیانہ رویے کو دیکھ کر آپ کا چہرہ خوشی سے روشن ہو گیا۔ پھر، وہ ابھی تک مسرور تھے، فضل اور ثوبان کی مدد سے آگے بڑھے۔ "میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کا چہرہ اس وقت سے زیادہ حسین نہیں دیکھا،" حضرت انسؓ نے کہا۔ ابو بکرؓ نے پیچھے سے اس ہلچل کو محسوس کیا، اور وہ جانتے تھے کہ اس کا واحد سبب یہی ہو سکتا ہے کہ جو شخص آ رہا ہے وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تو انہوں نے بغیر پیچھے مڑے ایک قدم پیچھے کیا، لیکن حضرت ﷺ نے ان کا کندھا پکڑ کر انہیں دوبارہ جماعت کے آگے کھڑا کر دیا، اور فرمایا: "تم نماز پڑھاؤ"، اور خود ابو بکرؓ کے دائیں طرف بیٹھ کر نماز پڑھی۔

اس ظاہری افاقے پر خوشی کا عالم تھا، اور تھوڑی ہی دیر بعد اسامہؓ اپنے کیمپ سے دوبارہ آئے، اور ان کا گمان تھا کہ حضرت ﷺ کی حالت مزید بگڑ چکی ہو گی، مگر وہ خوش ہو گئے کہ حضرت ﷺ کی حالت بہتر ہو چکی تھی۔ "اللہ کی برکات کے ساتھ روانہ ہو جاؤ،" حضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس پر اسامہؓ نے ان سے الوداع کہا اور جرف واپس روانہ ہو گئے جہاں انہوں نے اپنی فوج کو شمالی سمت کے لیے تیاری کرنے کا حکم دیا۔

اسی دوران ابو بکرؓ نے مدینہ کے اوپر حصے تک جانے کے لیے رخصت لی۔ وہ پہلے ہی اسماؓ سے شادی کرنے سے قبل کئی سالوں سے حبیبہ بنت خریجہ کے ساتھ منسلک تھے، جو خزرج قبیلے کی تھیں اور جن کے ساتھ وہ کئی سال قبل مدینہ آنے پر پناہ گزینی کر چکے تھے، اور حال ہی میں ان سے شادی ہوئی تھی۔ حبیبہ ابھی تک اپنے خاندان کے ساتھ سنح میں رہتی تھیں، اور ابو بکرؓ ان کے پاس ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔

.[1] B. LXII, 12. [2] I.S. VIII, 91

حضرت ﷺ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے کمرے میں واپس آ گئے، اور فضلؓ اور ثوبانؓ کی مدد سے ان کے بستر پر لیٹ گئے۔ علیؓ اور عباس رضی اللہ عنہؓ بھی ان کے ساتھ گئے لیکن زیادہ دیر نہیں رکے، اور جب وہ باہر نکلے تو کچھ لوگ جو ان کے قریب سے گزرے، عباس رضی اللہ عنہؓ سے پوچھنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کی حالت کیسی ہے؟ عباس رضی اللہ عنہؓ نے کہا: "اللہ کا شکر ہے، وہ بہتر ہیں۔" لیکن جب سوال کرنے والے چلے گئے تو عباس رضی اللہ عنہؓ نے علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے چہرے میں موت کی علامات دیکھ رہا ہوں، جیسا کہ میں ہمیشہ اپنے قبیلے کے افراد کے چہرے پر موت کی علامات پہچانتا ہوں۔ تو ہمیں ان کے پاس جانا چاہیے۔ اگر ان کا حکم ہمارے ہاتھ میں آنا ہے تو ہم یہ جان لیں گے؛ اور اگر کسی اور کو دیا جانا ہے تو ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ ہمیں لوگوں تک سفارش کریں تاکہ وہ ہمارے ساتھ حسن سلوک کریں۔" لیکن علیؓ نے کہا: "اللہ کی قسم، میں نہیں جاؤں گا، کیونکہ اگر یہ اختیار ہمیں رسول اللہ ﷺ سے نہ ملے، تو ان کے بعد کوئی ہمیں کبھی یہ اختیار نہیں دے گا[1]۔"

حضرت ﷺ اب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، اور ان کا سر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے سینے پر تھا، جیسے کہ ساری قوت ختم ہو چکی ہو۔ پھر اچانک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے بھائی عبد الرحمن ایک مسواک کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس مسواک کو اس طرح دیکھ رہے تھے کہ وہ چاہتے ہیں۔ تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے اپنے بھائی سے وہ مسواک لے کر اسے نرم کرنے کے لیے دانتوں سے چبایا اور پھر وہ مسواک حضرت ﷺ کو دی، جنہوں نے اپنی کمزوری کے باوجود اسے اپنے دانتوں سے رگڑنا شروع کیا۔

کچھ دیر بعد حضرت ﷺ بے ہوش ہو گئے، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کو لگا کہ شاید ان کی وفات کا وقت آ گیا ہے، لیکن ایک گھنٹے بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کو اس وقت حضرت ﷺ کی بات یاد آئی کہ "کسی بھی نبی کی موت نہیں آتی جب تک اسے جنت میں اس کی جگہ نہ دکھائی جائے اور پھر اسے زندگی یا موت کے درمیان انتخاب نہ دیا جائے۔" اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے سمجھا کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے، اور اب حضرت ﷺ ہم سے جنت کی زندگی کے لیے انتخاب نہیں کریں گے۔ پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے سنا کہ حضرت ﷺ نے کچھ کہا: "سب سے اعلیٰ ملاقات جنت میں ہے، ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ کا انعام ہوا، یعنی پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ، سب سے بہترین ملاقات وہ ہے۔[2]" پھر حضرت ﷺ نے دوبارہ فرمایا: "اللہ، سب سے اعلیٰ ملاقات کے ساتھ![3]" اور یہ وہ آخری الفاظ تھے جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے حضرت ﷺ سے سنے۔

دریں اثنا، حضرت ﷺ کا سر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ کے سینے پر اور بھاری ہو گیا، اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، دوسرے بیویوں نے رونا شروع کر دیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاؓ نے حضرت ﷺ کا سر گود سے ہٹا کر تکیے پر رکھ دیا اور پھر وہ بھی رونے میں شامل ہو گئیں۔

[1] I.I.1011. [2] K. IV, 69. [3] I.S.11/2,27

LXXXV

The Succession and the Burial

جانشینی اور تدفین

جو علامات عباس رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے دیکھی تھیں، جلد ہی دوسروں پر بھی واضح ہو گئیں؛ اور موت کی آمد سے پہلے ام ایمن نے اپنے بیٹے کو پیغام بھیجا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے۔ لشکر شمال کی طرف روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا، لیکن اسامہ نے فوراً مدینہ واپسی کا حکم دے دیا۔ فوج کے ساتھ بہت سے بزرگ صحابہ بھی تھے، جن میں عمر بھی شامل تھے، اور جب وہ شہر واپس پہنچے اور خبر ملی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے قرآن کی ایک آیت کا غلط مفہوم لیا تھا جسے وہ یہ سمجھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے اور آنے والی نسلوں سے طویل عمر پائیں گے، اور وہ مسجد میں کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف روحانی طور پر غائب ہیں اور وہ واپس آئیں گے۔ اس دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ سوار ہو کر صبح مدینہ کے قریب سے واپس آئے، کیونکہ خبر پورے وادی میں پھیل چکی تھی۔ بغیر کسی سے بات کیے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچے اور ان کے جسم پر پڑا چادر ہٹا دیا۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور پھر ان کے جسم کو بوسہ دیا۔ "میرے والدین سے زیادہ عزیز ہو آپ،" انہوں نے کہا، "آپ نے وہ موت چکھی جو اللہ نے آپ لیے مقدر کی تھی۔ اس کے بعد آپ کو کوئی موت نہیں آئے گی۔" عزت و احترام سے چادر دوبارہ ان کے چہرے پر ڈالی اور باہر نکل کر لوگوں کے ہجوم میں پہنچے جہاں عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک خطاب کر رہے تھے۔ "نرمی سے، عمر!" انہوں نے کہا جیسے ہی وہ قریب پہنچے۔ "میری بات سنو!" عمر نے توجہ نہیں دی اور اپنی بات جاری رکھی، لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آواز پہچانتے ہوئے لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خدا کی تعریف کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے لوگو، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے، وہ یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر چکے ہیں؛ اور جو اللہ کی عبادت کرتے تھے، اللہ زندہ ہے اور وہ نہیں مرتا۔" پھر انہوں نے وہ آیات پڑھیں جو غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی تھیں: "محمد تو صرف ایک پیغمبر ہیں، اور پیغمبر تم سے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں، تو کیا تم اپنے ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ جو اپنے ایڑیوں کے بل پھر جائے گا، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا؛ اور اللہ شکر گزاروں کو انعام دے گا۔[1]" ایسا لگتا تھا جیسے لوگوں کو اس آیت کے نزول کا علم اس دن ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تلاوت تک نہیں تھا۔

[1] III, 144

انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سنی اور وہ سب کی زبانوں پر آ گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں کہا: "جب میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا، تو میں اتنا حیران ہوا کہ میں گر پڑا۔ میرے پاؤں مجھے اٹھانے کے قابل نہ رہے اور مجھے پکا یقین ہو گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے۔"۔ میرے قدم کام نہیں کر رہے تھے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ اب اپنے گھر میں چلے گئے تھے، اور ان کے ساتھ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما تھے۔ باقی مہاجرین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور حضرت اسید رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کے بہت سے افراد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ لیکن بیشتر انصار، اوس و خزرج کے افراد، بنی سَعْدَہ کے ہال میں جمع تھے، جن میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی کہ وہاں خلافت کے بارے میں بحث ہو رہی تھی کہ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اقتدار کس کے ہاتھ میں ہو گا۔ انہوں نے خوشی سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت قبول کی تھی، لیکن ان میں سے بیشتر یہ سمجھتے تھے کہ قبیلہ قیلہ (یعنی انصار) میں سے خلافت کسی یثرب کے آدمی کو ہی دینی چاہیے، اور وہ سعد بن عبادہ کو اپنا سربراہ منتخب کرنے والے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ انصار کے ہال میں چلیں اور حضرت ابو عبیدہ بھی ان کے ساتھ گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ بیمار تھے اور ہال کے وسط میں کمبل میں لپٹے ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے انصار میں سے ایک شخص تقریر کرنے والا تھا جب یہ تینوں قریشی حضرات ہال میں داخل ہوئے، تو اس نے اپنی تقریر میں ان کو بھی شامل کیا۔ اس نے اللہ کی حمد کے بعد کہا: "ہم اللہ کے مددگار اور اسلام کی جنگجو قوت ہیں، اور تم، اے مہاجرین، ہمارے ساتھ ہو، کیونکہ تمہاری قوم کے کچھ لوگ ہمارے درمیان بس گئے ہیں۔" تقریر میں انصار کی تعریف کی گئی، اور ساتھ ہی مہاجرین کو بھی کچھ حصہ دیا گیا، لیکن اس میں عمداً یہ نہیں کہا گیا کہ مہاجرین کو خاص مقام حاصل ہے کیونکہ وہ سب سے پہلے اسلامی کمیونٹی کے ارکان تھے۔

جب وہ تقریر ختم ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولنے والے تھے، لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں خاموش کرا دیا اور خود بات کی۔ انہوں نے نرمی اور پختگی کے ساتھ انصار کی تعریف کی، لیکن واضح کیا کہ اب اسلام کی کمیونٹی پورے جزیرہ نما عرب میں پھیل چکی ہے اور عربوں کی اکثریت کسی قریشی کے علاوہ کسی اور کی قیادت قبول نہیں کرے گی، کیونکہ قریش کا عربوں میں ایک خاص اور مرکزی مقام ہے۔ آخر میں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما دونوں کو ایک ہاتھ پکڑ کر کہا: "میں تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب پیش کرتا ہوں۔ تم جس کو چاہو، اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔"

پھر ایک اور انصاری کھڑے ہوئے اور کہا کہ دو حکام ہونے چاہئیں، جس پر شدید بحث شروع ہو گئی۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کی اور کہا: "اے انصار، کیا تمہیں یاد نہیں کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا؟" "ہم جانتے ہیں"، انہوں نے جواب دیا، تو حضرت عمر نے کہا: "پھر کون تم میں سے ہے جو ان پر سبقت لے جانے کے لیے تیار ہو؟"

"اللہ کی قسم، ہم ان پر سبقت نہیں لے سکتے!"[1] انہوں نے جواب دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ساتھ بیعت کی، اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین نے بھی ان کے ساتھ بیعت کی۔ پھر تمام انصار بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے آئے، سوائے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے، جو کبھی بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ[2] کے طور پر تسلیم نہ کر سکے اور بالآخر شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

جو بھی فیصلہ ہال میں ہوا تھا، مدینہ کی مسجد میں نماز کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کی قیادت ناقابل قبول تھی، جب تک کہ وہ وہاں موجود تھے۔ اگلے دن صبح، نماز کی امامت سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اجتماع سے خطاب کرنے لگے۔

[1] 1.S.11/2.,23.

[2] عربی میں **خلیفہ**، مکمل عنوان **خلیفہ رسول اللہ** ہوتا ہے، جو کہ اللہ کے پیغمبر کے نائب یا نمائندہ کے معنی دیتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور جمعیت سے خطاب کیا، اور انہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کی دعوت دی، جنہیں انہوں نے "آپ میں سب سے بہتر، اللہ کے رسول کے ساتھی، وہ جو دونوں میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے[1] " کے طور پر بیان کیا۔ "ایک حالیہ وحی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس اعزاز کی یاد دلائی تھی کہ وہ اس اہم لمحے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واحد ساتھی تھے[2]، اور ایک آواز میں پوری جماعت نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، جنہوں نے بعد میں بیعت کی[3]۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد کی اور خطاب کیا، فرمایا: "آپ پر میری حکمرانی ہے، اور میں آپ میں سب سے بہترین نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو، اور اگر میں غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ سچائی کی مخلصانہ محبت وفاداری ہے اور سچائی کو نظر انداز کرنا غداری ہے۔ آپ میں سے جو کمزور ہیں، وہ میرے ساتھ مضبوط ہوں گے جب تک کہ میں ان کے حقوق کا تحفظ نہ کر لوں، اگر اللہ چاہے؛ اور آپ میں سے جو طاقتور ہیں، وہ میرے ساتھ کمزور ہوں گے جب تک کہ میں ان سے دوسرے لوگوں کے حقوق نہ لے لوں، اگر اللہ چاہے۔ میری اطاعت کرو جب تک کہ میں اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہوں۔ لیکن اگر میں اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کروں تو آپ پر میری اطاعت لازم نہیں ہے۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اللہ آپ پر رحم کرے![4]"

نماز کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں اور اہل خانہ نے فیصلہ کیا کہ ان کی تدفین کی تیاری کرنی چاہیے، لیکن اس حوالے سے ان میں اختلاف تھا کہ تدفین کیسے کی جائے۔ پھر اللہ نے ان پر غشی ڈال دی اور سب کو نیند آ گئی، اور ان سب کو خواب میں ایک آواز آئی: "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کپڑوں کے ساتھ دھو لو۔" اس کے بعد وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں گئے، جسے اس وقت انہوں نے خالی کر دیا تھا، اور اوس بن خولی، جو خزرج کے تھے، نے انصار کی نمائندگی کرنے کی اجازت طلب کی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے فضل رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور جسم کو پلٹایا، جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے پانی ڈالا، اور حضرت شقران، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، نے ان کی مدد کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کے ہر حصے پر ہاتھ پھیرا اور کہا: "آپ میرے والد اور میری والدہ سے زیادہ عزیز ہیں، آپ زندگی میں بھی بہترین تھے اور موت میں بھی بہترین ہیں!" ایک دن کے بعد بھی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم صرف نیند میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا تھا، سوائے اس کے کہ سانس نہیں تھی، دھڑکن نہیں تھی، حرارت نہیں تھی اور لچک نہیں تھی۔

صحابہ کرام اب اس بات پر متفق نہ تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی قبر ان کی تین بیٹیوں، حضرت ابراہیم اور ان صحابہ کے قریب ہونی چاہیے جنہیں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کیا اور جن پر نماز پڑھی تھی، جو بقیع الغرقد میں ہیں۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یاد کیا کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ "کوئی پیغمبر نہیں مرتا مگر جہاں وہ مرے، وہاں دفن کیا جاتا ہے"، اس لیے قبر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے کے فرش پر ان کے بستر کے قریب کھودی گئی۔

[1] K.IX,40. [2] صفحہ دیکھیں . II9.

[3] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے چند ماہ بعد، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: "ہم آپ کی عظمت اور اللہ کی طرف سے آپ پر جو فضل ہوا ہے، خوب جانتے ہیں، اور ہم آپ کے کسی بھی فائدے پر حسد نہیں کرتے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ لیکن آپ نے "ہمیں ایک واقعے کا سامنا کروا دیا، جس میں ہمارے پاس کوئی اختیار نہیں تھا، اور ہم نے یہ محسوس کیا کہ ہم اس میں کچھ حق رکھتے ہیں کیونکہ ہم اللہ کے پیغمبر کے قریب رشتہ دار ہیں۔" پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے پیغمبر کے خاندان کے ساتھ میرا معاملہ بہتر ہو بجائے اس کے کہ میرے اپنے خاندان کے ساتھ ہو۔" پھر اس دن دوپہر میں مسجد میں انہوں نے عوامی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاف کیا کہ انہوں نے انہیں ابھی تک خلیفہ کے طور پر تسلیم نہیں کیا تھا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق کو تسلیم کیا اور ان سے بیعت کی۔

[4] I.I. 1017.

پھر مدینہ کے تمام لوگوں نے حضرت محمد ﷺ کی زیارت کی اور ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ وہ باری باری آتے تھے، اور ہر چھوٹے گروہ نے جنازہ کی نماز پڑھی—سب سے پہلے مردوں نے، پھر جب تمام مردوں نے ان کی زیارت کی، خواتین آئیں، اور ان کے بعد بچے آئے۔ اسی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ دوسرے افراد جنہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کی تیاری کی تھی، انہیں دفن کرنے کے لیے ان کی قبر میں رکھا۔

شہر نور، جیسا کہ اب مدینہ کو کہا جاتا ہے، میں بہت دکھ تھا۔ صحابہ کرام ایک دوسرے کو رونے پر ملامت کرتے تھے، لیکن خود روتے بھی تھے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کیوں روتی ہیں، تو کہا: "میں ان کے لیے نہیں روتی۔ کیا میں نہیں جانتی کہ وہ اس دنیا سے بہتر جگہ پر چلے گئے ہیں؟ لیکن میں تو اس خبر کے لیے روتی ہوں جو ہمیں آسمان سے کاٹ دی گئی ہے۔" واقعی ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک بڑا دروازہ بند کر دیا گیا ہو۔ پھر بھی وہ یہ یاد رکھتے تھے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تھا: "مجھے اس دنیا سے کیا تعلق؟ میں اور یہ دنیا ایک سوار اور درخت کی طرح ہیں، جس کے نیچے وہ آرام کرتا ہے، پھر وہ اپنی راہ لیتا ہے اور اس کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔" انہوں نے یہ فرمایا تھا تاکہ ہر شخص اپنے بارے میں یہ کہہ سکے؛ اور اگر دروازہ اب بند ہو گیا تھا، تو وہ مومنوں کے لیے موت پر کھلنے والا تھا۔ وہ ابھی بھی اپنے کانوں میں ان کا یہ قول سن رہے تھے: "میں تم سے پہلے جا رہا ہوں، اور میں تمہارے لیے گواہ ہوں۔ تمہارا وعدہ مجھ سے حوض پر ہے۔" اس دنیا میں اپنا پیغام پہنچانے کے بعد، وہ اس کو آخرت میں پورا کرنے کے لیے چلے گئے، جہاں وہ ان کے لیے اور دوسروں کے لیے رہیں گے، مگر زمین پر زندگی کی حدود کے بغیر، رحمت کی کنجی، جنت کی کنجی، روحِ حق، اللہ کی خوشی۔

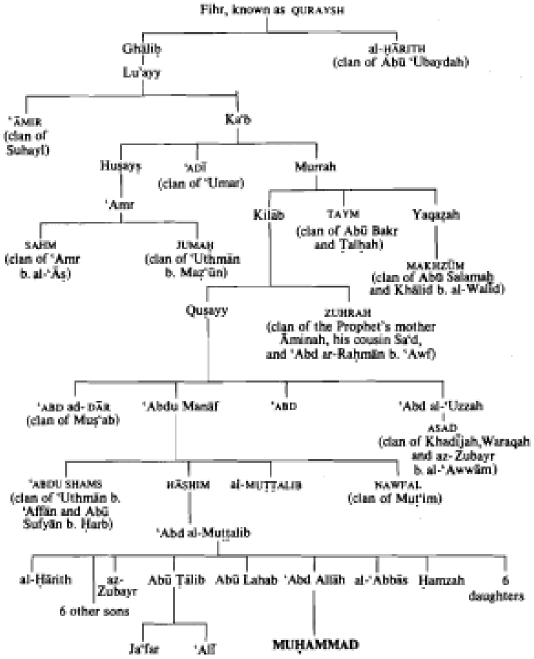
یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی برکات بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود بھیجو اور انہیں سلام پیش کرو



Base 802922AI (C00454) 1-03

Quraysh of the Hollow

(Fihr is directly descended from Ishmael in the male line. The descendants of Fihr who came to be known as Quraysh of the Outskirts are not shown in the following tree)



The names of founders of clans are given in small capitals. These are followed by the names of one or more of their descendants who were closely connected with the Prophet or clan of historical importance.

عربی ناموں کے تلفظ کے بارے میں نوٹ

عرب کبھی کبھی اپنے آپ کو "دال کے لوگ" کہتے ہیں کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ واحد قوم ہیں جس کے پاس حرف "ض" ہے، جو ایک بھاری "د" کی طرح ہے اور منہ کے اندرونی حصے میں تلفظ کیا جاتا ہے۔ عام طور پر اسے یہاں "ض" کے طور پر لکھا گیا ہے۔ اسی طرح، "ص"، "ط" اور "ظ" دیگر مخصوص بھاری پیچھے والے حروف کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جبکہ "د"، "س"، "ت" اور "ز" ان کے سامنے والے حروف کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، جن کا تلفظ انگریزی کی طرح ہوتا ہے۔ حرف "ح" ایک سخت سانس لیتا ہوا "ہ" کی آواز ہے؛ "ق" ایک گلے کے قریب سے نکلنے والی "ک" کی آواز ہے؛ "ث" کا تلفظ "think" کے "th" کی طرح کیا جاتا ہے، "ذ" کا تلفظ "this" کے "th" کی طرح ہے، "غ" فرانسیسی "r" کی طرح ہے، اور "خ" اسکاٹش لفظ "loch" کے "ch" کی طرح ہے۔

حرف "ع" کو ظاہر کرنے کے لیے ایک نشان (asper') استعمال کیا جاتا ہے، جو حلق کے اندر تنگ جگہ کو سکیڑنے اور پھر سانس کو اس کے ذریعے نکالنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اپاسٹروف (apostrophe') "ہمزۂ قطع" کو ظاہر کرتا ہے، جو سانس کی ہلکی سی جھٹک کا مطلب ہے۔ چونکہ انگریزی میں ابتدائی حرف علت (vowel) کے ساتھ آنے والے الفاظ عموماً اس جھٹک سے پہلے آتے ہیں، اس لیے یہاں ابتدائی ہمزہ کو لکھا نہیں گیا، جیسے احمد کو 'احمد نہیں لکھا گیا۔ "ہمزۂ وصل" دو الفاظ کو جوڑنے کا اشارہ دیتا ہے، جہاں دوسرے لفظ کے آغاز میں "ال" کے پہلے حرف کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ "ال" کا "ا" ہمیشہ ختم کر دیا جاتا ہے سوائے جملے کے آغاز میں۔ یہ وصل یہاں صرف اس حرف کو ہٹا کر دکھایا گیا ہے، جیسے "ابو العاص" کو "ابو ال-'عاص" نہیں لکھا گیا۔

وصل کا اثر کسی بھی لمبے حرف علت کو مختصر کر دیتا ہے جو فوری طور پر اس ہمزہ سے پہلے آتا ہے۔ اللہ کے نام کے پہلے حرف کو بھی ختم کیا جاتا ہے سوائے جملے کے آغاز یا جب یہ تنہا ہو، جیسے "بسم اللہ"۔ لیکن سادگی کے لیے، کئی مرکب ناموں میں جو "عبد" سے شروع ہوتے ہیں، حذف شدہ "ا" کو اس مختصر آواز کی جگہ پر لکھا گیا ہے، جیسے "عبد اللہ" کو "عبد اللہ" نہیں لکھا گیا، اور "عبد المطلب" کو "عبد المطلب" نہیں لکھا گیا۔

دوسری طرف، جہاں مرکب نام کے دوسرے جزو کا آغاز کسی حرف سے ہوتا ہے، "عبد" کے آخر میں مختصر حرف علت کو غیر معمولی طور پر لکھا گیا ہے، کیونکہ یہاں تحریر تلفظ کے لیے ایک رہنما ہے، اور مرکب نام کے حروف کو اس طرح تلفظ کیا جانا چاہیے جیسے وہ ایک ہی لفظ کے حروف ہوں، جیسے "عبد مناف" کو "عبد مناف" نہیں لکھا گیا۔

مختصر حرف علت "ا"، "ی"، "و" "" "sit،sat" "" اور "soot" کی آوازوں کی طرح ہیں؛ "ا" یا "آ" (عربی رسم الخط میں مختلف ہجے کے فرق کو ظاہر کرنے کے لیے لکھا گیا، مگر تلفظ میں فرق نہیں) "bare" کی آواز کی طرح ہے، لیکن اس کے ساتھ قریب کے بھاری حروف اسے "bar" کی آواز کی طرف مائل کرتے ہیں؛ "ی" اور "و" "seen" اور "soon" کی آوازوں کی طرح ہیں؛ "sign" "ay" اور "sane" کے درمیان کی آواز ہے؛ "cow" "aw" کی آواز کی طرح ہے۔

کلیدی حوالہ جات

قرآنی حوالہ جات

قرآن - .K

سوانحی اور تاریخی کتب

:یہ کتاب بنیادی طور پر آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے درج ذیل تین مصنفین کی تحریروں پر مبنی ہے

ابن اسحاق = .1.1 1.

حوالہ جات ووستن فیلڈ کے مرتب کردہ سیرت رسول اللہ کے ایڈیشن سے ہیں، جو محمد ابن اسحاق کی لکھی گئی نبی اکرم ﷺ کی سیرت ہے، اور نے تشریح کے ساتھ مرتب کیا۔ (.LH) اسے عبد الملک ابن ہشام

ابن سعد = .1.S 2.

حوالہ جات کتاب الطبقات الکبیر کے لائیڈن ایڈیشن سے ہیں، جو محمد ابن سعد کی تصنیف ہے۔

3. **واقدی = .W**

حوالہ جات مارسن جونز کے مرتب کردہ کتاب المغازی کے ایڈیشن سے ہیں، جو محمد ابن عمر الواقدی کی لکھی ہوئی نبی اکرم ﷺ کے غزوات کی تاریخ ہے۔

:ان کے علاوہ، کبھی کبھار درج ذیل حوالہ جات بھی دیے گئے ہیں

ازرقی = .A

ووستن فیلڈ کے مرتب کردہ اخبار مکہ کے ایڈیشن سے، جو محمد ابن عبد اللہ الازرقی کی مکہ کی تاریخ پر مبنی کتاب ہے۔

طبری = .Tab

لائیڈن ایڈیشن سے تاریخ الرسل والملوک، یعنی انبیا اور بادشاہوں کی تاریخ، جو محمد ابن جریر الطبری کی تصنیف ہے۔ ان کی قرآنی تفسیر تفسیر الطبری سے بھی اقتباسات لیے گئے ہیں۔

سہیلی = .S

قاہرہ کے ایڈیشن سے الروض الآنف، جو ابن اسحاق کی سیرت پر عبد الرحمن ابن عبد اللہ السہیلی کی تشریح ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اقوال کی مجموعے

نوی صدی عیسوی کے درج ذیل آٹھ محدثین کے حوالے وینسینک کے مرتب کردہ ہینڈ بک آف ارلی محمدن ٹریڈیشن کے نظام کے مطابق دیے گئے ہیں:

محمد ابن اسماعیل البخاری = .B
مسلم ابن الحجاج القشیری = .M
محمد ابن عیسی الترمذی = .Tir
احمد ابن محمد ابن حنبل = .A.H
احمد ابن شعیب النسائی = .N
ابو داؤد السجستانی = .A.D
عبد اللہ ابن عبد الرحمن الدارمی = .D
محمد ابن ماجہ = .LM

:کبھی کبھار درج ذیل گیارہویں صدی عیسوی کے محدثین کا بھی حوالہ دیا گیا ہے، جن کے مجموعے وینسینک کے ہینڈ بک میں شامل نہیں ہیں

احمد ابن الحسین البیہقی، کتاب السنن الکبری = .Bay
حسین ابن محمود الفراء البغوی، مشکوۃ المصابیح = .F

Key to References

K. – The Koran

Biographical and Historical Works
This book is mainly based on the writings of the three following authors of the eighth and ninth centuries AD:

I.I.	= Ibn Isḥāq	The references are to Wüstenfeld's edition of *Sīrat Rasūl Allāh*, a life of the Prophet by Muḥammad ibn Isḥāq in the annotated recension of 'Abd al-Malik ibn Hishām (I.H.).
I.S.	= Ibn Sa'd	The references are to the Leyden edition of *Kitāb aṭ-Ṭabaqāt al-Kabīr* by Muḥammad ibn Sa'd.
W.	= Wāqidī	The references are to Marsden Jones's edition of *Kitāb al-Maghāzī*, a chronicle of the Prophet's campaigns, by Muḥammad ibn 'Umar al-Wāqidī.

Besides these, there are occasional references to:

A.	= Azraqī	Wüstenfeld's edition of *Akhbār Makkah*, a history of Mecca, by Muḥammad ibn 'Abd Allāh al-Azraqī.
Ṭab.	= Ṭabarī	The Leyden edition of *Ta'rīkh ar-Rusul wa 'l-Mulūk*, "The History of the Messengers and the Kings," by Muḥammad ibn Jarīr aṭ-Ṭabari, whose Koranic commentary, *Tafsīr*, is also quoted.
S.	= Suhaylī	The Cairo edition of *ar-Rawḍ al-unuf*, a commentary on Ibn Isḥāq, by 'Abd ar-Raḥman ibn 'Abd Allāh as-Suhaylī.

Collections of Sayings of the Prophet
The references to the following eight traditionists of the ninth century AD are made according to the system used by Wensinck in his *Handbook of Early Muḥammadan Tradition.*

B. = Muḥammad ibn Ismā'īl al-Bukhārī
M. = Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī
Tir. = Muḥammad ibn 'Īsà at-Tirmidhī
A.H. = Aḥmad ibn Muḥammad ibn Ḥanbal
N. = Aḥmad ibn Shu'ayb an-Nasā'ī
A.D. = Abū Dā'ūd as-Sijistānī
D. = 'Abd Allāh ibn 'Abd ar-Raḥmān ad-Dārimī
I.M. = Muḥammed ibn Mājah

There are also occasional references to the following eleventh century AD traditionists whose collections are not included in Wensinck's handbook.

Bay. = Aḥmad ibn al-Ḥusayn al-Bayhaqī, *Kitāb as-Sunan al-Kubrà*
F. = Ḥusayn b. Maḥmūd al-Farrā' al-Baghawī, *Mishkāt al-Maṣābīḥ*